

ترمذی ثانی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے

معارف ترمذی



پسند فرمودہ و تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مؤلف

مفتی محمد طارق

استاذ احادیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد



مکتبہ المدینہ

یکٹر 10/3-F سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد

معارف ترمذی

شمال ترمذی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے



پسند فرمودہ و تقریظ

شیخ الاسلام حضرت امام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دارالافتاء دہلی

مؤلف

مفتی محمد طارق

ایضاً مدرسہ اسلامیہ، اسلام آباد

مکتبہ المصنفین

بکسر 10/3-F-10/3 شارع 7-C ہاؤس 172 اسلام آباد
0333-5375336

جملہ حقوق بحق ”مکتبہ شیخ الہند اسلام آباد“ محفوظ ہیں

معارف ترمذی شرح شامل ترمذی جلد پنجم

مفتی محمد طارق

محمد آصف لطیف 0343-5261568

مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد

اکتوبر 2019ء

نام کتاب :

مصنف :

کیوزنگ :

ناشر :

تاریخ اشاعت :

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد 0333-5375336

قرآن عمل، اقبال مارکیٹ، کمپنی چوک راولپنڈی

مکتبہ عثمانیہ کمپنی چوک راولپنڈی

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور

مکتبہ لدھیانوی نیو ٹاؤن کراچی

ادارہ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی

کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی

مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد

بیت العلم پشاور

مکتبہ عمر فاروق پشاور

دارالخلاص پشاور

مکتبہ علیہ اکوڑہ شک

مکتبہ عباسیہ ہمرگرہ

دینی کتب خانہ ہمرگرہ

مکتبہ عثمانیہ بٹ خیلہ

مکتبہ عزیز بیہ جگورہ سوات

مکتبہ احیاء العلوم تحت نصرتی کرک

اسلام آباد

راولپنڈی

لاہور

کراچی

فیصل آباد

پشاور

اکوڑہ شک

ہمرگرہ

بٹ خیلہ

جگورہ

تحت نصرتی کرک

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

معارف ترمذی جلد پنجم
شرح شامل ترمذی

فہرست

معارف ترمذی جلد پنجم

شرح شمائل ترمذی

- تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ..... ۱
- عرض مؤلف..... ۲
- شمائل النبی ﷺ..... ۵
- شیخ، حافظ، حجة اور حاکم... کے اصطلاحی معنی..... ۵
- ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کا حکم..... ۶
- باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ..... ۷
- حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن رحمہ اللہ کا مختصر تعارف..... ۹
- نبی کریم ﷺ کے قد و قامت وغیرہ کا ذکر..... ۱۰
- بعثت کے وقت آپ ﷺ کی عمر کتنی تھی..... ۱۲
- نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں خیرہ سال قیام رہا..... ۱۲
- نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک اور چلنے کی کیفیت..... ۱۳
- نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی..... ۱۶
- آپ ﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں..... ۱۸
- نبی کریم ﷺ کی تعریف میں سب سے پہلے..... ۱۹
- حسن و جمال کے بے مثال پیکر..... ۲۳
- چند اخلاق حسنہ..... ۲۴
- حضرت حند بن ابی حالہ..... ۲۸
- نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک..... ۲۹
- آپ ﷺ کے منہ، آنکھوں اور اڑیوں کا حال..... ۳۲
- نبی کریم ﷺ کے حسن کی چاند سے تشبیہ..... ۳۳
- آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح گول اور رنگ..... ۳۴
- معراج کے موقع پر نبی کریم ﷺ سے انبیاء کی ملاقات..... ۳۵
- حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ..... ۳۷
- حضرت وحید بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ..... ۳۸
- حلیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں..... ۳۸
- آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ..... ۳۹
- نبی کریم ﷺ کے سامنے کے دانتوں کی کیفیت..... ۴۰
- باب ماجاء فی خاتم النبوة..... ۴۱
- نبوت کی ایک اہم علامت اور معجزہ..... ۴۱
- مہر نبوت کی ہیئت و صورت..... ۴۱
- مہر نبوت کب لگائی گئی..... ۴۲
- مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پہلی حدیث..... ۴۳
- مہر نبوت کے متعلق دوسری حدیث..... ۴۵
- حضرت رمنیہ نے قریب سے مہر نبوت کو دیکھا..... ۴۶
- سعد بن معاذ کی وفات پر عرش رحمن جھوم اٹھا..... ۴۶
- حضرت سعد کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی..... ۴۷
- حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ..... ۴۸
- مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق تیسری روایت..... ۴۹
- نبوت کی تین علامتیں دیکھ کر حضرت سلمان نے..... ۵۱
- مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق چوتھی روایت..... ۵۲

- ۵۵..... مہربوت کی ہیئت سے متعلق پانچویں حدیث
- ۵۶..... حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ
- ۵۶..... باب ما جاء فی شعور رسول اللہ ﷺ
- ۵۶..... نبی کریم ﷺ کے سر کے بال
- ۵۷..... میاں بیوی اکٹھے نہا سکتے ہیں
- ۵۸..... ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ چار مرتبہ
- ۵۹..... مانگ نکالنا سنت ہے
- ۶۰..... باب ما جاء فی تزخّل رسول اللہ ﷺ
- ۶۱..... نبی کریم ﷺ سر پر تیل لگاتے اور کنگھی کیا کرتے
- ۶۲..... نبی کریم ﷺ ہر محترم کام کو دائیں طرف سے
- ۶۳..... کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے
- ۶۴..... باب ما جاء فی شیب رسول اللہ ﷺ
- ۶۵..... حضور ﷺ کے چند بال سفید تھے
- ۶۷..... مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا
- ۶۸..... حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ
- ۶۹..... حضرت ابو مرثدہؓ کی خدمت میں
- ۷۰..... نبی کریم ﷺ تیل کا استعمال فرماتے
- ۷۰..... باب ما جاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ
- ۷۱..... ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا ہوگی
- ۷۳..... کیا حضور اکرم ﷺ نے خضاب کیا
- ۷۴..... سیاہ خضاب لگانے کا حکم
- ۷۵..... سیاہ خضاب کی ممانعت کے چند دلائل
- ۷۵..... سیاہ خضاب کے جواز کے بعض دلائل
- ۷۶..... باب ما جاء فی کحل رسول اللہ ﷺ
- ۷۸..... نبی کریم ﷺ اہتمام سے آنکھوں میں سرمہ لگاتے
- ۷۹..... باب ما جاء فی لباس رسول اللہ ﷺ
- ۷۹..... لباس کی پانچ قسمیں
- ۸۰..... نبی کریم ﷺ کو کرتا بہت پسند تھا
- ۸۰..... نبی کریم ﷺ کے کرتے کی آستینیں عموماً
- ۸۲..... نبی کریم ﷺ کے کرتے کا گریبان کبھی کھلا ہوتا
- ۸۳..... نبی کریم ﷺ نے ”ثوب قطری“ کو زیب تن فرمایا
- ۸۳..... حضرت سہیل بن معین کا علم حدیث میں شوق کا
- ۸۵..... آپ ﷺ کپڑا پہنتے وقت یہ دعا مانگتے
- ۸۶..... نبی کریم ﷺ کو یمنی دھاری دار چادر پسند تھی
- ۸۷..... نبی کریم ﷺ کا سرخ لباس
- ۸۸..... مردوں کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے
- ۸۹..... نبی کریم ﷺ کا لباس عموماً سادہ ہوتا
- ۹۰..... نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت قیلہ
- ۹۱..... سفید لباس پہننے کی ترغیب
- ۹۳..... نبی کریم ﷺ کا رومی یعنی شامی جبہ
- ۹۳..... لباس کے بارے میں شرعی اصول
- ۹۵..... کوٹ چٹون پہننے کا حکم
- ۹۵..... باب ما جاء فی غیش رسول اللہ ﷺ
- ۹۵..... امام ترمذی نے اس باب کو دو جگہ کیوں ذکر کیا
- ۹۷..... بنا اوقات نبی کریم ﷺ کے پاس
- ۹۸..... نبی کریم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا
- ۹۸..... باب ما جاء فی خف رسول اللہ
- ۹۸..... موزے سے متعلق نبی کریم ﷺ کے دو معجزے
- ۹۹..... نجاشی کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو موزوں
- ۱۰۱..... موزے چھٹے تک آپ ﷺ انہیں پہنا کرتے
- ۱۰۲..... باب ما جاء فی نعل رسول اللہ ﷺ
- ۱۰۲..... نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے میں دو تسمے تھے
- ۱۰۳..... نبی کریم ﷺ کے جوتوں پر بال نہ ہوتے
- ۱۰۵..... نبی کریم ﷺ نے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی
- ۱۰۵..... ایک جوتا چمن کرنے چلا جائے
- ۱۰۷..... نبی کریم ﷺ ہر امر میں دائیں جانب کو پسند فرماتے

- نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے کے دو تے ہوتے ۱۰۷
- باب ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللہ ۱۰۸
- نبی کریم ﷺ کی ایک سے زیادہ انگوٹھیاں تھیں ۱۰۹
- عہد رسالت میں دعوت و تبلیغ کے خطوط پر مہر ۱۱۱
- شاہ ایران پر دیز کسری کے نام دعوت اسلام کا خط مبارک ۱۱۲
- قیصر روم کی طرف نبی کریم ﷺ کا خط مبارک ۱۱۳
- حبشہ کے بادشاہ اصمہ کی طرف دعوت اسلام کا نبوی خط ۱۱۴
- حبشہ کے دوسرے بادشاہ کی طرف نبی کریم ﷺ ۱۱۵
- انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام یا کوئی ذکر لکھوانے کا حکم ۱۱۶
- نبی کریم ﷺ انگوٹھی اتار کر بیت الخلاء جایا کرتے ۱۱۷
- حضرت عثمان کے دور میں نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی ۱۱۷
- لوہے کی انگوٹھی کا حکم ۱۱۸
- باب ماجاء فی أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ ۱۲۰
- نبی کریم ﷺ کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ۱۲۰
- کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے ۱۲۲
- حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما ۱۲۲
- نبی کریم ﷺ چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے ۱۲۳
- انگوٹھی پر ”محمد رسول اللہ“ کے نقش کا حکم ۱۲۵
- حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ ۱۲۵
- حضرات حسنین بایں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے ۱۲۶
- مسلمان مردوں پر سونے کا استعمال حرام ہے ۱۲۷
- باب ماجاء فی صِفَةِ سَيْفٍ ۱۲۸
- نبی کریم ﷺ کی نوکواریں ۱۲۹
- نبی کریم ﷺ کی تلوار کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا ۱۳۰
- قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طرح نبی کریم ﷺ ۱۳۱
- باب ماجاء فی صِفَةِ دِرْعٍ وَ سَوْوِلٍ ۱۳۱
- نبی کریم ﷺ کی سات زرویں ۱۳۱
- نبی کریم ﷺ کا جنگ میں دوزروں پہنا ۱۳۳
- احد کے معرکہ میں حضرت طلحہ کی بے مثال قربانیاں ۱۳۳
- باب ماجاء فی صِفَةِ مَغْفِرٍ وَ سَوْوِلٍ ۱۳۵
- نبی کریم ﷺ کے دو خود ۱۳۵
- فتح مکہ کے دن ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم ۱۳۶
- باب ماجاء فی عِمَامَةِ وَ سَوْوِلٍ ۱۳۷
- پگڑی پہننا سنت ہے ۱۳۷
- نبی کریم ﷺ کی پگڑی کی مقدار ۱۳۸
- نبی کریم ﷺ کی پگڑی کا رنگ ۱۳۸
- نبی کریم ﷺ کی سیاہ پگڑی ۱۴۰
- نبی کریم ﷺ کے شملہ کی تعداد اور مقدار ۱۴۱
- نبی کریم ﷺ کی زندگی کا آخری خطبہ ۱۴۲
- باب ماجاء فی صِفَةِ اِزَارٍ وَ سَوْوِلٍ ۱۴۳
- نبی کریم ﷺ کا تہبند اور لنگی ۱۴۳
- وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک ۱۴۴
- نبی کریم ﷺ اپنا تہبند اور لنگی نصف پٹڈی تک رکھتے ۱۴۶
- شلوار لنگی اور تہبند وغیرہ کو تختوں سے اوپر رکھنے کا حکم ۱۴۷
- باب ماجاء فی مِشْبِیۃٍ ۱۴۸
- نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال اور آپ ﷺ کے ۱۴۹
- باب ماجاء فی تَقْفَعِ وَ سَوْوِلِ اللہ ۱۵۰
- نبی کریم ﷺ کا قناع کپڑا ۱۵۱
- باب ماجاء فی جِلْسَةِ وَ سَوْوِلٍ ۱۵۱
- نبی کریم ﷺ کبھی اکڑوں بیٹھتے ۱۵۲
- نبی کریم ﷺ کبھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹا کرتے ۱۵۳
- نبی کریم ﷺ کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف انداز ۱۵۴
- باب ماجاء فی لِحَاظِ وَ سَوْوِلٍ ۱۵۵
- نبی کریم ﷺ کبھی تکیہ پر ٹیک لگاتے ۱۵۶
- جھوٹی گواہی سمیت چند کبیرہ گناہ ۱۵۷
- حضرت ابوبکرہ یعنی نشیج بن حارث رضی اللہ عنہ ۱۵۹

- نبی کریم ﷺ ایک لگا کر نہیں کھاتے تھے ۱۶۰
- ایک لگا کر کھانا کھانے کا حکم ۱۶۱
- کھانے کے لیے بیٹھنے کی مستحب صورتیں ۱۶۲
- حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ۱۶۳
- ”علی یسارہ“ کے لفظ میں اسحاق بن منصور منفرد ہیں ۱۶۳
- باب ما جاء في ابتغاء رسول الله ۱۶۳
- پیماری میں نبی کریم ﷺ کا سہارا حضرت اسامہ پر ۱۶۳
- حضرت فضل کے کندھے پر آٹھیلی رکھ کر آپ ﷺ اٹھے ۱۶۵
- وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ کا ایک اہم خطبہ ۱۶۵
- باب ما جاء في صفة آكل رسول ۱۶۷
- نبی کریم ﷺ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے ۱۶۸
- انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں ۱۶۹
- ”عذر“ کی وجہ سے ایک لگا کر کھانے کا ثبوت ۱۷۰
- باب ما جاء في صفة خبز رسول الله ۱۷۰
- آل محمد ﷺ نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی ۱۷۱
- نبی کریم ﷺ اپنی تنگدستی کو صحابہ سے مخفی رکھتے ۱۷۲
- نبی کریم ﷺ نے میدانے کو دیکھا تک نہیں ۱۷۳
- نبی کریم ﷺ دسترخوان پر کھانا کھاتے ۱۷۵
- میز کرسی پر کھانا خلاف سنت نہیں ۱۷۶
- نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حکم ۱۸۰
- باب ما جاء في صفة اداء ۱۸۰
- نبرکہ بہترین سالن ہے ۱۸۱
- مرغ کا گوشت حلال ہے ۱۸۳
- سرخاب کا گوشت حلال ہے ۱۸۳
- حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ۱۸۳
- زیتون کا آئل استعمال کرنے کی ترغیب ۱۸۵
- نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا ۱۸۷
- ایک درزی کے ہاں نبی کریم ﷺ کی دعوت ۱۸۸
- نبی کریم ﷺ کو شیشی چیز اور شہد بہت پسند تھا ۱۸۹
- نبی کریم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت کھایا ۱۹۰
- کھانے کے وقت چھری سے گوشت کاٹ سکتے ہیں ۱۹۲
- موتیچھیں مونڈنا یا قینچی سے کترنا دونوں طریقے ۱۹۳
- چھری کاٹنے اور چمچ سے کھانے کا حکم ۱۹۶
- نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا ۱۹۶
- ایک یہودی عورت نے نبی کریم ﷺ کو دسی کے ۱۹۷
- دسی کے گوشت میں نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ۱۹۹
- نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند ہونے کی ایک وجہ ۲۰۰
- نبی کریم ﷺ نے خشک روٹی اور سرکہ کو تناول فرمایا ۲۰۱
- ما اقر بیت ... کی ترکیب نحوی مع اشکال و جواب ۲۰۲
- حضرت عائشہ کی فضیلت ۲۰۳
- آپ ﷺ نے پیپر کا ٹکڑا اور شانہ کا گوشت سالن ۲۰۵
- حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ۲۰۶
- حضرت سلمیٰ سے نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا ۲۰۸
- حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا ۲۰۸
- غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر کی طرف سے ۲۰۹
- ایک انصاری خاتون نے نبی کریم ﷺ کے ۲۱۱
- حضرت ام المندثر رضی اللہ عنہا ۲۱۳
- پیماری میں مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم ۲۱۳
- نظمی روزے کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں ۲۱۵
- نبی کریم ﷺ نے بھجور کو سالن کے طور پر ۲۱۶
- حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ۲۱۷
- نبی کریم ﷺ کو ہانڈی اور پلیٹ میں بچا ۲۱۸
- باب ما جاء في صفة وضوء ۲۱۸
- کھانے سے پہلے وضو کرنا یا ہاتھ منہ دھونا ضروری نہیں ۲۱۹
- کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی ۲۲۰
- کھانے کے بعد ہاتھ تولیہ سے صاف کرنا ۲۲۲

- باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ۲۲۳
 کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے ۲۲۳
 حضرت ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ ۲۲۵
 کھانے کے درمیان میں بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھنے کا حکم ۲۲۵
 دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے کھانے کا حکم ۲۲۶
 کھانے کے بعد کی دو مستون دعائیں ۲۲۸
 ”غیر مودع ولا مستقنی عنہ ربنا“ کی ترکیب بخوبی ۲۲۹
 ”بسم اللہ“ کے بغیر کھانے میں بے برکتی ۲۲۹
 کھانے کے بعد ضرور اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا جائے ۲۳۱
 کھانے سے متعلق چند آداب کا ثبوت ۲۳۱
 باب مَا جَاءَ فِي قَدْحِ رَسُولِ اللَّهِ ۲۳۲
 نبی کریم ﷺ کے پانی کے پیالے ۲۳۲
 باب مَا جَاءَ فِي فَاقِهَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ۲۳۳
 نبی کریم ﷺ کھڑی یا کھیرے کو کبھی کھجور کے ۲۳۳
 کئی طرح کے پھل اور کھانوں کا جواز ۲۳۴
 نبی کریم ﷺ تریوز اور خرپوزہ کو تازہ کھجور ۲۳۵
 صاع، مداور وطل: پیمائش کے آلے ۲۳۷
 موسم کا پہلا پھل دیکھنے کی ایک مستون دعا ۲۳۷
 نکسیر کا خون بند کرنے کا ایک وظیفہ ۲۳۹
 نبی کریم ﷺ کے لیے حضرت معاذ بن عفراء ۲۴۰
 باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرِّ آب ۲۴۰
 نبی کریم ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب پسند تھا ۲۴۰
 کھانے اور دودھ پینے کی دعائیں ۲۴۲
 امام ترمذی کا حدیث عائشہؓ پر کلام ۲۴۴
 امام ترمذی کا حدیث ابن عباسؓ پر کلام ۲۴۵
 باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرِّ آب ۲۴۶
 آب زمزم پینے کا مستون طریقہ ۲۴۶
 آب زمزم پینے کے آداب ۲۴۷
- کھڑے ہو کر پانی پینے کا مسئلہ ۲۴۷
 وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے ۲۵۰
 نبی کریم ﷺ عموماً تین سانس میں پانی نوش فرماتے ۲۵۱
 نبی کریم ﷺ نے مشکیزے کے منہ سے ۲۵۲
 احادیث میں تعارض اور اس کا حل ۲۵۳
 حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا ۲۵۴
 باب مَا جَاءَ فِي تَغَطُّرِ رَسُول ۲۵۴
 نبی کریم ﷺ کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے ۲۵۵
 خوشبو سمیت چند چیزوں کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے ۲۵۶
 مرد و عورت کی خوشبو میں فرق ۲۵۸
 دنیا کی خوشبو کی اصل جنت سے ہے ۲۵۹
 جریر بن عبد اللہ کا حضرت عمر کے سامنے معائنہ کے ۲۶۰
 باب كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ ۲۶۱
 نبی کریم ﷺ کی گفتگو کا انداز ۲۶۲
 نبی کریم ﷺ کے کلام کرنے، خاموش رہنے ۲۶۵
 باب مَا جَاءَ فِي ضَحْكِ رَسُول ۲۶۸
 آپ ﷺ کی آنکھیں سرگیں اور چند لیاں پتلی تھیں ۲۶۸
 نبی کریم ﷺ اکثر مسکراتے ۲۶۹
 نبی کریم ﷺ کے ہنسنے کا ذکر ۲۷۱
 حضرت جریر کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ قسم فرماتے ۲۷۳
 دوزخ سے نکلنے والے آخری شخص کی بات پر نبی ۲۷۴
 نبی کریم ﷺ کا سواری پر بیٹھ کر مسکراتا ۲۷۷
 سواری اور گاڑی وغیرہ پر سوار ہونے کی چند دعائیں ۲۷۸
 حضرت سعد کی تیر اندازی پر نبی کریم ﷺ کا ہنسنا ۲۷۹
 باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مَزَاح ۲۸۰
 مزاح کی حقیقت ۲۸۰
 نبی کریم ﷺ کی چھوٹے بچوں سے ہنسی مزاح ۲۸۱
 حدیث تغیر سے ثابت ہونے والے چند مسائل ۲۸۳

- نبی کریم ﷺ کا مزاج بھی حقیقت پر مشتمل ہوتا..... ۲۸۵
- زاہر بن حرام انجمنیؒ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا مزاج ۲۸۷
- بڑھاپے کی حالت میں کوئی شخص جنت نہیں جائے گا..... ۲۸۹
- باب ماجاء فی صفۃ کلام..... ۲۹۰
- نبی کریم ﷺ بھی ابن رواحہ اور طرفہ بن عبد..... ۲۹۱
- اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم..... ۲۹۲
- لبید بن ربیعہ شاعر کا ایک سچا شعر..... ۲۹۳
- پاؤں کی زخمی انگلی سے ایک شعر سے خطاب..... ۲۹۵
- غزوہ حنین پر ایک نظر..... ۲۹۷
- کیا غزوہ حنین میں سب صحابہ بھاگ گئے تھے..... ۲۹۹
- انا ابن عبد المطلب کہنے کی وجہ..... ۳۰۰
- حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی کفار مکہ کو اشعار میں دھمکی..... ۳۰۲
- امام ترمذی رحمہ اللہ کا ایک تسبیح..... ۳۰۳
- نبی کریم ﷺ کی مجلس میں دو رجائیت..... ۳۰۴
- حضرت شریذ بن سوید ثقفیؒ..... ۳۰۶
- ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے امیہ کے سوشعر سننے..... ۳۰۶
- حضرت حسان اشعار کے ذریعہ نبی کریم ﷺ..... ۳۰۷
- باب ماجاء فی کلام رسول اللہ..... ۳۱۰
- ”خزانہ“ قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا..... ۳۱۱
- حدیث اُمّ زَرْبَا..... ۳۱۲
- حدیث ام زرع کا پس منظر..... ۳۱۲
- پہلی عورت کا شوہر متکبر اور بیکار ہے..... ۳۱۳
- دوسری عورت کا شوہر سزا پامع ہے..... ۳۱۴
- تیسری عورت کا لمبا ترنگا شوہر..... ۳۱۵
- چوتھی کا شوہر معتدل مزاج..... ۳۱۶
- پانچویں کا شوہر گھر کے امور میں دخل اندازی نہ کرتا..... ۳۱۷
- چھٹی عورت کے شوہر کو بیوی بچوں اور ان..... ۳۱۸
- ساتویں کا شوہر نامرد اور جلاوصفت ہے..... ۳۱۹
- آٹھویں کا شوہر خرگوش کی طرح نرم و نازک ہے..... ۳۱۹
- نویں عورت کا شوہر مہمان نواز اور ذی رائے ہے..... ۳۲۰
- دسویں کے شوہر ”مالک“ ہر خوبی سے آراستہ ہیں..... ۳۲۱
- گیارہویں عورت: ابو زرع نے تو مجھے خوب ناز..... ۳۲۳
- ابو زرع کی ماں صاحب حیثیت خاتون..... ۳۲۴
- ابو زرع کا وہلا پتلا بیٹا..... ۳۲۴
- ابو زرع کی فرمانبردار بیٹی..... ۳۲۵
- ابو زرع کی اماں تدار باندی..... ۳۲۶
- ابو زرع نے بالآخر ”ام زرع“ کو طلاق دے دی..... ۳۲۶
- دوسرے شوہر کا ابو زرع جیسے عظیم انسان سے کیا مقابلہ..... ۳۲۷
- نبی کریم ﷺ ابو زرع سے کہیں زیادہ..... ۳۲۸
- حدیث ام زرع سے ثابت ہونے والے چند امور..... ۳۲۸
- باب ماجاء فی نوم رسول اللہ..... ۳۲۹
- نبی کریم ﷺ کے سونے کی کیفیت اور چند دعائیں..... ۳۳۰
- نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے چند سورتوں کی..... ۳۳۱
- انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی..... ۳۳۲
- کھانے پینے کے بعد اور سونے کی ایک دعاء نبوی..... ۳۳۳
- نبی کریم ﷺ کی سفر میں صبح سے پہلے..... ۳۳۴
- باب ماجاء فی عبادۃ رسول..... ۳۳۵
- طویل قیام سے نبی کریم ﷺ کے پاؤں..... ۳۳۶
- کیا انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے..... ۳۳۸
- نبی کریم ﷺ تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے..... ۳۴۰
- حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کے..... ۳۴۱
- دس رکعت تہجد کا ذکر..... ۳۴۲
- تہجد کی قضا بارہ رکعتیں..... ۳۴۳
- نماز تہجد کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کیا جائے..... ۳۴۴
- حضرت زید بن خالد نے نبی کریم ﷺ..... ۳۴۵
- نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد کا تھا..... ۳۴۷

- تہجد کی چار رکعتوں میں تقریباً چھ پاروں کی تلاوت ۳۴۹
- امت کے لیے نبی کریم ﷺ کا تہجد میں ۳۵۰
- طویل قیام کی وجہ سے ابن مسعودؓ کا اقتداء ۳۵۱
- نفل نماز کو کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم ۳۵۲
- نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں ۳۵۳
- نبی کریم ﷺ نماز میں ترتیل سے قراءت فرماتے ۳۵۵
- آخری عمر میں آپ ﷺ عموماً بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے ۳۵۶
- بارہ رکعات سنت مؤکدہ ۳۵۷
- حضرت علیؓ سے حضور ﷺ کے دن کے ۳۵۹
- باب صلاة الصلحی ۳۶۱
- صلحی کی دو نمازیں ۳۶۱
- نبی کریم ﷺ کی چاشت کی نماز کی رکعتیں ۳۶۳
- حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت سے متعلق ۳۶۳
- نماز چاشت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا معمول ۳۶۵
- زوال کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کی فضیلت ۳۶۷
- باب صلاة التطوع فی البیت ۳۶۸
- نبی کریم ﷺ نوافل عموماً گھر میں پڑھا کرتے ۳۶۸
- باب ما جاء فی صوم رسول اللہ ۳۶۹
- نبی کریم ﷺ کے نفلی روزوں کے معمولات ۳۷۰
- نبی کریم ﷺ شعبان میں اکثر روزے رکھتے تھے ۳۷۲
- نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن اور ہر مہینے میں تین ۳۷۳
- اللہ کے سامنے تین بار اعمال کی پیشی ۳۷۴
- ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا مستنون طریقہ ۳۷۵
- نبی کریم ﷺ دس محرم کا روزہ رکھا کرتے ۳۷۵
- نبی کریم ﷺ نفلی اعمال میں بھی دوام اختیار فرماتے ۳۷۷
- نفلی عبادات میں اعتدال کا حکم ۳۷۸
- نبی کریم ﷺ کے چار طویل نوافل ۳۸۰
- آخری چار احادیث کو بظاہر باب سے مناسبت نہیں ۳۸۰
- باب ما جاء فی قراءۃ رسول ۳۸۱
- نبی کریم ﷺ کی قراءت کا ہر حرف واضح ہوتا ۳۸۱
- نبی کریم ﷺ مد والے حروف میں مد فرماتے ۳۸۲
- نبی کریم ﷺ ہر آیت پر وقف فرماتے ۳۸۳
- نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد میں قراءت کی کیفیت ۳۸۴
- فتح مکہ کے دن اونٹنی پر تلاوت میں ترجیح ۳۸۵
- تمام انبیاءؑ خوبصورت اور خوش آواز تھے ۳۸۵
- نبی کریم ﷺ درمیانی آواز سے تلاوت فرمایا کرتے ۳۸۶
- باب ما جاء فی بکاء رسول اللہ ۳۸۶
- نبی کریم ﷺ نوافل میں بہت رویا کرتے ۳۸۷
- نبی کریم ﷺ بعض صحابہؓ سے کبھی تلاوت سنا کرتے ۳۸۸
- سورج گرہن کی نماز میں نبی کریم ﷺ کی ۳۹۰
- نواسی کے انتقال پر نبی کریم ﷺ کے آنسو ۳۹۳
- حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ۳۹۴
- نبی کریم ﷺ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ۳۹۵
- نبی کریم ﷺ کا حضرت ام کلثومؓ کی تدفین ۳۹۶
- باب ما جاء فی قرآن رسول ۳۹۷
- نبی کریم ﷺ کا بستر ۳۹۸
- باب ما جاء فی تواضع رسول ۳۹۹
- نبی کریم ﷺ کی تواضع و انکساری ۴۰۰
- میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح حد سے مبالغہ نہ کرنا ۴۰۱
- نبی کریم ﷺ ہر شخص کی بات پوری توجہ ۴۰۲
- نبی کریم ﷺ گدھے پر بھی سوار ہوا کرتے ۴۰۳
- نبی کریم ﷺ ہر طرح کے کھانے کی دعوت ۴۰۵
- نبی کریم ﷺ نے پرانے کجاوے پر حج کیا ۴۰۷
- دوسرے انسان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم ۴۰۸
- حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں سے نبی کریم ﷺ ۴۱۲
- نبی کریم ﷺ گھر میں اپنے اوقات کو تین ۴۱۳

- نبی کریم ﷺ اہل علم و فضل اور اکابر صحابہؓ کو ۴۱۵
- ضرورت مندوں کی ضرورت کو بادشاہ یعنی ذمہ ۴۱۷
- گھر سے باہر نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے ۴۱۹
- نبی کریم ﷺ اچھی بات کی حوصلہ افزائی فرماتے ۴۲۱
- نبی کریم ﷺ ہر امر میں اعتدال کا ۴۲۲
- نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی تربیت پر خاص نظر رکھتے ۴۲۳
- لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کی غم ۴۲۴
- نبی کریم ﷺ اہل مجلس میں سے ہر شخص پر ۴۲۵
- نبی کریم ﷺ ملاقات کرنے والے سے اٹھنے ۴۲۷
- نبی کریم ﷺ کی مجلس کی دس خصوصیات ۴۲۹
- نبی کریم ﷺ معمولی کھانے اور غلام کی دعوت ۴۳۱
- نبی کریم ﷺ حضرت جابر کی بیمار پرسی کے ۴۳۲
- حضرت یوسف بن عبد اللہ: ایک صحابی رسول ۴۳۳
- نبی کریم ﷺ بچہ کا نام رکھتے اور اس کے ۴۳۴
- نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا ۴۳۵
- نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے اکثر کام خود ہی کر لیتے ۴۳۶
- باب: ماجاء فی خلقی رسول اللہ ۴۳۷
- خلق کے معنی اور انسانی مزاج میں اس کا اثر ۴۳۷
- حضرت زید بن ثابت سے نبی کریم ﷺ ۴۳۹
- قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی آپ ﷺ ۴۴۱
- نبی کریم ﷺ کا اپنے خادم کے ساتھ ۴۴۳
- نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ کلمات ۴۴۵
- نبی کریم ﷺ عموماً کسی کو نہ فرماتے ۴۴۷
- نبی کریم ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے ۴۴۸
- نبی کریم ﷺ نے جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں ۴۵۱
- نبی کریم ﷺ جائز امور میں آسان امر کو ۴۵۲
- نبی کریم ﷺ ہر ایک سے نرمی سے گفتگو فرماتے ۴۵۴
- حدیث میں ”رجل“ سے کون مراد ہے ۴۵۵
- مدارات اور مداحیت میں فرق ۴۵۶
- نبی کریم ﷺ کسی کو مایوس نہ فرماتے ۴۵۷
- نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے ۴۵۹
- شکریہ میں تعریفی کلمات پر آپ ﷺ سکوت فرماتے ۴۶۱
- نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا ۴۶۳
- رمضان میں نبی کریم ﷺ کی سخاوت ۴۶۴
- نبی کریم ﷺ کسی چیز کو آئندہ کے لیے ذخیرہ ۴۶۶
- نبی کریم ﷺ ضرورت مندوں کے لیے قرض ۴۶۷
- نبی کریم ﷺ ہدیہ کا بدلہ بھی دیا کرتے ۴۷۰
- باب: ماجاء فی حیاء رسول اللہ ۴۷۱
- حیا کے معنی اور اس کی اقسام ۴۷۱
- نبی کریم ﷺ کی شرم و حیاء ۴۷۲
- حضور اکرم ﷺ کا محل ستر کی بیوی نے کبھی ۴۷۳
- باب: ماجاء فی حیاء رسول ۴۷۴
- پچھنے کا استعمال مقام نبوت کے منافی نہیں ۴۷۵
- سترہ، انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگانا مفید ہے ۴۷۷
- باب: ماجاء فی أسماء رسول ۴۷۸
- نبی کریم ﷺ کے پانچ مخصوص اسماء مبارک ۴۷۹
- نبی رحمت، نبی توبہ اور نبی ملاحم ۴۸۱
- باب: ماجاء فی غیش النبی ۴۸۳
- نبی کریم ﷺ کے گھر میں تنگدستی اور فقر و فاقہ کا حال ۴۸۳
- حضور ﷺ کے بعد لوگوں کی چار قسمیں ۴۸۵
- بھوک کی بے تابی سے بچنے کے لیے پیٹ پر ۴۸۶
- حضرت ابوالہشتم کے گھر میں نبی کریم ۴۹۰
- حضرت سعد بن ابی وقاص اسلام کے پہلے تیر ۴۹۳
- صحابہ کرامؓ نے غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط ۴۹۵
- الزام تراشی کرنے والے کے خلاف حضرت ۴۹۶
- حضرت عقبہ بن غزوہ ان رضی اللہ عنہ ۴۹۹

- حضرت عمرؓ نے عقبہ بن غزوٰان کو عرب کی ۴۹۹
- حضرت عقبہ بن غزوٰان رضی اللہ عنہ کا ایک اہم خطاب ۵۰۰
- نبی کریم ﷺ اور حضرت بلال کا قہر و فاقہ ۵۰۲
- نبی کریم ﷺ کے دسترخوان پر روٹی اور ۵۰۳
- نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل ۵۰۴
- باب: مآجاء فی سن و سنوٰی اللہ ۵۰۵
- وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی ۵۰۶
- نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت ۵۰۷
- نبی کریم ﷺ کے قد و قامت، رنگ اور ۵۰۸
- باب: مآجاء فی وفاۃ و فاقۃ سنوٰی ۵۰۸
- نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات ۵۰۹
- نبی کریم ﷺ کی مرض الوفات ۵۱۱
- وفات کے وقت سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا ۵۱۳
- نبی کریم ﷺ کی موت کی سختی دیکھ کر حضرت ۵۱۵
- اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں ۵۱۷
- ہر نبی کو اس کی موت کی جگہ پر ہی دفن کیا جاتا ہے ۵۱۸
- موت کے بعد صدیق اکبرؓ نے نبی کریم ﷺ کی ۵۱۹
- نبی کریم ﷺ کی آمد سے مدینہ منورہ روشن ہو گیا ۵۲۰
- نبی کریم ﷺ کو منگل اور بدھ کی درمیانی ۵۲۱
- نبی کریم ﷺ کے دفن میں تاخیر کے اسباب ۵۲۲
- صدیق اکبرؓ نے آپ ﷺ کی مرض ۵۲۳
- انکن صواحب یوسف کا مطلب ۵۲۵
- نبی کریم ﷺ نے مرض الوفات میں دو ۵۲۶
- نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی کیفیت ۵۲۹
- نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ ہر شخص نے اکیلے ۵۳۰
- نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین اور غسل ۵۳۲
- نبی کریم ﷺ کی تدفین اور قبر ۵۳۳
- ثقیفہ بنی ساعدہ میں صدیق اکبرؓ کے ہاتھ ۵۳۴
- مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ ۵۳۶
- آپ ﷺ کی موت کے وقت بے چینی ۵۳۹
- نبی کریم ﷺ اہل ایمان کے لیے آخرت ۵۴۰
- باب: مآجاء فی میوات و سنوٰی ۵۴۲
- نبی کریم ﷺ نے میراث میں کوئی مال ۵۴۲
- انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی ۵۴۳
- انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں ۵۴۷
- وفی الحدیث قصہ سے کیا مراد ہے؟ ۵۴۸
- حدیث میں عال سے کون مراد ہے؟ ۵۴۹
- اہل بیت کا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ ۵۵۳
- باب: مآجاء فی زوۃ ۵۵۵
- خواب کی تین قسمیں اور ان کا درجہ ۵۵۶
- حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے کی فضیلت ۵۵۷
- حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق ۵۵۸
- حضرات حسنینؓ حضور اکرم ﷺ کے بہت مشابہ تھے ۵۵۹
- یزید فارسی نے خواب میں زیارت کے بعد ۵۶۱
- حضرت یزید فارسی اور حضرت یزید رقاشی رحمہم اللہ تعالیٰ ۵۶۳
- حضرت عوف بن ابی جلیلہ رحمہ اللہ ۵۶۳
- ”اچھا خواب“ نبوت کا ایک جزء ہے ۵۶۴
- قادیانیوں کا ایک غلط استدلال ۵۶۵
- فیصلہ میں اثر یعنی کسی منقولی چیز کا اتباع کرنا چاہیے ۵۶۵
- حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ۵۶۶
- حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ ۵۶۶
- دینی تعلیم کسی متبع سنت عالم سے حاصل کی جائے ۵۶۷
- کتاب کے آخر میں امام ترمذی کی دواہم نصیحتیں ۵۶۷
- مصادر و مراجع ۵۶۹



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث، و نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الكريم وعلى آله وصحبه اجمعين وعلى من تبعهم

بإسحان اليوم الدين۔

برادر عزیز و کرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی و استاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ”معارف ترمذی“ کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں، بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جتنے جتنے مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ انشاء اللہ انہوں نے مستند آخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح و تفسیر انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء و طلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دار اندرائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور آخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں بھی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اول ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں، اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہم بإحسان الی
یوم الدین۔

اما بعد: اس وقت اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم اور احسان سے معارف ترمذی کی پانچویں جلد ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ جلد
امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب ”شمال ترمذی“ کی شرح پر مشتمل ہے، اس کتاب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان احادیث اور آثار کو جمع
کیا ہے، جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے ہے، ان میں نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کے اوصاف، آپ ﷺ
کے حلیہ مبارک کی تفصیل، مہر نبوت کی بابت و صورت، سر کے بالوں اور چہرہ انور کی کیفیت اور حسن و جمال کو بیان کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات، طور طریقے، رہن سہن، اہل خانہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا بے مثال سلوک، گھر
سے باہر صحابہ کرام، کفار، دشمنان اسلام اور اطراف عالم سے آنے والے وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا نمونہ،
بول چال اور گفتگو کا طریقہ، فسی مذاق، مہمان نوازی، کھانے پینے کی کیفیت اور انداز، شب و روز میں نبی کریم ﷺ کے عبادت
کے کیا معمولات تھے، ان احادیث میں نبی کریم ﷺ کے مذکورہ اوصاف، آداب اور سنتیں ذکر کی گئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا لباس مبارک، لنگی اور پگڑی کیسی تھی، جوتے اور موزے کس طرح کے تھے، انگوٹھی، مہر، بستر اور تکیہ کی
کیفیت، سرمہ اور خوشبو کا استعمال، پانی اور دودھ پینے کا پیالہ، سواری کے لیے اونٹ اور اونٹیاں کتنی تھیں، اور آپ ﷺ کے خود،
زرہوں اور نکو اردوں کی تعداد اور ان کی کیفیت کیا تھی۔

حضور اکرم ﷺ کی عمر مبارک کی تفصیل، ترکہ اور میراث میں نبی کریم ﷺ نے کیا چھوڑا، اور اس بارے میں کیا
ہدایات ارشاد فرمائیں، اور کتاب کے آخر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نیک بخت مسلمان خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی
سعادت سے سرفراز ہو جائے تو اس نے واقعی نبی کریم ﷺ کو ہی دیکھا ہے۔

ان تمام اوصاف سے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے بڑے عمدہ انداز سے شمال میں احادیث کو ذکر کیا ہے، حقیقت یہ ہے
کہ جب انسان شمال کی ان احادیث کو پڑھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں موجود ہے، اور وہ

اپنی آنکھوں سے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر رہا ہے، اس بارے میں شیخ محمد بن جریر نے کیا خوب کہا:

أَجَلَّيْ! إِنْ شَطَّ الْحَبِيبَ وَزَعَدَ رِعْزَ تَلَايِهِ وَتَلَّى ثَمَّازِلَهُ
وَلَا تَكُنْ أَنْ تُبْصِرُوهُ بِعَيْنِكُمْ وَمَا فَاتَكُمْ بِالْعَيْنِ هَلْهُ شَمَائِلُهُ

ترجمہ: اے میرے جگری دوستو! اگر پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جگہ تم سے دور ہے، اور اگر تمہارے لیے ان سے ملاقات کرنا مشکل ہے اور ان کے گھر تم سے دور ہیں۔

۲۔ اور اگر تمہارے بس میں نہیں کہ تم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو (تو پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں) کیونکہ یہ موقع تو تم سے فوت نہیں ہوا کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کے شمائل کو دیکھ لو۔

علامہ محی الدین عبدالقادر زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَا أَشْرَفَ! مُؤْتَلَا كَرِيعًا مَا أَلْطَفَ هَلْهُ الشَّمَائِلُ
مَنْ يَسْمَعُ وَصَفَهَا قَرَاهُ كَالْفُضَيْنِ مَعَ التَّسْنِيمِ مَائِلُ

ترجمہ: اے بہت شرف و فضل والے مہربان رسول! آپ کے یہ شمائل کس قدر پیارے اور لطیف ہیں۔

۲۔ جو بچی نام شمائل کو سنے گا تو وہ اس رسول کو یوں دیکھے گا، جس طرح ایک بچی اور شاخ ہوا میں جھومتی ہے (یعنی ان اوصاف و شمائل کو سن کر اسے اپنے محبوب کی شخصیت جھومتی نظر آئے گی)

یہ تمام اشعار ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ”جمع الوسائل فی شرح الشمائل“ کے مقدمہ میں ذکر کیے ہیں۔

☆☆☆

شمال ترمذی کی اس شرح میں درج ذیل امور کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ ہر حدیث اور اس سے ثابت ہونے والے احکام و

مسائل کو بہتر انداز سے سمجھا جاسکے:

- ۱۔ ہر حدیث کا عربی متن، اس پر اجراء اور با محاورہ اردو ترجمہ۔
- ۲۔ احادیث کے مشکل الفاظ اور لغات کی تشریح اور وضاحت۔
- ۳۔ عنوان لگا کر احادیث کی شرح و تفصیل۔
- ۴۔ احادیث سے ثابت ہونے والے فوائد، عبرتیں اور نصائح کا بیان۔
- ۵۔ تشریح انتہائی عام فہم انداز سے کی گئی ہے، تاکہ ایک عام آدمی کو بھی اس کا مطلب سمجھ آ جائے، اور وہ اس سے استفادہ کر سکے۔
- ۶۔ طویل مباحث سے اجتناب۔
- ۷۔ ہر بحث اور مسئلہ کے مستند حوالے۔
- ۸۔ ہر حدیث کی تخریج کی گئی ہے، یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ شمال ترمذی کی احادیث، اور کس کس حدیث کی کتاب میں موجود

ہیں، رقم الحدیث کی بھی تصریح کی گئی ہے۔

۹۔ جس صحابی اور صحابیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے، ان کے حالات زندگی، دینی خدمات اور کارنامے، زہد و تقویٰ اور ان کی عبادات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور راویوں میں سے بعض مقامات پر بعض تابعین کے حالات زندگی بھی مختصراً لکھے گئے ہیں۔

۱۰۔ بعض احادیث کے آخر میں اختصار کے پیش نظر امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”وفی الحدیث قصہ“، ایسے تمام مواقع پر اس قصہ سے متعلق پوری حدیث کو حوالہ کے ساتھ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

انسانی کوشش اور ہمت کے بقدر اس بات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے کہ شامل ترمذی کی اس شرح میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو، ہر بحث اور مسئلہ کو مکمل تحقیق، غور و فکر اور مستند حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس کے باوجود اگر کسی صاحب علم کی نظر میں اس کی کوئی بات غلط ثابت ہو تو برائے کرم دلیل سے اس غلطی کی نشاندہی کر دیں، اس پر میں ان کا شکر گزار ہوں گا، اور وہ بات اگر واقعی خلاف حقیقت ثابت ہوگئی تو اس غلطی کی اصلاح کر دی جائے گی ان شاء اللہ العزیز۔

اللہ جل جلالہ سے تہ دل سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اس ادنیٰ سی کوشش و محنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، اس میں کمی کوتاہی کو معاف فرمادے، اس کی برکت سے اس ناکارہ کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمائے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لیے، میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ کے لیے، بالخصوص حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کے لیے (کہ یہ کتاب میں نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں ان سے پڑھی ہے) صدقہ جاریہ، عنود و رگز، اپنی رضا اور خوشنودی اور مغفرت و بخشش کا ذریعہ بنائے اور تمام مقاصد حسنہ میں کامیابی نصیب فرمائے، اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دین اسلام کی مزید خدمت کے لیے قبول و منظور فرمائے، اور ترمذی اول کی شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

طالب دعا

محمد طارق

استاذ حدیث و مفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

ومدیر جامعہ مریم للبنات F-10/3،

مٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

24 ذوالحجہ 1440ھ

27 اگست 2019م

0333-5375336

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شمائل النبی ﷺ

نبی کریم ﷺ کی عادات و خصائل

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، قَالَ الشَّيْخُ الْحَافِظُ أَبُو عَيْسَى مُحَمَّدُ بْنُ عَيْسَى بْنُ سُوْرَةَ التَّوْمَلِيّ،

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اللہ کے ان تمام بندوں یعنی انبیاء پر سلامتی ہو، جن کو اللہ جل شانہ نے (اپنی نبوت و رسالت کے لیے) منتخب فرمایا ہے، شیخ، حافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوْرہ ترمذی کہتے ہیں۔
مشکل الفاظ کے معنی :- شمائل: شمال (شین کے نیچے زیر) کی جمع ہے جیسے خصائل: خصال کی جمع ہے: عادات، اخلاق، اصطافی: اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔ ”عباد“ عبد کی جمع ہے، اس سے اصلاً تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں، اور بعض کے بقول عام انسان بھی ضمناً سلامتی کی دعائیں داخل ہیں۔

شیخ، حافظ، حجة اور حاکم... کے اصطلاحی معنی

- شیخ: اس ماہر استاد کو کہتے ہیں جسے کسی فن میں کمال حاصل ہو، اور اس لائق ہو کہ اس میں اس کی پیروی کی جائے، خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا، مخصوص عمر کی اس میں کوئی قید نہیں، نیز محدثین کے ہاں پانچ مراتب ہیں:
- ✽ طالب: وہ ابتدائی طالب علم جو علم حدیث حاصل کرے۔
 - ✽ محدث: وہ شخص جو احادیث کو حاصل کر کے روایت کرے۔
 - ✽ حافظ: وہ شخص جسے ایک لاکھ احادیث متقن اور سند کے ساتھ یاد ہوں۔
 - ✽ حجة: وہ شیخ جسے تین لاکھ احادیث کا علم حاصل ہو، ان کے متقن، سند، جرح و تعدیل کے اعتبار سے راویوں کے حالات اور ان کی تاریخ پر مکمل عبور اور کمال حاصل ہو۔
 - ✽ حاکم: وہ شیخ جسے تمام احادیث کا علم حاصل ہو، روایت کردہ کوئی حدیث اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ (۱)

ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ کی کنیت ”ابو عیسیٰ“ ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے اس کنیت کی کراہت معلوم ہوتی ہے، مثلاً:

❶ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی کنیت ”ابو عیسیٰ“ رکھی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اَبُو عِیْسٰی لَا اَبَیْ لَہُ“ (حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا) (۱)۔

❷ سنن ابی داؤد میں حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے ایک بیٹے نے اپنی کنیت ”ابو عیسیٰ“ رکھی تو حضرت عمر نے اسے مارا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنی کنیت ”ابو عیسیٰ“ رکھی تو حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے ”ابو عبد اللہ“ کنیت رکھ لینا کافی نہیں ہے؟ حضرت مغیرہ نے عرض کیا کہ نبی کریم ﷺ نے میری یہ کنیت رکھی ہے، حضرت عمر نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کی کیا بات ہے، آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ہمارا آخرت میں کیا ہے گا، لہذا ہمیں احتیاط کرنی چاہیے، چنانچہ حضرت مغیرہ نے پھر وفات تک اپنی کنیت ابو عبد اللہ ہی رکھی۔ (۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ بسا اوقات نبی کریم ﷺ ایک ایسے کام کو بھی کر لیا کرتے جو اپنی ذات کے لحاظ سے ناپسندیدہ اور مکروہ ہوتا ہے، تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کام اسلام میں حرام نہیں، جائز ہے اگرچہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، مگر نبی کریم ﷺ کے حق میں وہ کام گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس پر آپ ﷺ کو اجر و ثواب دیا جاتا ہے، لیکن امت کا کوئی فرد اگر اسے کرے گا تو اس کے لیے وہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہوگا، لہذا نبی کریم ﷺ نے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کنیت ”ابو عیسیٰ“ رکھی، اس سے اس کنیت کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور جس شخص سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو کوئی باپ نہیں تھا“ اس سے اس کنیت کی کراہت اور ناپسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا، حالانکہ ان کا تو کوئی باپ نہیں تھا، اس کراہت سے بچنے کے لیے حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو مارا اور حضرت مغیرہ کو ”ابو عیسیٰ“ کنیت رکھنے سے منع کیا۔ (۳)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”ابو عیسیٰ“ کنیت رکھنا اگرچہ شریعت میں جائز ہے مگر ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۵۷۰، کتاب الادب، باب ما یکرہ ان یتکنی بہ، رقم الحدیث: ۲۷۲۰۶۔

(۲) سنن ابی داؤد ۳۷۸/۴، کتاب الادب، باب فیمن یتکنی بأبی عیسیٰ، رقم الحدیث: ۴۹۶۳، ط: بیروت۔

(۳) بذل للجہود ۱۹/۱۰۲، کتاب الادب، باب فیمن یتکنی بأبی عیسیٰ، رقم الحدیث: ۴۹۶۳۔

(۴) رد المحتار ۶/۴۱۸، کتاب الحظروالاباحۃ، احب الاسماء الی اللہ تعالیٰ، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

جب یہ کنیت مکروہ ہے، تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کنیت ”ابوعیسیٰ“ کس وجہ سے رکھی؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

- ✽ ہو سکتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی، اس وقت تک کراہت کی روایت ان تک نہ پہنچی ہو۔
- ✽ یا یہ کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود یہ کنیت نہیں رکھی، بلکہ ان کے ابا و دادا اور بڑوں کی طرف سے یہ کنیت رکھی گئی۔
- ✽ یا یہ کہ حضرت عمرؓ کی حدیث سے اگرچہ کراہت کے ساتھ جواز معلوم ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کنیت کو اس وجہ سے پسند کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ کنیت رکھی تھی، یہ تینوں جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے دیئے ہیں۔ (۱)

✽ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت اس وقت ہے کہ جب کوئی شخص خود ابتداءً یہ کنیت رکھے، لیکن اگر کوئی شخص خود ہی اس کنیت سے مشہور ہو جائے تو اس میں نہ تو ممانعت ہے اور نہ ہی کراہت ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بھی اسی طرح اس کنیت سے مشہور ہو گئے، باقاعدہ انہوں نے یہ کنیت نہیں رکھی۔ (۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس توجیہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ (۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ ”ترمذ“ شہر میں رہتے تھے، یہ ماوراء النہر میں خیر جیون کے پاس ایک شہر ہے، جواز بکستان میں واقع ہے، لفظ ترمذ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے:

✽ ترمذ میں مشہور تلفظ یہ ہے: تاء اور میم دونوں کے نیچے زیر ہو۔

✽ تاء اور میم دونوں پر پیش ہو۔

✽ تاء پر زبر اور میم کے نیچے زیر ہو۔ (۴)

بَاب مَا جَاءَ فِي خَلْقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش یعنی آپ ﷺ کی شکل و صورت اور حلیہ مبارک کا بیان ہے

عَنْ رُبَيْعَةَ بِنِ أَبِي عُبَيْدٍ الرُّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ سَمْعَةَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ النَّائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْأَدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالْسَّبْطِ،

(۱) مقدمة الكوكب الدرر ۴/۱، بذل للجہود ۱۹/۱۰۲

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی القاری ۶/۱

(۳) مقدمة الكوكب الدرر ۵/۱

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی القاری ۷/۱

بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سَبْعِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سَبْعِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلَحْيَيْهِ عَشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ. (۱)

ربیعہ بن ابی عبد الرحمن نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پست قد کے تھے، (بلکہ آپ ﷺ درمیانے قد کے تھے) اور آپ ﷺ رنگ کے لحاظ سے نہ بالکل سفید تھے (چونے کی طرح) اور نہ بالکل گندمی رنگ کے (کہ سانولہ پن آجائے بلکہ آپ ﷺ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور پر نور تھے) اور آپ ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل پیچدار اور گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، چالیس سال کی عمر ہو جانے پر اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا، پھر آپ ﷺ دس سال مکہ مکرمہ میں ہی رہے، اور (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر میں آپ ﷺ کو وفات دی، اس وقت آپ ﷺ کے سر اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خلق :- (خاء پرزہ اور لام ساکن) پیدائش یعنی آپ ﷺ کی شکل و صورت اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک، اور اگر یہ لفظ خاء اور لام پریش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی : عادت اور اخلاق کے ہیں، الطویل : لمبا، البائن : اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ لفظ بان بین سے ہو جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں، معنی یہ ہیں : آپ ﷺ کا لمبا قد بالکل ظاہر اور واضح نہیں تھا۔ (۲) اس کے معنی ”دور ہونے“ کے ہیں، معنی یہ ہیں : آپ ﷺ کا قد درمیانے پن سے دور نہیں تھا، یعنی آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا مگر ذرا لمبائی کی طرف مائل تھا، القصیر : پست قد، کوتاہ قد، ٹھکانا، الاثیق : بہت سفید رنگ جس میں کوئی سرخی نہ ہو جیسے چونا، برف اور دودھ کا رنگ ہوتا ہے جنہیں دیکھنے میں کوئی لطف نہیں آتا، مگر آپ ﷺ کے سفید رنگ میں سرخی کبھی تھی، جس کی وجہ سے دیکھنے میں بہت پیارے لگتے تھے، الاذم : گندم گوں، گندمی رنگ کا، الجعد : (جیم پرزہ اور عین ساکن) : گھونگھریالے بال، پیچدار بال، القبط : (قاف اور طاء پرزہ) چھوٹے گھونگھریالے بال، شدید گھونگھریالے بال، یہاں حدیث میں یہ لفظ جعد کی صفت ہے، معنی یہ ہیں : آپ ﷺ کے بال بہت ہی زیادہ گھونگھریالے اور پیچدار نہیں تھے، السبط : (سین پرزہ اور با پرزہ اور زیر) : سیدھے بال جن میں گھونگھریالا پن نہ ہو، علی رأس اربعین سنہ : چالیس سال کے آخر میں، اس میں لفظ ”رأس“ آخر کے معنی میں ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک لفظ ”رأس“ یہاں پر زائد ہے، یعنی جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہو گئی، توفاه اللہ : اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دی یعنی آپ ﷺ کی روح مبارک قبض ہو گئی۔

(۱) صحیح البخاری: ۱۸۷۴/۳، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۳۸، ط: دار طوق النجاة، صحیح مسلم، ۱۸۲۲/۲، رقم الحدیث: ۲۳۴۷، ط: دار احیاء التراث العربی بیروت۔

حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن رحمہ اللہ کا مختصر تعارف

اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں، جن کے تفصیلی حالات معارف ترمذی جلد چہارم میں گذر چکے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت ربیعہ روایت کر رہے ہیں، ربیعہ بن ابی عبد الرحمن تابعی تھے، ان کے والد کا نام ”فروخ“ تھا، والد کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے، اور حضرت ربیعہ کی کنیت ”ابو عثمان“ ہے، یہ ”ربیعہ الراي“ کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور ہو گئے تھے، کیونکہ یہ فقہی مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں قیاس کے ذریعہ استنباط کیا کرتے تھے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کے اساتذہ تھے، مسجد نبوی میں ان کا بڑا وسیع حلقہ درس تھا، جس میں بڑے بڑے شیوخ شریک ہوتے تھے، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْطَنَ مِنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ الزُّحَلِيِّ (میں نے ربیعہ سے زیادہ کوئی سمجھدار نہیں دیکھا) بہت بڑے بزرگ تھے، بہت سے محدثین نے ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ ۱۳۶ ہجری میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی وفات پر بڑی حسرت سے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: دَخَبْتُ خِلَافَةَ الْفَقْهِ فَتَذَمَّتْ رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ الزُّحَلِيِّ (ربیعہ کی وفات سے فقہ کی خلافت اور مٹھاس دنیا سے چلی گئی)۔

ان کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان کے والد ”فروخ“ اپنی بیوی کے مشورے سے عوامیہ کے زمانے میں خراسان کی طرف جہاد کے لیے چلے گئے تھے، خرچہ کے لیے اپنی بیوی کو تیس ہزار دینار دیے، جب وہ چلے گئے تو فتوحات ہوتی گئیں اور یہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھتے گئے، اللہ کی شان کہ جس وقت وہ گئے تھے تو ان کی بیوی امید سے تھی، پیٹ میں حمل تھا، اس دوران ان کا بیٹا پیدا ہو کر بڑا بھی ہو گیا، ستائیس سال کے بعد واپس گھر آئے، جب واپس آئے تو سیدھا گھر کے دروازے پر گئے، گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا، گھوڑے سے اتر کر نیزے سے دروازہ کھٹکھٹایا، اتنے میں حضرت ربیعہ رحمہ اللہ باہر آئے، انہوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی اجنبی آدمی ہے، دیکھ کر کہنے لگے: اے اللہ کے دشمن! کیا تو میرے گھر پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں اور پھر فروخ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے میرے گھر میں میری عزت و حرمت پر ڈاکہ ڈال رکھا ہے، یوں ان دونوں باپ بیٹے میں کافی گرما گرمی ہو گئی، اونچی آوازیں سن کر پڑوسی بھی جمع ہو گئے، یہاں تک کہ امام مالک اور دوسرے مشائخ کو بھی پتہ چل گیا، وہ بھی آگئے، ربیعہ کہنے لگے: تو نے میرے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، اس لیے میں آپ کو عدالت میں قاضی کے پاس لے کر چلوں گا، اور فروخ نے بھی کہا کہ میں بھی تمہیں قاضی کے پاس لے کر جاؤں گا، کیونکہ تو میری بیوی کے پاس پکڑا گیا ہے، بحث و مباحثہ کی چیخ و پکار کافی بلند ہو گئی، امام مالک رحمہ اللہ نے فروخ سے کہا کہ تم اس گھر کے علاوہ کہیں اور پناہ لے لو، فروخ نے کہا: میں ”فروخ“ ہوں اور یہ میرا ہی گھر ہے، گھر کے اندر ربیعہ کی والدہ نے فروخ کی آوازیں لی، باہر آ کر کہنے لگیں: یہ میرے شوہر ہیں، اور یہ ربیعہ ان کا بیٹا ہے، جب یہ جہاد پر گئے تھے تو ربیعہ میرے پیٹ میں تھا، بس اب تو مجلس کا ماحول ہی بدل

گیا، باپ بیٹا آپس میں مل کر رونے لگے۔

فروخ نے حال احوال پوچھنے کے بعد کہا کہ جو رقم میں تمہیں دیے گیا تھا، وہ کہاں ہے، واپس مجھے لا کر دو، بیوی نے کہا کہ وہ تو میں نے کہیں دفن کی ہوئی ہے، کچھ دنوں کے بعد نکالوں گی، پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت ربیعہ مسجد نبوی چلے گئے، اور اپنے حلقہ درس میں بیٹھ گئے، تھوڑی ہی دیر میں ان کے درس میں امام مالک رحمہ اللہ جیسے بڑے بڑے شیوخ شریک ہو گئے، بیوی نے فروخ سے کہا: جاییں! آپ بھی مسجد چلے جائیں، چنانچہ یہ وہاں پہنچے، نماز پڑھی، اور بڑے بڑے علماء کا ایک بہت بڑا درس کا حلقہ لگا دیکھا تو یہ بھی ان میں جا کر بیٹھ گئے، حضرت ربیعہ نے والد کو دیکھ کر ادب کے مارے اپنا سر جھکا لیا اور یوں ظاہر کیا جیسے انہوں نے اپنے والد کو درس میں بیٹھتے دیکھا ہی نہیں، فروخ نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروخ ہیں، اس پر کہنے لگے: اللہ جل جلالہ نے میرے بیٹے کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے، پھر گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہنے لگے: میں نے اپنے بیٹے ربیعہ جیسا درس کا حلقہ کسی اور عالم کا نہیں دیکھا، اب بیوی نے کہا: بتائیے! آپ کو اپنی رقم واپس چاہیے یا اپنے بیٹے کا یہ مقام و مرتبہ اور شرف چاہیے؟ کہا: نہیں! اللہ کی قسم مجھے اپنے بیٹے کا یہ مقام چاہیے، بیوی نے کہا: آپ نے جو مجھے تیس ہزار دینار دیئے تھے، وہ میں نے اپنے بیٹے ربیعہ کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دیئے ہیں، اس پر فروخ کہنے لگا: اللہ کی قسم! تم نے وہ پیسے ضائع نہیں کیے بلکہ صحیح جگہ پر خرچ کئے۔ (۱)

اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ ایک نیک ماں نے اپنے بیٹے کی کس قدر اچھی تربیت کی ہے، وہ بھی ایسی حالت میں کہ شوہر ایک طویل عرصہ سے گھر میں موجود ہی نہیں، ایسے میں ایک خاتون کی کس قدر گھریلو ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، مگر پھر بھی حضرت ربیعہ کی ماں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمزوری، آج بھی اگر والدین اسی جذبے اور ہمت سے سرشار ہو کر اخلاص کے ساتھ اپنی اولاد کی دینی تربیت کریں تو انہیں بھی اس طرح کے اچھے ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں، جو حضرت فروخ اور ان کی بیوی کو حاصل ہوئے، اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد و قامت وغیرہ کا ذکر

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف کو بیان کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد و قامت کتنا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت کس طرح کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سیدھے تھے یا پیچدار اور گھونگھریالے، غرض یہ کہ حسن و جمال اور خوبصورتی کا ہر نقش پورے آب و تاب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں موجود تھا بلکہ یوں کہیے کہ حسن و جمال کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہا تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے اتنا حسن عطا فرمایا تھا کہ اسے کوئی انسان بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا، نور مجسم کے جمال جہاں انسان کو الفاظ میں بیان کرنے سے انسان عاجز اور قاصر ہے، چنانچہ

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال ظاہر نہیں کیا گیا اور نہ تو صحابہ کرامؓ اور لوگوں کی آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ ہی نہ سکتیں، پھر بھی صحابہ کرامؓ نے اپنی صلاحیت اور امت کے بقدر جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی کمالات یعنی علوم و معارف اور احادیث کو بیان کیا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کمالات یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حسن و جمال اور اوصاف کو بھی امت تک بڑے عمدہ انداز میں پہنچایا ہے۔ (۱)

کسی نے کیا خوب کہا:

اے کہ تیرا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی ذکوۃ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”شمال ترمذی“ میں چار سو احادیث ذکر کی ہیں، جن کے چھپن ابواب ہیں، اس پہلے باب میں چودہ احادیث ذکر فرمائی ہیں، (۲) اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف سے متعلق چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا، جسے ٹھکانا کہا جاتا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا، جو ذرا لمبائی کی طرف مائل تھا، چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، اس کے باوجود جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجمع میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بلند نظر آتے، اگرچہ اس مجمع میں ذرا قد والے لوگ بھی ہوتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد سب سے لمبا تھا، بلکہ ایسا معجزہ کی وجہ سے ہوتا، تاکہ سب کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معنوی کمالات اور اوصاف یعنی علوم و معارف وغیرہ میں سب سے فائق اور بلند ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بلند مرتبہ نہیں، اسی طرح ظاہری طور پر بھی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند اور اونچا نہیں، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اسے یوں بیان کیا:

نہ پست قد نہ لمبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے
وہ قامت نخل طوبی بھی پے تعظیم جھک جائے
وہ اک شاہکار فطرت جس پہ خود خالق کو بیار آئے

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت نہ تو چونے کی طرح بالکل سفید تھی، جس میں سرخی کی جھلک بھی نہیں ہوتی اور نہ بہت گہری گندی تھی کہ سانولہ پن آجائے، بلکہ ایسی گندم گوں تھی جس میں سرخی اور سفیدی دونوں تھیں، جسے سرخ سفید رنگ کہا جاتا ہے، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت، پرکشش اور خوش نما معلوم ہوتا ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل ۱: ۱۰۸

(۲) اللوہب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدۃ للامام الباجوری الشافعی (ص: ۱۷) ط: بیروت

۳۔ نبی کریم ﷺ کے بال نہ بہت زیادہ گھونگھریالے اور ٹیڑھے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں، اور نہ بالکل سیدھے تھے جیسے نجی لوگوں کے ہوتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان تھے یعنی ان میں معمولی سی پیچیدگی، خم اور گھونگھریالہ پن تھا۔ (۱)

۴۔ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کے سر مبارک اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں بین بال بھی سفید نہیں تھے، اس بارے میں مزید احادیث باب ماجاء فی شیب رسول اللہ ﷺ میں آنے کے مذکور ہیں، اور اس سے متعلق مباحث بھی وہیں پر درج ہیں۔

بعثت کے وقت آپ ﷺ کی عمر کتنی تھی

نبی کریم ﷺ کو نبوت کے اعزاز کے ساتھ باقاعدہ کس وقت سرفراز کیا گیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ مسعودی اور ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اسی مہینہ میں نبوت عطا کی گئی، جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی یعنی ربیع الاول میں آپ ﷺ کو نبوت کا فریضہ سونپا گیا، اس قول کے مطابق آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہی بنتی ہے، جس طرح اس حدیث میں چالیس کا عدد ذکر کیا گیا ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور دس دن یا بیس دن تھی۔

۲۔ جمہور علماء کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی ولادت تو ربیع الاول میں ہوئی، مگر بعثت اس مہینہ میں نہیں بلکہ نو، سترہ، اٹھارہ یا چوبیس رمضان المبارک میں ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ یا چوبیس سال، اہل عرب کسر کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بس صرف ایک بڑے عدد یعنی دہائی کو ذکر کر دیتے ہیں، اسی عرف کے مطابق اس حدیث میں چالیس سال کا عدد ذکر کیا گیا ہے۔ (۲)

نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام رہا

اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام دس سال رہا، مگر نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ کا قیام مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ رہا، اس میں دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ کا قیام دس سال رہا ہے، اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے، حضرت انس کی مذکورہ روایت میں نبوت کے بعد

(۱) مرقاة المفاتیح ۶۶۲/۱ کتاب الفضائل والشأن، باب اسماء النبی ﷺ وصفاته، رقم الحديث: ۵۴۸۲، ط: کوئٹہ۔

(۲) تکملة نفع الملمہ ۵۶۸/۴ کتاب الفضائل باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحديث: ۶۰۴۴، جمع الوسائل فی شرح الشان ۱۲/۱۔

عمدة القاری ۳۰۳/۱۶ کتاب مناقب الانصار باب مبعث النبی ﷺ، فتح الباری ۳۶/۱ کتاب بدء الوحي حديث: ۳۔

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا قیام دس برس ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس روایت میں اسی بناء پر حضور ﷺ کی عمر مبارک ساٹھ سال ذکر کی گئی ہے حالانکہ بہت سی روایات میں آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال مذکور ہے اور یہی جمہور علماء کے نزدیک صحیح ہے، تو مکہ میں قیام سے متعلق اور آپ ﷺ کی عمر کے بارے میں روایات میں بظاہر تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

۱۔ جمہور کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں قیام تیرہ برس رہا، اور جن روایات میں دس سال کا ذکر ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد آپ ﷺ کا قیام مکہ مکرمہ میں دس سال رہا، فترت وحی کا زمانہ تین سال ہے، اس دوران آپ ﷺ پر عارضی طور پر وحی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا تھا، تین سال کے بعد پھر وحی کا سلسلہ مسلسل شروع کر دیا گیا تھا، اسی بات کو بعض حضرات نے یوں تعبیر کیا کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی اور پھر تین سال کے بعد رسالت دی گئی، رسالت ملنے کے بعد آپ ﷺ دس سال مکہ مکرمہ میں رہے، تو حضرت انس کی مذکورہ روایت میں ان تین سالوں کا تذکرہ نہیں، جو زمانہ نبوت اور رسالت کے درمیان تھے، ان کو فترت وحی کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ عربی میں عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا، صرف وہائی کو ذکر کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت انس کی مذکورہ روایت میں دونوں جگہ صرف وہائیاں ذکر کی گئی ہیں اور کسر کو ذکر نہیں کیا گیا، تیرہ سال کے بجائے دس سال اور تریسٹھ سال کے بجائے ساٹھ سال کو بیان کیا گیا ہے، لیکن مراد تیرہ سال اور تریسٹھ سال ہی ہیں۔ (۱)

۳۔ جمہور کے نزدیک وہ تمام روایات راجح ہیں جن میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کا ذکر ہے، اور جن میں آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال مذکور ہے، کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔ (۲)

آپ ﷺ کی عمر سے متعلق مزید روایات اور تفصیل اس کتاب کے آخر میں ذکر کی گئی ہے، لہذا مزید گفتگو وہاں دیکھ لی جائے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَبْعَةً، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، حَسَنَ الْجِسْمِ، وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ، وَلَا سَبْطٍ، أَسْفَرَ اللَّوْنُ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأً. (۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ درمیانے قد کے تھے، آپ ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پست قد، آپ ﷺ خوبصورت معتدل جسم والے تھے، اور حضور ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل گھونگھریالے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمال ۱/۱۳، فتح الباری ۸/۱۹۰، کتاب للغازی، باب وفاة النبی ﷺ رقم الحدیث: ۴۶۲۴،

تکملة فتح اللہم ۵۶۸/۳، رقم الحدیث: ۶۰۴۴۔

(۲) فتح الباری ۷/۲۹۱، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرة النبی ﷺ واصحابہ الی اللدینہ، رقم الحدیث: ۳۹۰۳، شرح المنای

علی ہامش جمع الرسائل فی شرح الشمال ۱/۱۵۱۔

(۳) جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الجمعة واتخاذ الشعر، رقم الحدیث: ۱۷۵۴۔

تھے اور نہ بالکل ہی سیدھے (بلکہ ان دونوں کے درمیان ذریعہ تھا) اور آپ ﷺ گندی رنگ کے تھے، اور جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف جھکتے ہوئے چلتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ربعة: (را پر زبر اور صین ہما کن) درمیانہ قد آدمی، یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حسن الجسم: (حما اور سین پر زبر) خوبصورت اور معتدل جسم والا، جو نہ تو موٹا ہو اور نہ ہی کمزور اور لاغر ہو، اسمر: گندی رنگ والا، گندم گوں، سانولہ، بت کھا: اس کے تین تریجے ہیں: (۱) وہ جلدی چلتے۔ (۲) وہ آگے کی طرف ذرا جھک کر چلتے۔ (۳) وہ قوت سے قدم اٹھا کر چلتے، پاؤں گھسیٹ کر نہ چلتے۔

نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک اور چلنے کی کیفیت

مذکورہ حدیث میں دو باتیں خاص طور پر بیان کی گئی ہیں:

۱۔ حضرت انس کی اس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک سانولہ اور گندی تھا، جبکہ اس سے پہلے حضرت انس کی روایت میں ہی یہ بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ گندی رنگ کے نہیں تھے، تو حضرت انسؓ کی ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہیں تھا کہ جس میں سرخی کی جھلک بھی نہ ہو، اور نہ ہی انتہائی گہرا گندی تھا کہ جس سے سانولہ بن آجائے، بلکہ آپ ﷺ کا رنگ ایسا گندی تھا، جس میں سرخی اور سفیدی دونوں تھیں، لہذا جس روایت میں گندی رنگ کی نفی کی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا گندی نہیں تھا کہ جس میں سرخی بالکل نہ ہو، اور جس روایت میں آپ ﷺ کا رنگ گندی بیان کیا گیا ہے، اس سے مراد ایسا گندی رنگ ہے، جس میں سرخی اور سفیدی دونوں کس ہوں۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی روایات میں نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک سفید بیان کیا گیا ہے، جبکہ حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت میں آپ ﷺ کا رنگ گندی بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جس پر سورج کی روشنی پڑتی تھی، وہ ذرا گندی ہو گیا تھا اور جو حصہ کپڑوں کے نیچے تھا، وہ سفید تھا، اس لیے جس روایت میں آپ ﷺ کا گندی رنگ بیان کیا گیا ہے، اس سے وہ اعضاء مراد ہیں، جن پر دھوپ پڑتی تھی، اور جن روایات میں سفید رنگت کا ذکر ہے، اس سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے، جو کپڑوں میں تھا، اس لیے وہ سفید رہا۔

ہاں یہ درست ہے کہ آپ ﷺ پر بادل سایہ کیا کرتے تھے، مگر یہ نبی بننے سے پہلے کے واقعات ہیں، جن کو ”ارہاس“ کہا جاتا ہے، نبوت کے بعد دیگر معجزات تو ظاہر ہوتے رہے، لیکن بادلوں کے سایہ والا معجزہ ظاہر نہیں ہوا، کسی صحیح حدیث سے اس کا

ثبوت نہیں، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ پر چادر سے سایہ کیا، اور حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کی کڑکتی دھوپ میں ری جہزات کے مقام پر آپ ﷺ پر حضرت صدیق اکبرؓ نے کپڑے سے سایہ کیا، اگر بادل سایہ کرتے، تو پھر کسی چادر کے سایہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ (۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کے چلنے میں تین اوصاف تھے:

﴿۱﴾ آپ ﷺ تیزی سے چلتے۔ ﴿۲﴾ آپ ﷺ ذرا آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے، ناز و غرے اور متکبرانہ انداز سے نہیں چلتے تھے۔ ﴿۳﴾ اپنے پاؤں زمین سے قوت کے ساتھ اٹھا کر چلتے، پاؤں کھینٹ کر نہ چلتے، اس سے معلوم ہوا کہ تیز قدم، آگے کی طرف جھکتے ہوئے اور زمین سے پاؤں اٹھا کر چلنا مستنون ہے۔ (۲)

عَنِ النَّبَإِ بْنِ عَازِبٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَرُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمُتَكَبِّرِينَ، عَظِيمِ الْجَمَّةِ إِلَى شَخْمَةِ أُذُنَيْهِ، عَلَيْهِ خَلَّةٌ حُمْرَاءُ، مَارَ آيَاتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ. (۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ درمیانہ قد آدمی تھے، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا، آپ ﷺ بڑے بالوں والے تھے جو (بسا اوقات) آپ ﷺ کے کانوں کی لوت تک آتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری والا خوبصورت جوڑا تھا اور میں نے کبھی ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جو آپ ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل ہو۔

عَنِ النَّبَإِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مَارَ آيَاتُ مِنْ ذِي لَمَعَةٍ فِي خَلَّةِ حُمْرَاءُ، أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مُتَكَبِّرِيهِ، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمُتَكَبِّرِينَ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالطَّوِيلِ. (۴)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زلفوں والے کو سرخ دھاری والے خوبصورت جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال کندھوں تک آرہے تھے، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا، اور آپ ﷺ نہ تو پست قد تھے اور نہ ہی بہت زیادہ لمبے قد والے (بلکہ) آپ ﷺ درمیانہ قد تھے، جو ذرا لمبائی کی طرف مائل تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ رجلاً مروعاً: اس میں لفظ مروعاً کے معنی تو ہیں: درمیانہ قد، اور لفظ ”رجلاً“ کو دو طرح پڑھا گیا ہے، (۱) رجلاً: (را پر زبر اور جیم پر پیش کے ساتھ): اس کے معنی مرد کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ انتہائی باکمال

(۱) فتح الباری ۶/۷۶، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۳۸، جمع الوسائل مع شرح المناوی علی هامش ۱/۱۷۱۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للاعلیٰ قاری ۱/۱۷۱۔

(۳) الصحيح لسلم، باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۳۳۷، مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۸۴۷۳۔

(۴) الصحيح لسلم، رقم الحدیث: ۲۳۳۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۵۔

تھے، آپ ﷺ میں کامل درجہ کی مردانگی پائی جاتی تھی مگر یہاں پر لفظ رجل تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، کلام میں اصل مقصود ”مربوعاً“ ہے، چنانچہ عربی محاورے میں اس طرح کی تعبیر کثرت سے استعمال ہوتی ہے، مثلاً: قرآن مجید میں ہے: انتم قوم تجهلون، انتم قوم مسرفون، اس میں لفظ قوم مقصود نہیں، یہ تمہید کے طور پر ہے، اصل مقصود: تجهلون اور مسرفون ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: فلان رجل کریم، اور رجل صالح، ان میں بھی لفظ رجل تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اصل مقصود کریم اور صالح ہے۔

۲۔ رجلاً: (را پر زبر اور جیم کے نیچے زیر): وہ شخص جس کے سر کے بال نہ تو بالکل سیدھے ہوں اور نہ بالکل گھونگھریالے بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہوں یعنی ان میں تھوڑا سا میڑھا پن ہو، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت معلوم ہوں، چنانچہ اسی معنی کے لیے عربی میں یوں کہا جاتا ہے: شعر و جل، جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ”رجلاً“ کسی راوی کا اضافہ ہے، چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ نہیں ہے، (۱) بعید: (با پر پیش) بعد کی تصغیر ہے: ذرا زیادہ دوری یعنی فاصلہ، منکین: منکب کا تثنیہ ہے: دونوں کندھے، عظیم: بڑے، گنجان (بال)، وفرة: (واو پر زبر اور فاء ساکن) سر کے وہ بال، جو کانوں کی لونک پہنچے ہوئے ہوں، لمة: (لام کے نیچے زیر اور جیم پر زبر و تشدید): کان کی لوسے بڑھی ہوئی بالوں کی زلفیں، جو کندھوں تک نہ پہنچی ہوں، یا کندھوں کے قریب قریب ہوں، جمعة: (جیم پر پیش اور میم پر زبر اور تشدید) بالوں کی وہ زلفیں، جو کندھوں تک لگی ہوئی ہوں، ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ لفظ ”وَج“ ہے، واو سے وفرة، لام سے لمة اور جیم سے جمعة کی طرف اشارہ ہے، حلة: (حا پر پیش اور لام پر زبر و تشدید) خوبصورت جوڑا، یہاں حدیث میں اس سے تہ بند اور چادر مراد ہے، اور بعض کے نزدیک تین کپڑوں کا جوڑا مراد ہے، لہ شعر بضرب: آپ ﷺ کے ایسے بال تھے، جو بچ رہے تھے، یا لگ رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی

نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی کتنی تھی؟ اس بارے میں روایات میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں: وفرة، لمة اور جمعة، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات اور مطلب بیان کیے ہیں، تا کہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

۱۔ امام نووی، حافظ ابن حجر اور قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کا لمبا اور چھوٹا ہونا مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہے:

✽ جس وقت آپ ﷺ بالوں کو چھوٹا کراتے تو وہ کانوں کی لونک ہوتے، کچھ دنوں میں حرید بڑھ جاتے، اور پھر مزید

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۵۲/۴ کتاب الفضائل باب فی صفة النبی ﷺ وانه کان احسن الناس وجهاً، رقم الحدیث: ۶۰۱۹، جمع

الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی قاری ۱۶۱۔

بڑے ہو کر جہ کی مقدار تک پہنچ جاتے۔

نبی کریم ﷺ جس وقت بالوں میں کنگھی کرتے، تو وہ بال بڑے دکھائی دیتے یعنی لمبہ اور جہ، اور جب کنگھانہ کرتے تو وہ بال سٹے رہتے اور وفرہ کی حد تک دکھائی دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس صحابی نے بالوں کی جس کیفیت کا مشاہدہ کیا، اس نے اسی طرح آگے بیان کر دیا، جس نے زلفوں کی لمبائی کانوں کی لو تک دیکھی، تو اس نے آپ ﷺ کے بالوں کی لمبائی وفرہ ذکر کر دی، اور جس نے کانوں سے ذرا نیچے دیکھے، تو اس نے لمہ کی مقدار بیان کر دی، اور جس نے کندھوں تک بالوں کی لمبائی دیکھی، تو اس نے جہ کی مقدار کو بیان کر دیا۔

۲۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ وفرہ، لمہ اور جہ کے مفہوم میں اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے فرق ہے، لیکن بسا اوقات عرف میں استعمال کے لحاظ سے ان میں سے ہر لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے، اور ان سے مطلقاً لمبے بال مراد لے جاتے ہیں، خواہ ان کی لمبائی کانوں کی لو تک ہو یا کانوں سے نیچے اور کندھوں تک پہنچی ہوگی، لہذا بعض راویوں نے بالوں کی لمبائی کے لیے ”وفرہ“ کا لفظ، بعض نے ”لمہ“ اور بعض نے ”جہ“ سے تعبیر کر دیا ہے، اس لیے ان روایات میں اصلاً کوئی تعارض نہیں ہے۔ (۱)

۳۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے اگلے حصے کے بال آپ ﷺ کے کانوں تک یا نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے، اس لیے بعض راویوں نے آپ ﷺ کے بالوں کو وفرہ بیان کیا ہے، اور آپ ﷺ کے درمیانے سر کے بال کانوں کی لو سے ذرا نیچے ہوتے، ان کو لمہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سر کے پچھلے حصے کے بال کندھوں کے قریب قریب ہو جاتے، ان کو حدیث میں جہ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، اس لیے ان روایات میں تعارض نہیں، مگر اس توجیہ کو دیگر محدثین نے پسند نہیں کیا، اس میں بہت تکلف ہے۔ (۲)

عظیم الجمۃ الی شحمة اذنیہ: اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جہ تو ان زلفوں کو کہتے ہیں، جو کندھوں تک پہنچی ہوگی ہوں، جبکہ اس جملے میں جہ کے لیے الی شحمة اذنیہ کے الفاظ ہیں کہ وہ بال آپ ﷺ کے کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے، حالانکہ کانوں کی لو تک کی زلفوں کو وفرہ کہا جاتا ہے؟ اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ یہاں اس حدیث میں جہ سے مجازاً وفرہ مراد ہے، جیسے پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے کہ یہ تینوں الفاظ یعنی وفرہ، لمہ اور جہ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں، اور ان سے مطلقاً بڑے بال مراد ہوتے ہیں۔

۲۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے گھنے بال تو کانوں کی لو تک ہی تھے اور اس سے نیچے کندھوں تک جو

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل ۲۰/۱، ۲۱، وایضاً ۹۹/۱ باب ما جاء فی شعر رسول اللہ ﷺ، فتح الباری ۶/۲۱۰ کتاب المناقب باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۵۱ شرح مسلم للنووی ۲/۲۵۷ کتاب الفضائل باب صفة شعرہ ﷺ، تکملة فتح للہم ۵۵۵/۲ رقم الحدیث: ۲۰۲۰ بذیل اللجھوز ۱۷/۲۶ کتاب الترجل باب ما جاء فی الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۸۳۔

(۲) شرح المناوی للشیائل علی هامش جمع الوسائل ۲۰/۱، خصائص نبوی (ص: ۴۳، مکتبة البشری)

زلفیں لٹک رہی تھیں، وہ گھنی نہیں تھیں، بلکہ وہ خفیف اور لگی تھیں، اس صورت میں الی شحمة اذنیہ کا تعلق لفظ ”عظیم“ سے ہوگا۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حسین نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے جس طرح باطنی علوم اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی طور پر حسن و جمال بھی خوب عطا فرمایا تھا، اس طرح کا حسن و جمال کسی انسان کو نہیں دیا گیا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میں نے کسی چیز کو خوبصورت نہیں دیکھا، حدیث میں شیخ کا لفظ استعمال فرمایا، انسانا کا نہیں، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال چاند اور سورج سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ کامل ایمان کا تقاضا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک، جن اوصاف جمیلہ اور ظاہری خوبیوں سے متصف ہے، دوسرا کوئی انسان ان سے ہرگز متصف نہیں ہو سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ساخت، قد و قامت، چہرہ، آنکھیں، ہنوس، پیشانی، منہ، دانت، ہونٹ، رخسار، ڈاڑھی، سر، زلفیں، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ، غرض جسم کا ہر عضو خوبصورتی اور حسن و جمال کا عظیم شاہکار تھا، جو بھی حقیقت پسند انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھ لیتا، تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی گرویدہ اور عاشق ہو جاتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت میں شامل ہو جاتا اور قرطبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن ظاہر نہیں ہوا، ورنہ کوئی آنکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ ہی نہ سکتی، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر خوبصورت اور حسین تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

حضرت عائشہؓ نے اپنے دواشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو یوں بیان کیا:

فَلَوْ سَمِعُوا فِي مَضْرُ أَوْصَافِ خَلْدِهِ لَمَّا بَدَلُوا فِي سُؤْمِ يُوسُفَ مِنْ نَقْدِ
لُؤْمِي زَلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِينَهُ لَا تَزْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوبَ عَلَى الْأَيْدِي
ترجمہ: اگر لوگ مصر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کے اوصاف سن لیتے تو وہ حضرت یوسف کو خریدنے میں رقم خرچ نہ کرتے۔

ترجمہ: زلیخہ کو ملامت کرنے والی خواتین یعنی اس کی سہیلیاں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ (۳)

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل ۲۰/۱۔

(۲) شرح المناوی للشہائل علی هامش جمع الوسائل ۲۲/۱۔

(۳) تاریخ الخفیس ۳۵۸/۱ دار صادر بیروت۔

وَأَجْمَلَ وَبَكَ لَمْ يُولِدَ التَّسَاءُ
خَلَقْتُ مَبْرَأً مِنْ كُلِّ غَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

ترجمہ: میری آنکھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، اور کسی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی خوبصورت بچہ جنم ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے (یہ کلام مبالغہ کے طور پر ہے، یعنی جس طرح انسان یہ چاہتا ہے کہ میرے اندر کوئی عیب نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی عمدہ تخلیق کی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بھی وہی ہوتی تھی، جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی تھی) (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں سب سے پہلے کس نے اشعار کہے ہیں

یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء میں بہت سے لوگوں نے اشعار کہے ہیں اور قیامت تک کہتے رہیں گے، سب سے پہلے کس نے اشعار کہے ہیں؟ یہ بات یقین کے ساتھ کہنا تو ذرا مشکل ہے تاہم محقق علماء کے اس میں مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کے زمانے میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار کہے گئے ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالطلب نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اشعار کہے ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَعْطَانِي هَذَا الْغُلَامَ الطَّيِّبَ الْأَزْدَانِي
قَدْ سَادَ فِي الْمَهْدِ عَلَى الْغُلَمَانِ أَعْيُنُهُ بِالْبَيْتِ ذِي الْأَرْكَانِ

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے یہ پاکیزہ اور انتہائی عمدہ بچہ عطا کیا، جو ماں کی گود میں ہی سب بچوں پر غالب آ گیا، میں اسے ستونوں والے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ (۲)

۲۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی حضرت حذافہ بنت الحارث السعدی جو ”شیماء“ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اس وقت اشعار کہے تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کی پرورش میں تھے، اور حضرت شیماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیلتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر ادھر ادھر لے جاتیں، اس وقت

(۱) دیوان حسان بن ثابت (ص: ۱۰) دار صادر، بیروت۔

(۲) الروض الأثف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۹۸/۲، ولادۃ رسول اللہ ﷺ ورضاعته، ط: بیروت۔

وہ گنگنا کر یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں:

يَا زَيْنَا أُنَبِّئُكَ أَنَّ مُحَمَّدًا حَقِّي أَرَاةَ يَا فُلَانَا وَأَمْرَدَا
ثُمَّ أَرَاةَ سَبْدًا مَسْرُودًا وَأَكْبَثَ أَغَادِيهِ مَعَا وَالْحَسَدَا
وَأَغْطَلَهُ عِزًّا يَذُومُ أَبَدًا

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے محمد ﷺ کو باقی رکھ، تاکہ میں انہیں ایک خوبصورت تو جوان دیکھ سکوں، پھر میں انہیں ایسا سردار بنادیکھوں جس کی بات مانی جاتی ہے، اور تو ان کے دشمنوں اور حاسدین کو ایک ساتھ ذلیل و رسوا کر دے، اور انہیں ایسی عزت عطا فرما جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برقرار رہے۔ (۱)

۳۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہم نے اشعار کہے ہیں۔

۴۔ اسی طرح کئی قصائد آپ ﷺ کی تعریف میں حضرت ابوطالب نے بھی کہے ہیں۔

۵۔ عہد رسالت کے مہاجرین میں حضرت حسان سمیت بہت سے صحابہ کرام کا نام آتا ہے، مگر حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی ایک الگ امتیازی شان ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کی تعریف میں قصیدہ پیش کیا، تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر مبارک اتار کر عنایت فرمائی، اس لیے ان کے اس قصیدے کو ”قصیدہ بردہ“ کہا جاتا ہے جس کا آغاز ”بِأَنْتَ سَعَاد“ سے ہے۔

حضرت کعب بن زہیر کا یہ نعتیہ قصیدہ ”قصیدہ بابت سعاد“ کے نام سے مشہور ہے، اسی نام سے چھپا ہوا ہے، یہ مبارک چادر حضرت کعب بہت سنبھال کر رکھتے تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت مغاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں ان کے بیٹے سے یہ چادر خرید لی تھی، حضرت مغاویہ کے بعد بنو امیہ اور بنی عباس کے خلفاء عیدین اور ہر خوشی کے موقع پر اس چادر کو پہنا کرتے تھے، امام سیوطی فرماتے ہیں کہ سقوط بغداد کے موقع پر یہ بردہ شریف ضائع ہو گئی تھی۔ (۲)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْمُتَقَطِّعِ وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ زِينَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّيِّطِ كَانَ جَعْدًا رَجُلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلَّمِ، وَكَانَ فِي الْوَجْهِ تَذْوِينٌ، أَيْبَضُ مُشْرَبٌ، أَذْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ، جَلِيلُ الْمَشَاشِ، وَالْكَتَدُ أَحْزَنُ، ذُو مَسْرُوبَةٍ، مَشْنُوكُ الْكَفَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ، كَأَنَّمَا يَمْشِي فِي ضَبَبٍ، وَإِذَا تَلَقَّتْ التَّلَفَّتْ مَعًا، بَيْنَ كَفَيْهِ خَاتَمُ النَّبُوءَةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عَشْرَةً، مِنْ رَأَاهُ بَدِيهَةٌ هَابَةٌ، وَمَنْ

(۱) الاصابة ۲۰۵/۸، كتاب النساء، حرف الشين، رقم: ۱۱۳۹۰.

(۲) الاصابة ۳۳۲/۵، حرف الكاف، رقم: ۴۳۲۲، تاريخ الخلفاء للسيوطي (ص: ۲۱).

خَالَطَهُ مَغْرِبَةٌ أَحَبَّتْهُ يَقُولُ لَأَعْتَبَهُ لَمْ أَرْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ.

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کے جسمانی اوصاف بیان کرتے، تو کہا کرتے کہ نبی کریم ﷺ نہ بہت لمبے تھے، اور نہ زیادہ پست قد، بلکہ آپ ﷺ میانہ قد لوگوں میں سے تھے، اور آپ ﷺ کے بال نہ تو بہت زیادہ گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، بلکہ تھوڑے تھوڑے گھونگھریالے تھے، آپ نہ تو مونڈے تھے، اور نہ آپ ﷺ کا چہرہ بالکل گول تھا، بلکہ آپ ﷺ کے چہرے میں قدرے گولائی تھی، آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، آپ ﷺ کی پلکیں لمبی تھیں، آپ ﷺ کے جسم کی ہڈیاں اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو، پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ اور کہیں) بال نہیں تھے، آپ ﷺ کے سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ کے ہاتھ اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، جب آپ ﷺ (راستہ پر) چلتے تو اپنے قدموں کو خوب قوت سے اٹھاتے، گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے پستی کی طرف چل رہے ہیں،

جب آپ ﷺ کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (صرف گردن پھیر کر نہیں دیکھتے تھے، کیونکہ یہ انداز بے رخی اور تکبر کا ہے) آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ ﷺ ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے، آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل، سب سے زیادہ سخی زبان اور سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے، اور دل جل کر رہنے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم تھے، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی بار یا چانک دیکھتا تو وہ آپ ﷺ سے ڈرجاتا (اس پر وہ شبت طاری ہوتی) اور جو شخص پہچان کر آپ ﷺ سے میل جول کرتا تو وہ (آپ ﷺ کے حسن اخلاق کی وجہ سے) آپ ﷺ کو اپنا محبوب بنا لیتا تھا، نبی کریم ﷺ کے ان اوصاف کو بیان کرنے والے (حضرت علی) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جیسا (حسین و جمیل اور باکمال) شخص نہ تو میں نے آپ ﷺ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد دیکھا، اللہ جل جلالہ کی آپ ﷺ پر خصوصی رحمت اور سلامتی ہو۔

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: سَمِعْتُ الْأَصْمَعِيَّ يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَمْعُطُ: الذَّاهِبُ طَوْلًا، وَسَمِعْتُ أَغْرَابِيًّا يَقُولُ فِي كَلَامِهِ: تَمْعُطُ فِي نَشَابَتِهِ أَيْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيدًا، وَأَمَّا الْمُتَرَدَّدُ: فَالَّذِي جُلَّ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ قِصْرًا، وَأَمَّا الْقَطَطُ: فَالشَّدِيدُ الْجَفْوَةِ، وَالْوَجَلُ: الَّذِي فِي شَعْرِهِ خُجُوَّةٌ أَيْ: يَنْتَحِبِي قَلِيلًا، وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ: فَالْبَادِنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ، وَأَمَّا الْمَكْلَمُ: فَالْمَدَوَّرُ الْوَجْهَ، وَأَمَّا الْمُشْرَبُ: فَهِيَ الَّذِي فِي بَيَاضِهِ خُمْرَةٌ، وَالْأَذْعَجُ: الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ، وَالْأَهْدَبُ: الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ، وَالْكَيْدُ: مُجْتَمَعُ الْكَافِينَ،

وَهُوَ الْكَاهِلُ، وَالْمَسْرُوبَةُ: هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي هُوَ كَأَنَّهُ قَصِيبٌ مِنَ الصُّدْرِ إِلَى السُّرَّةِ، وَالشُّشْنُ: الْغَلِيظُ الْأَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، وَالْتَقْلُعُ: أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ وَالصَّبَبُ: الْخَذَوْنُ، لَقَوْلِ: الْخَذَوْنِ نَافِي صَبُوبٍ وَصَبَبٍ، وَقَوْلُهُ: جَلِيلُ الْمَشَاشِ، يُرِيدُ رَعُوسَ الْمَنَاطِكِ، وَالْعَشْرَةُ: الصُّخْبَةُ وَالْعَشِيرَةُ: الصَّاحِبُ، وَالْبِدِيهَةُ: الْمَفَاجَأَةُ يُقَالُ بَدَتْهُ بِأَمْرِ: أَيِ فُجِئَتْهُ. (۱)

ابوجعفر کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی کو آپ ﷺ کی صفات (کے الفاظ) کی تفسیر کرتے ہوئے سنا: الممغط: بہت لمبا، اصمعی نے ایک اعرابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: تمغط فی نشابته: کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا، متردد: وہ شخص جس کے اعضاء چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں، قطط: (قاف اور ط پر زبر) شدید گھنگھریا لے بال موزجلی: (راء پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) وہ شخص جس کے بال قدرے گھنگھریا لے ہوں، مطہم: موٹا آدمی جو زیادہ گوشت والا ہو، مکشم: وہ شخص جس کا چہرہ گول ہو، مشرب: (میم پر پیش اور شین ساکن، صیغہ اسم مفعول: باب افعال سے) وہ شخص جس کے سفید رنگ میں سرخی ملا دی گئی ہو، أدعج: وہ شخص جس کی آنکھوں کی پتلی خوب سیاہ ہو، أهدب: لمبی پلکوں والا، کشد: دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ اسے کاہل بھی کہتے ہیں، مسروبة: (میم پر زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر گویا کہ وہ ایک شاخ اور چھڑی ہے، ششن: ہتھیلوں اور پیروں کی انگلیوں کا موٹا ہونا، تقلع: طاقت و قوت سے پاؤں اٹھا کر چلنا، صبب: بلندی سے نیچے اترنا، ڈھلان، یوں کہتے ہیں: ہم بلندی سے نیچے کی طرف اترے، جلیل المشاش: وہ شخص جس کے مونڈھوں کے سرے موٹے ہوں، عشرة: (عین کے نیچے زیر اور شین ساکن) مل جل کر رہنا، ایک ساتھ زندگی گزارنا، عشیر: ساتھی، ساتھ رہنے والا، البدیهة، البداہة: اچانک پیش آنے والا امر، کہا جاتا ہے: بدھتہ بأمر: (صیغہ مشکلم) میں اس کے پاس اچانک آیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے کچھ مشکل الفاظ کے معنی تو امام اصمعی کے حوالے سے ادھر لکھ دیئے ہیں، لہذا ان کے علاوہ جو مشکل الفاظ ہیں، ان کے معنی درج کئے جاتے ہیں، ممغط: (میم پر پیش، دوسری میم پر زبر اور تشدید، اور عین کے نیچے زیر) بہت ہی لمبا، یہ لفظ دراصل منمغط ہے انمغاط سے، یہ لفظ تمغیط سے اسم فاعل نہیں ہے، اس میں نون کو خلاف قیاس میم سے بدل دیا گیا ہے اور پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا گیا، اس لئے ممغط ہو گیا، امام اصمعی نے اس لفظ کی تشریح میں ایک دیہاتی کا یہ قول ذکر کیا ہے: تمغط فی نشابته: اس نے کمان میں تیر ڈال کر خوب کھینچا، ترمذی کی اس حدیث میں اگرچہ تمغط کا لفظ نہیں ہے، مگر اس مثال میں لفظ تمغط استعمال کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انمغط اور تمغط دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، القصیر: چھوٹے قد والا آدمی، پست، قد، ربعة: (راء پر زبر اور با ساکن) درمیانہ، متوسط، جعد: (جیم پر زبر اور عین

ساکن) گھنگریا لے بال، سبط: (سین پر زبر اور باساکن اور زیر کے ساتھ) سیدھے بال جن میں کوئی خم نہ ہو، یعنی جو گھنگریا لے نہ ہوں، تدویر: گولائی، اھذب: لمبی پلکوں والا، اشفار: سفید (شین پریش اور فاساکن) کی جمع ہے: پلکوں کی جڑ جہاں بال اگتے ہیں، جلیل: بڑے، مونٹے، المشاش: (میم پریش) مشاشہ کی جمع ہے: مونڈھے کی ابھری ہوئی ہڈی، اجود: سب سے زیادہ سخی، الینہم: (لین سے اسم تفضیل) ان میں سب سے زیادہ نرم، عریکہ: طبیعت، من خالطہ: جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لیتا، معرفة: پہچان کر۔ (۱)

حسن و جمال کے بے مثال پیکر

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا جسے ٹھکانا کہا جاتا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے تھے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قسم کا معجزہ ہے۔
- ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے بھرے ہوئے اور نرم و گداز تھے۔
- ۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر بڑا مگر خوشنما تھا، یہ اہل عرب کے ہاں سرداری کی علامت ہوتی ہے۔
- ۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کے جوڑ بھی بڑے اور مونٹے تھے۔
- ۵۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، وہ ایسی دکھائی دیتی جیسے ایک باریک شاخ ہے۔
- ۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال نہ بالکل گھونگریا لے تھے، نہ بالکل سیدھے، بلکہ ان میں قدرے خم اور گھنگریا لاپن تھا۔
- ۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مونٹے بھر کم نہیں تھے کہ جس سے انسان بد نما لگے۔
- ۸۔ چہرے میں قدرے گولائی تھی، بالکل ہی گول نہیں تھا۔
- ۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ چوڑے کی طرح سفید نہیں بلکہ سفید سرخی مائل تھا۔
- ۱۰۔ آنکھوں کی پتلیاں شدید سیاہ اور سفیدی خوب سفید تھی۔
- ۱۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں لمبی تھیں۔
- ۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور موٹی تھیں۔
- ۱۳۔ چند مخصوص جگہوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر کوئی بال نہیں تھے، چنانچہ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لائن تھی، دونوں کلائیوں اور پنڈلیوں پر تھوڑے سے بال تھے۔
- ۱۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھک کر چلتے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے اتر رہے ہوں، اور قدم کو قوت و طاقت سے اٹھا کر رکھتے، اس طرح

آپ ﷺ کی تواضع اور بہادری کی صفات ظاہر ہوتیں۔

۱۵۔ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

حاصل یہ کہ حسن و جمال کی تمام صفات نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک میں موجود تھیں، لہذا آپ ﷺ حسن و جمال کے ایک بے مثال پیکر تھے۔

چند اخلاق حسنہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے چند کریمانہ اخلاق کا بھی ذکر ہے، جن کی ہمیں بھی پیروی کرنی چاہیے:

✽ نبی کریم ﷺ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو مکمل متوجہ ہوتے، صرف آنکھوں یا چہرے سے توجہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ بے رخی، بے توجہی اور تکبر کی علامت شمار ہوتی ہے۔

✽ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔

✽ آپ ﷺ بہت زیادہ سچے تھے، آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

✽ آپ ﷺ ایک نرم مزاج انسان تھے، لیکن قدرتی طور پر آپ ﷺ کا ایک رعب اور جلال تھا، جو آپ ﷺ کو پہلی بار یا اچانک دیکھتا تو اس پر بیت طاری ہو جاتی۔

✽ مل جل کر رہنے میں آپ ﷺ بہت ہی اچھے تھے، جو بھی آپ ﷺ کے قریب ہوتا اور آپ ﷺ کو پہچان لیتا تو وہ آپ ﷺ کا گرویدہ اور آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا، پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے آپ ﷺ سے جدا نہیں کر سکتی تھی، ان اوصاف کی وجہ سے ہی جانشینوں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حَدَّثَنَا سَفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَمْرٍو بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَجَلِيُّ إِخْلَاءُ عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهِ قَالَ:

أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ، يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ أَبِي هَالَةَ، عَنْ

الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ خَالَي هَنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَافًا، عَنْ جَلِيلَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهِ،

سفيان بن وکیع کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن عمیر نے اپنی کتاب سے املاء کر کے لکھوایا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے قبیلہ بنو تميم کے

ایک شخص نے بتایا، جس کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، اور وہ حضرت خدیجہ کے سابقہ شوہر ابو ہالہ کی اولاد میں سے ہے، اس

شخص نے ابو ہالہ کے بیٹے یعنی ہند سے روایت کیا، اور وہ حسن بن علی سے روایت کرتے ہیں، حضرت حسن فرماتے ہیں

کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابو ہالہ سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضور ﷺ

کے حلیہ مبارک کو بہت عمدہ انداز سے بیان کیا کرتے تھے، اور میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ ﷺ کے حلیہ (اور

اوصاف میں سے کچھ میرے سامنے بیان کریں، تاکہ میں اس وصف کے ساتھ چٹ جاؤں یعنی میں اس کو محفوظ کر لوں،

قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُحْمًا، مُفَحَّحًا، يَتَلَاوُ وَجْهَهُ تَلَاوُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، أَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوعِ، وَأَقْصَرُ مِنَ الْمَشْدَبِ، عَظِيمُ الْهَامَةِ، رَجُلُ الشَّعْرِ، إِنْ افْتُرِثَتْ عَقِيقَتُهُ لَوْ قُفِيَ، وَإِلَّا فَلَا يَجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةً أَذْنَيْهِ إِذَا هُوَ قَفْوُهُ، أَرْهَازُ اللَّوْنِ، وَاسِعُ الْجَبِينِ، أَرْجَحُ الْحَوَاجِبِ، سَوَاجِعُ فِي غَيْرِ قَرْنٍ، بَيْنَهُمَا جُزْفٌ، يَدْرُهُ الْقَصَبُ، أَقْنَى الْعَرَبِيِّينَ، لَهُ لَوْنٌ يَغْلُوهُ، يَخْصِبُهُ مَنْ لَمْ يَكْمُلْهُ أَشْمٌ،

ہاموں جان نے فرمایا: نبی کریم ﷺ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے بھی عظیم الشان تھے، اور دوسروں کی نظروں میں بھی آپ ﷺ بڑے رجبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، درمیانے قد والے آدمی سے آپ ﷺ کا قد ذرا لمبا اور زیادہ لمبے قد والے سے آپ ﷺ پست تھے، آپ ﷺ بڑے سرو والے تھے اور آپ ﷺ کے بالوں میں کسی قدر گھونگھریا لہجہ تھا، اگر آپ ﷺ کے سر کے بالوں میں آسانی سے مانگ نکل آتی، تو آپ ﷺ مانگ نکال لیتے تھے، اور اگر سہولت سے مانگ نہ نکلتی (کہہ بال آپس میں اڑے ہوئے ہیں اور کنگھی کی ضرورت پڑتی) تو (اس وقت) آپ ﷺ مانگ نہ نکالتے، (بلکہ کسی اور وقت میں نکال لیتے) آپ ﷺ جب اپنے بالوں کو بڑھاتے، تو وہ آپ ﷺ کے دونوں کانوں کی لو سے متجاوز ہو جاتے یعنی آگے بڑھ جاتے، آپ ﷺ نہایت چمکدار، صاف شفاف رنگ والے، اور کشادہ پیشانی والے تھے، آپ ﷺ کے ابرو لمبائی میں پتلے اور مڑے ہوئے گنجان تھے، دونوں ابرو کامل اور جدا جدا تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی، جس کو غصہ ظاہر کر دیتا تھا (یا جس کو غصہ خون سے بھر دیتا تھا، یعنی وہ رگ غصہ کے وقت پھڑکتی تھی) آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی، اس پر ایک چمک اور نور تھا، نبی کریم ﷺ کو وہ شخص بڑی ناک والا سمجھتا، جو آپ ﷺ کے چہرے اور ناک کو غور سے نہ دیکھتا۔

كَثَّ اللَّحْيَةُ، سَهْلُ الْخَدَيْنِ، ضَلِيعُ الْقَمَمِ، مُفْلَجُ الْأَسْنَانِ، ذَلِيقُ الْمَسْرُوقَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدَ ذَمِيَّةٍ فِي صَفَاءِ الْفَيْصَةِ، مُغْتَبِلُ الْخَلْقِ، بَادِنٌ، مُشَامِسُكَ، سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصُّدْرِ، عَرِيضُ الصُّدْرِ،

آپ ﷺ گھنی ڈاڑھی والے، نرم رخساروں والے، اعتمادی کے ساتھ کشادہ منہ والے، سامنے کے دودانتوں میں ذرا فصل والے، سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر والے تھے، آپ ﷺ کی گردن ایسی خوبصورت اور باریک تھی، جیسا کہ مورق کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ ﷺ معتدل اعضاء والے، پر گوشت اور مضبوط جسم والے تھے، پیٹ اور سینہ ہموار تھا، مگر آپ ﷺ کا سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔

بَعِيدًا مَابَيْنَ الْمُتَكَبِّرِينَ، ضَخْمُ الْكَوَادِيسِ، أَلْوَرُ الْمُتَجَوِّدِ، مَوْضُولُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالشَّرْقَةِ بِشَعْرِ يَجْرِي
كَالْخَطِّ، عَارِي الْقَذَنِينَ وَالْبَطْنِ مِمَّا سَوَى ذَلِكَ، أَشْعَرُ الذَّرَاعَيْنِ وَالْمُتَكَبِّرِينَ وَأَعَالِي الصُّدْرِ، طَوِيلُ
الرُّنْدَيْنِ، رَحْبُ الرَّاخَةِ، شُشْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، سَائِلُ الْأَطْرَافِ - أَوْ قَالَ: سَائِلُ الْأَطْرَافِ -

آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا، آپ ﷺ جوڑوں کی مضبوط اور بڑی ہڈیوں
والے تھے، جسم کا جو حصہ کپڑوں سے باہر رہتا تھا، وہ بھی روشن اور چمکدار تھا، سینہ اور ناف کے درمیان ایک لکیر کی
طرح بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھا (البتہ) دونوں بازو،
دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپ ﷺ کی کلاہیاں دراز اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، دونوں
ہتھیلیاں اور قدم گوشت سے بھرے ہوئے تھے، دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں (متاسب کے ساتھ) لمبی تھیں،
خُمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ، مَسِيعُ الْقَدَمَيْنِ، يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ، إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا، يَخْطُو تَكْفِيًا، وَيَمْشِي هَوْنًا،
ذُرْبُ الْمَشْيَةِ، إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا لَقِيَ النَّفْتَ جَمِيعًا، خَافِضُ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى
الْأَرْضِ أَطْوَلَ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جَلُّ نَظَرِهِ وَالْمَلَاخِظَةُ، يَسْوَقُ أَصْحَابَهُ، وَيَبْدَأُ لَقِيَّ السَّلَامِ. (۱)

آپ ﷺ کے ٹوٹے قدرے گہرے تھے، آپ ﷺ کے دونوں قدم چکنے اور ملائم تھے، ان پر پانی ٹھہرتا نہیں
تھا، جب آپ ﷺ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو ذرا جھک کر چلتے تھے، اور آپ ﷺ نرمی سے چلتے
تھے، آپ ﷺ تیز رفتار تھے، جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا لگتا کہ آپ ﷺ گویا نشیب میں اتر رہے ہیں،
جب آپ ﷺ کسی طرف توجہ فرماتے، تو پورے بدن سے توجہ فرماتے، آپ ﷺ کی نظر نیچی رہتی تھی،
آپ ﷺ کی نگاہ آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی، آپ ﷺ کا عام طور پر دیکھنا گوشہ چشم سے ہوتا
تھا، آپ ﷺ اپنے صحابہ کو (سفر میں) چلنے میں آگے کر دیتے، اور آپ ﷺ جس سے ملاقات کرتے، تو سلام
کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- و صاف: (واو پر زبر اور صاد پر زبر و تشدید صیغہ مبالغہ) بہت زیادہ بیان کرنے والا، حلیہ: (حاء
کے نیچے زیر اور لام ساکن) شکل و صورت، انسان کا روپ، اتعلق بہ: (صیغہ متکلم) میں اس وصف کو مضبوطی سے لے لوں، اس کے
ساتھ چمٹ جاؤں، میں اسے محفوظ کر لوں، فحما: (فاء پر زبر اور خاء ساکن) اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے عظیم الشان، بڑا،
مفحما: (باب تفعیل سے صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جو لوگوں کی نظروں میں بلند رتبہ والا بنادیا گیا ہو، جو لوگوں کی نظروں میں معظم و
محترم ہو، يتلأ و جھہ: آپ ﷺ کا چہرہ چمکتا، أطول من المربع: درمیانے قد والے آدمی سے قدرے لمبے، لمبائی کی
طرف مائل، أقصر: زیادہ پست، المشدب: (باب تفعیل سے اسم مفعول) اس کے اصل معنی ہیں: کھجور کا لمبا درخت، جس کی

شاخیں کاٹ دی گئی ہوں، یہاں حدیث میں اس سے زیادہ لمبے قد والا آدمی مراد ہے، ہامہ: (میم پر تشدید کے بغیر) سر، راجل: (را پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) کسی قدر بالوں کا گھونگھڑالا ہونا، انفرقت: وہ بال ظاہر ہوتے، پھٹ جاتے، عقیقہ: نومولود بچے کے سر کے بال، مطلق سر کے بالوں کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے، فوق: (قا اور را پر زبر) آپ ﷺ مانگ نکال لیتے، بجاوز: بڑھ جاتے، تجاوز کر جاتے، شحمة: کان کی لو، وفورہ: (باب تفعیل سے) جب آپ ﷺ ان بالوں کو بڑھاتے، ازھر اللون: سفید رنگ والے، جس میں سرخی ملی ہوئی ہو، ازج: ابرو کا باریک، لمبا اور مڑا ہوا ہونا، حواجب: حاجب کی جمع ہے: ابرو، سوابغ: سابع کی جمع ہے: کامل، قون: (قاف اور را پر زبر) ملا ہوا ہونا، وہ ری جس میں ایک ساتھ ذوانٹ پائندہ جاتیں۔

عرق: (عین کے نیچے زیر اور را ساکن) رگ، یدوہ: یہاں دراز سے ہے، اس رگ کو غصہ ہلا دیتا، متحرک کر دیتا، یعنی غصہ سے وہ رگ پھڑک جاتی تھی، اقفی: (یہ صفت کا صیغہ ہے) لمبا ہونا، طویل ہونا، عزین: (عین کے نیچے زیر اور را ساکن) ناک، لہ نور: اس میں ”و“ ضمیر عزین کی طرف لوٹ رہی ہے، اس ناک پر ایک نور اور چمک تھی، اشم: اونچی ناک والا جو دیکھنے میں اچھا لگے، کث اللہیہ: گھنی ڈاڑھی والا، محجان ڈاڑھی والا، سہل: (سین پر زبر اور حا ساکن) نرم، الخدین: خدا کا شئیہ ہے، دونوں رخسار، ضلیع: کشادہ منہ والا، المقلج: (تلفیح سے صیغہ اسم مفعول) علیحدہ علیحدہ دانتوں والا، وہ شخص جس کے سامنے کے دانتوں میں ذرا فاصلہ ہو، اسنان: سن کی جمع ہے: دانت، دقیق: باریک، مسرۃ: (میم پر زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینہ سے ناف تک کے باریک بال، جید: (جیم کے نیچے زیر) گردن، دمیۃ: (دال پر پیش، میم ساکن اور یاء پر زبر) گڑیا، ہاتھی دانت وغیرہ کی بنی ہوئی تصویر، تراشا ہوا حسین بت، اس سے حسن میں تشبیہ دی جاتی ہے، بادن: اعتدال کے ساتھ موٹا آدمی، عتماسک: مضبوط اور بڑے اعضاء والے، ضخم: (ضاد پر زبر اور خا ساکن) بڑا، شاندار، کورادیس: کور دوس کی جمع ہے: ہر بڑی اور مکمل ہڈی، المتجرد: اس لفظ کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے، (۱) باب تفعیل یا تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہو، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کپڑے اتارتے تو آپ ﷺ کے وہ اعضاء خوب روشن اور چمکتے تھے، جو کپڑوں میں ہوتے تھے، (۲) المتجرد میں ”را“ کے نیچے زیر ہو یعنی اسم فاعل کا صیغہ ہو، اب ترجمہ یوں ہوگا: نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک کا وہ حصہ بھی خوب روشن اور چمکدار تھا جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا (چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں کے اندر چھپا ہو، وہ تو بطریق اولیٰ روشن اور چمکدار تھا)، موصول: ملی ہوئی، اللبۃ: (لام پر زبر اور باء پر زبر و تشدید) سینہ اور گردن کے درمیان ہار پہننے کی جگہ، گلا، ندین: ندی کا شئیہ ہے، چھاتی، سینہ، مما سوی ذلک: اس سر پہ یعنی لکیر کے علاوہ۔

اشعر الدواعین: دونوں بازوؤں پر بال تھے، اعلیٰ الصدر: اعلیٰ کی جمع ہے، سینہ کے بالائی حصے، طویل الذنبدین: آپ ﷺ کی دونوں کلاسیاں دراز تھیں، رحب الراحۃ: کشادہ تھیلی والے، شین: (شین پر زبر اور ثاء ساکن) موٹا، پر گوشت، مسائل الاطراف: مختلف طرح سے منقول ہے: شین کے ساتھ یعنی شائل اور لام کے بجائے نون کے ساتھ یعنی سائل، ان تمام الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں: طویل اور لمبا ہونا، اور اطراف: طرف کی جمع ہے: کنارہ، یہاں اس لفظ سے انگلیاں مراد ہیں،

اب ترجمہ یوں ہوگا: اعتدال کے ساتھ آپ ﷺ کی انگلیاں لمبی تھیں، الاخمصان: اُخمص کا تشبیہ ہے: پاؤں کا تلو، پاؤں کا نچلاؤ کا حصہ، جوزمین کو نہیں لگتا، اور اخمصان مزید مبالغہ کے طور پر ہے، مسیح القدمین: آپ ﷺ کے دونوں قدم ملائم، نرم اور چکنے تھے، ینبوا عنہما الماء سے مزید اسی کی تفسیر اور وضاحت ہے یعنی: ان قدموں سے پانی دور ہو جاتا یعنی ان پر ٹھہرنا نہیں تھا، اذا زال: جب آپ ﷺ چلتے، زال قلعاً: توقوت سے قدم اٹھاتے، یخطو: آپ ﷺ قدم اٹھاتے، تکفیا: آگے کو جھک کر، ہونا: نرمی اور وقار سے، ذریع النمشية: کشادہ قدم والے یعنی تیز رفتار کا ناما یخطو: گویا کہ آپ ﷺ اتر رہے ہوں، من صعب: (ساد اور بام پر زبر) ڈھلان سے، بلندی سے، التفت جمیعاً: آپ ﷺ پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے، خافض الطرف: پست نگاہ، جل نظره: آپ ﷺ کا اکثر دیکھنا، الملاحظة: گوشہ چشم سے دیکھنا، يسوق: آپ ﷺ آگے کر دیتے، یبدأ: آپ ﷺ پہل فرماتے، ابتدا فرماتے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ

اس حدیث کے راوی حضرت حسن بن علیؓ اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت کر رہے ہیں۔ ابو ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے سابق شوہر تھے، ابو ہالہ کا نام کیا تھا؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں: نباش بن زرارہ، ہند بن زرارہ وغیرہ، حضرت خدیجہ کے اس شوہر سے دو بیٹے تھے، ایک کا نام حالہ، اور دوسرے کا ہند تھا، اسی سے ان کو ابو حالہ کہا جاتا ہے، جب ابو ہالہ کی وفات ہو گئی، تو حضرت خدیجہ نے نبی کریم ﷺ سے شادی کر لی، اور ان کا بیٹا ہند، نبی کریم ﷺ کی پرورش میں آ گیا، حضرت ہند چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہیں، اس لیے یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ماموں ہیں، حضرت حسن کی عمر نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت سات سال تھی، جس کی وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو اچھی طرح محفوظ نہیں کر سکے تھے، اس لیے وہ اپنے ماموں حضرت ہند بن ابو ہالہؓ سے نبی کریم ﷺ کے اوصاف پوچھ رہے ہیں، اور یہ آپ ﷺ کے اوصاف کو خوب اچھی طرح بیان کرتے تھے، جنگ جمل میں حضرت ہند حضرت علی کے ساتھ تھے، اسی میں وہ شہید ہو گئے۔ (۱)

حدیث کے راوی جمیع بن عمیر کہتے ہیں: ناخبر بنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی ہالہ زوج خدیجۃ بکنی ابا عبد اللہ، اس سند میں ”رجل“ موصوف ہے، ”من بنی تمیم“ اس کی پہلی صفت ہے، ”من ولد ابی ہالہ“ دوسری صفت ہے، اس میں ابو ہالہ کی بالواسطہ اولاد مراد ہے، اور ”بکنی ابا عبد اللہ“ یہ ”رجل“ کی تیسری صفت ہے، یہ ”رجل“ ایک مجہول الحال راوی ہے۔ (۲)

(۱) الاصابة ۲۰۵۸/۳، باب الہاء بعد ما النون، رقم: ۹۰۱۰

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی قاری ۳۸/۱

نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک

امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس طویل حدیث میں حضرت ہند بن ابی حالہ نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف اور حلیہ مبارک کو بیان کیا ہے، جس کی کچھ تفصیل اور شرح درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی بہت عظیم ہیں اور لوگوں کے ہاں بھی آپ ﷺ عظمت والے تھے، چنانچہ دشمن بھی آپ ﷺ کی عظمت شان کے معترف تھے، یہاں حدیث میں ”مغتم“ سے جسم کی قامت اور موٹا ہونا مراد نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی شان، مرتبہ اور فضیلت مراد ہے، کیونکہ عمر کے بڑھنے سے عموماً انسانی جسم میں بھی کچھ بھاری بھر کم آ جاتا ہے، حجم بڑھ جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کا جسم مبارک بھی آخری عمر میں تھوڑا بھاری ہو گیا تھا، یہ کسی غفلت اور زیادہ کھانے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ عمر کے بڑھنے سے تھوڑی سی یہ تبدیلی آ گئی تھی اور عرف میں اس طرح کا بھاری جسم کوئی معیوب بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ روشن، چمکدار اور خوبصورت تھا، چاند کے ساتھ یہ تشبیہ عربی محاورے کے اعتبار سے ہے، چنانچہ شعراء عرب کسی چیز کے حسن و جمال کو بیان کرتے وقت تشبیہ دیتے ہیں اور یہ صرف لوگوں کو سمجھانے کی حد تک ہے، ورنہ نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال اور آپ ﷺ کے اوصاف کے برابر کوئی چیز نہیں، وہ ہر چیز سے بلند اور اعلیٰ ہیں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ میانہ قد تھے، مگر ذرا لمبائی کی طرف مائل تھے، اور انتہائی لمبے آدمی سے کوتاہ تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ جب کسی لمبے قد والے لوگوں میں ہوتے یا طویل قد والوں کے درمیان چلتے، تو معجزانہ طور پر آپ ﷺ ہی لمبے دکھائی دیتے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ جس طرح باطنی کمالات اور خصوصیات میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں، کوئی آپ ﷺ سے فائق نہیں، اسی طرح ظاہری طور پر بھی آپ ﷺ سب سے اونچے ہیں، کوئی آپ ﷺ سے بلند قامت نہیں۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، اور سر کے بالوں میں کسی قدر گھوگھریالہ پن تھا، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت لگتے تھے، اور آپ ﷺ عموماً انھیں رکھتے تھے، ابتداء میں حضور اکرم ﷺ بشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کے ساتھ موافقت کی وجہ سے مانگ نہیں نکالتے تھے، پھر جب اس بارے میں وحی نازل ہو گئی، تو آپ ﷺ نے اہتمام کے ساتھ مانگ نکالنا شروع کر دی، یہ مانگ نکالنا سنت ہے۔ (۱)

حدیث کے اس جملے: ان انفرت عقیقۃ فری والا فلا، کا مطلب یہ ہے کہ وحی نازل ہونے سے پہلے اگر آسانی سے مانگ نکل آتی تو آپ ﷺ مانگ نکال لیتے مثلاً غسل کے بعد ہاتھ سے ہی مانگ نکال لیتے، کنگھی وغیرہ سے مانگ نکالنے کا اہتمام نہیں تھا، اس کی مزید وضاحت اسی کتاب میں باب ماجاء فی شعر رسول اللہ ﷺ میں بیان کی گئی ہے۔

(۱) تکملة فتح الملمہ ۵۵۱/۲ کتاب الفضائل، باب فی سدل النبی ﷺ شعرہ و فرقہ، رقم الحدیث: ۲۰۱۷

نومولود کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت عبدالملک نے آپ ﷺ کا عقیقہ بھی ساتویں دن کیا تھا، مگر آپ ﷺ کو چونکہ اس عقیقہ پر اعتبار نہیں تھا، معلوم نہیں انہوں نے اللہ جل شانہ کے نام پر ذبح کیا تھا یا کسی بت کے نام پر، اس لیے نبوت کے بعد آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ خود کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا بچپن میں عقیقہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ بڑے ہو کر وہ اپنا عقیقہ کر لے، تاکہ اس کے سر سے الہا اور مصیبت دور ہو جائے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی ابرو لمبی اور باریک تھیں، آپ ﷺ کی ابرو میں آپس میں ملی ہوئی تھیں تھیں، ان کے درمیان ایک رگ تھی، جو غصہ کے وقت پھڑکنے شروع ہو جاتی، آپ ﷺ کا رنگ نہایت صاف اور خوبصورت تھا، آپ ﷺ کی پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی، جو آدمی کے حسین و جمیل اور عظیم ہونے کی علامت ہوتی ہے، آپ ﷺ کی ناک ذرا لمبی تھی، اس پر قد زنی طور پر ایک خاص قسم کا نور تھا، ابتداء دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ حقیقت میں وہ زیادہ بلند نہیں ہے، آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی، رخسار ہموار اور ہلکے تھے، ان کا گوشت لٹکا ہوا نہیں تھا، آپ ﷺ کا منہ اعتدال کے ساتھ کشادہ تھا۔

آپ ﷺ کے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فاصلہ تھا، جو نہایت خوبصورت آبدار اور چمکدار تھے، سارے دانتوں میں فاصلہ نہیں تھا، کیونکہ یہ چیز باعث حسن نہیں بلکہ بد نما ہوتی ہے، ہاں سامنے کے دانتوں میں فاصلہ، حسن کو دو بالا کر دیتا ہے اور اہل عرب کے ہاں ان دانتوں کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔

۶۔ آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی، جیسا کہ صورتی اور گڑیا کی گردن صاف ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندنی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، اور ”دمیہ“ ہاتھی دانت وغیرہ سے بنی ہوئی تصویر کو بھی کہتے ہیں، اس سے عربی زبان میں حسن و جمال میں تشبیہ دی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی گردن مبارک حسن و جمال کی شاہکار تھی۔

۷۔ آپ ﷺ کے تمام اعضاء نہایت اعتدال والے اور گوشت سے پر تھے، جسم گٹھا ہوا یعنی بہت مضبوط تھا، پیٹ اور سینہ دونوں برابر اور ہموار تھے، پیٹ سینہ سے اور سینہ پیٹ سے بڑا ہوا نہیں تھا، اور سینہ چوڑا تھا، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا، یعنی آپ ﷺ کے کندھے اعتدال کے ساتھ چوڑے تھے، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں، جو انسان کے بہادر ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

۸۔ انور المتجر داس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ جس وقت نبی کریم ﷺ کپڑے اتارتے تو آپ ﷺ کا بدن مبارک روشن اور چمکدار نظر آتا تھا۔

۲۔ یا یہ مطلب ہے کہ بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا، وہ بھی روشن اور چمکدار تھا، کیونکہ عموماً یہ حصہ موسمی اثرات کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے، سفید اور چمکدار نہیں رہتا، مگر نبی کریم ﷺ کا یہ حصہ بھی خوب روشن اور چمکدار تھا، اور جسم کا جو حصہ کپڑوں کے اندر ہوتا، اس کی روشنی، خوبصورتی اور چمک کا کیا کہنا، وہ تو روشن اور چمکدار تھا ہی۔

۹۔ ناف اور سینہ کے درمیان بالوں کی لکیر کی طرح ایک دھاری تھی، جو بہت خوبصورت لگتی تھی، اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ پر کوئی بال نہیں تھا، البتہ دونوں بازو، کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے، آپ ﷺ کی کلاںیاں دراز اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گوشت سے پر تھے، جو انسان کے حسین و جمیل ہونے کی علامت ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں متناسب اور اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں، پاؤں کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے، ان کے صاف شہراہونے اور نرمی کی وجہ سے پانی ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، فوراً داخل جاتا تھا، آپ ﷺ چلتے وقت اپنا قدم قوت سے اٹھاتے اور آگے کی طرف جھک کر چلتے اور جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا کہ آپ ﷺ بستی میں اتر رہے ہیں۔

۱۰۔ جب آپ ﷺ کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہو جاتے، آپ ﷺ کی نظر عموماً نیچے رہتی تھی، کبھی کبھی وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف بھی دیکھتے تھے اور جب آپ ﷺ خطاب فرماتے تو پھر سامعین کی طرف دیکھتے تھے، اور آپ ﷺ کی عادت گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی، شرم و حیا کی وجہ سے آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے، آپ ﷺ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے۔

یسوق اصحابہ: نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو آگے کر دیتے اور خود پیچھے چلتے تھے، شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

✽ صحابہ کرام کی تربیت کے لیے آپ ﷺ سب سے پیچھے چلتے تھے، تاکہ جس کی کوئی غلطی نظر آجائے، تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ (۱)

✽ فرشتے نبی کریم ﷺ کے پیچھے چلتے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ سب سے آخر میں چلتے، تاکہ فرشتے آسانی سے آسکیں، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خَلَوْا خَلْفَ ظَهْرِي لِلْعَلَاكَةِ: میری پشت کے پیچھے فرشتوں کے لیے جگہ خالی چھوڑ دو۔ (۲)

✽ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شہر میں آپ ﷺ کا یہ معمول نہیں تھا، بلکہ سفر میں تمام شرکاء سے پیچھے چلتے، تاکہ تمام مسافرین کی دیکھ بھال کی جاسکے۔

✽ کمال تواضع کی وجہ سے آپ ﷺ اپنے پیچھے کسی کو نہیں چھوڑتے تھے۔ (۳)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الْقَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنهُوسَ الْعَقِبِ.
قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِبِسْمَاكِ: مَا ضَلِيعَ الْقَمِ؟ قَالَ: عَظِيمُ الْقَمِ، قُلْتُ: مَا أَشْكَلَ الْعَيْنِ؟ قَالَ: طَوِيلُ شِقِّ الْعَيْنِ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۴/۵۰

(۲) کنز العمال ۱۵/۱۷۴ کتاب للعیشة والعادات، آداب اللہ، رقم الحدیث: ۳۱۶۱۱

(۳) الواهب اللدنی علی الشرائع المحمدیہ (ص: ۶۵)

قُلْتُ: مَا مِنْهُ مِنَ الْعَقِبِ؟ قَالَ: قَلِيلٌ لِحِمِّ الْعَقِبِ. (۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کشادہ منہ والے تھے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، اور ایڑیوں پر گوشت کم تھا، شعبہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سماک بن حرب سے پوچھا: ضلیع الہم کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، میں نے عرض کیا: اشکل العین کے کیا معنی ہیں؟ سماک نے فرمایا: آنکھوں کی لمبی پھٹن والے یعنی بڑی آنکھوں والے، میں نے عرض کیا: منہوس العقب کے کیا معنی ہیں؟ سماک نے فرمایا: ایڑیوں پر کم گوشت والے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ضلیع: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، اشکل: وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو اور سماک بن حرب نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں: طویل شق العین (آنکھوں کی لمبی پھٹن والے) یعنی وہ شخص جس کی آنکھیں بڑی ہوں، لیکن قاضی عیاض اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ”اشکل“ کے جو معنی سماک نے بیان کیے ہیں، یہ لغت کے اعتبار سے درست نہیں ہیں، لغوی اعتبار سے اس کے وہی معنی صحیح ہیں، جو اوپر لکھے گئے ہیں یعنی وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو، اس طرح کی آنکھ اہل عرب اور عجم دونوں کے ہاں انتہائی دلکش اور پسندیدہ ہوتی ہے، منہوس: دہلا آدمی، العقب: (بین پر زبر اور قاف کے نیچے زیر) ایڑی، منہوس العقب کے معنی ہیں: وہ شخص جس کی ایڑیوں پر گوشت کم ہو، مگر جسم کے دیگر اعضاء کے موافق ہو۔ (۲)

آپ ﷺ کے منہ، آنکھوں اور ایڑیوں کا حال

مذکورہ حدیث میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کا منہ مبارک کھلا اور کشادہ تھا، تنگ نہیں تھا، کیونکہ یہ بد نما لگتا ہے اور کھلا منہ خوبصورت لگتا ہے۔
- ۲۔ آپ ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، ان میں چند سرخ لکیریں تھیں، جو بہت خوبصورت لگتی تھیں، اور سماک بن حرب کے بقول آپ ﷺ کی آنکھیں بڑی تھیں۔
- ۳۔ نبی کریم ﷺ کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا، موٹی نہیں تھیں، مگر جسم کے دیگر اعضاء کے موافق تھیں، یہ بھی حسن کی ایک اہم علامت شمار ہوتی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ إِطْحَاجِيانَ، وَعَلَيْهِ خَلَّةٌ حُمْرَاءُ،

(۱) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۳۳۹، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۶۴۶۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشائل ۵۵/۱، تکملة فتح اللہم ۵۵۷/۲، کتاب الفضائل، باب فی صفة فم النبی ﷺ، رقم الحديث: ۶۰۲۵۔

لَجَعَلْتُ الْظُّنَّ إِلَيْهِ وَالْقَمَرَ فَلَهُزَّ عِلْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ (۱)

حضرت جابر بن سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) چاندنی رات میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اس وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سرخ لباس تھا، میں (کبھی) نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھتا اور (کبھی) چاند کی طرف تو آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے کہیں زیادہ خوبصورت تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اضحیان: (ہمزے کے نیچے زیر، ضاد ساکن، حاء کے نیچے زیر اور نوون پر حوین) چاندنی رات جس میں کوئی بادل نہ ہو، پوری رات چاند کی روشنی سے روشن ہو، حلة: (حار پوش اور لام پر زبر و تشدید) پوشاک، لباس، جوڑا۔

نبی کریم ﷺ کے حسن کی چاند سے تشبیہ

حضرت جابر بن سرہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات میں، جس میں کوئی بادل نہیں تھا، اور چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا، میں کبھی نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھتا، اور کبھی چاند کی طرف، بالآخر میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال اور نور، چاند سے کہیں زیادہ ہے۔

یہ تشبیہ صرف سمجھانے کی حد تک ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا نور اور روشنی، ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے ہے، جبکہ چاند کی روشنی صرف ظاہر تک ہے، اور یہ روشنی بھی چاند کی اپنی ذاتی نہیں، بلکہ سورج سے حاصل کردہ ہے، مہینے کے مختلف ایام کے اعتبار سے کبھی وہ کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہتی ہے، کبھی اس پر پوری تاریکی چھا جاتی ہے اور کبھی اس پر گرہن بھی طاری ہو جاتا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کا نور اور روشنی اصلی ہے، بلکہ دیگر تمام روشنیاں اور انوار و تجلیات نبی کریم ﷺ کے نور کی وجہ سے ہی ہیں، اس لیے چاند کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے حسن کی تشبیہ من وجہ ہے، ہر اعتبار سے نہیں، کیونکہ جو کمالات ظاہری اور باطنی نبی کریم ﷺ میں موجود ہیں، وہ چاند میں بالکل نہیں۔ (۲)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ عَزَّ وَجَلَّ: أَيْكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الشَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ. (۳)

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کا چہرہ کوار کی طرح (صاف شفاف) تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ چاند کی طرح (روشن اور گول) تھا۔

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء في الرخصة في لبس الحرمة، رقم الحديث: ۲۸۱۱۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۴/۲۳۱، کتاب الفضائل، باب أسماء النبی ﷺ، رقم الحديث: ۵۷۹۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۵۶/۱۔

(۳) الصحيح للبخاری، للناقب، باب في صفة النبي ﷺ، رقم الحديث: ۳۵۵۲، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۶۳۶۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أبيضَ، كَأَنَّما صَبِغَ مِنْ لَبَنٍ، وَرَجُلُ الشَّعْرِ (۱)
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفید رنگ والے تھے گویا کہ چاندی سے آپ ﷺ کا
بدن ڈھالا گیا ہے، آپ ﷺ قدرے گھونگھریالے بالوں والے تھے۔

آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح گول اور رنگ سفید سرخی مائل تھا

مذکورہ احادیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا چہرہ تلواری طرح لمبا اور تیز چمک والا نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کا چہرہ انور چاند کی طرح گول اور
روشن تھا، اور اس نور میں ایسی کشش اور جاذبیت تھی کہ انسان جب اس چہرہ کو دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا، تلواری طرح ایسی تیز سفیدی
نہیں تھی کہ جسے دیکھنے سے انسان دل برداشتہ اور اکتا جائے، اسی وجہ سے حضرت براءؓ نے آپ ﷺ کے چہرے کو چاند یعنی بدر
سے تشبیہ دی ہے، اور تلواری کے ساتھ مشابہ قرار دینے سے انکار کیا ہے۔ (۲)

۲۔ نبی کریم ﷺ کا رنگ سفید مگر سرخی مائل تھا، برف کی طرح صرف سفید نہیں تھا، اس کی مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔
۳۔ سر کے بالوں میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، بالکل سیدھے بھی نہیں تھے اور نہ بالکل جھٹی لوگوں کے بالوں کی طرح
ٹیزھے بلکہ درمیانے تھے یعنی ان میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، جس سے ان بالوں میں مزید نکھار اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: غُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ
ضَرِبَ مِنَ الزَّجَالِ، كَأَنَّهُ مِنْ زَجَالِ شَنْوَةِ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا أَقْرَبَ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ
شَبْهًا غُرُورَةً بَنٍ مَسْجُودٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا أَقْرَبَ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبْهًا صَاحِبِ كَمٍّ، يَعْنِي نَفْسَهُ
، وَرَأَيْتُ جَنبِرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا أَقْرَبَ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبْهًا دَخِيَّةً (۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (معراج کے موقع پر) میرے
سامنے انبیاء پیش کیے گئے تو (میں نے دیکھا کہ) موسیٰ چہرے پر بدن کے یعنی ذرا پکے دہلے آدی ہیں، گویا کہ وہ
(عین کے) قبیلہ شنوعہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو (ایسا لگا کہ) میرے دیکھے
ہوئے لوگوں میں سے ان کے ساتھ مشابہت کے لحاظ سے سب سے قریب تر آدمی عروہ بن مسعود ہیں، اور میں نے
ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، تو ان سے مشابہت کے اعتبار سے سب سے قریب تر تمہارا یہ ساتھی ہے یعنی خود نبی کریم

(۱) جامع الحدیث، مستند ابن مالک، رقم الحدیث: ۳۶۱۱۹، کتر العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۰۸۔

(۲) تکملة فتح الملهم ۵/۲۲۳ کتاب الفضائل، باب شیهة رقم الحدیث: ۶۰۳۹۔

(۳) سنن الترمذی، باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۹۔

صلی اللہ علیہ وسلم، اور میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے شکل و صورت کے لحاظ سے ان سے قریب تر وحیہ بن خلیفہ مکی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- عرض علی: (میضہ مجہول) مجھ پر پیش کئے گئے، ضروب: (ضاد پر رز برادر راساکن) چھریرے بدن کا قد آور آدمی، پھرتیلا، کاموں میں چاک و چوبند اور چست، شنوءہ: یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو شنوءہ یعنی عبداللہ بن کعب بن ازد کی طرف منسوب ہے، اور اسے شنوءہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ دشمنی رہتی تھی، مگر ظاہری لحاظ سے اس قبیلہ کے لوگ چونکہ خوبصورت اور چاک و چوبند ہوتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قبیلہ کے فرد کے ساتھ تشبیہ دی ہے، فاذا اقرب الناس من رایتہ: میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے قریب ترین، شبہا: مشابہت کے اعتبار سے۔

معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات

اس حدیث میں ہے: عرض علی الانبیاء (مجھ پر انبیاء پیش کئے گئے) کس مقام پر اور کب یہ انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے؟ اس بارے میں دو قول ہیں، ان دونوں اقوال میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لیے کہ بخاری میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں حضرات انبیاء نے ملاقات کی۔

۲۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک یہ ملاقات معراج کے سفر میں ہوئی، چنانچہ معراج کے موقع پر مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں میں بلکہ دونوں مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ہوئی، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات پہلے آسمانوں پر اور پھر مسجد اقصیٰ میں ہوئی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے کہ یہ کون سے نبی ہیں؟ اگر پہلے ملاقات ہو چکی ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل سے نہ پوچھتے، واقعہ معراج راجح قول کے مطابق بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اس لیے اس دوران حضرات انبیاء سے ملاقات بھی بیداری میں براہ راست ہوئی۔ (۱)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں صرف تین انبیاء کے نام ذکر فرمائے گئے ہیں: حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام، اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت موسیٰ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ یہ یمن کے قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، کیونکہ

(۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۸۴/۱۰ سورة الاسراء معارف القرآن ۲۳۸/۵ معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن و سنت کے دلائل، جمع الوسائل للقاری ۶۰/۱، ۶۳

حضرت موسیٰ کا بدن بھی چھریا یعنی پٹلا دیا تھا جیسے قبیلہ شموہ کے لوگوں کے بدن دہلے پٹکے، مگر چاک وچو بند اور چست ہوتے ہیں۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ لفظ موسیٰ قبطی زبان کا لفظ ہے، یہ اصل میں موسیٰ (شین کے ساتھ) ہے، جس کے معنی ہیں:

درختوں کے درمیان پانی، ان کا تالوت جب فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم نے درختوں کے درمیان پانی میں دیکھا تو اس

مناسبت سے حضرت آسیہ نے ان کا نام ”موسیٰ“ رکھ دیا، پھر یہ لفظ عربی زبان میں سین کے ساتھ استعمال ہونے لگا یعنی ”موسیٰ“۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی شکل و صورت مجھے ایسی لگی،

جیسے میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے حضرت عروہ بن مسعود ہیں، حضرت عروہ کی شکل و صورت کیسی تھی؟ یہ کسی روایت میں منقول

نہیں، اس لیے اس تشبیہ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ معلوم نہیں ہوتا البتہ بخاری کی روایات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

حلیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ گندی رنگ کے ایک خوبصورت نوجوان تھے، بنا اوقات کسی عارض کی وجہ سے ان کا رنگ سرخ محسوس

ہوتا تھا، بال گھونگھریا لے، سینہ چوڑا، احتمال کے ساتھ لمبا قد، اور جسم پر گوشت کم تھا۔ (۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی شباهت اور نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت تقریباً ایک طرح تھی، علامہ

ماوردی فرماتے ہیں کہ لفظ ابراہیم سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: اب رستم (مہریان باپ) یہاں حدیث میں ”یعنی

نفسہ“ کے جو الفاظ ہیں، یہ حضرت جابر پالند کے کسی راوی کا اضافہ ہے، اصل روایت میں نہیں ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شکل و صورت حضرت وحیہ کی طرح تھی، حضرت وحیہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھے،

اور جبرائیل سریانی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: عبد اللہ یا عبد الرحمن یا عبد العزیز، اور ”ایل“ جمہور کے نزدیک اللہ کا نام ہے، (۳)

اس حدیث میں صرف مذکورہ تین انبیاء کا ذکر اس لیے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے اجداد میں

سے ہیں، اور سب ہی کے ہاں یہ مقبول ہیں اور ان کو مانا جاتا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل

کے انبیاء میں سے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ یہود کے اور حضرت عیسیٰ نصاریٰ کے نبی تھے، اور اس حدیث میں انبیاء کے ساتھ ضمناً

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بھی ذکر آ گیا ہے، کیونکہ یہ وہ عظیم الشان فرشتہ ہیں، جو انبیاء کے پاس وحی لے کر آتے تھے، ان کا

کثرت کے ساتھ انبیاء کے پاس آنا جاننا ہوتا تھا، اس لیے انبیاء کے ساتھ ان کا بھی آپ ﷺ نے ذکر فرما دیا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے انبیاء کی ملاقات آسمانوں پر اور پھر مسجد اقصیٰ میں ہوئی، حالانکہ

انبیاء کے جسم تو زمین پر قبروں میں ہیں، تو پھر یہ ملاقات کس طرح ہوئی؟ اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ انبیاء کی ارواح کو اجسام کی شکل و صورت دے دی گئی تھی، اس طرح آپ ﷺ سے انبیاء کی ملاقات ہوئی۔

(۱) شرح المناوی علی حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۰/۱

(۲) فتح الباری ۶/۱۰۹، کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ واذکر فی الكتاب مریم، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۲/۱

(۳) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۷۵)

۲۔ نبی کریم ﷺ کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے انبیاء کو اصل جسموں کے ساتھ حاضر کیا گیا، تاکہ وہ سید الاولین والآخرین سے براہ راست فیض یاب ہو سکیں، اس بات کی تائید حضرت انس کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: وَبِئْسَ لَكَ اَدَمُ وَمَنْ دُونَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ (حضرت آدم اور دیگر انبیاء کو قبروں سے اٹھایا گیا، تاکہ وہ نبی کریم ﷺ سے ملاقات کریں)۔ (۱)

اس روایت سے استدلال کر کے جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بہت سے مستند دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔ (۲)

اس حدیث میں دو صحابہ کرام کا ذکر آیا ہے، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہما، ان کے مختصر سے حالات درج ذیل ہیں:

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے عروہ طائف کے بعد ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے سے پہلے کفار مکہ کے ایک اہم لیڈر تھے، لوگ ان کی بات مانتے تھے، چنانچہ ایک قول کے مطابق: لَوْلَا نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقُرَیْہِیْنَ عَظِیْمٍ مِیْنِ اَسْ "رجل" سے حضرت عروہ بن مسعود مراد ہیں، صلح حدیبیہ میں کافروں کی طرف سے نبی کریم ﷺ سے بات چیت کے لیے آئے تھے، یہ طائف کے رہنے والے تھے، ۹ ہجری میں جب طائف فتح ہو گیا تو حضرت عروہ کے ذل میں اللہ نے اسلام کی محبت ڈال دی، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، طائف جانے کا جب ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَقْتُلُوْکَ (مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے)، حضرت عروہ نے عرض کیا: لَوْ وَجَدْتُ نِیْمًا مَّا اَبْقَیْتُ نِیْمًا (اگر وہ مجھے سوتا ہوا پائیں تو بیدار نہیں کر سکتے یعنی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) بہر حال آپ ﷺ نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی، وہاں جا کر انہوں نے اپنی قوم ثقیف کو اسلام کی دعوت دی، وہ بجاۓ اس کے کہ اسلام قبول کرتے، ان کے دشمن بن گئے، حضرت عروہ جب فجر کی اذان کے لیے بالا خانے پر گئے، اذان دی تو ایک شخص نے خیر مار کر انہیں شہید کر دیا، ان کی شہادت کی اطلاع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مِثْلُ عُرْوَةَ مِثْلُ صَاحِبِ یَسِیْنٍ دَعَا قَوْمَهُ اِلَی اللّٰهِ فَقَتَّلُوْهُ (عروہ کی مثال صاحب یسین یعنی حضرت حبیب بن اسماعیل نجار کی طرح ہے، جو اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلائے مگر پھر بھی انہوں نے حبیب کو شہید کر دیا، اسی طرح ثقیف کے لوگوں نے بھی یہ زیادت کی کہ عروہ بن مسعود کو شہید کر دیا، حالانکہ وہ بھی اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے، یعنی اسلام کی دعوت دے رہے تھے) (۳)

(۱) فتح الملہم ۳/۲۷۲ کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ

(۲) فتح الباری ۶/۲۶۶ کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ: وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیَمَ اِذَا تَبَيَّنَتْ مِنْ اَهْلِهَا۔

(۳) الاصابۃ ۶/۲۰۶، رقم: ۵۵۲۲، حرف العین

حضرت وحیدہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

حضرت وحیدہ (دال کے نیچے زیر اور حاسا کن یا دال پر زبر اور حاسا کن) بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، بدر کے علاوہ باقی تمام معرکوں اور غزوات میں شریک رہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے، تو عموماً حضرت وحیدہ کی شکل و صورت میں آتے تھے، حضرت وحیدہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھے، حسن و جمال میں یہ ضرب الثل تھے، عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی بادشاہ کے پاس اپنا کوئی نمائندہ بھیجتے، تو ایسے شخص کا انتخاب کرتے، جو انتہائی خوبصورت ہوتا، اسی عرف کے مطابق حضرت جبرائیل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت وحیدہ کی صورت میں آتے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اس دنیا میں کون ہو سکتا ہے، چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت وحیدہ کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا کے حکمرانوں کے پاس بھیجا کرتے تھے، چنانچہ ۷ یا ۸ ہجری کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قیصر کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجا، انہوں نے اس سے جمش میں ملاقات کی، بعد میں حضرت وحیدہ نے شام میں رہائش اختیار کر لی تھی، اور حضرت معاویہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ (۱)

عَنْ سَعِيدِ الْجَرِيرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ عَلَى وَجْهِهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ زَاهٍ غَيْرِي، قُلْتُ: صَفِّ لِي، قَالَ: كَانَ أَبْيَضَ، مَلِيحًا مُقَصَّدًا. (۲)

سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل یعنی حضرت عامر بن داود رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اب روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی آدمی باقی نہیں رہا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علیہ بیان کر دیجئے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ، مگر سرخی مائل، اور معتدل جسم والے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ب: ملیح: خوبصورت، سفید رنگ والا مگر سرخی مائل، مقصد: (سیم پر پیش، قاف پر زبر، صاد پر زبر اور تشدید) معتدل جسم والا، سلیم الاعضاء۔

علیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں بیان کی گئی ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید تھا۔ (۲) مگر یہ سفید رنگ سرخی مائل تھا۔ (۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم معتدل، انتہائی حسین و جمیل، اور خوبصورت تھا، ہر عضو حسن

(۱) الاصابۃ ۲/۳۲۱، رقم: ۲۳۹۵ الدال بعدھا الحاء، جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۱/۲۳۶

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۰۶، مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۳۷۹۷۔

وجہال کا ایک عظیم شاہکار تھا۔

حضرت عامر نے فرمایا: مابقی علی وجہ الارض احد، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ”وجہ الارض یعنی روئے زمین“ کی قید اس لیے لگائی کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے دیکھنے والوں میں موجود تھے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس قید سے حضرت خضر علیہ السلام بھی نکل جاتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت پانی پر تھے، براہ راست زمین پر نہیں تھے۔ (۱)

آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن وائل رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالطفیل یعنی عامر بن وائل رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سب سے اخیر میں وفات پائی ہے، ہجرت والے یا غزوہ احد والے سال میں یہ پیدا ہوئے، تقریباً آٹھ سال نبوت کا زمانہ پایا، جوانی میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی، اور آپ ﷺ سے احادیث بھی محفوظ کی ہیں، مشاجرات صحابہ میں یہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، صحیح قول کے مطابق ان کی وفات ایک سو دس ہجری میں ہوئی ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اس حدیث میں فرمایا کہ اب روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی صحابی نہیں رہا، ان کی وفات سے گویا صحابہ کرام کا سلسلہ اس دنیا سے ختم ہو گیا تھا۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ النَّبِيِّينَ، إِذَا تَكَلَّمَ رَفِي، كَالثَّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَائِيهِ. (۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے (یعنی ان میں معمولی فاصلہ تھا، ملے ہوئے نہیں تھے) نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایک نور سا دکھائی دیتا، جو آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اَفْلَحَ: وہ شخص جس کے دانتوں میں قدرتی طور پر ذرا فاصلہ ہو، خواہ وہ دانت ثنایا ہوں یا رباعی، ثنیین: (ثنا پر زبر، نون کے نیچے زیر اور یاء پر زبر و تشدید) سامنے کے چار دانتوں میں سے دو دانت، اوپر والے دو اور نیچے والے دو دانت، ان کو ثنایا کہا جاتا ہے، ثنایا کے ساتھ دائیں طرف، اوپر نیچے ایک ایک دانت، اور ایسے ہی بائیں طرف، اوپر نیچے ایک ایک دانت، ان کو رباعی یا رباعیات کہا جاتا ہے، رَفِي: (راکی سے صیغہ مجہول ماضی) کوئی چیز دکھائی دیتی، اس فعل کا نائب فاعل کیا ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں: (۱) لفظ ”رَفِي“ محذوف ہے یعنی رَفِي شَيْءٌ کَالنُّورِ، نور کی طرح ایک چیز دکھائی دیتی۔ (۲) علامہ منادی فرماتے ہیں کہ کَالنُّورِ نائب فاعل ہے، اور اس میں ”کاف“ اسم ہے جس کے معنی ہیں: مثل، اصل عبارت یوں ہوگی: رَفِي مِثْل

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۳/۱

(۲) الاصابة ۱۹۳/۷، باب البکری حزب الطاء، رقم: ۱۰۱۶۶

(۳) للعجم الكبير للطبرانی، باب احادیث عبداللہ بن عباس، رقم الخلیف: ۱۲۱۸۱۔

النور: نور ساد کھائی دیتا، بخارج من بین ثنایاہ: وہ نور آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا، یہ جملہ رتی کے نائب فاعل سے حال ہے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ کے سامنے کے دانتوں کی کیفیت

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے کے چاروں دانتوں یعنی ثنایا علیا اور ثنایا سفلی میں قدرتی طور پر ذرا خلا اور فاصلہ تھا، وہ آپس میں جڑے ہوئے اور ملے ہوئے نہیں تھے، ان دانتوں میں اس طرح کا فاصلہ حسین اور خوبصورت ہونے کی علامت ہوتی ہے، عرف میں اس طرح کا آدمی بہت حسین و جمیل شمار ہوتا ہے، اور اللہ جل جلالہ نے جس طرح نبی کریم ﷺ کو باطنی کمالات سے خوب نوازا تھا، اسی طرح آپ ﷺ حسن و جمال کے بھی انتہائی اعلیٰ معیار پر تھے، گویا آپ ﷺ ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے اوج کمال پر ہیں، کوئی آپ ﷺ کا ثانی نہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایک نور ساد کھائی دیتا، جو آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا، رتی کا نور بخارج من بین ثنایاہ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ اکثر حضرات کے نزدیک اس میں نبی کریم ﷺ کے کلام کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کے دانتوں سے گویا ایک نور سا نکل رہا ہے، وہ ایک نورانی کلام ہوتا۔ (۲)

۲۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ یہ محض تشبیہ ہی نہیں، بلکہ حقیقت میں یہ ایک محسوس ہونے والی چیز ہوتی، جو ہر دیکھنے والا اسے دیکھتا تھا، اور مجرمانہ طور پر حضور اقدس ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے وہ نکلتی تھی۔ (۳)

(۱) جمع الوسائل فی شرح السائل ۶۷/۱

(۲) مرقاة المفاتیح ۴۵۰/۱۰ کتاب الفضائل والصفات، باب أسماء النبی وصفاته، رقم الحدیث: ۵۷۹۷

(۳) شرح المناوی علی حاشیة جمع الوسائل فی شرح السائل ۶۷/۱

بَاب مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النَّبُوَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں مہر نبوت کا بیان ہے۔

نبوت کی ایک اہم علامت اور معجزہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات اور معجزات میں سے سب سے اہم علامت اور معجزہ ”مہر نبوت“ ہے، مستدرک حاکم میں حضرت وہب بن منبہ کی ایک طویل روایت ہے کہ موئی علیہ السلام گھونگھریا لے بالوں والے گندی رنگ کے ایک لمبے قد کے آدمی تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنودہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے، جس نبی کو بھی بھیجا ہے، اس کے دائیں ہاتھ میں نبوت کی کوئی علامت ہوا کرتی تھی، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ (۱) یہ مہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی نشانی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (۲)

مہر نبوت کی ہیئت و صورت

”مہر نبوت“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان، دل کے بالقابل، دائیں جانب ابھرا ہوا گوشت کا ایک گول سرخ حصہ تھا، اسے مہر نبوت کہا جاتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ مہر نبوت کی شکل و صورت، ہیئت اور حجم کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ منقول ہیں، چنانچہ امام ترمذی نے اس باب میں آٹھ روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں مہر نبوت کی شکل و صورت سے متعلق پانچ طرح کے الفاظ ہیں: (۱) مِثْلُ رِزِّ السَّحَابَةِ (کپڑوں سے آراستہ دلہن کے کمرے کے گول بن کی طرح وہ مہر نبوت گول تھی) (۲) مِثْلُ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ (وہ مہر نبوت کی طرح تھی) (۳) شَعْرَاتُ مَشْجَمَاتٍ (مہر نبوت ایسی تھی جیسے کچھ جمع شدہ بال ہوں) (۴) كَأَنَّ فِيهِ ظَهْرَهُ بِضْعَةَ نَاشِرَةٍ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا)۔ (۵) مِثْلُ الْجَمْعِ (جیم پر پیش اور میم ساکن) حَوَّلَهَا حَبْلَانِ كَأَنَّهَا ثَائِلٌ (مہر نبوت ایک مٹھی کی طرح تھی، جس کے آس پاس کالے مٹے اور تل تھے) (۶) مِثْلُ الْبُنْدُقَةِ مِنَ اللَّحْمِ (وہ مہر ایسی تھی جیسے بیر کی طرح گوشت ہو) (۷) خَلْفَ كَتِفِهِ مِثْلُ الثَّقَاخَةِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کے پیچھے سیب کی طرح مہر نبوت تھی) (۸) اور دلائل النبوة للبیہقی میں یہ الفاظ ہیں: مِثْلُ السِّلْعَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں شانوں کے درمیان جسم

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع ۱/۱۶۱۔

(۲) المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۱۸۰/۳ رقم الحدیث: ۱۵۷۷ ذکر النبی موسیٰ بن عمران۔

کی کھال پر گوشت کا ایک ٹکڑا تھا)۔

ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ہر راوی نے اپنے ذہن کے مطابق مہر نبوت کی شکل و صورت اور ہیئت کو بیان کیا ہے، بعض نے صرف اس کی شکل کو اپنے الفاظ میں بیان کیا، بعض نے اس کے ظاہری حجم اور بڑے ہونے کی مقدار ذکر کی اور بعض نے شکل و صورت اور حجم دونوں چیزوں کو سامنے رکھ کر اسے بیان کیا، بس اتنی بات میں تو تمام احادیث متفق ہیں کہ مہر نبوت عام جسم سے الگ ایک نمایاں گوشت کا بھرا ہوا حصہ تھا، اس کی کیفیت کو ہر راوی نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مہر نبوت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کبوتری کا انڈا، یا حیر کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا ہو، اور جب وہ بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی کی شکل کی ہو جاتی تھی۔

اور بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اس مہر پر یہ لکھا ہوا تھا: محمد رسول اللہ، یا یہ لکھا تھا: سِرُّ قَائِلِ السُّوَرِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی جائیں، آپ کی مدد کی جائے گی) وغیرہ... ابن حبان نے اگرچہ ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی کوئی اصل اور ثبوت نہیں ہے، اس لیے ان باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے۔ (۱)

مہر نبوت کب لگائی گئی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کبر مبارک پر یہ مہر کب لگائی گئی؟ اس سلسلے میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

- ۱۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ پیدائش کے بعد فوراً یہ مہر لگائی گئی۔
- ۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مہر شش صدر کے موقع پر لگائی گئی۔ (۲)
- ۳۔ صحیح یہ ہے کہ مہر نبوت کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی علامت سے جانتے تھے، اور بعض روایات سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہی مہر نبوت کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور جن روایات میں ولادت کے بعد یا شش صدر کے موقع پر مہر نبوت لگانے کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ انہی سابقہ مہر کی تجدید اور اعادہ ہوئی، مہر نہ ہو، اور اگر مہر نبوت کی تجدید کئی بار ہو، تو اس میں کوئی مانع اور قباخت بھی نہیں، اس طرح ان تمام متعارض روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔ (۳)

(۱) فتح الباری ۶/۲۹۶، ۶۹۸، کتاب المناقب باب خاتم النبوة، رقم الحديث: ۳۵۴۱، تکملة فتح الملمم ۴/۵۶۵، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة، رقم الحديث: ۶۰۴۰، جمع الوسائل فی شرح الشہاغل مع شرح النواوی ۱/۷۲۔

(۲) فتح الباری ۶/۲۹۶، کتاب المناقب، باب اثبات خاتم النبوة، رقم الحديث: ۳۵۴۱۔

(۳) عمدة القاری ۳/۷۸، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء النامس، رقم الحديث: ۵۳، مزقاة المفاتیح ۲/۱۲۲، کتاب

الطہارة باب احکام الیاء، رقم الحديث: ۴۷۶، جمع الوسائل فی شرح الشہاغل مع شرح النواوی ۱/۷۸، سیرة المصطفیٰ ۱/۹۹، شرح

المواہب للزرقانی ۱/۱۲۰۔

یہ مہر نبوت نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر وفات تک تھی، چنانچہ یہی نے روایت ذکر کی ہے کہ جب صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کی وفات میں شک ہوا تو حضرت اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ پر رکھا تو وہ مہر نہیں تھی، تب ان کو یقین ہوا کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ (۱)

عَنْ الشَّالِبِ بْنِ يَزِيدٍ يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجَع. فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبُرْكَ، وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وُضُوئِهِ، وَقُمْتُ بِخَلْفِ ظَهْرِهِ، فَتَنَظَّرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مِثْلُ رِزِّ الْحَبْلَةِ. (۲)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بھانجا بیمار ہے، تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی اور پھر آپ ﷺ نے وضو کیا تو میں نے آپ ﷺ کے اعضاء سے گرنے والا پانی پیا، پھر میں آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی، جو دلہن کے لیے سجائے گئے کمرے کی گھنڈی یعنی گول ٹہن کی طرح (گول) تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خاتم: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: (۱) (تاء کے نیچے زیر ہو) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہوگا، معنی ہوں گے: نبوت کو ختم کرنے والے، نبوت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے۔ (۲) (تاء پر زبر ہو) اس کے معنی ہیں: مہر اور خاتم النبوة کے معنی ہیں: مہر نبوت، ذہبت بے خالہ: میری خالہ مجھے لے گئیں، وجع: (جیم کے نیچے زیر) مریض، بیمار، درد میں مبتلا آدمی، یہاں حدیث میں پاؤں کے گوشت میں درد مراد ہے، کیونکہ بخاری کی روایت میں ”وجع“ قاف کے ساتھ ہے، جس کے معنی ”پاؤں کے گوشت میں درد“ کے ہیں، وضوءہ: (واو پر زبر) آپ ﷺ کے وضو کا پانی، اس پانی میں دو احتمال ہیں: (۱) برتن میں بچا ہوا وضو کا پانی، (۲) وہ پانی جو نبی کریم ﷺ کے اعضاء سے وضو کے دوران نیچے گرتا تھا، یہاں حدیث میں یہ معنی مراد لینا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ صحابہ کرام برکت کے طور پر یہ پانی لیا کرتے تھے، (۳) زاء: (۱) (زاء کے نیچے زیر اور راء پر تشدید) گول ٹہن، گھنڈی (۲) انڈا، حبلہ: (حاء اور جیم پر زبر) (۱) دلہن کے لیے سجایا ہوا کمرہ، جو کپڑوں سے آراستہ کیا جاتا تھا، اور ان پر گول ٹہن بھی لگائے جاتے اور یہ کمرہ گنبد نما ہوتا تھا، دلہن کے لیے لگایا گیا پردہ، (۲) چکور کی طرح ایک پرندہ جو کوتر کی طرح ہوتا ہے، اس کی چونچ اور پاؤں سرخ اور گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔

(۱) دلائل النبوة للبيهقي ۲: ۱۹۷، باب ما يؤثر عنه صلى الله عليه وسلم من الفاظه في مرض موته وما جاء عند وفاته۔

(۲) سنن الترمذی، باب فی خاتم النبوة، رقم الحديث: ۳۶۳۳۔

(۳) مرقاة ۱۶۰/۲، کتاب الطهارة، باب احکام اللیاء، رقم الحديث: ۴۷۶۔

مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پہلی حدیث

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں آٹھ روایتیں مہر نبوت کی ہیئت و صورت سے متعلق ذکر کی ہیں، حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ”مہر نبوت“ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک اہم علامت ہے، جس کا ذکر پہلی آسمانی کتابوں میں بھی تھا، یہی مہر نبوت حضرت سائب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھی۔

مثلاً زِرِّ الْحَجَلَةِ اس میں لفظ ”زر“ اور ”الحجلۃ“ کے دونوں معنی کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

✽ جملہ کے معنی: پردوں اور کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا دلہن کا گنبد نما کمرہ، اس صورت میں لفظ ”زر“ کے معنی ”گول بٹن“ کے ہوں گے، کیونکہ اس کمرے کو مزین کرتے وقت ان کپڑوں پر گول بٹن لگائے جاتے تھے، مہر نبوت بھی اس بٹن اور گھنٹی کی طرح گول تھی۔

✽ جملہ کے معنی: چکور کی طرح ایک پرندہ، اس معنی کے لحاظ سے زر کے معنی انڈے کے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت ایسی تھی جیسے چکور کی طرح چرندے کا انڈا ہو، امام خطابي فرماتے ہیں کہ لفظ ”زر“ بعض روایتوں میں اس طرح منقول ہے کہ اس میں را پہلے ہے، اور زابعد میں ہے، اس کے معنی انڈے ہی کے ہیں۔ (۱)

۲۔ حضرت سائب بن یزید کے سر میں درد تھا یا دوسری روایت کے مطابق پاؤں میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت کے طور پر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور برکت کی دعا کی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِیْ عَصْمَرِہٖ وَصَحْبِہٖ یَا یُوٰسَیٰ بَارِکْ اَللّٰهُمَّ فِیْکَ (اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت دے) چنانچہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ حضرت سائب کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی برکت تھی کہ ان کا سر کالا ہی رہا، کوئی بال سفید نہیں ہوا، جبکہ سر کے علاوہ باقی بال سفید ہو گئے تھے، اور عمر و صحت میں یوں برکت ظاہر ہوئی کہ چورانوے سال کی عمر میں بھی ان کی صحت بالکل درست تھی، ان کی بینائی اور سماعت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور وہ خود اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ (۲)

۳۔ حضرت سائب کی خالہ کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاج کی خاطر وضو کیا یا اتفاقاً اس وقت وضو فرمایا، بہر حال علاج کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اعضاء سے گرنے والا پانی پلویا تو وہ صحیح ہو گئے، جبکہ بعض شارحین حدیث کے نزدیک اس پانی سے وضو سے بچا ہوا پانی مراد ہے۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کے سر پر شفقت کے طور پر ہاتھ پھیرنا اور اس کی عمر اور صحت کے لیے برکت کی

(۱) شرح مسلم للنوی ۲/۲۵۹، تکملة فتح اللہم ۲/۵۶۶، رقم الحدیث: ۶۰۴۲، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة

(۲) سیر أعلام النبلاء ۲/۵۱۲، رقم الترجمة: ۳۰۲، ط: بیروت جمع الو مسائل فی شرح الشمال ۶/۲۹۶

دعا کرنا سنون ہے۔ (۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَيْفِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةَ حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْخَمَامَةِ. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ایک سرخ غدود (کی طرح) تھی (یعنی گوشت کا ابھرا ہوا سرخ حصہ) جیسے کیوتری کا انڈا ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: غُدَّة: (غین پریش، دال پر زبر و تشدید) غدود، بےضہ: انڈا، حمامہ: کیوتری

مہر نبوت کے متعلق دوسری حدیث

اس حدیث میں مہر نبوت کی یہ ہیئت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک سرخ غدود کی طرح تھی جیسے کیوتری کا انڈا ہوتا ہے، قرطبی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت کی شکل و صورت سے متعلق جتنی روایات منقول ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، یہ مہر چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کیوتری کا انڈا ہو یا بھر کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا ہو اور جب بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی کی شکل کی ہو جاتی تھی۔ (۳)

عَنْ زَيْنَبَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ أَشَاءُ أَنْ أَقْبَلَ الْخَاتَمَ الَّذِي بَيْنَ كَيْفِيهِ مِنْ قُرْبِهِ لَفَعَلْتُ، يَقُولُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ: اهْتَزَّ لَهُ عَرَضُ الرَّحْمَنِ. (۴)

ترجمہ: حضرت زینبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اور میں اس وقت حضور ﷺ کے اتنے قریب تھی کہ اگر میں چاہتی تو آپ ﷺ کی مہر نبوت کو چوم لیتی، جو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان موجود تھی، آپ ﷺ حضرت سعد کے حق میں اس دن فرما رہے تھے، جس دن ان کی وفات ہوئی: عَرَضُ رَحْمَنِ ان کی (موت کی) وجہ سے جھوم گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: - اَقْبَلَ: (صیغہ متکلم) میں چوم لیتی، اهْتَزَّ لَهُ: ان کی موت کی وجہ سے جھوم گیا، غَرَضٌ سے حرکت میں آ گیا۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۱/۲۹۷

(۲) جامع الاصول، رقم الحدیث: ۸۸۰۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۴۴۔

(۳) اللوالب اللدنیۃ علی الشیائل للمحمدیۃ (ص: ۸۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل ۱/۷۱۔

(۴) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۸۵۷۔

حضرت رمیثہؓ نے قریب سے مہر نبوت کو دیکھا

حضرت رمیثہؓ (راپریش، میم پر زبر اور یاء ساکن) رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں سے ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک یہی روایت ہے، اور دوسری روایت حضرت رمیثہؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صلاۃ النبی سے متعلق نقل کی ہے۔

حضرت رمیثہؓ نے مہر نبوت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے اتنے قریب سے مہر کو دیکھا ہے کہ اگر میں چاہتی تو مہر نبوت کو چوم سکتی تھی، اس سے دراصل وہ بتانا یہ چاہتی ہیں کہ میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھی اور اس موقع پر میں نے حضرت سعد بن معاذ کی فضیلت سے متعلق یہ حدیث براہ راست سنی ہے۔

اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رمیثہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رمیثہؓ کی طرف دیکھا ہو، لہذا اس سے یہ استدلال کرنا کہ غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے، درست نہیں، جبکہ بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غیر محرم عورت کی طرف بھی دیکھ سکتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی طرح کے فتنہ کا احتمال نہیں تھا۔ (۱)

سعد بن معاذ کی وفات پر عرشِ رحمن جھوم اٹھا

اس حدیث میں حضرت سعد کی فضیلت کا ذکر ہے کہ ان کی وفات کے موقع پر عرشِ رحمن خوشی سے جھوم اٹھا، یہ عرش کیوں جھوما، کس وجہ سے وہ حرکت میں آگیا؟ شارحین حدیث نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ عرشِ رحمن حقیقت میں اس خوشی کی وجہ سے جھوم گیا کہ ایک انتہائی پاک روح آرہی ہے، اس مفہوم کو جھوم اہل سنت نے اختیار کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِغُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ**، ہر چیز میں شغور اور شعور موجود ہے، وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے، اگرچہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اس لیے اس حدیث میں بھی عرش کا حقیقتاً ہلنا اور خوشی سے جھومنا مراد ہے۔

۲۔ بعض کے نزدیک اس سے اہل عرش مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہاں کے تمام فرشتے حاملین عرش وغیرہ، اس نیک روح کی آمد پر خوشی سے جھوم اٹھے۔

۳۔ اس سے حضرت سعد کی موت کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ اہل عرب کسی اہم آدمی کی وفات ہو تو یوں کہتے ہیں: **أُظْلِمَتِ الدُّنْيَا لِمَوْتِ فُلَانٍ** (فلاں کی موت سے دنیا میں تاریکی چھا گئی ہے) **وَقَامَتِ الْفِيَاةُ لَهُ** (فلاں کے جانے سے تو

قیامت قائم ہوگئی)۔

۴۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت سعد کے جنازہ کا ہلنا مراد ہے، مگر یہ قول غلط ہے، کیونکہ روایات میں ”عرش رحمن“ کی تصریح موجود ہے۔ (۱)

حضرت سعد کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، عرش رحمن ان کی روح کی آمد پر خوشی سے جھوم اٹھا، مگر اس کے باوجود ان کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی، اس کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دوقول ہیں:

۱۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ قبر، حشر اور قیامت انتہائی دہشت ناک اور پرخطر مراحل ہیں، ان کی ہولناکی سے ولی تو کیا، کوئی نبی بھی بچ نہیں سکتا، اس لیے ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے اس قدر قابل رحمت نکال ہوں، مگر پھر بھی اس کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی ہو، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس زمین کے برابر مال و دولت ہو تو میں اس ہولناک منظر سے بچنے کے لیے قربانی کروں۔ (۲)

۲۔ الکوکب الدری میں ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت سعد اونٹ چرایا کرتے تھے، اور ان کے پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کا خاص اہتمام نہیں کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے قطروں سے اچھی طرح پرہیز نہ کرنے سے ایک نیک آدمی کی قبر کو بھی تھوڑی دیر کے لیے تنگ کیا جا سکتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ یہ ساری تفصیل اس روایت کے لحاظ سے ہے جس میں حضرت سعد کا نام ہے، مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ نہ تو حضرت معاذ سے متعلق ہے اور نہ سعد بن معاذ کے بارے میں ہے، بلکہ یہ کسی صحابی کے بارے میں ہے، جس کا روایت میں نام مذکور نہیں ہے۔ (۳)

حضرت سعد بن معاذ کے مزید مناقب اور احوال معارف ترمذی جلد چہارم باب مناقب سعد بن معاذ میں گزر چکے ہیں، انہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۱) فتح الباری ۱۵۶/۷، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، رقم الحدیث: ۳۸۰۳، شرح مسلم للنووی ۲/۲۹۴، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد بن معاذ، مرقاة ۱۱/۳۴۸، رقم: ۶۲۰۶، تکملة فتح الملہم ۵/۲۰۴، رقم الحدیث: ۶۳۰۱

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۵۶/۱

(۳) الکوکب الدری ۱/۱۰۳، ابواب الطہارة، باب ما جاء فی بول ما یؤکل لحمہ

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ - وَقَالَ: بَيْنَ كَيْفِيَّةِ خَاتَمِ النَّبُوءَةِ، وَهَوَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ. (۱)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؑ کے پوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ جب نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کرتے، تو یہ یہ اوصاف بیان کیا کرتے، پھر انہوں نے (یعنی ابراہیم نے یا حضرت علیؑ نے) پوری حدیث بیان کی (جو اس کتاب کے پہلے باب میں گزر چکی ہے) اور حضرت علیؑ یہ بھی بیان کیا کرتے کہ نبی کریم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث تفصیلاً پہلے باب میں گزر چکی ہے، امام ترمذی نے اسے اس باب میں صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں مہر نبوت کا تذکرہ ہے اور اس بات کا کہ مہر نبوت کی جگہ دو شانوں کے درمیان ہے۔

عَنْ عَلِيَاءِ بْنِ أَحْمَرَ الشَّكْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ عَمْرُو بْنُ أَهْطَبٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا زَيْدٍ، اذْنُ مِنِّي فَأَمْسَحْ ظَهْرِي، فَمَسَحْتُ ظَهْرَهُ، فَوَقَعَتْ أَصَابِعِي عَلَى الْخَاتَمِ قُلْتُ: وَمَا الْخَاتَمُ؟ قَالَ: شَعْرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ.

علیاء بن احمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے (یعنی حضرت عمرو بن اخطب سے ایک مرتبہ) فرمایا کہ اے ابو زید! میرے قریب ہو جاؤ اور میری کمر کو (ہاتھ سے) ملو، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کی کمر کو ملا، تو میری انگلیاں (اتفاقاً) مہر نبوت پر لگ گئیں، علیاء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن اخطب سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انہوں نے بتایا کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی۔

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ”ابو زید“ کی کنیت سے مشہور ہیں، نبی کریم ﷺ کے ساتھ حیرہ غزوات میں شریک ہوئے، عہد رسالت میں انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ جمع کیا تھا، انہوں نے آپ ﷺ کی کمر کو بھی ملا تھا، آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ جَعَلْهُ (اے اللہ ان کو خوبصورت کر دے) یہ دعا ان کے حق میں یوں منظور ہوئی کہ ان کے سر کے چند ہی بال سفید ہوئے، جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (۲)

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۸۔

(۲) الاصابة ۲/۱۳۱۳، رقم: ۵۷۶۱، جمع الوسائل، فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۷۶۱۔

مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق تیسری روایت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن الخطاب سے فرمایا کہ تم میرے پاس آ کر میری کمر کو ملو، ملنے کا یہ حکم یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ آپ ﷺ کو کمر میں کوئی تکلیف تھی، یا یہ کہ آپ ﷺ نور نبوت سے یہ سمجھ گئے کہ عمرو بن الخطاب مہر نبوت کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کی کیفیت کس طرح ہے، جو بھی وجہ ہو، اس سے بہر حال حضرت عمرو کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔

۲۔ کمر کو ملنے کے دوران اتفاقاً حضرت عمرو کا ہاتھ مہر نبوت پر لگ گیا، علماء بن احمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن الخطاب سے پوچھا کہ مہر نبوت کیسی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی۔

شراحین حدیث فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو نے بیچنے اس مہر کو نہیں دیکھا، بلکہ اس کے قریب بالوں پر ہاتھ لگا کر انہوں نے اس کی کیفیت یوں تعبیر کر دی کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی، ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

۳۔ اسی مفہوم کی روایت الطبقات الکبریٰ لابن سعد میں بھی ہے مگر اس میں ابو رمضہ کی سند سے ہے، (۱) اسے ملا علی قاری نے جمع الوسائل میں بھی ذکر کیا ہے، اور شرح المناویٰ میں ابو رمضہ کے بجائے ابو زمعہ کے الفاظ ہیں، مگر تحقیق و جستجو کے باوجود ذخیرہ احادیث میں یہ واقعہ ابو زمعہ کے الفاظ سے نہیں، بلکہ ابن سعد کے الطبقات الکبریٰ میں بھی ابو رمضہ کی سند سے ہی ہے، اور یہی صحیح سند ہے، اور یہاں شمائل میں ابو زید عمرو بن الخطاب کی سند سے یہ روایت ہے، میرک کہتے ہیں کہ کسی ایک روایت میں راوی کو وہم ہو گیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ بظاہر ایک ہی ہے، اس لیے محدثین کی نظر میں ترمذی کی یہ روایت جو ابو زید عمرو بن الخطاب کی سند سے منقول ہے، یہ ابن سعد کی روایت کردہ حدیث سے زیادہ صحیح اور مانج ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عزہ بن ثابت ہیں جو حضرت ابو زید عمرو بن الخطاب کے نو اسوں میں سے ہیں، جو بلاشبہ حضرت عمرو کی روایت کو زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي زَيْدَةَ يَقُولُ: جَاءَ سَلْمَانَ الْقَارِئِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَيْهَا زُطْبٌ، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا سَلْمَانُ مَا هَذَا؟ فَقَالَ: صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلَى أَصْحَابِكَ، فَقَالَ: ارْفَعْهَا، فَإِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ: فَرَفَعَهَا، فَبَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهِ، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا سَلْمَانُ؟ فَقَالَ: هَدِيَّةٌ لَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: السُّطُورُ.

(۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱/۲۵۸، باب ذکر خاتم النبوة الذي كان بين كتفي رسول الله ﷺ

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناویٰ ۷/۷۶

ثُمَّ نَظَرُوا إِلَى النَّحْلِ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْنَبُوا كَأَنَّ لِلْيَهُودِ، فَأَشْتَرَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَّاءٍ وَكُذَّاءٍ هَمَّا عَلَى أَنْ يَغْرُسَ لَهُمْ نَخْلًا، فَيَعْمَلُ سَلْمَانُ فِيهِ، حَتَّى تُطْعِمَ لَقَمَتَيْنِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ إِلَّا لَنَخْلَةٍ وَاحِدَةٍ، غَرَسَهَا عُمَرُ فَيَحْمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ غَابِهَا، وَلَمْ تَعْمَلْ نَخْلَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا شَأْنُ هَذِهِ النَّخْلَةِ؟ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَنَا غَرَسْتُهَا، فَتَرَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَقَمَتَيْنِهَا، فَيَحْمَلَتِ مِنْ غَابِهَا. (۱)

حضرت عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت بریدہ بن حبیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی ایک دسترخوان لائے، جس پر تازہ کھجوریں تھیں، اس دسترخوان کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھا (یعنی پیش کیا) آپ ﷺ نے پوچھا: اے سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کو تم اٹھا لو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ سلمان نے وہ کھجوریں اٹھالیں، پھر اگلے دن حضرت سلمان اسی طرح کھجوروں کا ایک دسترخوان لائے اور انہیں آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا (یعنی پیش کیا) پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ سلمان یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم (اس دسترخوان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھاؤ، پھر حضرت سلمان نے نبی کریم ﷺ کی پشت پر مہربوت کو دیکھا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ حضرت سلمان (اس وقت) یہود (یعنی قریظہ) کے غلام تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو اتنے اور اتنے درہم میں خرید لیا (یعنی عبد مکاتب بنالیا، اور پھر آپ ﷺ نے ان کا بدل کتابت بھی ادا کیا) اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ حضرت سلمان ان کے لیے کھجور کے درخت لگائیں اور ان میں کام کریں، یہاں تک کہ وہ پھل دار ہو جائیں، پھر نبی کریم ﷺ نے وہ پودے خود لگائے سوائے کھجور کے ایک پودے کے کہ اسے حضرت عمر نے لگایا، چنانچہ وہ تمام درخت اسی سال ہی پھل لے آئے، اور ایک درخت پھل دار نہیں ہوا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت کا کیا معاملہ ہے؟ (کہ یہ پھل دار نہیں ہوا) حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کھجور کا یہ درخت میں نے لگایا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے اس درخت کو اکھاڑا اور دوبارہ اسے خود لگایا، تو وہ بھی اسی سال ہی پھل لے آیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- رطب: (را پریش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، فوضعیہا: حضرت سلمان نے اس دسترخوان کو رکھا یعنی پیش کیا، ادفعہا: اس دسترخوان کو تم اٹھا لو، ما ہذا یا سلمان: سلمان یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ ایسٹوا: تم اپنے ہاتھوں کو اس دسترخوان کی طرف بڑھاؤ، پھیلاؤ، کشادگی پیدا کرو تا کہ سلمان سمیت سب اس میں شامل ہو سکیں، یغوس لہم: حضرت سلمان

یہود کے لیے پودے لگائیں، درخت لگائیں، تطعم: (تا پریش اور چین کے نیچے زیر یعنی میضہ معروف) وہ کھجور کے درخت پھل لے آئیں، وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، و لم یجعل لعلہ: ایک درخت پھل نہیں لایا، فنزعہا: نبی کریم ﷺ نے اس درخت کو نکال دیا، اکھاڑ دیا، فحملت من عامہ: چنانچہ پھر وہ درخت بھی اسی سال ہی پھل لے آیا۔

نبوت کی تین علامتیں دیکھ کر حضرت سلمان نے اسلام قبول کر لیا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے صوبہ اصفہان میں مقام ”بے“ کے رہنے والے تھے، دین حق کی تلاش میں ایک طویل عرصے تک سرگرداں رہے، اس کے لیے انہوں نے بڑی مشقتیں، غلامی کی زندگی اور کٹھن حالات برداشت کئے، ایک عیسائی پادری نے انہیں بتایا کہ آخری نبی کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب ہے، جو عرب ہوں گے اور دین ابراہیمی پر ہوں گے، اور ان کی ہجرت کی جگہ ایک ایسی زمین ہے، جہاں کھجوروں کی پیداوار بکثرت ہے، اور اس کی دونوں جانب کنگر ملی زمین ہے، پھر اس نے نبوت کی تین علامتیں بتائیں: (۱) وہ صدقہ نہیں کھائیں گے۔ (۲) ہدیہ میں دی گئی کھانے کی چیز وہ کھالیں گے۔ (۳) اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ (۱)

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، تو حضرت سلمان فارسی پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے، اس وقت وہ یہودی قریطہ کے غلام تھے، جیسے ہی انہیں پتہ چلا، تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور وہ تین علامتیں جانچنا شروع کر دیں:

- ۱۔ ایک دن حضرت سلمان فارسی دسترخوان لائے، جس پر تازہ پختہ کھجوریں انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں، اس روایت میں تو کھجوروں کا ذکر ہے، جبکہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے لکڑیاں جمع کیں، انہیں بیجا اور پھر کھانا بنوا کر لائے، اور طبرانی کی روایت میں حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درہم سے اونٹ کا گوشت خریدا، پھر اسے پکا کر بڑے پیالے میں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا، بظاہر ان روایات میں تعارض سا ہے، شارحین حدیث نے اس میں دو احتمال ذکر کیے ہیں:

- ۱۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی کئی بار دسترخوان لائے ہوں، کبھی اس میں کھانا تیار کرنا کر لائے، کبھی اونٹ کا فرائی گوشت اور کبھی کھجوروں کی ٹٹے لائے۔

- ۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک ہی بار دسترخوان لائے ہوں مگر اس میں یہ تمام ڈشیں موجود تھیں، کھانا، اونٹ کا بھونا ہوا گوشت اور تازہ پختہ کھجوریں، اس لیے روایات میں تعارض نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیسی کھجوریں ہیں، حضرت سلمان نے بتایا کہ یہ صدقہ کی ہیں جو آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کے صحابہ کے لیے میں لایا ہوں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے سے انہیں اٹھا لو، ہم صدقہ نہیں

کھاتے، اس میں آپ ﷺ نے ”محسن“ (ہم) کا لفظ استعمال فرمایا، اس سے یا تو تمام انبیاء مراد ہیں، یا اس سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار مراد ہیں، جن کے لیے صدقہ کا استعمال جائز نہیں، یا یہ کہ اس سے آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی مراد ہے۔

اس موقع پر صحابہ نے یہ کھانا کھایا یا نہیں؟ اس میں رد قول ہیں:

کسی نے نہیں کھایا، کیونکہ آپ ﷺ نے اسے اٹھانے کا فرما دیا تھا۔

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اسے کھا لو۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلی علامت تھی جسے میں نے اسی طرح دیکھ لیا، جس طرح مجھے اس پادری نے بتایا تھا کہ وہ نبی صدقہ نہیں کھائیں گے۔

پھر دوسری دفعہ حضرت سلمان اسی طرح مجھوروں کا ایک طباق لائے، اور بتایا کہ یہ نبی کریم ﷺ کے لیے ہدیہ ہیں، اسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ اپنے ہاتھ اس دسترخوان کی طرف بڑھاؤ، چنانچہ آپ ﷺ اور تمام صحابہ نے انہیں تناول کیا۔

یہ دوسری علامت تھی جسے حضرت سلمان نے دیکھ لیا۔

اب صرف تیسری علامت باقی تھی جسے دیکھنے کے لیے حضرت سلمان انتظار میں تھے، اسی فکر میں وہ ایک دن آئے، اس وقت نبی کریم ﷺ ایک صحابی کے جنازے کی وجہ سے بیچ میں تشریف فرما تھے، اس کے دن کا آپ ﷺ انتظار فرما رہے تھے، کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور میں پشت کی طرف گھومنے لگا تاکہ میں مہربوت کو دیکھ لوں، آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ مہربوت دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی چادر کمر سے ہٹا دی، تو میں نے وہ مہر دیکھ لی، اس تیسری علامت کو دیکھتے ہی حضرت سلمان فارسیؓ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے سامنے حضرت سلمان نے اپنی دکھ بھری داستان سنائی کہ وہ کہاں سے راہ حق کی تلاش میں لکے، کہاں اور کس طرح پہنچے، اور اب وہ بنی قریظہ کے غلام ہیں، بنو قریظہ کے کسی ایک یہودی کے غلام تھے، یا مشترک طور پر چند یہودیوں کے غلام تھے، اس کی تائید حدیث کے اس لفظ سے بھی ہوتی ہے: ان یغرس لہم میں ”حم“ ضمیر جمع کی استعمال کی گئی، پھر حضرت سلمان کے آقا نے انہیں مکاتب بنادیا یعنی یہ عہد کر لیا کہ اگر تم آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اتنا مال تم دیدو تو پھر آزاد ہو، اسے ”بدل کتابت“ کہا جاتا ہے۔

اس یہودی آقا نے بدل کتابت میں دو چیزیں طے کیں:

۱۔ چالیس اوقیہ نقد سونا، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

۲۔ سلمان تین سو یا بقول بعض پانچ سو مجھوروں کے پودے لگائیں، ان کی دیکھ بھال کریں، یہاں تک کہ ان پر پھل آ

جائے، تب وہ آزاد ہوں گے۔ (۱)

ان دونوں چیزوں میں نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان کی خصوصی مدد کی، اسی وجہ سے حدیث میں خریدنے یعنی بدل کتابت ادا کرنے کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ حضرت سلمان نے کھجوروں کے تین سو پودوں کا بندوبست کیا، جس جگہ پر ان کو لگانا تھا، وہاں گڑھے کھودے، پھر نبی کریم ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ان پودوں کو زمین میں لگایا، ترمذی کی اس روایت کے مطابق صرف ایک پودا حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا، ترمذی کے علاوہ اور کسی حدیث میں حضرت عمر فاروقؓ کے اس پودے کا ذکر نہیں ہے، البتہ بعض روایتوں میں حضرت سلمان کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک درخت لگایا تھا، سال کے بعد ان تمام درختوں پر پھل آگیا، یہ نبی کریم ﷺ کا ایسا معجزہ تھا جسے مدینہ کے سب ہی لوگوں نے مشاہدہ کیا، مگر وہ درخت جسے حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا تھا، اس پر پھل نہیں آیا، آپ ﷺ نے اس درخت کو خود اکھاڑ کر پھراپنے ہاتھ سے لگایا، تو اس کا بھی کچھ عرصہ کے بعد پھل نکل آیا، حالانکہ جس وقت اسے آپ نے لگایا تھا، وہ درخت لگانے کا موسم ہی نہیں تھا، یوں نبی کریم ﷺ کا دوسرا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا۔

سونے کا بندوبست اس طرح ہوا کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ سونا کہیں سے آگیا، آپ ﷺ نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ تم یہ لے لو اور اس سے چالیس اوقیہ سونا اپنے آقا کو دے دو، وہ کہنے لگے کہ یہ تو یا رسول اللہ تھوڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ ان شاء اللہ اسی سے پورا کر دیں گے، چنانچہ حضرت سلمان وہ سونا لے گئے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت ڈال دی کہ اس میں سے اسے چالیس اوقیہ سونا تول کر دے دیا، یہ بھی نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا کہ تھوڑے سے سونے سے اتنی بڑی مقدار ادا کر دی گئی۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی دعوت کرے تو مخصوص حالات میں اسے قبول کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس سے اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ وابستہ ہو، جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان کی دعوت قبول کرتی، حالانکہ ابھی تک وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، کیونکہ آپ ﷺ سمجھ گئے تھے کہ سلمان علامات نبوت دیکھ کر اسلام قبول کر لیں گے۔
- ۲۔ جس شخص کو کھانے کی کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو اعلیٰ ظرفی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شخص اپنے ساتھ کھانے میں وہاں پر موجود دوسرے لوگوں کو بھی شامل کرے۔

۳۔ حضرت سلمان فارسی نے تیسری علامت دیکھ لی کہ مہر نبوت آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ (۲)

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ الْعَوْفِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَغْنِي خَاتَمَ

(۱) سیر أعلام النبلاء ۳/۲۴۰، قصة سلمان الفارسي، رقم: ۹۶

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح للناوي ۷/۸۸

النَّبُوَّةُ - لَقَالَ: كَانَ لِي ظَهْرٌ بِضْعَةُ نَاشُورَةٍ (۱)

ترجمہ: ابوالنضر عقی یعنی منذر بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری سے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ (مہر نبوت کی شکل ایسی تھی کہ جیسے) آپ ﷺ کی پشت پر گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بضعۃ: (بام پر زیر اور زبر) گوشت کا ٹکڑا، ناشورۃ: ابھرا ہوا، اٹھا ہوا، اونچا، بلند۔

مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق چوتھی روایت

اس حدیث میں راوی نے مہر نبوت کی ہیئت یہ بیان کی کہ آپ ﷺ کی کمر مبارک میں مہر نبوت کی جگہ یوں محسوس ہوتی جیسے گوشت کا ابھرا ہوا ایک ٹکڑا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْجَسٍ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ لِي نَاسِي مِنْ أَصْحَابِهِ، فَذَرْتُ هَكَذَا مِنْ خَلْفِهِ، فَعَرَفَ الَّذِي أُرِيدُ، فَأَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ، فَأَرَيْتُ مَوْطِعَ النِّعَاطِ عَلَى كَيْفِيهِ وَمِثْلَ الْجُمُعِ حَوْلَهَا خِيَلَانٌ كَأَنَّهَا نَائِلِيلٌ، فَوَجَعْتُ حَتَّى اسْتَقْبَلْتُهُ، فَقُلْتُ: غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: "وَلَكَ" فَقَالَ الْقَوْمُ: اسْتَغْفِرُ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَلَكُمْ، ثُمَّ تَلَاهُ هَذِهِ الْآيَةَ: وَاسْتَغْفِرْ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنِّي وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مرجس فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب آپ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، میں نے اس طرح نبی کریم ﷺ کی پشت کے پیچھے چکر لگایا، کہ نبی کریم ﷺ میرا مقصد سمجھ گئے، اس لیے آپ ﷺ نے اپنی پشت سے چادر اتار دی، پھر میں نے آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کی طرح مہر نبوت دیکھی، جس کے ارد گرد سیاہ تل تھے، گویا سے ہیں، پھر میں لوٹا یہاں تک کہ میں نبی کریم ﷺ کے سامنے آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مغفرت فرمائیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اور تمہاری بھی (مغفرت فرمائے) لوگوں نے مجھ سے یعنی عبداللہ سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں اور تم سب کے لیے بھی (مغفرت کی دعا کی ہے) پھر حضرت عبداللہ نے سورہ محمد کی یہ آیت پڑھی: (ترجمہ: اور آپ مغفرت کی دعا کیجئے اپنے گناہ کے لیے، مومن مردوں کے لیے اور مومن عورتوں کے لیے)

(۱) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۲۱۔

(۲) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۲، تحف الخیرۃ للہرۃ، رقم الحدیث: ۵۸۲۰۔

مشکل الفاظ کے معنی :- درت : دار سے میضہ شکم : میں گھوما، میں نے چکر لگایا، من علفہ : آپ ﷺ کے پیچھے سے، فالقی الرداء : آپ ﷺ نے چادر کو اتار دیا، الجمع : (جیم پر پیش اور یم ساکن) مٹھی، حولہا : ”حاء“ ضمیر لفظ خاتم کی طرف لوٹ رہی ہے، اور مراد اس سے علامۃ النبوة ہے اس لیے مونث کی ضمیر لائی گئی ہے۔ الخیلان : (خام کے نیچے زیر) الخال کی جمع ہے : بدن میں کالے نشان، سیاہ تل، فالیل : مولول کی جمع ہے : مسہ، چنے کے برابر ٹھوس پھنسی، استقبلتہ : (میضہ شکم) میں آپ ﷺ کے سامنے آیا، قال القوم : قوم نے کہا، قوم سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پانچویں حدیث

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، سامنے آنے کے بجائے وہ آپ ﷺ کی پشت کی طرف چلے گئے تاکہ وہ مہر نبوت کو دیکھ سکیں، ان کا مقصد آپ ﷺ سمجھ گئے، آپ ﷺ نے اپنی کمر سے چادر ہٹا دی تاکہ وہ مہر نبوت دیکھ لیں، فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ دیکھی تو وہ ایک مٹھی کی طرح تھی، جس کے اطراف میں مسوں کی طرح سیاہ تل تھے، پھر میں نے سامنے آ کر آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مغفرت کرے، آپ ﷺ نے بھی حضرت عبداللہ کو مغفرت کی دعا دی۔

فقال القوم : اس کا قائل کون ہے؟ اس میں دو قول ہیں :

۱۔ حدیث کے راوی عاصم احوال ہیں، اور مجازاً انہیں قوم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ اس کے قائل حضرت عبداللہ بن سرجس ہیں، اور قوم سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

لوگوں نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ کیا واقعی حضور ﷺ نے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے، اس پر انہوں نے کہا: جی ہاں میرے لیے کی ہے اور تم سب کے لیے بھی دعا کی ہے، پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی واستغفر للذنبک و للمؤمنین والمؤمنات، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے لیے اور تمام مومن مرد اور عورتوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کریں، یقیناً آپ ﷺ نے اس آیت پر عمل کیا ہوگا، اس لیے مغفرت کی دعا میں صرف میں ہی نہیں بلکہ تم سب ہی شامل ہو۔

فقلت : غفر اللہ لک یا رسول اللہ، سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تو ہر قسم کی لغزش اور گناہ سے معصوم ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر، پھر مغفرت کی اس دعا سے کیا مراد ہے؟ اس کی شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں :

۱۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پیش آیا ہو۔

۲۔ غیر اختیاری طور پر جو وسوسے اور خیالات آجاتے ہیں، ان کی مغفرت کی دعا ہے۔

۳۔ اس سے استقامت اور دین میں ثابت قدمی مراد ہے۔

۴۔ سب سے بہتر یہ توجہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے درجات مزید بلند کرے، اس مفہوم میں کوئی اشکال نہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سرجس مرقی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے احادیث بھی نقل کی ہیں، جنہیں آئمہ حدیث نے صحاح ستہ میں روایت کیا ہے، اور آپ ﷺ کی کرمبارک پر حضرت عبداللہ نے مہر نبوت کو بھی دیکھا تھا، بعد میں انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي شَعْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے بالوں کا ذکر ہے
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نِصْفِ أَذُنَيْهِ. (۳)
حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے (سر کے بال) نصف کانوں تک تھے۔

نبی کریم ﷺ کے سر کے بال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم ﷺ کے بالوں سے مطلق جو روایات ذکر کی ہیں، ان میں بالوں کی چھ طرح کی کیفیت کا ذکر ہے: ۱۔ وہ بال آپ ﷺ کے نصف کانوں تک تھے۔ ۲۔ کانوں کی لوٹک۔ ۳۔ کانوں اور شانوں کے درمیان تک۔ ۴۔ شانوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ ۵۔ کندھوں کے قریب قریب تھے۔ ۶۔ آپ ﷺ کے بال چار مینڈھیوں پر مشتمل تھے۔

یوں بالوں کی لمبائی کے اعتبار سے روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی تین توجیہات ذکر کی ہیں، جن کی تفصیل چند صفحات پہلے باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ میں اس عنوان میں دیکھ لیجئے: ”نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی“

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۸۸/۱، ۸۹، للواهب اللدنی علی الشمائل للحمیدیہ۔ (ص: ۱۰۴)

(۲) الاصابة ۱۰۵۶/۲، عبد اللہ بن سرجس رقم الترجمة: ۴۷۰۷

(۳) سنن النسائی، رقم الحديث: ۵۲۳۳۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَةِ وَذُونَ الْوُفْوَةِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم ﷺ ایک ہی برتن (کے پانی) سے غسل کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے بال (بعض اوقات) مونڈھوں سے اوپر اور کان کی لو سے نیچے ہوتے تھے۔

میاں بیوی اکٹھے نہا سکتے ہیں

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ساتھ نہاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک ساتھ ایک ہی برتن کے پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔
- ۲۔ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل کر سکتا ہے۔
- ۳۔ نبی کریم ﷺ کے مبارک کے بال بعض اوقات مونڈھوں سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے ہوتے، یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے بلکہ درمیانی درجہ کے تھے۔ (۲)

عَنِ النَّوَّائِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمِثْكَبَيْنِ، وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَخْمَةَ أُذُنَيْهِ. (۳)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ درمیانہ قد تھے، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا (یعنی کندھے وسیع تھے) اور آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنْتَيْسَ: كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ بِالْجَفْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ، كَانَ يَنْلُغُ شَعْرُهُ شَخْمَةَ أُذُنَيْهِ. (۴)

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے بال نہ بالکل گھونگھریا لے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے (بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان تھے یعنی قدرے گھونگھریا لے پن اور کسی قدر سیدھے تھے) آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوتے تھے۔

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۵۵۔

(۲) جمع البوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹/۱

(۳) الجامع بین الصحیحین، رقم الحدیث: ۸۶۰۔

(۴) سنن الترمذی، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۶۲۳۔

عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَدَمَةً، وَلَهُ أَرْبَعُ خَدَائِرَ. (۱)
حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ (ہجرت کے بعد) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے، آپ ﷺ کے سر کے بال چار مینڈھیوں والے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ شُعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِلَى الْخَصَافِ أَذْنِبَهُ. (۲)
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال نصف کانوں تک ہوتے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- موبوعا: درمیانہ قد والے، جعدہ: (چیم پرز براور میں ساکن) پیچیدہ، گھونگھریا لے، سبط: سیدھے
بال، خدائر: غدیرہ کی جمع ہے: زلفیں، گیسو، میڈھیاں، قدمۃ: (قاف پرز براور ذال ساکن) ایک مرتبہ کا آنا۔

ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے

یہاں دو باتیں ہیں:

ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے:

۱۔ سن سات ہجری میں عمرے کی قضاء کے لیے۔ ۲۔ سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر۔ ۳۔ پھر اسی سفر میں عمرہ جعرانہ کے لیے۔ ۴۔ پھر سن دس ہجری میں حجۃ الوداع کے لیے۔

اوپر حدیث میں حضرت ام ہانی نے جس آید کا ذکر کیا ہے، اس سے فتح مکہ کے موقع پر آنا مراد ہے، اس دن آپ ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لائے تھے اور غسل کر کے وہاں نماز چاشت بھی پڑھی تھی۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سر کے بال چار مینڈھیوں پر مشتمل تھے، ان مینڈھیوں سے عورتوں جیسی مینڈھیاں مراد نہیں، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے مردوں کے لیے عورتوں کی طرح مینڈھیاں بنانے سے منع فرمایا ہے، اس لیے حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کے سر کے بال چار حصوں پر مشتمل تھے، جو مینڈھیوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ (۳)
باقی احادیث میں نبی کریم ﷺ کے بالوں کی مختلف حالتوں کا ذکر ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهُ، وَكَانَ الْمَشْرِكَونَ يَفْرِقُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ بِشَيْءٍ، لَمْ

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۹۳۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۸۸۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۱/۹۵، اللوائح اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدیہ۔ (ص: ۱۱۰)

فَوْقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِدَةً (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ابتداء میں) بالوں کو (مانگ نکالے بغیر ویسے ہی) چھوڑ دیا کرتے تھے، جبکہ مشرکین اپنے سروں کی مانگ نکالا کرتے تھے، اور اہل کتاب اپنے سروں کے بال (مانگ کے بغیر ہی) چھوڑ دیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ (شروع میں) ان امور میں اہل کتاب کے ساتھ موافقت کو پسند فرماتے تھے، جن میں آپ ﷺ کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے سر کی مانگ نکالنا شروع فرما دی۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، قَالَتْ: زَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَافِقَانِوَأَنْ يَنْعَ (۲)

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یسدل: آپ ﷺ مانگ کے بغیر بالوں کو چھوڑ دیتے، یغرقون: (فاء ساکن اور راپر زبر اور زیر دونوں جا رہے ہیں، بعض نے باب تفعیل سے روایت کیا ہے) مشرکین مانگ نکالتے، ثم فرق: پھر آپ ﷺ نے مانگ نکالنا شروع کر دی، مانگ کہتے ہیں: سر کے بالوں کو بالکل درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، بیچ میں جو لکیر سی جتی ہے، اسے مانگ کہتے ہیں، صفائو: ضفیرہ کی جمع ہے: میٹھیاں، ریش، گیسو۔

مانگ نکالنا سنت ہے

نبی کریم ﷺ ابتداء میں مشرکین مکہ کے ساتھ مخالفت اور اہل کتاب کے ساتھ موافقت کی بناء پر مانگ نہیں نکالتے تھے، کیونکہ مشرکین مکہ مانگ نکالتے تھے اور اہل کتاب سر کے بال یوں ہی چھوڑ دیتے، مانگ نہیں نکالتے تھے، اور اہل کتاب کے ساتھ یہ موافقت یا تو اس وجہ سے تھی کہ وہ مشرکین کے مقابلہ میں بعض احکام مثلاً توحید، آخرت وغیرہ میں اسلام کے قریب تھے، جبکہ مشرکین تو محض بت پرستی میں مشغول تھے، اور یا اہل کتاب کو مانوس کرنا پیش نظر تھا، تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر اس کے باوجود جب ان کی دشمنی اسلام کے ساتھ آئے دن بڑھنے لگی، اور مشرکین میں اسلام پھیلنے لگا، تو پھر آپ ﷺ نے اہل کتاب کی موافقت ترک فرمادی۔ (۳)

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض امور میں نبی کریم ﷺ اہل کتاب کی موافقت کیا کرتے تھے، مثلاً: ۱۔ اہل کتاب کی طرح آپ ﷺ مانگ نہیں نکالتے تھے پھر مانگ نکالنا شروع فرمادی۔ ۲۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ سفید بالوں پر خضاب نہ

(۱) سنن النسائی، رقم الحديث: ۵۲۳۸۔

(۲) للمعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث: ۱۰۲۸۔

(۳) بذل المجہود ۳/۱۶ کتاب الترجل باب فی الفرق، رقم الحديث: ۴۱۸۸۔

لگانے میں موافقت کرتے تھے پھر یہ موافقت چھوڑ دی اور خطاب کی اجازت دے دی۔ ۳۔ عاشوراء کے روزے میں ان کی موافقت فرماتے پھر ان کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ نو محرم یا دس محرم کا روزہ بھی عاشوراء کے ساتھ رکھا کریں۔ ۴۔ سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی پھر بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہو گیا۔ ۵۔ اہل کتاب کی طرح ناپاکی کے دنوں میں حائضہ عورت کے ساتھ میل جول ترک کر دی تھی، پھر جماع کے علاوہ ان دنوں میں اس کے ساتھ رہنے کا حکم دے دیا۔ ۶۔ جمعہ کا روزہ رکھتے پھر اس کا اہتمام ترک کر دیا۔ ۷۔ میت کے لیے کھڑے ہو جاتے پھر اس قیام کو ترک کر دیا۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سے زائد ایسے مسائل ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے اہل کتاب کی موافقت کی ہے، یہ موافقت ان امور میں تھی جن میں وحی کے ذریعہ اس وقت تک آپ ﷺ کو کوئی حکم اور تعلیم نہیں دی گئی ہوتی تھی، ان میں آپ ﷺ اہل کتاب کی اتباع کو پسند فرماتے تھے۔ (۲)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ پھر آپ ﷺ نے سدل کو ترک کر دیا اور فرق یعنی مانگ نکالنا شروع فرمادی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مانگ لے بغیر بالوں کو یوں ہی چھوڑ دے تو یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ بالوں کو اس انداز سے نہ لٹکایا اور چھوڑا جائے کہ جس سے خواتین کے بالوں کے ساتھ مشابہت لازم آجائے، ورنہ پھر اس طرح کرنا مکروہ ہوگا۔ (۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْجُلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کا بالوں میں نگلی کرنے کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أُرْجِلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ. (۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں نگٹھا کرتی تھی، جبکہ میں حیض یعنی ماہ واری کے دنوں میں ہوتی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْبِتُ ذَهْنَ رَأْسِهِ وَيُسْرِخُ لِحْيَتِهِ، وَيَكْبِتُ الْقِنَاعَ، حَتَّى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيْتٍ. (۵)

(۱) مرقاة المفاتیح ۲/۷۸ کتاب اللباس، باب الترجل رقم الحديث: ۴۳۲۵، ط: کوئٹہ، حاشیہ صحیح بخاری ۲/۶۳۹، کتاب

اللباس باب الفرق رقم الحديث: ۵۹۱۷، ط: مکتبۃ البشری کراچی

(۲) فتح الباری ۱۰/۲۳۲ کتاب اللباس، باب الفرق رقم الحديث: ۵۹۱۷

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح التناوی ۱/۹۷

(۴) الجمع بین الصحیحین، رقم الحديث: ۳۱۹۵۔

(۵) کنز العمال، رقم الحديث: ۱۸۲۷۹۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اپنے سر پر تیل اور اپنی ڈاڑھی پر کنگھا کیا کرتے تھے، اور تیل کے استعمال کے وقت اکثر اپنے سر پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ کپڑا گویا ایسا ہو جاتا، جیسے تیل فروش کا کپڑا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- تو رجل :- (تا اور را پر زبر، جیم پر تشدید اور پیش) کنگھا کرنا، کھٹا کرنا، کھٹا کرنا (صیغہ متکلم) میں کنگھا کیا کرتی تھی، دھن :- (دال پر زبر اور ہا ساکن، یہ مصدر ہے) تیل لگانا، استعمال کرنا اور دھن :- (دال پر پیش اور ہا ساکن) تیل کو کہتے ہیں، تسربیع لحيته: اپنی ڈاڑھی کو کنگھا کرتے، القناع :- (قاف کے نیچے زیر) وہ کپڑا جو سر پر تیل لگائے کے بعد رکھا جائے، تا کہ ٹوپی، پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، کائن :- (نون کی تشدید کے ساتھ) گویا کہ زیادت :- (زا پر زبر اور یاء پر تشدید اور زبر) تیل فروش، اس کو ”تیلی“ بھی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سر پر تیل لگاتے اور کنگھی کیا کرتے

مذکورہ احادیث میں چند چیزوں کا ذکر ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱۔ ماہواری کے دنوں میں عورت اپنے شوہر کی ہر طرح کی خدمت کر سکتی ہے، البتہ جماع کرنا اس دوران جائز نہیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کی ماہواری کے دنوں میں کنگھا کیا کرتی تھی۔
- ۲۔ نبی کریم ﷺ کثرت سے سر پر تیل لگاتے اور کنگھا کیا کرتے، اور سر پر تیل لگانے کے بعد ایک کپڑا اس پر رکھ لیتے، تا کہ ٹوپی اور پگڑی وغیرہ خراب نہ ہوں، وہ کپڑا زیادہ تیل لگنے سے ایسا ہو جاتا، جیسے تیل فروش کا کپڑا ہوتا ہے کہ اس پر زیادہ تیل لگا ہوتا ہے، آپ ﷺ یہ کپڑا اس لیے رکھتے تاکہ صفائی رہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ صفائی سحرائی کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔
- ضرورت کے مطابق کسی بھی وقت آدمی کنگھا کر سکتا ہے، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں تو اسے ان کا اکرام کرنا چاہیے یعنی انہیں صاف رکھے اور تیل لگا کر کنگھا بھی کر لیا کرے۔ (۱)
- حضرت عائشہؓ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغروہ میں سات چیزیں ساتھ رکھتے: ۱۔ تیل کی بوتل، ۲۔ کنگھی، ۳۔ آئینہ، ۴۔ سرمہ دانی، ۵۔ مسواک، ۶۔ قینچی، ۷۔ اور کھلانے کی ایک خاص لکڑ جس سے آپ ﷺ سر کے بالوں اور کمر کو کھجاتے تھے۔ (۲)

(۱) بذل المجہود ۲۴/۱۷ کتاب الترجل، باب ما جاء فی اصلاح الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۶۳ المواہب اللدنیہ علی الشیائل المحمدیہ (ص: ۱۱۵)

(۲) مرقاة المفاتیح ۲۸۸/۸ کتاب اللباس باب الترجل، رقم الحدیث: ۴۴۴۵، العلل للنتاہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن الجوزی ۲۸۸/۲ حدیث فی استصحاب الاب الزینۃ، ط: بیروت

اس سے معلوم ہوا کہ بالوں میں تیل کا استعمال اور کنگھا کرنا ایک مسنون عمل ہے، لہذا یہ کہنا کہ تیل کے استعمال سے جلد خراب ہوتی ہے، درست نہیں ہے۔

عَنْ عَالِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَحِبُّ التَّيْمَنَ فِي طَهْوَرِهِ إِذَا تَطَهَّرَ، وَفِي قَرْجَلِهِ إِذَا تَوَجَّلَ، وَفِي التَّعَالِهِ إِذَا انْقَعَلَ. (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ہر محترم کام میں) دائیں طرف سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے: اپنے وضو میں جب آپ ﷺ طہارت حاصل کرتے، کنگھا کرنے میں جب آپ ﷺ کنگھی کرتے اور جوتا پہننے میں جب آپ ﷺ جوتا پہنتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- التیمن: دائیں جانب سے شروع کرنا، فی طہورہ: (طہارہ پر زبرد پیش) اپنے وضو میں، وضو کا پانی استعمال کرنے میں، اذا توجَّل: جب آپ ﷺ کنگھا کرتے، فی التعالہ: اپنا جوتا پہننے میں۔

نبی کریم ﷺ ہر محترم کام کو دائیں طرف سے شروع فرماتے

نبی کریم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ ہر محترم کام کو دائیں جانب سے شروع کیا جائے، مذکورہ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر مثال کے طور پر ہے، کہ آپ ﷺ وضو میں، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں دائیں جانب کو اختیار فرماتے، اس حکم میں ہر محترم و مشرف اور معزز کام داخل ہے، لہذا کسی کو کوئی چیز دینے، لینے، مسجد اور گھر میں داخل ہوتے وقت، سر منڈوانے، مونچھیں بنانے، ناخن تراشنے، سر منڈا لینے کے وقت اور کھانے، پینے وغیرہ میں دائیں طرف سے آغاز کیا جائے، اور مسجد سے نکلنے وقت، جوتا پہننے اور بیت الخلاء سے باہر آتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالا جائے، غرض یہ کہ ہر محترم کام میں دائیں جانب سے آغاز کرنا مستحب عمل ہے، اور جو کام محترم اور باعثِ زینت نہ ہو، اس میں بائیں جانب کو اختیار کیا جائے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّوَجُّلِ إِلَّا عَجَا. (۳)

حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر کبھی کبھار۔

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ جَلَّ جَنَّا. (۴)

(۱) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۶۸۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح السائل ۱۰۲/۱۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۴۱۶۱۔

(۴) المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث: ۷۵۵۷۔

حضرت حمید بن عبد الرحمن ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ہے گا ہے کنگھی کیا کرتے تھے۔ ایک لفظ کی تشریح: غبا: (غین کے نیچے زیر اور باع پر زبر و تشدید) اس کے اصل معنی ہیں: اونٹ ایک دن گھاٹی یعنی پانی کی جگہ میں آکر پانی پیے اور ایک دن نہ آئے، پھر یہ لفظ ہر اس کام کے لیے استعمال ہونے لگا کہ جو ایک دن چھوڑ کر کیا جائے یعنی کبھی کبھار، گا ہے گا ہے۔

کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے کہ ہر وقت آدمی عورتوں کی طرح بالوں میں بناؤسنگار اور تیل کنگھی کرنے میں مشغول رہے، اس طرح کی زیب و زینت، میک اپ اور بناؤسنگار ایک عورت اپنے شوہر کے لیے تو کر سکتی ہے، مگر مردوں کو اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھار، گا ہے گا ہے کنگھی کیا کرتے تھے، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس وقت ہے، جب بالوں میں کنگھی کرنے کی ضرورت نہ ہو، ضرورت ہو تو کسی بھی وقت کنگھی کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، چنانچہ ابن العربی فرماتے ہیں: **فَوَاللَّهِ تَصْنَعُ، وَتَوَكُّهْ تَدْنُسُ وَاعْتِبَاءُهُ مُنْذَرٌ**۔ ہر وقت کنگھی کرتے رہنا تکلف اور بناوٹ ہے، بالکل کنگھی کو چھوڑ دینا میلا ہو جانا ہے اور کبھی کبھار کرنا یعنی ضرورت کے وقت کرنا سنت ہے۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- ۱۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں ضرورت کے مطابق کنگھی کا استعمال کرنا چاہیے۔
 - ۲۔ اپنے جسم، لباس، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو صاف ستھرا رکھنا، اور ان میں کنگھی کرنا تاکہ وہ بد نما نہ لگیں، اسلامی تعلیمات کا یہ ایک اہم حکم ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص میلا کھیلا رہے، سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں کنگھی نہ کرنے، تو یہ اس کے بزرگ ہونے کی علامت ہے، یاد رکھیے یہ کوئی بزرگی اور دین کا حکم نہیں، بلکہ اس سے ایک انسان کا بد سلیقہ ہونا ضرور معلوم ہوتا ہے، اس لیے اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھیے، اس سے اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ (۱)
- عن رجل من اصحاب النبی ﷺ اس ”رجل“ سے ایک صحابی مراد ہیں، صحابی کی اگرچہ تعین نہ ہو، بلکہ وہ مبہم ہو، تب بھی اس حدیث کی سند میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ بالاتفاق تمام صحابہ عادل ہیں، وہ کوئی غلط روایت بیان نہیں کرتے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس صحابی کا نام کیا ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں:
- ۱۔ حضرت حکیم بن عمرو۔ ۲۔ حضرت عبد اللہ بن مرجم۔ ۳۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل۔ یہ قول ملا علی قاری رحمہ اللہ کے

بَاب مَا جَاءَ فِي شَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے سفید بالوں کا ذکر ہے

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنْسِ بْنِ مَالِكٍ: هَلْ غَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ، إِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِي صَلَاحِهِ، وَلَكِنْ أَوَّلُهُمْ غَضِبَ بِالْحِجَاءِ وَالْكُفَمِ. (۲)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے غضاب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہیں پہنچی تھی کہ غضاب کی نوبت آتی، کچھ سفید بال صرف آپ ﷺ کی دونوں کنٹیوں میں تھے، البتہ حضرت ابو بکر صدیق مہندی اور کتم سے غضاب کیا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ قَالَ: مَا عَدَدْتُ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحْيَتَهُ إِلَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ. (۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سر اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں چودہ سے زائد سفید بال شمار نہیں کیے۔

عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، وَقَدْ سُئِلَ عَنْ شَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: كَانَ إِذَا دَهَنَ رَأْسَهُ لَمْ يَرَوْهُ شَيْبًا، وَإِذَا لَمْ يَدُهْنِ رَأْسَهُ لَمْ يَرَوْهُ شَيْبًا. (۴)

سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ سے نبی کریم ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب آپ ﷺ اپنے سر پر تیل لگاتے تو آپ ﷺ کے بالوں کی سفیدی دکھائی نہ دیتی اور جب آپ ﷺ تیل نہ لگاتے تو سفید بال دکھائی دیتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: إِنَّمَا كَانَ شَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْرًا مِنْ عَشْرِينَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ. (۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- شیب: (شیم پر زبر اور یا ساکن) بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، غضب: غضاب کیا، سفید بالوں پر رنگ لگایا، لم يبلغ ذلك: لم يبلغ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں، ۱۔ یہ ضمیر بالوں کی طرف لوٹے، معنی یہ ہوں گے: نبی کریم ﷺ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۱۷۰/۱

(۲) سنن النسائی، رقم الحديث: ۵۰۸۶۔

(۳) مسند الامام احمد، رقم الحديث: ۱۲۶۹۰۔

(۴) جامع الأصول، رقم الحديث: ۸۸۰۲۔

(۵) مسند الامام احمد، رقم الحديث: ۵۲۳۳۔

کے بال خضاب کی نوبت تک پہنچے ہی نہیں، ۲۔ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ”ذک“ سے خضاب مراد ہے، معنی یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خضاب تک نہیں پہنچے، ۳۔ یہ ضمیر ”شیب“ کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوں گے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اس قدر تھے ہی نہیں کہ ان پر خضاب لگایا جائے، النماکان شیبا فی صدغہ: اس روایت میں شیبہ کا لفظ ہے، جبکہ ایک دوسری روایت شیبہ کا لفظ ہے، اور کان کی ضمیر دونوں صورتوں میں شیبہ کی طرف ہے اور شیبہ کے معنی ہیں: بیاضا پسیرا۔ پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ سفید بال کنپٹیوں میں تھے، دوسری صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال کنپٹیوں میں کچھ تھے، فی صدغہ: (صاد پریش اور دال ساکن) صدغ کا ثنیہ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کنپٹیوں میں، الحناء: (حاء کے نیچے زیر اور نون پر زبر و تشدید) مہندی، الکتیم: (کاف اور تا پر زبر) ایک پودا جس سے خضاب کیا جاتا ہے، بعض نے اس کا ترجمہ دسمہ سے کیا ہے، ما عددت: میں نے نہیں گنے، میں نے شمار نہیں کیا، اذا دهن: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے، لم یر منه: اس میں منہ کی ضمیر شعر یعنی بالوں کی طرف لوٹ رہی ہے، و اذا لم یر منه: (ہام پریش یعنی باب نصر سے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل نہ لگاتے، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ ادھان یعنی باب افتعال سے ہے، و فنی منه: (صیغہ مجہول) نائب فاعل کی ضمیر ”شیب“ کی طرف اور منہ کی ضمیر ”شعر“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بال سفید تھے

مذکورہ احادیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت تھوڑے تھے، مگر ان کی تعداد میں روایات مختلف ہیں، چودہ، سترہ، اٹھارہ اور بیس بال، اس سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ سفید بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت کم تھے، اور تعداد کا یہ اختلاف بھی مختلف اوقات اور زمانوں کے اعتبار سے ہے، حقیقی اختلاف نہیں، ایک وقت میں ایک صحابی کو محسوس ہوا کہ اتنے بال سفید ہیں، اور دوسرے صحابی نے ان کو شمار کیا تو دوسری تعداد سامنے آگئی، کیونکہ گنتے اور شمار کرنے میں بھی فرق ہو سکتا ہے، مقصود تمام روایات سے یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت کم مقدار میں تھے۔ (۱)

۲۔ اس باب کی پہلی روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اس مقدار کو پہنچتے ہی نہیں تھے کہ انہیں خضاب لگانے کی نوبت آتی یعنی وہ بہت تھوڑے تھے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا جبکہ حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایات، جنہیں امام ترمذی نے باب ما جاء فی خضاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، بظاہر دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے حل میں دو

جواب ذکر کیے ہیں:

جن روایات میں خضاب کی لٹی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کے سر کے بال اس قدر سفید ہوئے ہی نہیں کہ انہیں ہر وقت خضاب کرنے کی ضرورت ہوتی، اور جن روایات میں خضاب کا ثبوت ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ کبھی کبھار آپ ﷺ ان پر خضاب کیا کرتے، دوام اور پابندی سے آپ ﷺ یہ عمل نہیں کرتے تھے، جس صحابی نے آپ ﷺ کو خضاب کی حالت میں دیکھا تو اس نے یہ روایت کیا کہ آپ ﷺ نے خضاب کیا ہے، اور جس وقت خضاب کا اثر نہیں تھا، اس حالت میں جس صحابی نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اس نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا، کیونکہ اکثر اوقات آپ ﷺ خضاب کے بغیر ہوتے تھے۔ (۱)

جن روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب کیا ہے، ان سے مجازی معنی مراد ہیں کہ بال جب سفید ہونے لگتے ہیں تو اس سے پہلے عموماً سرخ ہو جاتے ہیں، بالوں کی یہ سرخی اصلی ہوتی ہے، خضاب کی وجہ سے نہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے بال بھی اس طرح سرخ ہو گئے تھے، انہیں دیکھ کر راوی نے یہ بیان کر دیا کہ نبی کریم ﷺ نے بالوں پر خضاب کیا ہے۔ (۲)

۳۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ مہندی اور کتم سے خضاب کیا کرتے تھے، صرف مہندی سے سرخ کلر جتا ہے، اور کتم ایک ایسا پودا ہے جس کے خضاب سے سیاہی مائل سرخ کلر جتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کبھی مہندی سے خضاب کرتے ہوں اور کبھی کتم سے، اور کبھی دونوں کو ملا کر کلر کرتے ہوں، یکس کی صورت میں سرخ کلر جتا ہے مگر سیاہی کی طرف مائل ہوتا ہے، بالکل سیاہ رنگ کا استعمال درست نہیں، اس سے منع کیا گیا ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کے سر کے چند سفید بال کالے بالوں میں موجوں کی طرح چمکتے تھے، لیکن آپ ﷺ جب سر پر تیل لگاتے تو پھر بالوں کی سفیدی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ایسی صورت میں سارے بال ہی چمکنے لگتے تھے، یوں یہ سفیدی خلط ملط ہو جاتی تھی یا تیل لگانے کی وجہ سے بال جم جاتے تھے، جس سے سفید بال کم ہونے کی وجہ سے چھپ جاتے، اور جب سر پر تیل لگا ہوا نہ ہوتا تو پھر سفید بال نظر آتے تھے۔ (۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ شَبَّتْ، قَالَ: شَيْئِي هُوَ ذُو، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُزْسَلَاتُ،

وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. (۴)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ تو بوڑھے ہو

(۱) تکملة فتح الملہم ۵۵۹/۴ کتاب الفضائل باب شبہہ ﷺ رقم الحدیث: ۶۰۲۸

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشائل ۱۲۳/۱ باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل ۱۱۶/۱

(۴) معنی الترمذی، رقم الحدیث: ۳۲۹۷

گئے؟ (اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ عم یسماہ لون اور سورہ اذان الشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا ہے۔

عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ أَكَّ قَدْ ذُهِبَ، قَالَ: قَدْ ذُهِبَ لِي هُوَذَا، وَأَخَوَاتُهَا. (۱)

حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ ﷺ میں بڑھاپے کے

آثار ظاہر ہو رہے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- شبستی: (باب تفعیل سے) مجھے بوڑھا کر دیا، میرے اندر بڑھاپے کے آثار ظاہر کر دیئے، و اخواتها: اخت کی جمع ہے، معنی یہ ہیں: اور سورہ ہود جیسی سورتوں نے۔

مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا

حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک موقع پر نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ میں تو بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں، کچھ بال سفید ہو گئے ہیں، طبیعت میں ذرا ضعف اور جسم تھوڑا بھاری بھرکم ہو رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ کا مزاج تو معتدل ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابھی بڑھاپے کے آثار ظاہر نہ ہوتے، یہ گویا ان کے سوال کا منشا تھا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ان پانچ سورتوں نے بوڑھا بنا دیا ہے: سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، نباہ اور سورہ نکویر نے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، ان کی مزید تفصیل طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر سے تشریف لارہے تھے، اور ساتھ ہی اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ بھی پھیر رہے تھے، (جس میں کچھ سفید بال بھی تھے) حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ مسجد میں بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ انتہائی نرم دل تھے، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر اس قدر جلدی بڑھاپا آ گیا ہے، یہ کہہ کر رونے لگے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں: ”واخواتھا“ یعنی سورہ ہود جیسی سورتوں سے کون سی سورتیں مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سورہ واقعہ، قارعہ، سائل، اور اذان الشمس کورت۔ (۲)

ایک اور روایت میں سورہ حاقہ، گل اتاک حدیث الغاشیہ اور اقتربت الساعۃ کا بھی ذکر ہے۔

ان سورتوں کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان میں گزشتہ امتوں کے واقعات، ان پر عذاب کی تفصیل، قیامت، موت، حشر و نشر اور دوبارہ زندہ ہو کر اللہ جل شانہ کو حساب دینے کے امور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اور سورہ ہود کو اس وجہ سے

(۱) کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۵۸۶۔

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱/۲۳۵ ذکر شہید رسول اللہ ﷺ ط: بیروت

بھی ذکر کیا کہ اس میں ایک آیت ہے: فاستقم كما امرت، اس میں اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو دین پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ بلاشبہ استقامت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، مگر آپ ﷺ کو پھر بھی یہ فکر دامگیر رہتی کہ معلوم نہیں، استقامت کا یہ درجہ جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، مجھے حاصل ہے یا نہیں، اس فکر اور قیامت کے ہولناک مناظر میں غور و فکر کی وجہ سے آپ ﷺ میں بڑھاپے کے آثار جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ (۱)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ

دوسری حدیث کے راوی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام وہب بن عبد اللہ بن مسلم سوائی ہے، نبی کریم ﷺ کی آخری زندگی میں یہ حاضر خدمت ہوئے، نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث محفوظ کی ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی شکل و صورت میں نبی کریم ﷺ کے بہت مشابہ تھے، بعد میں یہ حضرت علی کے اہم ساتھیوں میں شامل ہو گئے تھے، حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں کوفہ میں پولیس کا نگران بنایا تھا، حضرت علی ان سے بہت محبت فرماتے تھے، اور انہیں وہب السوائی کے بجائے وہب الخیر کہتے تھے، واقعہ یہ کہ ۶۴ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ (۲)

عَنْ أَبِي رَمْثَةَ التَّيْمِيِّ، تِيمَ الزُّبَابِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنُ لَبِي، قَالَ: فَأَرَيْتُهُ، فَقُلْتُ لَمَّا رَأَيْتُهُ: هَذَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ تَوْبَانِ أَخْضَرَانِ، وَلَهُ شَعْرٌ قَدْ غَلَاةُ الشَّيْبِ، وَشَيْبَةٌ أَحْمَرٌ. (۳)

حضرت ابو رمثہ تیمی یعنی تیم زباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا ایک بیٹا بھی تھا، کہتے ہیں کہ پھر مجھ کو آپ ﷺ دکھائے گئے، جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں نے (بخیر کسی تاخیر کے دل میں) کہا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس وقت آپ ﷺ نے دو ہز پٹے پہن رکھے تھے، اور آپ ﷺ کے کچھ بال ایسے تھے، جن پر بڑھاپے کے آثار غالب آ گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سفید بال سرخ تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔۔۔ فاربتہ: اس لفظ کو دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، ۱۔ یہ باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور ”و“ ضمیر سے نبی کریم ﷺ مراد ہیں، ترجمہ: پھر مجھ کو حضور ﷺ دکھائے گئے، حضرت ابو رمثہ نے نبی کریم ﷺ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لیے حاضرین میں سے کسی نے انہیں بتایا کہ یہ حضور ﷺ ہیں، ۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فاربتہ معروف کا صیغہ ہو، اصل

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح اللانوی ۱۱۲/۶

(۲) الاصابة ۶/۹۰ حرف الواو من اسمہ وہب، رقم: ۹۰۸۷

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۲۳۔

عبارت یوں ہو جائے گی: اریب ابنی رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ دکھلائے، مگر راجح یہ ہے کہ یہ ماضی مجہول کا میخہ ہے، احضران: احضرت کا جثنیہ ہے، دوسرے، قد علاہ الشیب: آپ ﷺ کے کچھ بالوں پر بڑھا یا غالب آ گیا تھا، وشیبہ: اور آپ ﷺ کے سفید بال۔

حضرت ابو رمثہ تیمی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

حضرت ابو رمثہ تیمی رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہوئے، اس سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، حاضرین سے پوچھا تو انہوں نے دکھایا کہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہیں، فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میری نظر نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر پڑی تو میرے ضمیر نے فوراً یہ کہا کہ یہ اللہ کے بچے ہی ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ایسا پر نور اور خوبصورت تھا کہ جو بھی آپ ﷺ کو دیکھا، وہ آپ ﷺ کے صادق ہونے کا اقرار کر لیتا اور پھر وہ آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا، حضرت ابو رمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی تیمی ہے، ان کو تیم رباب کہا جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیم رباب سے تیم قریش کی نفی کرنا مقصود ہے، جو بکر کا ایک قبیلہ ہے، رباب دراصل پانچ قبیلوں پر مشتمل تھا: ضبہ، ثور، عکل، تیم اور عدی، ان پانچ قبیلوں نے تیل کی تلچھٹ میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، خوشی اور غمی میں ہم شریک ہوں گے، حضرت ابو رمثہ کا تعلق چونکہ قبیلہ تیم سے تھا، اس لیے انہیں تیم رباب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ اور ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، احادیث میں ان دونوں کا ذکر منقول ہے، چنانچہ بعض روایات میں ان کا مکہ مکرمہ میں جبکہ دیگر بعض روایات میں ان کا مدینہ منورہ میں آنا مذکور ہے۔

اس ملاقات میں حضرت ابو رمثہ نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر کچھ چیزیں دیکھیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر دو سبز چادریں تھیں، وہ چادریں یا تو مکمل سبز تھیں، جس طرح کہ ال جنت کا سبز لباس ہوگا یا وہ چادریں سبز دھاریوں والی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ مرد بھی سبز پہن سکتے ہیں مگر اس قدر شوخ سبز کپڑے جس سے عورتوں کے کپڑوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے، ان کا استعمال مردوں کے لیے درست نہیں، ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے کچھ بالوں پر بڑھاپے کے آثار غالب آ گئے تھے، لیکن وہ بال سرخ تھے، یہ سرخ کس وجہ سے تھے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ بالوں کی یہ سرخی اصلی تھی، کیونکہ بال سفید ہونے سے پہلے عموماً سرخ ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ کے بال بھی سفید ہونے سے پہلے سرخ ہو گئے تھے۔

✽ آپ ﷺ نے ان بالوں پر خضاب کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال کیا ہے، اس

کی مزید تفصیل اگلے باب میں ہے۔ (۱)

عَنْ سَمَاقِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: قِيلَ لِعَبَّادِ بْنِ شُعْرَةَ: أَكَانَ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ إِلَّا شَعْرَاتٌ فِي مَفْرُوقِ رَأْسِهِ، إِذَا أَذْهَنَ وَارَاهُنَ الذَّهْنُ. (۲)

حضرت سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے سر میں سفید بال تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سر کی مانگ میں صرف چند بال سفید تھے، جب آپ ﷺ تیل لگاتے تو تیل ان سفید بالوں کو چھپا دیتا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- شعرات: شعرة کی جمع ہے، چند سفید بال، مفروق: (میم پر زبر، فاء ساکن اور را کے نیچے زیر) مانگ نکالنے کی جگہ، واراھن: یہ مواراقت سے ہے، ”ہن“ ہمیر شعرات کی طرف لوٹ رہی ہے: تیل ان سفید بالوں کو چھپا دیتا۔

نبی کریم ﷺ تیل کا استعمال فرماتے

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کی مانگ میں صرف چند سفید بال تھے، جس وقت آپ ﷺ سر پر تیل لگاتے تو سارے بال ہی چمکنا شروع ہو جاتے، جس کی وجہ سے سفید بال نظر نہیں آتے تھے، اور جب آپ ﷺ تیل نہ لگاتے، تو اس وقت سفید بال کالے بالوں میں موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔
- ۲۔ بالوں پر تیل لگانا سنت ہے۔ (۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُضَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کا ذکر ہے

عَنْ أَبِي رَمَثَةَ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنِ لَبِيٍّ، فَقَالَ: إِنَّكَ هَذَا؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ أَشْهَدُ بِهِ. قَالَ: لَا يَجْنِي عَلَيْكَ، وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ، قَالَ: وَرَأَيْتَ الشَّيْبَ أَخْمَرَهُ. (۴)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للتناوی ۱۱۵/۱

(۲) مسند الامام احمد، رقم الحديث: ۲۰۸۴۰۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للتناوی ۱۱۷/۱

(۴) اطراف المسند للمعتلی، باب الزینة، رقم الحديث: ۸۱۶۸۔

حضرت ابو رمثہ یعنی رفاعہ بن یثربی کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ حاضر ہوا، تو حضور ﷺ نے پوچھا: کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ ابو رمثہ نے عرض کیا: جی ہاں (یہ میرا بیٹا ہے) آپ ﷺ اس کے گواہ رہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے جرم کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیرے گناہ کا بدلہ اس پر نہیں، ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں نے (اس وقت) آپ ﷺ کے سفید بالوں کو سرخ دیکھا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الثَّابِتِ، وَأَفْسَرُ، لِأَنَّ الزُّوَايَاتِ الصَّحِيحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ.

ترجمہ: ابویسی امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث خضاب سے متعلق بہترین حدیث ہے اور بہت واضح ہے، کیونکہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ بڑھاپے تک نہیں پہنچے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خضاب: ۱۔ رنگ کرنا، رنگنا، ۲۔ وہ چیز جس سے رنگ کیا جائے۔ اشہد بہ: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے، ۱۔ (میغہ امر) آپ ﷺ اس بات پر گواہ رہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے، ۲۔ (میغہ واحد متکلم) ترجمہ: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے، لایجنی علیک: وہ تجھ پر جرم نہیں کرے گا یعنی اس کے جرم کا بدلہ تجھ پر نہیں، لایجنی علیہ: اور تو اس پر جنایت نہیں کرے گا یعنی تیرے لیے کا بدلہ اس پر نہیں، المسر: (میغہ اسم تفضیل) زیادہ واضح، زیادہ کھولنے والی۔

ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا ہوگی

مذکورہ حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ زمانہ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر باپ کوئی جرم کرتا تو اس کے بیٹے کو بدلہ میں پکڑا جاتا اور اسے سزا دی جاتی، باپ کو کچھ بھی سزا نہ دی جاتی، اسی سوچ کے ساتھ حضرت ابو رمثہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس پر آپ ﷺ گواہ رہیں، یا یوں کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں، مقصد یہ تھا کہ اگر میں کوئی جرم کر دوں تو میرے اس بیٹے کو پکڑا جائے، مجھے کچھ نہ کہا جائے، یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام جاہلیت کی اس رسم کو رد کرتا ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ ”کرے کوئی اور بھرے کوئی“ قرآن مجید میں علی الاعلان یہ حکم ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ کوئی شخص دوسرے کے بوجھ کا ذمہ دار نہیں، لہذا اگر باپ کوئی جرم کرے گا تو اس کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے گا اور بیٹے سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اس کی سزا اس کے باپ کو نہیں ملے گی، بلکہ ہر شخص کو صرف اپنے کیے کی سزا ملے گی۔ (۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کے بڑھاپے کے بال سرخ تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے خضاب سے متعلق حضرت ابو رمثہ کی روایت واضح ہے، کیونکہ صحیح روایات

میں ہے کہ آپ ﷺ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں تھے، اس سے دراصل امام ترمذی اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے خضاب سے متعلق روایات ان کے نزدیک یا تو صحیح نہیں، یا وہ قابل تاویل ہیں، امام ترمذی نے اگرچہ خضاب کا مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں خضاب سے متعلق بعض روایات بھی ذکر کی ہیں مگر اس کے باوجود ان کا میلان اس طرف ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب نہیں کیا، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحیح روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں، آپ ﷺ کے بڑھاپے کے بال سرخ تھے، ان پر آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا تھا۔ (۱)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: مَثَلُ أَبِي هُرَيْرَةَ: هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. (۲)
عثمان ابن موهب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے خضاب کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں آپ ﷺ نے خضاب کیا۔

عَنِ الْجَهْدَمَةِ، امْرَأَةِ بَشِيرِ بْنِ الْخَصَّاصِيَّةِ، قَالَتْ: أَتَا زَيْدَ بْنَ مَرْثَدَةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَقَدْ اغْتَسَلَ، وَيُؤَمِّدُ رُذْغًا مِنْ جَنَاءٍ أَوْ قَالَ: رُذْغَ شَاكٍ فِي هَذَا الشَّيْخِ.

حضرت جہدمہ جو بشیر بن خصاصیہ کی بیوی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے غسل کیا تھا اور آپ ﷺ اپنے سر (سے پانی) کو جھاڑ رہے تھے، اور آپ ﷺ کے سر پر مہندی کا نشان تھا (حدیث میں رذغ (عین کے ساتھ)) یا رذغ (عین کے ساتھ) ہے، اس میں امام ترمذی کے استاد ابراہیم بن ہارون کو شک ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: رَأَيْتُ شُعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَغْضُوبًا. قَالَ حَمَّادُ: وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ عَقِيلٍ قَالَ: رَأَيْتُ شُعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَغْضُوبًا.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا، اور ابن عقیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بال خضاب کیے ہوئے دیکھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یخرج من بيته: اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے ہوئے، ينفذ: (یاء پر زبر، فاء اور ضاد پر پیش) آپ ﷺ جھاڑ رہے تھے، رذغ: (راء پر زبر اور ذال ساکن) یہ لفظ عین کے ساتھ ہے یا عین کے ساتھ، اس میں امام ترمذی کے شیخ ابراہیم بن ہارون کو شک ہے، اگر عین کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ”شدید کچڑ“ کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سر پر مہندی کے شدید نشان تھے، اور اگر یہ لفظ عین کے ساتھ ہو، تو اس کے معنی نشان کے ہیں، محدثین فرماتے ہیں کہ عین کے ساتھ یہ روایت صحیح ہے، مغلطوباً: خضاب کیا ہوا، رنگا ہوا۔

(۱) أوجز المسالك ۱/۳۱، السنة في الشعر، باب ما جاء في صبغ الشعر، خصائل نبوي (ص: ۵۸)

(۲) المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ۵۲۳۔

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بالوں پر خضاب لگایا یا نہیں؟ اس بارے میں ذخیرۃ احادیث میں دونوں طرح کی روایات ہیں، امام ترمذی نے بھی باب الخضاب میں دونوں طرح کی روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت ابو ریحہ کی ہے، اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال سرخ تھے، اس سے امام ترمذی نے اس بات پر استدلال کیا کہ بالوں کی یہ سرخی اصلی تھی، کیونکہ عموماً بال سفید ہونے سے پہلے سرخ ہو جاتے ہیں، ان بالوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، صحیح روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں تھے، سفید بال اس قدر نہیں تھے کہ انہیں خضاب کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، جبکہ اسی باب میں دیگر تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، اور حضرت انسؓ سے بھی دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، دیکھئے باب کی پہلی روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اسٹھے تھے ہی نہیں کہ انہیں خضاب کرنے کی ضرورت پیش آتی، اور اس باب میں حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، یوں ان روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کے حل میں تین باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ روایات مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جن روایات میں خضاب کی نفی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اس قدر سفید ہوئے ہی نہیں کہ انہیں ہر وقت پابندی اور دوام سے خضاب کرنے کی ضرورت ہوتی، اور جن روایات میں خضاب کا ثبوت ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خضاب کیا کرتے، دوام اور پابندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل نہیں کرتے تھے، چنانچہ جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب کی حالت میں دیکھا تو اس نے یہ روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، اور جس وقت خضاب کا اثر نہیں تھا، اس حالت میں جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس نے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، کیونکہ اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کے بغیر ہوتے تھے، اور کبھی کبھار خضاب کر لیتے، تاکہ امت کو اپنے عمل سے یہ بتا دیں کہ خضاب کرنا جائز ہے۔ (۱)

۲۔ جن روایات میں خضاب کا ذکر ہے، ان سے حقیقی خضاب مراد نہیں، بلکہ ان سے مجازی معنی مراد ہیں، ان سے بالوں کی وہ سرخی مراد ہے جو عموماً بالوں کے سفید ہونے سے پہلے آ جاتی ہے، یہ سرخی اصلی ہوتی ہے، خضاب کی وجہ سے نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی اس طرح سرخ ہو گئے تھے، انہیں دیکھ کر راوی نے یہ بیان کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں پر

(۱) فتح الباری ۴/۳۳۱، کتاب اللباس، باب ما یذکر فی الشیب، رقم: ۵۸۹۷، جمع الوسائل مع شرح المناوی ۱/۲۳۷، بذل للجهود ۱/۲۸، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، رقم: ۴۲۰۹، تکملة فتح اللہم ۵/۵۹۲، کتاب الفضائل باب شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۶۰۲۸، تقریرات الراغبی علی رد المحتار ۶/۳۱۰، کتاب الحضرو الاباحۃ، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

خضاب کیا ہے۔ (۱)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن روایات میں خضاب کی نفی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے تمام بالوں پر خضاب نہیں کیا اور جن احادیث میں خضاب کا اثبات ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف سفید بالوں پر خضاب کیا ہے۔ (۲)

سیاہ خضاب لگانے کا حکم

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ خالص سیاہ رنگ کے سوا دوسرے تمام رنگوں کا خضاب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے، اور سرخ خضاب، خواہ وہ خالص مہندی کا ہو یا براؤن، کچھ سیاہی مائل، جس میں کتم وغیرہ شامل کیا جاتا ہے، یہ مسنون ہے، چنانچہ جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم ﷺ سے ایسا خضاب کرنا ثابت ہے، بہت سی احادیث میں سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرے رنگوں کی فضیلت کا ذکر ہے، اور علماء فرماتے ہیں کہ سرخ خضاب مردوں کے حق میں سنت ہے، اور یہ مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہے۔

خالص سیاہ خضاب کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں تین صورتیں ہیں:

- ۱۔ جہاد کے موقع پر کوئی مجاہد خالص سیاہ خضاب لگائے، تاکہ دشمن پر رعب اور دہشت طاری ہو جائے، یہ صورت تمام آئمہ اور مشائخ کے نزدیک جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (۳)
- ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ دینے کے لیے سیاہ خضاب کیا جائے جیسے مرد عورت کو یا عورت مرد کو دھوکہ دینے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنے کے لیے ایسا کرے یا کوئی ملازم اپنے آقا کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا خضاب لگائے، یہ بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ دھوکہ دینا اتفاق کی علامات میں سے ہے، اور کسی مسلمان کو دھوکہ دے کر اس سے کوئی کام نکالنا بالاتفاق حرام ہے، اس پر چند احادیث:

﴿مَنْ غَشَّائَ فُلَيْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاغُ فِي النَّارِ﴾ (۴) جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، مکروہ فریب اور دھوکہ کا انجام جہنم ہی ہے۔

﴿حَضْرَتِ عَائِشَةَ مِنْ أَيْمَنِ مَرْفُوعٍ رَوَايَتُهَا: إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ وَهُوَ يَخْطُبُ بِالشَّوَادِ فَلْيُعْلِمْهَا أَنَّهُ يَخْطُبُ وَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۲۲۳ باب ما جاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ

(۲) بذل المجہود ۱/۳۸۸، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، رقم الحدیث: ۲۲۰۹

(۳) الفتاویٰ الہندیۃ ۵/۳۶۹، کتاب الکراہیۃ، باب: ۲۰

(۴) المعجم الصغیر للطبرانی ۲/۳۷۲، باب البقاء من اسمہ الفضل، رقم الحدیث: ۷۳۸ (الشاملة)

لَا يَنْقُزُ بِهَا۔ (۱) جب تم میں سے کوئی کسی خاتون کو پیغام نکاح دے اور اس مرد نے سیاہ خضاب لگا رکھا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس خاتون کو سیاہ خضاب کا بتادے اور اسے دھو کہ منڈے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ صرف زیب و زینت کے لیے سیاہ خضاب کیا جائے، تاکہ اپنے آپ کو یا اپنی بیوی کو خوش کرے، اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف اور بعض دوسرے مشائخ اسے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، جمہور آئمہ اور مشائخ اس صورت کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ (۲)

سیاہ خضاب کی ممانعت کے چند دلائل

فتح مکہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ لائے گئے، ان کے بال بالکل سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: غَيْرُوا هَذَا بِشَيْءٍ، وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ (۳) (بالوں کی سفیدی کو کسی کلمے سے تبدیل کر دو مگر سیاہ خضاب استعمال نہ کرنا)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِيهِ اَخِرَ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ، لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (۴) (آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی، جو سیاہ خضاب لگایا کرے گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح، ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے)۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ خَضَّبَ بِالسَّوَادِ، مَرَّوَدَ اللَّهُ وَجْهَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۵) (جس نے (دنیا میں) خالص سیاہ خضاب لگایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ کر دیں گے)۔

سیاہ خضاب کے جواز کے بعض دلائل

۱۔ حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنْ اَحْسَنَ مَا خَضَبْتُمْ بِهِ لِهَذَا السَّوَادُ اَوْ غَبَ لِنِسَائِكُمْ فِيهِ وَاهْتَبَ لَكُمْ فِي طُدُورٍ غَدَوَ كُفٌّ۔ (۶) (سب سے اچھا وہ خضاب جو تم کرتے ہو، وہ سیاہ رنگ ہے، اس میں تمہاری عورتوں کے لیے زیادہ رغبت ہوتی ہے اور یہ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں زیادہ رعب ڈالنے کا باعث ہوتا ہے)۔

اس حدیث سے مجاہد اور شوہر کے لیے سیاہ خضاب لگانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) السنن الكبرى للبيهقي ۴/۴۷۳، رقم: ۱۳۶۹۹۔ (الشاملة)

(۲) تكملة فتح الملهم ۱۳۹/۳، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة، رقم الحديث: ۵۴۶۶۔

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة، رقم الحديث: ۵۴۶۶۔

(۴) سنن ابن داود كتاب الرجل باب ما جاء في خضاب السواد، رقم الحديث: ۳۲۱۲۔

(۵) اوجز المسالك ۲/۱۵، كتاب الشعر باب ما جاء في صبغ الشعر۔

(۶) سنن ابن ماجه ۵/۴۷۳، اللباس، باب الخضاب بالسواد، رقم الحديث: ۳۶۲۵، ط: بيروت

۲۔ بعض صحابہ اور تابعین کے تعامل، قنادی اور آثار سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے، چنانچہ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں ان کے نام لکھے ہیں: حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، مغیرہ بن شعبہ، جریر بن عبد اللہ، عمرو بن عاص، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور محمد حنفیہ، ان حضرات سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے۔
امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان حضرات کے تعامل سے ہی استدلال کر کے فرماتے ہیں: كَمَا يُعْجِبُنِي أَنْ تَكْرَهَ لِي أَنْ يُعْجِبَهَا أَنْ أَتَزَيَّنَ لَهَا (جس طرح مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میرے لیے زیب و زینت اختیار کرے، اسی طرح اسے بھی یہ بات پسند ہے کہ میں اس کے لیے آراستہ ہو جاؤں) (۱)

جو حضرات سیاہ خضاب کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ ممانعت والی احادیث کے بارے میں دو باتیں کہتے ہیں:
❖ سیاہ خضاب کی ممانعت اس وقت ہے، جب اس سے کسی کو دھوکہ دینا مقصود ہو، لہذا اگر دھوکہ دینا پیش نظر نہ ہو، تو پھر اس کا استعمال جائز ہے، مگر جمہور مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث مطلق ہیں، ان میں کوئی قید نہیں، ایسے میں پھر انہیں دھوکہ دینے کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا۔

❖ ممانعت والی احادیث پر علماء جرح نے کلام بھی کیا ہے، یوں ان سے استدلال میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ (۲)
تاہم جمہور مشائخ ممانعت والی احادیث کی روشنی میں یہی فرماتے ہیں کہ خالص سیاہ خضاب کا استعمال غیر مجاہد کے لیے مکروہ ہے، پسندیدہ نہیں، اور جواز والی روایات اور صحابہ و تابعین کے عمل کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا خضاب، خالص سیاہ نہ تھا، بلکہ سرخ سیاہی مائل تھا، اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ممانعت کی احادیث کے باوجود حضرات صحابہ ان پر عمل نہ کرتے اور ان کے خلاف کرتے، اس لیے احتیاط یہی ہے کہ خالص سیاہ خضاب کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ (۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كُحْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے سرمہ لگانے کا بیان ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اكْخُجِّلُوا بِالْأَلْمُودِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيَنْبِثُ الشَّعْرَ. وَرَعِمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مَكْخُلَةٌ يَكْخُجِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ، وَثَلَاثَةً

- (۱) تکملة فتح الملہم ۱۴۹/۳ کتاب اللباس، باب استحباب خضاب الشیب، زاد المعاد لابن القیم، فصل فی ذکر شیء من الادویۃ والاغذیۃ ۳۶۸/۲ ط: بیروت
(۲) اوجز المسالك، کتاب الشعر، باب ما جاء فی صبغ الشعر ۲۷/۱۵، تحفة الاجود ۴۴۱/۵، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الخضاب، رقم الحديث: ۱۷۵۲، تکملة فتح الملہم ۱۵۰/۲
(۳) جواهر الفقہ ۱۶۶/۷، باب اللباس والزینۃ، اوجز المسالك ۲۶/۱۵، کتاب الشعر، باب ما جاء فی صبغ الشعر

(۱) فی ہلہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اٹھ کر سرمد آنکھوں میں لگایا کرو، اس لیے کہ وہ نگاہ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال اکاٹا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس یہ بھی کہتے: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سرمد دانی تھی، جس میں سے ہر رات تین سلائی اس آنکھ میں اور تین سلائی اس آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِيمِدِ فَلَا تَأْفِي كُلَّ عَيْنٍ، وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ فَلَا تَأْفِي كُلَّ عَيْنٍ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے (یعنی سوتے وقت) ہر آنکھ میں اٹھ سرمد کی تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے، اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ہارون اپنی حدیث میں عبداللہ بن عباس سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمد دانی تھی، جس میں سے سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْإِيمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيَنْبِثُ الشَّغَرِ. (۳)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوتے وقت اٹھ سرمد اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اکاٹا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمْ الْإِيمِدُ، يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيَنْبِثُ الشَّغَرِ. (۴)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اٹھ سرمد کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اکاٹا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْإِيمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيَنْبِثُ الشَّغَرِ. (۵)

(۱) للمعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث: ۱۲۳۹۱۔

(۲) تهذيب الآثار، رقم الحديث: ۱۹۔

(۳) سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۳۳۹۶۔

(۴) مسند الحمیدی، رقم الحديث: ۵۲۰۔

(۵) مسند البزار، رقم الحديث: ۶۰۹۳۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے سرموں میں بہترین سرمہ سرمہ ہے، وہ نگاہ کو چیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اکاٹا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بحمل: (کاف پر پیش اور حاساکن) سرمہ یا آنکھ میں ڈالی جانے والی کوئی بھی خشک دوا، اکھ حلو: تم سرمہ لگاؤ۔ الحمد: (ہزے کے لیے زید اور حاساکن) یہ ایک قسم کا پتھر ہے، جو سرخی کی طرف مائل ہوتا ہے، عرب ممالک میں بکثرت پایا جاتا ہے، البتہ سب سے بہتر وہ پتھر ہے جو اصطہان ایران سے لایا جاتا ہے، اس پتھر سے سرمہ بنا ہے، بدحو: چیز کرتا ہے، البصر: نگاہ، بکثت: البتہ سب سے بہتر، الشعر: پلکوں کے بال، مکحله: (میم پر پیش، کاف حاساکن اور حام پر پیش کے ساتھ) سرمہ دانی، بوزعم: یہ لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے: ۱۔ یعنی بات، تحقق قول۔ ۲۔ خشک اور گمان، بزم کی ضمیر قائل کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر ابن عباس کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں بزم کے پہلے معنی مراد ہوں گے، درمیان میں چونکہ حدیث کے الفاظ آگئے تھے، اس لیے بزم کا لفظ درمیان میں لایا گیا ہے، اس قول کو اکثر شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے۔ ۲۔ یہ ضمیر محمد بن حیدر راوی کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں بزم کے دوسرے معنی یعنی خشک اور گمان کے معنی مراد ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ اہتمام سے آنکھوں میں سرمہ لگاتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، اس سے آپ ﷺ سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے اور کبھی دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں ڈالا کرتے تھے۔
- ۲۔ آپ ﷺ نے اشد سرمہ استعمال کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، کیونکہ اس کے استعمال سے نگاہ تیز ہوتی ہے، اور پلکوں کے بال بڑھ جاتے ہیں، اور آنکھوں کی اچھی طرح مغائی ہو جاتی ہے، یہ بہترین سرمہ ہے، مگر بسا اوقات اشد سرمہ کسی آنکھ کے موافق نہیں آتا، دیکھتی آنکھ میں اس کا استعمال مفید نہیں ہوتا، اگر یہ صورت حال ہو تو پھر اشد کے علاوہ کوئی اور سرمہ استعمال کر لیا جائے۔

- ۳۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رات سوتے وقت سرمہ کا استعمال اہتمام سے کرنا چاہیے، اس سے آنکھوں کی بیماری دور ہوتی ہے اور نظر کمزور نہیں ہوتی، آج ہمارے معاشرے میں ہر بیماری کی طرح طرح کی بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں، ایسے میں سرمہ کی اس سنت پر اور زیادہ پابندی سے عمل کرنا چاہیے، مقصد سنت کی پیروی ہو، زیب و زینت اور نمائش پیش نظر نہ ہو۔

وقال یزید بن ہارون فی حدیثہ، امام ترمذی اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسرائیل اور یزید بن ہارون کے

الفاظ میں اختلاف ہے اور قال یزید بن ہارون فی حدیثہ کے بعد جو حدیث کے الفاظ ہیں، یہ ابن عباس سے یزید بن ہارون کے طریق کے ہیں، اور ان دونوں حضرات نے عباد بن منصور سے روایت کیا ہے اور دونوں سندیں متصل ہیں، معلق یا مرسل نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے۔

ح و حدثنا علی بن حجر، اس میں لفظ ”ح“ اختصاراً لکھا جاتا ہے، اس سے ایک سند سے دوسری سند کی طرف تحویل مراد ہوتا ہے، پھر کسی ایک راوی پر یہ دونوں سندیں جمع ہو جاتی ہیں، اسے مدار اسناد یا مرکز اسناد کہا جاتا ہے، اس سند میں عباد بن منصور مرکز الاسناد ہیں۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے لباس کا ذکر ہے

لباس کی پانچ قسمیں

- ۱۔ واجب: لباس واجب سے وہ لباس مراد ہے جس سے ستر کو چھپایا جاسکے۔
- ۲۔ مستحب: یہ وہ لباس ہے جسے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہے، جو سردی گرمی اور موسمی اثرات سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے، جیسے عام کپڑے، سفید کپڑے، اور عیدین کے موقع پر عہدہ اور صاف لباس پہننا، نماز جمعہ کے لیے سفید یا صاف لباس۔
- ۳۔ مکروہ: ایسا لباس جسے شریعت نے پسند نہیں کیا، جیسے مردوں کے لیے تیز سرخ لباس کا استعمال یا کوئی مالدار ہر وقت پھٹا پرانا لباس ہی پہنتے۔
- ۴۔ حرام: یہ وہ لباس ہے جو شرعاً ممنوع ہے، جیسے مردوں کے لیے بلا عذر ریشمی لباس کا استعمال۔
- ۵۔ مباح: ایسا لباس جس کی شریعت میں نہ ترغیب آئی ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے، اور وہ ستر کو بھی چھپا دے، اس طرح کا لباس پہننا جائز ہے۔ (۲)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ. (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پہننے کے لیے سب کپڑوں میں سے کرتا زیادہ پسند تھا۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح المناوی ۱۲۷/۱

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل ۱۳۰/۱، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۲۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا بہت پسند تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے لباس میں سے کرتا اور چادروں میں سے بھی مقش چادر بہت پسند تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے میں کرتا زیادہ پسند اس وجہ سے تھا کہ اس میں انسان کا بدن اچھی طرح چھپ جاتا ہے، اسے پہننا بھی آسان ہے، خود ہی یہ جسم پر ٹھہر جاتا ہے، کسی چیز سے اسے باندھنا نہیں پڑتا اور دیکھنے میں بھی خوبصورت لگتا ہے، جبکہ چادر اور ڈھمی اور پہنی جائے تو اسے کسی چیز سے باندھنا پڑتا ہے، مخصوص انداز سے اسے لپیٹنا پڑتا ہے، اس کے باوجود اس کے گزرنے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور کرتے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہننے میں کرتے کو ان وجوہ کی وجہ سے پسند فرماتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدیہ کیا جائے۔ (۱)

علامہ قاری رحمہ اللہ نے دیلمی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا روٹی سے بنا ہوا تھا، جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اس کی آستینیں بھی زیادہ لمبی نہ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا صرف ایک عدد ہی تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اور شام کے کھانے میں سے صبح کے لیے بچا کر رکھنے کا نہ تھا، اور کوئی کپڑا، کرتا، چادر، لنگی اور جوتے دو عدد نہ تھے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دنیا کے سناڑ و سامان اور لباس وغیرہ چیزوں میں دل نہیں لگانا چاہیے، ہر وقت اس کی فکر و توجہ کا محور، اور اس کی صبح و شام کی تک و دو، صرف اور صرف آخرت کے امور کے لیے ہونی چاہیے، تاکہ کسی طرح آخرت کی زندگی سنور جائے، دنیا اور اس کی چیزوں سے ایک ضرورت کی حد تک تعلق اور لگاؤ ضرور ہو، مگر اسے مقصد حیات نہ سمجھا جائے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ: كَانَ كُمٌّ قَمِيصٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الزَّيْغِ. (۳)

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین پیچے (یعنی کلائی) تک ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کم: (کاف پر پیش اور میم پر تشدید) آستین، زینغ: (زای پر پیش، سین ساکن) پہنچا، کلائی، گلا، ٹٹھا یعنی پٹھلی اور بازو کے درمیان کا جوڑ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستینیں عموماً کلائی تک ہوتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستین کہاں تک ہوتی؟ اس بارے میں دو طرح کی روایات منقول ہیں، ایک تو یہی ترمذی

(۱) بذل المجہود ۱۶/۱۹۳، کتاب اللباس باب ماجاء فی القميص، رقم الحديث: ۴۰۲۶

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوصايف فی شرح الشرائع ۱/۱۳۲

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۴۰۲۹

کی روایت ہے جس میں ہے کہ یہ آستین کلائی تک ہوتی، اور سنن بیہقی میں آستین کا پچھلے سے بچے ہونا بھی منقول ہے، چنانچہ شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ روایات مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں، جس وقت آستین سکڑی ہوتی تو اس وقت وہ پچھلے تک ہوتی، اور جب وہ سیدھی ہوتی تو کلائی سے ذرا لمبی دکھائی دیتی۔

۲۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ روایات اندازے، تخریج اور تقریب پر محمول ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ آستین کلائی تک یا اس سے زیادہ قریب قریب ہی ہوتی تھی۔

۳۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ کرتے کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ کلائی تک ہو، اور کرتے کے علاوہ جبہ وغیرہ میں ذرا نیچے تک ہو سکتی ہے، مگر ہاتھوں کی انگلیوں سے لمبی نہ ہو۔ (۱)

۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ وہ روایات کہ جن میں آستین کے پچھلے تک ہونے کا ذکر ہے، یہ افضلیت پر محمول ہیں، اور کلائی سے زیادہ کی روایات میں بیان جواز کا ذکر ہے۔ (۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ کرتے کی آستین پچھلے یعنی کلائی تک ہی ہو، اس سے زیادہ نہ ہو، اور اگر تھوڑی بڑھ جائے مگر انگلیوں سے متجاوز نہ ہو تو یہ جائز ہے، اس سے زیادہ طویل نہ ہو، کیونکہ اس سے انسان عرف میں برا لگتا ہے، اور ہاتھ سے کام وغیرہ کرنے میں مشکل بھی پیش آتی ہے، اور وہ آستین کلائی سے کم بھی نہ ہو، ایسے میں پھر گرمی سردی اور موسم کے اثرات اس پر پڑیں گے، یوں اسے تکلیف ہو سکتی ہے۔

عَنْ قُرَّةَ بْنِ إِيَّاسٍ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زَهْطٍ مِنْ مَرْثَةِ لُبَابَةَ، وَإِنْ قَمِيصُهُ

لَمُطْلَقٌ، أَوْ قَالَ: زُرَّ قَمِيصُهُ مُطْلَقٌ، قَالَ: فَأَذْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ، فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ. (۳)

حضرت قرۃ بن ایاس فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ خزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر

ہوا، تاکہ ہم سب آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، اس وقت آپ ﷺ کا کرتہ (یعنی گریبان) کھلا تھا، یا یوں

فرمایا: آپ ﷺ کے کرتے کا بٹن کھلا تھا، فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کے کرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ

ڈالا اور (تبر کا) مہر نبوت کو چھویا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ زَهْطٌ: (راہِ زبر اور ہاساکن) قوم، لوگ، وہ جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، مَرْثَةُ:

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۱۲۴/۱۔

(۲) بذل المجہود ۱۶/۱۹۴، کتاب اللباس باب ما جاء فی القميص، رقم الحدیث: ۲۰۲۷۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۸۲، ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۷۸۔

(میم پر پیش اور زاپر زبر) قبیلہ معز کا ایک قبیلہ ہے، ایک عورت کے نام سے قبیلہ کا نام پڑ گیا، لنبا یعدہ: تاکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کریں، لمطلق: کشادہ، کھلا ہوا، ذر: (ذات کے نیچے زیر اور راہ پر تشدید) ثن، گھنڈی، جیب: گریبان، کرتے کا گلا جو گردن کے آس پاس بنا ہوتا ہے، منسبت: میں نے چھو یا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان کبھی کھلا ہوتا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ قبیلہ مزینہ کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کر کے نبوت کے فیض سے سرفراز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے نفس کی اصلاح کی غرض سے کسی متبع سنت بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہیے، اور جب ان سے پوری مناسبت ہو جائے تو پھر ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لینی چاہیے۔

✽ حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان کھلا تھا، یعنی گردن کے آس پاس اور سامنے سے وہ کرنا کھلا تھا، ثن نہیں لگائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عوام عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ کرتے کا گلا اور گریبان کھلا رکھتے، اور ثن بھی نہیں لگاتے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کے ثن ہوتے، مگر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ثن نہ لگاتے، اسے کھلا ہی چھوڑ دیتے، حضرت قرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیکھا تو کرتے کا گریبان کھلا تھا، اس ادا کو دیکھ کر حضرت قرہ اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ نے ساری زندگی اپنے کرتے کے ثن بند نہیں کئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مرد کسی وجہ سے اپنے کرتے یا قمیض کے ثن کھلے رکھے، تو ایسا کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اس طرح کرنے میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو یا معاشرے میں اس کی شخصیت کے بارے میں برا تاثر قائم ہو رہا ہو تو پھر گریبان کو کھلا نہیں بند ہی رکھنا چاہیے۔

✽ حضرت قرہ نے حصول برکت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت پر ہاتھ لگایا، ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا مزاج اور مقصد معلوم تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اور انہیں موقع دیا تاکہ وہ مہر نبوت کے انوار سے براہ راست فیض یاب ہو سکیں۔

او قال: زر قمیصہ مطلق، یہ کس راوی کو شک ہوا ہے، اس میں شارحین کے تین قول ہیں:

۱۔ حضرت معاویہ بن قرہ یا ان سے نیچے کسی راوی کو ان الفاظ میں شک ہوا ہے۔

۲۔ عصام کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن قرہ کو شک ہوا ہے۔

۳۔ امام ترمذی کے استاذ ابو عمار حسین بن حریت کو شک ہوا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ يَتَكَبَّرُ عَلَى أَسَافَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَلَيْهِ ثَوْبٌ قَطْرِيٌّ، قَدْ تَوَشَّعَ بِهِ، فَصَلَّى بِهِمْ.

وَقَالَ عَبْدُ بْنُ حَمِيدٍ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ: مَاتَنِي يَخْبِي بَنُ مَوْحِينَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ، فَقَالَ: لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ، فَقُضِيَ لَأُخْرِجَ كِتَابِي فَقَبَضَ عَلَى ثَوْبِي ثُمَّ قَالَ: أَمَلَهُ عَلَيَّ؛ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ، قَالَ: فَأَمَلَنِي عَلَيْهِ، ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (غالباً مرض وفاق میں) اپنے گھر سے باہر اس طرح تشریف لائے کہ آپ ﷺ حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے جسم پر ایک یمنی منقش چادر تھی، جسے آپ ﷺ نے اوڑھ رکھا تھا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

(امام ترمذی کے اساتذ) عبد بن حمید فرماتے ہیں کہ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے میرے پاس بیٹھے ہی سب سے پہلے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، چنانچہ میں نے (حدیث بیان کرنے کے لیے) کہا: حدیثنا حماد بن سلمہ اس پر یحییٰ بن معین نے کہا: اگر آپ یہ حدیث اپنی کتاب سے بیان کرتے تو اچھا ہوتا، میں (وہاں سے) اٹھ پڑاتا کہ میں اپنی کتاب (اپنے گھر سے) لے کر آ جاؤں، مگر انہوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہنے لگے: (پہلے) مجھے یہ حدیث اطاء کرا دیں، کیونکہ مجھے یہ امدیشہ ہے کہ (شاید) میں آپ سے (دوبارہ) نہ مل سکوں، محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ میں نے وہ حدیث انہیں اپنی یادداشت کی مدد سے اطاء کرا دی، پھر میں نے اپنی کتاب نکالی اور ان کو وہ حدیث (دوبارہ) پڑھ کر سنائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ وہو متکبر: اس حال میں کہ آپ ﷺ نے سہارا لیا ہوا تھا، ثوب قطری: (قاف کے نیچے زیر اور طاساکن) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: ۱۔ یہ ایک یمنی مضبوط چادر تھی، جو روئی سے بنائی جاتی، منقش اور دھاری دار ہوتی۔ ۲۔ یہ ایک عمدہ قسم کا لباس تھا، جو بحرین کے ایک شہر قطر سے لایا جاتا تھا، اسی سے اسے قطری کہا جاتا ہے، اصل میں قاف اور طاء پر زبر تھی (قطر) پھر خلاف قیاس قاف کے نیچے زیر اور طاء کو ساکن کر کے پڑھا جانے لگا، قد توشع بہ: آپ ﷺ نے اس چادر کو لپیٹا، اوڑھا، اول ما جلس الی: میرے پاس بیٹھے ہی سب سے پہلی روایت، لوکان من کتابک: اگر یہ حدیث آپ کی کتاب سے ہوتی، اس کی جزاء محذوف ہے یعنی: لکان احسن تو بہت اچھا ہوتا کہ اس میں زیادہ اعتماد اور دلی اطمینان ہے، املہ: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ میم کے نیچے زیر اور لام پر زبر و تشدید یہ املال سے صیغہ امر ہے: آپ اس حدیث کی اطاء کرا دیں، املہ: ہمزے پر زبر، میم ساکن اور لام کے نیچے زیر یہ املاع سے ہے: آپ یہ حدیث اطاء کرا دیں، فقرات علیہ: پھر میں نے وہ حدیث یحییٰ بن معین کو پڑھ کر سنائی، املیت: اگر یہ لفظ املال سے ہو تو اصل میں امللت ہوگا، پھر دوسرے لام کو یاء سے بدل دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے ”ثوب قطری“ کو زیب تن فرمایا

اکثر حضرات کے نزدیک مذکورہ حدیث کا واقعہ نبی کریم ﷺ کی مرض وفات کا ہے، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباس کے سہارے آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر آپ ﷺ اس دار فانی سے پردہ فرما گئے، (۱) اس موقع پر آپ ﷺ نے ثوب قطری یعنی یمن کا متعل دھاری دار کپڑا اوڑھ رکھا تھا، یا تو اسے کندھوں پر ڈالا ہوا تھا، یا اسے احرام کی طرح اوڑھ رکھا تھا یعنی دایاں کندھا نکلا، اور بائیں کندھے پر چادر تھی۔ (۲)

حضرت یحییٰ بن معین کا علم حدیث میں شوق کا ایک اہم واقعہ

امام ترمذی نے اپنے اساتذہ حضرت عبد بن حمید سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معین حضرت محمد بن فضل کے پاس ایک دفعہ حاضر ہوئے، بیٹھتے ہی حضرت محمد بن فضل سے مذکورہ حدیث کے بارے میں دریافت کیا، محمد بن فضل نے جب وہ حدیث زبانی سنانا شروع کی تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ آپ مجھے یہ حدیث اپنی کتاب سے املاء کرا دیں تو اچھا ہوگا، یہ فوراً اٹھ پڑے تا کہ اپنے گھر سے وہ کتاب لے کر آئیں، مگر یحییٰ بن معین نے ان کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر کہا کہ پہلے مجھے یہ حدیث سنا دیں، پھر کتاب لینے جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں آپ سے دوبارہ ملاقات ہی نہ کر سکوں، مجھے موت پیش آ جائے، واپس آ کر آپ دوبارہ مجھے اس کتاب سے املاء کرا دیں۔

اس سے حضرت یحییٰ بن معین کا علم حدیث کے ساتھ شوق اور وہاں نہ لگاؤ ثابت ہوتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھی ہیں، تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ علم جرح و تعدیل میں امام تھے، امام احمد بن حنبل ان کی فضیلت میں فرماتے ہیں: كُلُّ حَدِيثٍ لَا يَجُوزُ أَنْ يَنْحَقَّ بِغَيْرِهِ فَتَيْسُ بِحَدِيثٍ (جس حدیث کو یحییٰ نہ پہچانیں وہ کلام حدیث ہی نہیں) اور فرمایا: السَّخَاغُ مِنْ يَحْيَى شِفَاؤُ الْعَمَاقِ الضُّمُورِ (یحییٰ سے احادیث کو سنا دلوں کی تسکین کا باعث ہوتا ہے) حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، عصام کہتے ہیں کہ یحییٰ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں اس چارپائی پر غسل دیا گیا، جس پر نبی کریم ﷺ کو غسل دیا گیا تھا اور جس چارپائی پر آپ ﷺ کو غسل کے بعد رکھا گیا، اسی پر ان کو قبرستان لے جایا گیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت یحییٰ کا یہ واقعہ یہاں باب اللباس میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت محمد بن فضل سے اسی مذکورہ حدیث کے بارے میں پوچھا تھا، جس میں ثوب قطری کا ذکر ہے، اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جب اس

(۱) سنن الدار قطنی ۱/۲۸۶ کتاب الصلاة باب الامام يسبق للمؤمنين ببعض الصلاة رقم الحديث: ۱۳۸۵

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۱/۱۳۷

واقعہ کا لباس رسول سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر اسے یہاں کیوں ذکر کیا، درست نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ قَوْمًا، سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عَمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِي بِهِ، أَمَّا لَكَ خَيْرٌ وَخَيْرٌ مِمَّا صَنَعَ لَكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صَنَعَ لَكَ. (۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے کہ یہ پگڑی ہے یا کرتہ ہے یا چادر ہے، پھر یہ دعا مانگتے: اے اللہ تمام تعریفیں آپ کے لیے ہی ہیں، آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے، میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور اس کپڑے کی برائی سے، اور اس چیز کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ استجد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے، سماء: اس کپڑے کا نام لیتے کہ مثلاً یہ پگڑی ہے یا کرتہ ہے یا چادر ہے وغیرہ، کما کسوتیہ: اس کاف میں دو احتمال ہیں: ۱۔ یہ کاف یا تو علت اور سبب کے لیے ہے، مطلب یہ ہے: لک الحمد علی کسوتک لی ایاء (مجھے یہ کپڑا پہنانے پر آپ ہی کا شکر ہے) ۲۔ یہ کاف اختصاص میں تشبیہ کے لیے ہے، یعنی: الحمد مختص بک کا اختصاص الکسوة (تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے مخصوص ہیں، جس طرح آپ نے مجھے خصوصیت سے یہ کپڑا پہنایا ہے) اور کما میں لفظ "ما" مصدر یہ ہے، خیرہ: اس کپڑے کی بھلائی یعنی یہ کپڑا باقی رہے، ماصنع لہ: جس کے لیے اس کپڑے کو بنایا گیا یعنی میں اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکوں، وشو ماصنع: اور اس چیز کے شر سے جس کے لیے وہ بنایا گیا، میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس میں آپ کی نافرمانی کروں، تکبر وغرور اور غر کرؤں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا پہنتے وقت یہ دعا مانگتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو پہلے اس کا نام لیتے کہ یہ مثلاً کرتا ہے، چادر ہے یا پگڑی ہے وغیرہ اور پھر مذکورہ مسنون دعا مانگتے، اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ جل شانہ کی ہر قسم کی تعریف کرتا ہوں، اس نے مجھے جسم ڈھانپنے کے لیے یہ کپڑا عطا فرمایا ہے، میں اللہ سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں کہ یہ خراب نہ ہو، ضائع نہ ہو، اور میں اسے نیک مقاصد اور اللہ کی اطاعت والے کاموں میں استعمال کر سکوں، اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ کپڑا میرے لیے آرام و سکون کا باعث نہ بنے یا یہ کہ میں اس میں اللہ کی نافرمانی کروں، تکبر و غرور کروں، اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتاؤں، ان تمام چیزوں سے میں اللہ کی پناہ مانگتا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۱/۱۲۸، اللوالب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدیہ، ص: ۱۵۹

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۲۰۔

ہوں۔ (۱) یہ بہت اہم دعا ہے، اس لیے لباس پہننے وقت اہتمام سے اس دعا کو مانگنا چاہیے، تاکہ اس کی برکات ہمیں حاصل ہو جائیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةُ الْحَبْرَةِ. (۲)
حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو پہننے میں تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند یعنی دھاری دار چادر تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- احب الثياب: (میں نے اسم تفضیل) تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند، حبوة: (حاک کے نیچے زیر اور باپر زیر) روئی کی بنی ہوئی یعنی چادر، جو دھاری دار ہوتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کو یعنی دھاری دار چادر پسند تھی

اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کو یعنی چادر پسند تھی، جس پر سرخ یا سبز لکیریں تھیں، یعنی دھاری دار چادر، جبکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں کرتے کا ذکر تھا کہ آپ ﷺ کو پہننے میں وہ بہت پسند تھا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس کی مختلف تاویلیں ذکر کی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ پہننے میں آپ ﷺ کو کرتا بہت پسند تھا اور اوڑھنے میں یعنی چادر پسند تھی کہ یہ ہلکی اور نرم ہوتی تھی، اور جسم میں خوبصورت لگتی تھی۔

۲۔ یہ دونوں چیزیں مختلف اوقات کے اعتبار سے پسند تھیں، ازواج مطہرات کے پاس آپ ﷺ کو کرتا زیادہ پسند تھا اور صحابہ کرام میں آپ ﷺ جب تشریف لائے تو آپ ﷺ کو یعنی چادر اوڑھنا پسند تھا۔

۳۔ بعض حضرات نے یہ کہا کہ عموماً یعنی چادر سبز یا اس پر سبز لکیریں ہوتی تھیں، جو کہ آخرت میں اہل جنت کا لباس ہوگا، اس لیے آپ ﷺ کو یہ چادر پسند تھی۔ (۳)

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جَحْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهِ خُلَّةٌ حُمْرَاءُ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَرِيقِ مَسَافِيهِ. قَالَ مَتَفَيَّانٌ: أَوَّاهَا حَبْرَةٌ. (۴)

حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱/۱۳۹۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۶۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۸۸۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱/۱۴۱، ۱۴۰۔

(۴) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۱۸۷۵۹۔

سرخ جوڑا تھا، آپ ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میں دیکھ رہا ہوں، اس حدیث کے ایک راوی سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ سرخ جوڑا یعنی دھاری دار کپڑا تھا (بالکل سرخ نہیں تھا)۔

عَنِ النَّبَإِ بْنِ عَزَابٍ قَالَ: مَا زِلْتُ أَخْذِلُ مِنَ النَّاسِ أَحْسَنَ لِي حَلَاةَ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنْ كَانَتْ جُمُتُهُ لَتَضُرِبَ قَبْرِي بِهَا مِنْ مُلْكِيهِ. (۱)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو سرخ جوڑے میں نبی کریم ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل اور خوبصورت نہیں دیکھا، اس وقت آپ ﷺ کی زلفیں آپ ﷺ کے کندھوں کے قریب تک پہنچی ہوئی تھیں۔

عَنْ أَبِي رَمْثَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانٌ أَخْضَرَانِ. (۲)

حضرت ابورمثہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دوسرے چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حلة: (حاجہ پریش، لام پرزہ اور تشدید) کپڑوں کا نیا سوٹ، جوڑا، پوشاک، باریق، چمک، سفیدی، ساقیہ: آپ ﷺ کی دونوں پنڈلیاں، اڑاھا سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ سرخ حلة اس میں ”حاجہ“ ضمیر حلة حراء کی طرف لوٹ رہی ہے، جمة: (جم پریش، میم پرزہ اور تشدید) وہ زلفیں جو اس قدر بڑھ جائیں کہ کندھوں تک پہنچ جائیں، بردان اخضران: دوسرے لکیروں والی چادریں، اس سے ان کا پورا سبز ہونا مراد نہیں، کیونکہ ”برد“ لغت میں دھاری دار چادر کو کہتے ہیں اور ”اخضران“ سے یہ معلوم ہوا کہ ان پر سبز لکیریں تھیں، مکمل سبز نہیں تھیں۔

نبی کریم ﷺ کا سرخ لباس

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ کے لباس سے متعلق دو باتیں ذکر کی گئی ہیں :-

۱۔ آپ ﷺ نے سرخ لباس پہنا اور اس میں آپ ﷺ بہت ہی خوبصورت لگ رہے تھے، راوی کہتے ہیں کہ اس لباس میں آپ ﷺ کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں، یعنی وہ خوبصورت منظر اب بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس ”سرخ لباس“ سے خالص تیز سرخ ٹکڑے مراد نہیں جو عموماً عورتوں کا ہوتا ہے، بلکہ اس ”حله حراء“ سے وہ کپڑے مراد ہیں، جن میں سرخ لکیریں اور دھاریاں ہوں، یا بالکل قسم کے سرخ رنگ کا کپڑا مراد ہے، جس کا استعمال مردوں کے لیے بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

(۱) الصحيح للبخاری، رقم الحديث: ۵۹۰۱، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۷۲۳۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۴۰۶۵۔

۲۔ آپ ﷺ نے کبھی ایسی چادریں اور کپڑے بھی پہنے ہیں، جن پر سبز لکیریں تھیں، یا ان کا رنگ ہلکا سبز تھا، اس طرح کا لباس مردوں کے لیے درست ہے۔ (۱)

مردوں کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کرنے کا حکم

مردوں کے لیے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں قسم کی روایات نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، بعض سے جواز اور بعض روایات سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ دو روایات سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے، کہ خود نبی کریم ﷺ نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور جن روایات میں ممانعت یا کراہت کا ذکر ہے، ان میں سے چند روایات یہ ہیں:

۱۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا، جس نے دوسرے کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا، مگر آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے مردوں کو ثوب مصفر یعنی کم پودے سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ کم کا رنگ عموماً سرخ ہوتا ہے، مصفر ایک خاص قسم کے زرد رنگ کا پودا ہے، جس کو پانی میں ڈال کر کپڑوں کو رنگ کیا جاتا ہے، عربوں میں اس کا بہت رواج تھا، اردو میں مصفر کو ”کم“ (کاف پر پیش کے ساتھ) کہتے ہیں۔

باقی تمام فقہاء کرام نے تو جواز کی روایات کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لیے علی الاطلاق جائز ہے، اور احناف کے ہاں اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، مگر احناف کے نزدیک ممانعت اور کراہت والی روایات کی روشنی میں راجح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ تفصیل گہرے سرخ رنگ کے لباس سے متعلق ہے، البتہ ہلکے سرخ رنگ کا کپڑا یا ایسا کپڑا، جس میں سرخ دھاریاں اور لکیریں ہوں، مردوں کے لیے اس طرح کا لباس بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ دونوں روایتوں میں اسی طرح کے لباس کا ذکر ہے، اور مردوں کے لیے سرخ رنگ کی ٹوپی بالاثفاق جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (۲)

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَسْعَالٌ مُلَيَّتَيْنِ كَأَنَّكَ بَرَزَ عَفْرَانٍ وَقَدْ لَفَضْتُهُ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ. (۳)

حضرت قیلہ بنت مخرمہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو چھوٹے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل للاعلی القاری، مع شرح النواوی ۱/۱۳۱

(۲) اعلاء السنن ۱۶/۳۵۵، کتاب الحضر والاباحۃ باب کراہۃ لبس الثوب للعصر للرجال دون النساء، تکملة فتح اللہم ۳/۵۵۳، کتاب الفضائل، باب فی صفة شعر النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۶۰۱۹، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۱/۱۳۱، رد المحتار ۶/۳۵۸۔

(۳) سنن الترمذی، کتاب الادب، رقم الحدیث: ۲۸۱۵، جامع الاصول فی احادیث الرسول، رقم الحدیث: ۸۳۱۵۔

پرانے کپڑے پہن رکھے تھے، جو زعفران سے رنگے ہوئے تھے، مگر ان کا رنگ اڑ گیا تھا یا پھیکا پڑ گیا تھا، اور حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اسمال: سسل کی جمع ہے: پرانے کپڑے، یہاں اس لفظ جمع سے دو کپڑے مراد ہیں، کیونکہ اس کا مضاف الیہ ملیتین حشیہ ہے، اور لفظ اسمال کی ملیتین کی طرف اضافت بیان ہے، ملیتین: ملیہ (میم پر پیش، لام پر زبر اور یا پر زبر و تشدید) کا مشیہ ہے، اور ملیہ تصغیر ہے ملادہ (میم پر پیش اور ہمزے پر مد کے ساتھ) کی، الف کو حذف کر کے، اور اس کے معنی ہیں: تہ بند، چادر، ازار، کانتا بنو عفران: اصل عبارت یوں ہے، کانتا مصہو عتین بنو عفران: وہ دونوں کپڑے زعفران سے رنگے ہوئے تھے، قد لفضتہ: اس میں فعل کی ”عی“ ضمیر فاعل اسمال کی طرف اور ”ت“ ضمیر زعفران کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں: ان کپڑوں نے زعفران کے رنگ کو چھوڑ دیا یعنی ان کا زعفرانی رنگ اڑ گیا، یاد ہم اور پھیکا پڑ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عموماً سادہ ہوتا

مذکورہ حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عموماً معمولی اور سادہ ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عجز و انکساری اور تواضع کی وجہ سے ایسا لباس پسند فرماتے تھے، مگر بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمانوں کی آمد وغیرہ کے مواقع پر عمدہ اور شاندار لباس بھی پہنا کرتے تھے، لیکن یہ کبھی کبھار ہوتا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام لباس سادہ ہی ہوتا تھا چنانچہ مستدرک حاکم میں حضرت انس کی روایت ہے کہ ذی یزن کے بادشاہ نے ایک عمدہ لباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا جسے تینتیس اونٹ اور اونٹنیوں سے خریدا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہدیہ قبول کر کے ایک مرتبہ اسے پہنا۔ (۱) اور زید بن جعدان سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں کا ایک جوڑا ستائیس اونٹنیوں کے بدلے میں خریدا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تواضع کی وجہ سے سادے لباس کا استعمال جائز ہے اور تحدیثِ نعمت کے طور پر کبھی عمدہ لباس بھی پہننا چاہیے تاکہ عملاً اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کا اظہار ہو جائے۔

۲۔ یہ ذہن میں رہے کہ سادے لباس کا استعمال اگر محض تواضع کی وجہ سے ہو، تب تو وہ پسندیدہ ہے، پیش نظر اگر یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک اور بزرگ سمجھیں، یا شکستہ حالت سے لوگوں کو یہ تاثر دینا ہو کہ میں فقیر و محتاج ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ فقیر و محتاج ہے نہیں، تو پھر ایسے بندے کے لیے سادہ لباس کا پہننا درست نہیں ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص عمدہ لباس تکبر و غرور، ریاکاری اور بالداری کو ظاہر کرنے کی نیت سے پہنتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، عمدہ لباس صرف اس نیت سے پہننا چاہیے کہ اللہ نے جو

(۱) المستدرک علی الصحیحین ۱/۱۲۵، رقم الحدیث: ۷۵۴۳، کتاب اللباس، ط: دار الفکر بیروت۔

(۲) مسند ابن الجعد ۱/۴۵۵، رقم الحدیث: ۳۱۰۸ (الشاملہ)

مجھے نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، جو اس نے مجھے اچھی حالت میں رکھا ہوا ہے، میں اس کے شکر کے اظہار کے لیے یہ لباس پہن رہا ہوں، یہ اس کا فضل و کرم اور احسان ہے ورنہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔

اور جب کسی دینی مصلحت کا تقاضا ہو مثلاً کسی نے عمدہ لباس پہن دیا، اب یہ اس کی دلجوئی کے لیے پہن رہا ہے، یا ایسا کوئی اہم موقع اور پروگرام ہے، جس میں عمدہ لباس پہننے سے انسان کے وقار میں اضافہ ہو، نہ پہننے سے اس کی عزت مجروح ہو جائے، تو ایسی صورت میں عمدہ لباس پہننا ہی افضل اور مستحب ہوتا ہے۔

۳۔ مردوں کو زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے اس حدیث کے آخر میں وقد نفضتہ سے واضح کر دیا گیا کہ زعفران کے رنگ کا اثر ان کپڑوں پر باقی نہیں رہا تھا، وہ رنگ بالکل اڑ گیا تھا، یا وہ انتہائی مدہم، کمزور اور پھیکا پڑ گیا تھا، اس طرح کا کپڑا مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کی حاضری

اس حدیث میں ایک طویل واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس قصہ کا تعلق چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس سے نہیں تھا، اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر اسے یہاں ذکر نہیں کیا، امام طبرانی نے مخم کبیر میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابۃ میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کے حالات میں اس واقعہ کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اس واقعہ میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر ہے، فجر کی نماز کے بعد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مگر حضرت قیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانی نہیں تھیں، اسی دوران ایک شخص آئے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا، تب حضرت قیلہ کو پتہ چلا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو بوسیدہ پرانے کپڑے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عاجزانہ انداز سے بیٹھے ہوئے تھے، حضرت قیلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نشست میں دیکھا تو ان پر خوف کی وجہ سے لچکی طاری ہو گئی، ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ مسکینہ تو ڈر گئی ہے، اس پر لرزہ طاری ہے، فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ: یا مَسْكِينَةُ عَلَيْكَ السَّكِينَةُ (اے مسکینہ، تجھ پر سکون سے رہنا لازم ہے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی ارشاد فرمایا تو اس کی برکت سے ان پر سے خوف کی کیفیت ختم ہو گئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خوف کی کیفیت اس سلام کرنے والے صحابی پر طاری ہو گئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ: عَلَيْكَ السَّكِينَةُ، تب ان سے وہ خوف ختم ہوا۔ (۲)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۳۵/۱

(۲) المعجم الكبير للطبرانی ۴/۲۵، قبلة بنت مخرمہ العنبرية رقم الحديث: ۲۱۱۱۶، ط: مكتبة العلوم والحكم، موصل، الاصابة

۲۸۸/۸، کتاب النساء، حرف الباق، رقم الترجمة: ۱۱۶۵۸، شرح المناوی، مع جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۳۶/۱

اس حدیث کا کچھ حصہ امام ترمذی نے باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ ﷺ میں ذکر کیا ہے، اس سے متعلق بقیہ کلام وہیں پر دیکھ لیا جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِئَلَيْسَ بِهَا أَحْيَاؤُكُمْ، وَكُفُّوا إِلَيْهَا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پر سفید کپڑے پہننا لازم ہے، چاہیے کہ تمہارے زندے سفید لباس ہی پہنا کریں، اور تم لوگ اپنے مردوں کو سفید کپڑوں میں ہی کفن دیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر کپڑے ہیں۔

عَنْ سَمُوءَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبَيْضُ الْبَيَاضُ، فَإِنَّهَا أَظْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكُفُّوا إِلَيْهَا مَوْتَاكُمْ. (۲)

حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو، کیونکہ وہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرے ہوتے ہیں، اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- علیکم: اسم فعل ہے جو ”الزموا“ کے معنی میں ہے: تم لازم پکڑو، تم پر لازم ہے، البیاض: سفیدی، اس سے الثیاب البیض مراد ہے یعنی سفید کپڑے، أحیاء: حی کی جمع ہے: زندہ لوگ، اظہر: زیادہ پاکیزہ، اطیب: زیادہ صاف ستھرا، بہت اچھا۔

سفید لباس پہننے کی ترغیب

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو سفید لباس پہننے کی ترغیب دی ہے، کہ یہ بہترین لباس ہے، زیادہ پاکیزہ، عمدہ اور صاف ستھرا ہوتا ہے، اس پر اگر کوئی گندگی لگ جائے تو فوراً نظر آ جاتی ہے، اور پھر اسے دھولیا جاتا ہے، جبکہ رنگین کپڑے پر گندگی فوراً نظر نہیں آتی، اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زندہ لوگ بھی حتی الامکان یہی لباس پہنا کریں اور مرنے کے بعد اپنے مردوں کو بھی اس میں کفنایا کریں۔

مذکورہ احادیث میں اگرچہ سفید لباس پہننے کی ترغیب کا ذکر ہے، لیکن امام ترمذی نے یہاں ایسی کوئی حدیث ذکر نہیں کی، جس میں اس بات کی تصریح ہو کہ نبی کریم ﷺ سفید لباس پہنا کرتے تھے، حالانکہ اس باب کا تقاضا یہی تھا کہ ایسی احادیث ذکر کی جائیں، اس لیے شارحین حدیث نے اس بارے میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۶۱۔

(۲) سنن الترمذی، الاستئذان، رقم الحدیث: ۲۸۱۱۔

مسلمانوں کو سفید لباس کی ترغیب سے صمنا خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس پہنا کرتے تھے، اس لیے ان احادیث کو اس باب سے مناسبت ہے۔ (۱)

صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ (۲)

اس سے واضح طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس پہنا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ، وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر بالوں کی ایک سیاہ چادر تھی (یا سیاہ بالوں کی ایک چادر تھی)

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمَغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِجَبَّةٍ زُرِّيَّةٍ صَبِيحَةَ الْكُمَيْنِ. (۴)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ بن مغیرہ نے (دوران سفر) ایک روزی جبہ پہنا، جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ذات غداة: صبح کے وقت، ایک صبح، اس میں لفظ ”ذات“ زائد ہے، اس کے کوئی معنی نہیں، موط: (میم کے نیچے زیر اور ساکن) اذن، یا ریشم کے بالوں سے بنی ہوئی کشادہ اور لمبی چادر، جو عموماً کرتے کی جگہ اوڑھی جاتی ہے، موط من شعر اسود: اس میں لفظ ”اسود“ پر دو طرح کا اعراب پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ اسود کو مجرد پڑھیں تو یہ لفظ شعر کی صفت ہوگا، ترجمہ: کالے بالوں کی ایک چادر۔ ۲۔ لفظ اسود مرفوع پڑھا جائے، اس صورت میں یہ ”مرط“ کی صفت ہوگا، ترجمہ: بالوں کی سیاہ چادر، جبہ: (جیم پر پیش اور باء پر زبر و تشدید) چوغہ، قبا، جس کی آستینیں عموماً ذرا کھلی ہوتی ہیں، یہ اون سے بنایا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانے میں جبہ دو کپڑوں سے تیار کیا جاتا تھا، ان کے درمیان روئی ڈال کر سلائی کی جاتی تھی، تاکہ سردی نہ لگے، اسی سے عربی میں یہ مقولہ ہے: جَبَّةُ الْبُرْدِ جَبَّةُ الْبُرْدِ (سردی کا جبہ سردی کی ڈھال ہوتا ہے) ضيقة الكمين: دونوں آستینیں تنگ تھیں۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۱۴۹/۱

(۲) الصحيح للبخاری ۴۶۷/۲، کتاب اللباس، باب الثياب البيض، رقم الحديث: ۵۸۲۷، ط: بیروت

(۳) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۷۸۱۔

(۴) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحديث: ۱۷۶۸۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رومی یعنی شامی جبہ

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی چادر اوڑھ کر گھر سے باہر تشریف لائے، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی بڑی چادر، جس سے بدن اچھی طرح ڈھک جائے، کرتے کی جگہ اوڑھی جاسکتی ہے۔
- ۲۔ دوسری روایت کا واقعہ غزوہ جوک میں پیش آیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کی آستینیں تنگ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے ہاتھ نکال کر طہارت حاصل کی تھی، عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کی آستینیں کشادہ ہوتی تھیں، اس زمانے میں یہی عرف تھا، مگر سفر کے دوران بسا اوقات تنگ آستینوں والے جبہ کو پہنا جاتا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تنگ آستینوں والا جبہ پہنا، یا یہ کہ اتفاقاً ایسا جوغہ پہنا، جس کی آستینیں تنگ تھیں، یہ انسان کی ایسی مرضی پر ہے، شرعاً اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔
- ۳۔ ترمذی کی اس روایت میں ”رومی جبہ“ کا ذکر ہے، جبکہ صحیح بخاری اور مسلم غیرہ کی اکثر صحیح روایات میں ”شامی جبہ“ کا ذکر ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، شارحین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:
- ✽ اس زمانے میں اصل حکومت روم کی تھی، شام اس کے ماتحت تھا، اس لیے اس جبہ کو رومی اور شامی دونوں کہا جاسکتا ہے ان میں تعارض نہیں، لہذا بعض روایتوں میں جبہ رومیہ اور اکثر روایات میں جبہ شامیہ کے الفاظ ہیں۔
- ✽ یہ بھی ممکن ہے کہ سلاوی کے اعتبار سے جبہ کی نسبت ایک جگہ کی طرف اور دیگر ان کے عرف کے لحاظ سے دوسری جگہ کی طرف نسبت کی گئی ہو، اس لیے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔
- ۴۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ کفار جو چیزیں بناتے ہیں مثلاً کپڑے اور جوتے وغیرہ وہ ناپاک نہیں ہوتیں جب تک کہ کسی دلیل سے ان کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روم میں عیسائی کافروں کی حکومت تھی، وہاں کے کپڑے سے بنا ہوا جبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا، البتہ اگر کسی دلیل سے ان کا ناپاک ہونا ثابت ہو جائے تو پھر وہ چیز ناپاک ہوگی۔ (۱)

لباس کے بارے میں شرعی اصول

- اسلام نے مسلمانوں پر کوئی مخصوص لباس پہننا لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو، اس کے بجائے لباس کے بارے میں کچھ شرعی اصول بتا دیئے ہیں، جن کا لحاظ رکھنا لازم ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:
- ۱۔ وہ لباس ایسا ہو، جس سے انسان کا ستر اچھی طرح چھپ جائے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُنُوا لِلَّهِ غَافِقِينَ“ (۱)

قَدْ اَنزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا مِّمَّا تَرَىٰ سُوْرًا لَّكُمْ وَرِیْثًا لَّكُمْ۔ (ترجمہ: اے اولاد آدم: ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہارے ستر کو بھی چھپاتا ہے، اور موجبِ زینت بھی ہے)

لہذا مرد کا لباس ایسا ہو جس سے کم از کم اس کی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ صحیح طرح چھپ جائے، اور عورت کا پورا جسم ستر ہے، اسے ڈھانپنا ضروری ہے، سوائے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے، اس لیے عورت کا لباس ایسا ہو جس سے اس کا جسم اچھی طرح چھپ جائے، ایسا لباس پہننا جائز نہیں، جو انتہائی تنگ اور چست ہو یا اتنا باریک اور پتلا ہو کہ جس سے جسم کے اعضاء اور ان کے خدو خال محسوس ہوں، کیونکہ اس سے لباس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جیسے آج کل مسلم معاشرہ میں بعض خواتین کے مختلف قسم کے کپڑے اسی طرح ہوتے ہیں، جس سے ان کا جسم چھپنے کے بجائے مزید کشش کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح بہت سے برقع اس طرح رائج ہیں جو انتہائی چست اور فیشن والے ہوتے ہیں، ان سے پردے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، لہذا اس طرح تنگ لباس اور چست برقعے کا استعمال مسلمان خواتین کے لیے درست نہیں ہے۔

۲۔ لباس ایسا ہونا چاہیے جو انسان کے جسم کے مناسب ہو اور اسے خوبصورت لگے، اس کے لیے زیب و زینت کا باعث ہو، انتہائی خراب اور گھٹیا لباس جس سے لوگوں کے سامنے اس کی عزت محروم ہو جائے اور لوگوں کی نظر میں اس کا مقام گر جائے، پہننا جائز نہیں، ایک صحابی کے جسم پر آپ ﷺ نے ایسا لباس دیکھا جو ان کی شان کے مناسب نہیں تھا، حالانکہ وہ صاحبِ حیثیت تھے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: اِذَا كَانَ لَكَ مَالٌ فَلْيُرْ عَلَیْكَ (جب آپ کے پاس مال موجود ہے تو آپ کے جسم پر اس کا اثر دکھائی دینا چاہیے)، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ تَرٰی اَنْتَ رِیْعَمَ عَلٰی عَبْدِهِ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے بندے پر نعمت کے اثرات دیکھے) لہذا اپنی مالی حیثیت کے لحاظ سے انسان کو اسی طرح کا عمدہ لباس پہننا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کا اظہار ہو۔

۳۔ مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کی طرح اور عورتوں کا لباس مردوں کے لباس کی طرح نہ ہو، لہذا اگر مرد کا لباس عورت کے لباس کے مشابہ ہو یا عورت کا لباس مرد کے لباس کے مشابہ ہو تو یہ جائز نہیں، اس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

۴۔ مردوں کی شلووار، تہبند اور پیٹٹ شخوں سے نیچے نہ ہو، اور عورت کے ٹخنے لباس میں چھپے ہوئے چاہئیں۔

۵۔ لباس میں اسراف اور تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو، اگر کسی نے تکبر کی نیت سے عمدہ لباس پہنا، تاکہ لوگوں کی نظروں میں وہ بڑا بن جائے، تو یہ ناجائز ہے، تکبر کی نیت کے بغیر اپنی حیثیت کے بقدر زیادہ قیمتی، مہنگا اور عمدہ لباس پہننا، تاکہ اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو جائے، جائز ہے بلکہ افضل اور مستحب ہے۔

۶۔ اس لباس کے ذریعہ کافروں کی مشابہت کا قصد نہ ہو، تشبیہ یا لکھار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کرے کہ ایسا لباس پہننا تاکہ میں اس میں کافروں جیسا نظر آؤں، یہ ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر اس لباس سے کافروں کے ساتھ مشابہت کا قصد نہ ہو، مگر اس کے باوجود وہ اس لباس میں کافروں کی طرح نظر آتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہے، جبکہ لباس شرعی اصولوں کے

مطابق ہو۔

دنیائیں مردوں کے لیے ریشم کا لباس حرام اور خواتین کے لیے جائز ہے، البتہ خارش، جوڑیں یا بیماری اور دشمن کے حملے سے بچنے کی غرض سے کس ریشم پہنا جائے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ (۱)

کوٹ پتلون پہننے کا حکم

اگر کوٹ پتلون چست نہ ہو، ڈھیلی ہو، ستر کے اعضاء کی ہیئت اس میں ظاہر نہ ہو اور ٹخنے سے اوپر ہو تو اس کا پہننا مرد کے لیے جائز ہے، لیکن اگر وہ اس قدر چست اور تنگ ہو کہ جسم کے ستر کے اعضاء اس میں نمایاں ہو رہے ہوں تو پھر چونکہ لباس کا اصلی مقصد ہی اس سے حاصل نہیں ہو رہا، ایسی صورت میں اس کا پہننا جائز نہیں۔

کوٹ پتلون اصلاً تو انگریز کا لباس تھا، مگر اس کا استعمال اور رواج دنیا بھر میں اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اب اس میں انگریزوں کے ساتھ مشابہت کی شان مغلوب ہو گئی ہے، اس لیے تشبیہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو طی الاطلاق حرام نہیں کہا جاسکتا، بشرطیکہ اس میں شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں، وہ اس میں پائے جائیں، لیکن چونکہ اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کسی قدر مشابہت ہو جاتی ہے، اس لیے بلا ضرورت اس کا پہننا پسندیدہ نہیں، لہذا اس سے حتی الامکان پرہیز ہی کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی شخص ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے پہنتا ہے، اور دل میں اسے اچھا نہیں سمجھتا تو پھر امید ہے کہ ان شاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ چست نہ ہو۔ (۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور گزر بسر کا بیان ہے

امام ترمذی نے اس باب کو دو جگہ کیوں ذکر کیا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب شمائل میں دو جگہ ذکر کیا ہے، ایک یہ ہے اور دوسرا اس کتاب کے آخر میں یہی باب دوبارہ ذکر کیا ہے، اس میں زیادہ احادیث ہیں، جبکہ یہاں اس باب میں صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں، بعض لوگوں نے دونوں ابواب ایک ساتھ جمع کر کے لکھ دیئے ہیں، مگر چونکہ اکثر نسخوں میں اس باب کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی تین

(۱) تکملة فتح الملهم ۸۷/۴، کتاب اللباس والزينة، البحر الرائق ۱۸۷/۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا،

الفناوی الهندیة ۸۷/۵، کتاب الکراہیة، الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذلک وما لا یکرہ۔

(۲) تقریر ترمذی ۳۳۲/۲، ابواب اللباس باب ما جاء فی لبس الحریر فی الجرب۔

وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ اس باب کی احادیث سے امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی اور گزر بسر میں انتہائی تنگی تھی، بسا اوقات کھانے کی اتنی چیز بھی نہ ہوتی کہ آپ ﷺ اصحاب صفہ کو کھلا دیں، حضرت ابو ہریرہؓ شدت بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے اور دوسرے باب میں ان چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جن کو نبی کریم ﷺ نے تنگی کے زمانے میں استعمال کیا ہے، یا انہیں کھایا ہے۔

۲۔ اس باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرح بعض صحابہ کرام کی زندگی میں بھی انتہائی تنگی تھی، اور دوسرے باب میں صرف نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی تنگدستی کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ دو باب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ابتدائی زندگی میں بھی فقر و فاقہ اور تنگی تھی، اور آخری زندگی میں بھی تنگی رہی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اختیار سے فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت کو اختیار کیا تھا۔ (۱)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَغُلَيْبُ بْنُ ثَوْبَانَ مِمَشِقَانٍ مِنْ كُتَّانٍ لَقِمَتْهُمَا فِي أَخِذِهِمَا، فَقَالَ: بَيْخُ بَيْخٍ يَسْمَخُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكُتَّانِ، لَقِمْتُ أَيْتِي وَإِنِّي لَأَحْزُو لِمَا بَيْنَ مَثْبُورِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيَةً عَلَيَّ، فَيُجِئُ الْجَائِي، فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى غَنَقِي، يُزِي أَنِّي بِي جُنُودًا وَمَا بِي جُنُونٌ، وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ. (۲)

ترجمہ: محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس تھے، ان کے جسم پر دو کپڑے تھے، جو سرخ مٹی یعنی گبرو سے رنگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک کپڑے سے حضرت ابو ہریرہؓ نے ناک صاف کی، پھر کہنے لگے: واہ واہ آج ابو ہریرہؓ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے، تحقیق میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حجرہ عائشہ کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا، پس آنے والا آتا اور میری گردن پر اپنا پاؤں رکھتا، یہ سمجھ کر کہ مجھے جنون ہے، حالانکہ مجھے کوئی جنون نہ ہوتا تھا، اور میری یہ کیفیت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ علیہ ثوبان: حضرت ابو ہریرہؓ کے جسم پر دو کپڑے تھے، ممشقان: (پہلی میم پر پیش اور دوسری میم پر زبر، شین پر زبر اور تشدید) وہ دونوں کپڑے گبرو سے رنگے ہوئے تھے، بخی بخی: (خاک کے سکون اور تنوین کے ساتھ) واہ، واہ، شاباش، یہ الفاظ خوشی اور تعجب کے موقع پر استعمال کیے جاتے ہیں، تمتخط: ابو ہریرہؓ نے ناک صاف کی، کتان: (کاف پر زبر اور تا پر زبر و تشدید) ”سن“ پودے کا ریشہ جس سے کپڑا بنا جاتا ہے، ایک عمدہ معتدل کپڑا، جو ہر موسم میں پہنا جاسکتا ہے، اور جسم

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للاعلیٰ القاری مع شرح المناوی ۱۵۲/۱

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۸۔

کے ساتھ چپکنا بھی نہیں، لاشعور: (ہمزے پر زبر، خاک کے نیچے زیر اور دبا پر ویش و تشدید) (صیفہ حکلم) میں گر پڑتا، مدشیا علی: مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی، یروی آن ہی: (صیفہ مجہول) میرے بارے میں یہ سمجھا جاتا۔

بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اصحاب صفہ کو کھلانے کے لیے بھی کچھ نہ ہوتا

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

✽ اگر اللہ جل جلالہ کسی کو تنگدستی کے بعد خوشحالی عطا فرمادیں، تو فقر و فاقہ کا گزشتہ زمانہ بھولنا نہیں چاہیے، بلکہ اسے یاد کر کے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں جب گورنر بنے، دنیاوی نعمتیں انہیں میسر ہوئیں، تو اچھے کپڑے پہنا کرتے تھے، ایک دن کتان کے اعلیٰ قسم کے کپڑے سے ناک صاف کر کے اپنے آپ سے کہنے لگے: واہ واہ آج ابو ہریرہ اس قدر عمدہ کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے، ایک وہ وقت بھی تھا کہ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، بھوک کی وجہ سے مجھے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، جبکہ لوگ یہ سمجھتے کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں، لہذا علاج کے طور پر وہ میری گردن پر پاؤں رکھتے، تا کہ میں صبح ہو جاؤں، اس زمانے میں جو شخص پاگل ہو جاتا تو اس کے علاج کے لیے اس کی گردن پر پاؤں رکھا جاتا تھا، چنانچہ مجھے بھی مجنون سمجھا جاتا اور گردن پر پاؤں رکھ کر علاج کیا جاتا، جبکہ حقیقت میں مجھے کوئی جنون وغیرہ نہ ہوتا تھا، صرف بھوک کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاتا تھا۔

✽ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بسا اوقات اس قدر تنگ حالات آ جاتے کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی، اتنا بھی کھانا نہ ہوتا کہ اصحاب صفہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا دیں، کیونکہ اصحاب صفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان شمار ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہر وہ چیز کھلا دیتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تنگی ثابت ہوتی ہے، اسی کو امام ترمذی نے اس باب میں بیان کیا ہے۔ (۱)

عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْرٍ قَطْطٌ وَلَا خَمٌّ، إِلَّا أَعْلَى ضَفْفٍ. قَالَ مَالِكٌ: سَأَلْتُ وَجُلَّاءَ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: مَا الضَّفْفُ؟ قَالَ: أَنْ يَتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ.

ترجمہ: مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیر ہوئے، مگر حالت ضفف پر، مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی سے ”ضفف“ کے معنی پوچھے، تو اس نے بتایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ اجتماعی شکل میں کھاتے (تو ذرا سیراب ہو کر کھاتے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا

حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا، نہ روٹی سے اور نہ ہی گوشت سے، البتہ اگر مہمانوں کے ساتھ یا حقیقہ اور ولیمہ وغیرہ کی دعوت میں اجتماعی شکل میں لوگوں کے ساتھ کھاتے تو ان لوگوں کی دلجوئی کی وجہ سے ذرا زیادہ تناول فرما لیتے مگر پھر بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔ (۱)

اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ وہ کھانے میں اعتدال کا راستہ اختیار کریں، شکم سیر ہو کر کھانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس سے غفلت و سستی اور اعمال میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اور صحت کے لیے بھی یہ نقصان دہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موزوں کا ذکر ہے

موزے سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قسم کے جوتے کے موزے استعمال فرمائے ہیں، موزے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے دایاں موزہ پہنا جائے، اور دوسرا ادب خاص طور پر یہ ہے کہ موزے کو بھار کر اور صاف ستھرا کر کے پہننا چاہیے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے:

- ۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جنگل تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور ایک موزہ پہن لیا، دوسرا موزہ پہننے لگے تو اچانک ایک سبز پرندہ اس موزے کو اٹھا کر اڑ گیا، پھر اس نے اس موزے کو پھینکا تو اس کے اندر سے ایک کالا سانپ گر گیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ، وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْهِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِیْهِ۔ (۲) اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس جانور کے شر سے جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، اور اس کے شر سے جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، اور اس جانور کے شر سے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔

- ۲۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزے منگوائے، ایک موزہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشافل مع شرح المناوی ۱/۵۵۷

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ۱/۲۱۶، رقم الحدیث: ۹۳۰۴، ذکر من اسنمہ ہاشم، ط: دار الحرمین، القاہرہ۔

پہن لیا، اتنے میں ایک کو آیا اور دوسرا موزہ اٹھا کر اڑ گیا، پھر اسے پیچک دیا، جس سے اس کے اندر سے چھپا ہوا سانپ زمین پر گر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچاؤ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا کہ موزے پہننے سے پہلے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ضرور جھاڑ لیا کرے۔ (۱)

ان واقعات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ثابت ہوتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سانپ کے شر سے محفوظ فرمایا۔

عَنِ ابْنِ بَرَزَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَيْنِ أَسْوَدَيْنِ مَبَازَجَيْنِ، فَلَبَسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (۲)

ترجمہ: حضرت برزہ سے روایت ہے کہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیاہ موزوں کا ایک جوڑا ہدیہ کے طور پر بھیجا، جو سادے تھے یعنی ان پر کوئی نقش نہیں تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (طہارت کی حالت میں) انہیں پہنا، پھر وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اُھدی: ہدیہ دیا، مبادجین: وہ دونوں موزے سادے تھے، ان پر کوئی نقش اور بال وغیرہ نہیں تھے، بالکل وہ صاف تھے، مسح علیہما: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موزوں پر مسح کیا۔

نجاشی کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں سمیت چند چیزوں کا ہدیہ

زمانہ جاہلیت میں مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے کچھ خاص لقب ہوا کرتے تھے، جیسے یمن کے بادشاہ کو ”تبع“ فارس کے بادشاہ کو ”کسری“، روم کے بادشاہ کو ”قیصر“، شام کے بادشاہ کو ”ہرقل“، مصر کے بادشاہ کو ”فرعون“ اور حبشہ کے بادشاہ کو ”نجاشی“ کہا جاتا تھا، اس نجاشی کا نام احمد بن ابجر یا ابجر تھا، اور بعض کے بقول نکول بن مصعب تھا، ان کا عربی نام ”عطیہ“ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت عمرو بن امیہ صمری رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا، وہ خود بھی عیسائی عالم تھے، انہوں نے اس صحابی کی دعوت پر، اور بقول بعض اس سے پہلے خود ہی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر وہاں کے مخصوص حالات کی وجہ سے نجاشی بادشاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے نہ آ سکے، مگر مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانے والے صحابہ کرام کی انہوں نے بڑی آؤ بھگت اور خدمت کی، اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا۔ (۳)

دہم سے روایت ہے کہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط لکھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی

(۱) للمعجم الكبير للطبرانی، ۱۳۷/۸، رقم الحديث: ۷۶۲۰، ط: القاهرة

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۱۵۵، سنن الترمذی، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۲۱۔

(۳) الاصابة ۳۲۷/۱، باب الالف بعدها الصاد، رقم الترجمة: ۴۷۳۔

ایک قریشی خاتون حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کرنا ہوں، جو مسلمان ہو چکی ہیں، اور آپ ﷺ کی خدمت میں چند چیزیں ہدیہ کے طور پر بھیج رہا ہوں: ایک کرتا، شلوار، ایک بڑی چادر اور دو سادے موزے، چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔ (۱)

حضرت نجاشی کی اسلام کے بارے میں خدمات اور قربانیوں سے نبی کریم ﷺ بہت خوش تھے، اسی وجہ سے جب سن نو ہجری میں نجاشی کی وفات ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا، اس موقع پر مجزاۃ طور پر ان کی نعش کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۲)

مذکورہ حدیث سے وزن ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ اس حدیث میں چڑے کے موزوں پر مسح کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، موزوں پر مسح کے جواز کے بارے میں اسی (۸۰) صحابہ سے روایات منقول ہیں، اور یہ متواتر احادیث ہیں، اسی وجہ سے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص موزوں پر مسح کے جواز کا انکار کر دے تو اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے اور امام ابوحنیفہ سے اہل سنت و الجماعہ کی یہ تعریف منقول ہے: **أَنْ تَفْضِلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْعَشَقَيْنِ وَأَنْ تَرَى الْمَشِخَّ عَلَى الْمُحَقِّقِينَ**۔ (کہ تم ابوہریرہ و عمر کو فضیلت دو، دو داماد یعنی عثمان و علی سے محبت کر دو اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھو)

✽ چڑے کے سیاہ موزوں کا استعمال بھی درست ہے۔

✽ کافر اگر کوئی چیز کسی مسلمان کو ہدیہ میں دے تو مسلمان اسے قبول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس ہدیہ کو لینے سے کسی دنیاوی یا دینی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، ابن عربی کہتے ہیں کہ نجاشی نے جس وقت یہ چیزیں نبی کریم ﷺ کو ہدیہ دی تھیں، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

✽ طہارت حاصل کر کے موزے پہن لیے جائیں، پھر جب وضو ٹوٹ جائے، اور انسان وضو کرے تو اس وقت سے وہ ان موزوں پر مسح کر سکتا ہے، مقیم ہے تو ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر ہے تو تین دن اور تین راتوں تک مسح کر سکتا ہے۔ (۳)

عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَهْدَى دُخَانَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقَّيْنِ، فَلَبَسَهُمَا. وَقَالَ إِسْرَائِيلُ: عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ وَجَنَّةٍ فَلَبَسَهُمَا حَتَّى تَخْرَقَا، لَا يَلْزِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذً كُنِيَ هُمَا أَمْ لَا. (۴)

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) دخیہ کلبی نے نبی کریم ﷺ کو دو موزے ہدیہ میں دیئے، آپ

(۱) تحفة الاجودى ۱۱۲/۸ کتاب الادب، باب ما جاء فى الخف الاسود، رقم الحديث: ۲۸۲۰

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۲۱/۳، کتاب الجنائز، باب للشیء بالجنائزۃ والصلاة علیہا، الفصل الاول، رقم الحديث: ۱۶۵۲

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح النواوی ۱۵۶/۱

(۴) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحديث: ۱۷۶۶۔

ﷺ نے انہیں پہنا، اور اسرائیل بن جابر جملی عن عامر شعبی حضرت مغیرہ سے ایک اور روایت میں جبہ کے ہدیہ کا بھی ذکر ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں (یعنی موزے اور جبہ کو یا دونوں موزوں) کو پہنا، یہاں تک کہ وہ دونوں پھٹ گئے، اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ موزے ذبح شدہ جانور کی کھال کے تھے یا نہیں۔ (کیونکہ کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی)

مشکل الفاظ کے معنی :- فلیسہا: اس میں ہما ضمیر میں دو احتمال ہیں: ۱۔ یہ ضمیر موزوں اور جبہ کی طرف لوٹ رہی ہے، ۲۔ یا یہ کہ یہ دو موزوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اس احتمال کی تقویت اس جملے سے بھی ہوتی ہے: لا یدری النبی صلی اللہ علیہ وسلم... کیونکہ اس جملے کا تعلق صرف موزوں سے ہے، حتیٰ مخروفاً: یہاں تک کہ وہ دونوں موزے پھٹ گئے، اذکبی ہما: اس میں لفظ ”ہما“، ”ذکی“ کا فاعل ہے، اور ”ذکی“ فاعل کے وزن پر فعل مشبہ ہے: ترجمہ: کیا وہ دونوں موزے ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال سے بنائے گئے تھے؟ لا یدری: آپ ﷺ نہیں جانتے تھے، آپ ﷺ نے تحقیق نہیں کی۔

موزے پھٹنے تک آپ ﷺ انہیں پہنا کرتے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ حضرت وحیہ کلبی نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو دو موزے اور ایک جبہ ہدیہ میں دیا، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا، اور انہیں پہنا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کسی بزرگ، استاد وغیرہ کو ہدیہ دے تو اسے قبول کرنا مسنون ہے۔
- ۲۔ نبی کریم ﷺ موزوں کو پھٹنے تک استعمال کرتے رہے، اس سے نبی کریم ﷺ کی تواضع ثابت ہوتی ہے۔
- ۳۔ آپ ﷺ نے ان موزوں کے بارے میں یہ تحقیق نہ کی کہ یہ کس جانور کی کھال سے بنائے گئے ہیں، اسے ذبح کیا گیا تھا یا نہیں، اس تحقیق کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ مردار کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، اس سے دلالت یہ معلوم ہوا کہ مجہول چیزوں میں اصل طہارت ہے، الا یہ کہ اس کی ناپاکی پر کوئی دلیل سامنے آجائے، تب وہ ناپاک ہوگی۔
- ۴۔ قال اسرائیل... اس جملے کا قائل کون ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ امام ترمذی کا کلام ہے، اگر امام ترمذی نے یہ اپنی طرف سے کہا ہے تو یہ معلق ہے، اور اگر یہ ان کے شیخ قتیبہ کی طرف سے ہو تو پھر یہ معلق نہیں ہوگا۔

۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ یحییٰ بن زکریا کا مقولہ ہو، اس صورت میں معنی کے اعتبار سے قال اسرائیل... کا عن الحسن بن عیاش پر عطف ہوگا، حاصل یہ ہے کہ یحییٰ بن زکریا نے موزوں کو ہدیہ دینے کی روایت عن الحسن بن عیاش، عن ابی اسحاق، عن الشعبي، عن المغیرۃ بن شعبہ کی سند سے روایت کی ہے اور موزوں اور جبہ دونوں کو ہدیہ دینے کی روایت عن اسرائیل، عن جابر الجعفی، عن عامر الشعبي، عن المغیرۃ کی سند سے بیان کی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ امام ترمذی کی تعلیق ہو، اور عن المغیرۃ بن شعبہ

کے الفاظ یہاں مراد ہیں، اگرچہ انہیں یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ ”وجہ“ ”کاف“ ”خفین“ پر عطف ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے جوتے کا ذکر ہے

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَهُمَا قَبْلَانِ. (۲)

ترجمہ: حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے ابی مالک سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ کے ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَانِ مِثْلِي شِوَاكُهُمَا. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جوتوں کے تسمے دوہرے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- نعل: جوتا جو تسمہ دار ہو جیسے چل اور سینڈل وغیرہ، قبلاں: (تاف کے نیچے زیر) قبال کا تثنیہ ہے: تسمہ، مثنی: یہ تثنیہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اسے دو طرح پڑھا گیا ہے، ۱۔ میم پر پیش، ثناء پر زبر اور ٹون پر زبر و تشدید، ۲۔ میم پر زبر، ثناء ساکن، ٹون کے نیچے زیر اور یاء پر پیش و تشدید جیسے حری ہے۔ شواکھما: جوتے کا تسمہ جو پاؤں کے اوپر رہتا ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ لفظ مثنی کا نائب فاعل ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے میں دو تسمے تھے

عہد رسالت میں ہر جوتے میں دو تسموں کا رواج تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے نعلین میں سے ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے، اور ہر تسمہ دو ہزا اور ڈبل تھا تا کہ وہ ٹوٹے نہ پائے، ایک تسمہ پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا اور دوسرا تسمہ پاؤں کی درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا تھا، اس طرح پاؤں جوتے کی صحیح گرفت میں آجاتا ہے، گرنے یا پاؤں کے پھسلنے سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۴)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۱۵۷/۱

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۷۷۳۔

(۳) سنن ابن ماجہ، اللباس، رقم الحدیث: ۳۶۱۱۴۔

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشیائل للملا علی القاری ۱۵۹/۱

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَاهِمَانَ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جُرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قَبْلَانِ، قَالَ: فَجَعَلَنِي ثَابِتٌ بَعْدَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا كَانَا نَعْلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

حضرت عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے دو جوتے نکال کر ہمیں دکھائے، جن پر بال نہیں تھے، ان میں سے ہر ایک کے دو تسمے تھے، عیسیٰ کہتے ہیں کہ اس مجلس کے بعد ثابت بنانی نے مجھے حضرت انسؓ سے روایت کر کے بتایا کہ وہ دونوں نبی کریم ﷺ کے جوتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عَمْرٍو: زَايِكَكَ تَلْعَالُ السَّبْتِيَّةِ، قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْعَالُ النَّبِيِّ لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ، وَيَقْرُضُ أَهْلُهَا، فَأَنَا أَحَبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا. (۲)

حضرت عبید بن جریجؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا: میں دیکھتا ہوں کہ آپ بغیر بالوں والے چڑے کے جوتے پہنتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے، جن پر بال نہیں ہوتے تھے، اور آپ ﷺ ان جوتوں میں وضو فرماتے تھے، اس لیے میں ایسے ہی جوتے پہننا پسند کرتا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَانِ. ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جوتے کے دو تسمے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- جرداویں: جرداء کا تشبیہ ہے، اور جرداء کا مذکر الا جرد ہے، ترجمہ: ایسے جوتے جن پر بال نہ ہوں۔ نعلی رسول اللہ: رسول اللہ ﷺ کے دو جوتے، النعال السبتية: نعال جمع ہے نعل کی: جوتے، اور سبتية: (سین کے نیچے زیر، باء ساکن، تاء کے نیچے زیر اور یاء پر زبر و تشدید) سبت کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور نعال سبتية سے چڑے کے ایسے جوتے مراد ہیں، جن کی کھال سے دباغت وغیرہ کے ذریعہ بال صاف کر کے جوتے بنائے جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے جوتوں پر بال نہ ہوتے

قدیم زمانے میں کھال سے دو طرح کے جوتے بنائے جاتے، بعض ایسے چڑے کے ہوتے جن پر بال موجود ہوتے، جبکہ بعض جوتے بالوں کے بغیر ہوتے، لوگوں میں دونوں طرح کے جوتے استعمال ہوتے تھے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جوتے ایسے چڑے کے ہوتے، جس پر کوئی بال نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سنن عادیہ میں بھی اتباع سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، وہ ایسے جوتے پہنتے تھے، جن پر بال نہیں ہوتے تھے، اس اہتمام کو دیکھ کر عبید بن جریجؓ نے ان سے سوال کیا، چنانچہ بخاری شریف میں یہ تفصیلی روایت ہے جس میں

(۱) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۶۱۵۔

(۲) الصحيح للبخاری، اللباس، باب النعال السبتية، رقم الحدیث: ۵۸۵۱۔

عبید نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ میں چار چیزیں آپ کے معمولات میں ایسی دیکھتا ہوں، جو دوسرے صحابہ کے معمولات میں نہیں دیکھتا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایسے جوتے پہنتے ہیں، جن پر بال نہیں ہوتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے وجہ بتائی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسے ہی جوتوں میں دیکھا ہے، اس لیے میں اس طرح کے جوتے استعمال کرنے کا اہتمام کرتا ہوں۔

جمہور علماء کے نزدیک سستی جوتوں کا استعمال بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، البتہ امام احمد کے نزدیک قبرستان میں سستی جوتوں کا استعمال درست نہیں، مگر وہ تزیینی ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَمْشِي فِي ثَغْلَيْنِ بَيْنَ الْقُبُورِ، فَقَالَ يَا صَاحِبَ السَّبْتَيْنِ: الْقَهْمَا۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو قبروں کے درمیان جوتوں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے سستی جوتے والے! جوتے اتار دیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس استدلال کے دو جواب ذکر کیے ہیں:

✽ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے وہ جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا ہو کہ ان پر کوئی گندگی تھی، کیونکہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مردے کو دفن کر کے جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ لوگوں کے جوتوں کی آواز اور کھڑکھڑاہٹ سنتا ہے، نیز حضرت انس کی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ جوتے پہن کر نماز پڑھی ہے، لہذا جب مسجد میں جوتے پہن کر آدمی داخل ہو سکتا ہے تو قبرستان میں بطریق اولیٰ داخل ہو سکتا ہے۔

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قبرستان میں قبر والوں کے احترام و اکرام کی وجہ سے جوتے پہننے سے منع کیا گیا ہو، کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے کہ جوتوں سمیت قبروں کے اوپر چلا جائے، اس حکم میں ہر قسم کے جوتے شامل ہیں خواہ وہ سستی ہوں یا دوسرے ہوں، لہذا ”سستی“ کی قید اتفاقی ہے، اجترازی نہیں۔ (۲)

وینضافیہا (آپ ﷺ ان جوتوں میں وضو فرماتے) اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ ان جوتوں کو پہن کر ہی آپ ﷺ بیان جواز کے لیے پاؤں دھو لیتے، کیونکہ ان کی ساخت ایسی تھی کہ پاؤں ان میں آسانی سے دھل جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جوتوں کے ساتھ بھی پاؤں کو دھونا جائز ہے جبکہ وہ پاؤں اچھی طرح دھل سکیں۔
- ۲۔ پاؤں دھونے کے بعد فوراً آپ ﷺ جوتے پہن لیتے، خشک ہونے کا انتظار نہ فرماتے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (۳)

(۱) مسند الامام احمد ۳/۶۱۸، مسانید بشیر بن الخصاصیہ، رقم الحدیث: ۲۱۳۲۹، ط: دار الکتب، بیروت، سنن ابی داؤد

۲/۱۶۸۳، کتاب الجنائز، باب المشی فی الثعل بین القبور، رقم الحدیث: ۳۲۳۰۔

(۲) فتح الباری ۳/۶۱۰، کتاب اللباس باب الثعل السبئیہ، رقم الحدیث: ۵۸۵۱۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۱/۱۶۶۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْبٍ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي فِي ثَلَاثِينَ مَخْصُوفَتَيْنِ. (۱)
ترجمہ: حضرت عمر بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، جن میں دو ہر اچڑا ہوا تھا، یا جن میں چڑے کے بیوند لگے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جوتے پاک صاف ہوں، تو ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، مگر یہ آپ ﷺ کا عام معمول نہیں تھا۔ مخصوص تین کے دو ترجمے کیے گئے ہیں: ان جوتوں کا تلواد ہوا تھا، اوپر نیچے دو تہہ چڑے کی سلی ہوئی تھیں۔ ۲۔ یا ان جوتوں میں چڑے کے بیوند لگے ہوئے تھے۔ (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَمْسُحُ بِأَحَدِكُمْ فِي ثَغْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيَنْعَلَهُمَا جَمِيعًا، أَوْ لِيَحْفَهُمَا جَمِيعًا. (۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ وہ دونوں جوتے پہن کر چلے یا دونوں کو ہی اتار دے۔

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْسِسَ فِي ثَغْلٍ وَاحِدَةٍ. (۴)
حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک ہی جوتے میں چلے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لا يَمْسِسُ (میخ نہی بانوں اٹھانے) ہرگز نہ چلے، لِيَنْعَلَهُمَا (بابت افعال سے) چاہیے کہ وہ دونوں جوتے پہن لے، لِيَحْفَهُمَا (چاہیے کہ وہ دونوں جوتے اتار دے، چاہیے کہ وہ ان دونوں پاؤں کو برہنہ نہ کر دے۔

ایک جوتا پہن کر نہ چلا جائے

ایک پاؤں میں جوتا ہو جبکہ دوسرا پاؤں برہنہ ہو، اس طرح کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے، یہ بے ڈھنگا پن

(۱) مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث: ۱۵۰۵۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۱۲۳/۱۔

(۳) للوظائف الامام مالک، رقم الحديث: ۳۳۹۴۔

(۴) الصحيح لمسلم، اللباس، رقم الحديث: ۲۰۹۹۔

ہے، وقار اور سلیقہ کے بھی خلاف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں جوتے بچھیں یا دونوں کو ہی اتار دیں، ایک پاؤں میں جوتا اور بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا منع ہے۔

عام حالات میں تو ادب یہنا ہے کہ دونوں پاؤں میں جوتے ہوں یا دونوں میں نہ ہوں، ہاں کبھی کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے ایک جوتے میں چلنا بھی درست اور جائز ہے، مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا اور کوئی عارض پیش آ جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ، حضرت عائشہ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک جوتے میں چلنا منقول ہے، اس سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں علماء فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایک موزہ پہننا یا ایک آستین پہننا یا ایک کندھے سے صرف کپڑا لٹکانا منع ہے، غرض یہ کہ جوتے اور لباس وغیرہ کو اسی طرح پہننا چاہیے، جو عرف و رواج میں اس کے پہننے کا صحیح طریقہ چل رہا ہے، نئے انداز سے کسی چیز کا استعمال کرنا جو عام عرف کے خلاف ہو، اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا التَّعَلَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَيَّمْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا انْتَرَعَ فَلْيَتَيَّمْ بِالشِّمَالِ، فَلْيَتَيَّمْ الْيَمِينِ أَوْ لَهَا تَتَعَلَّ وَاجْزَ هُمَا تَنْتَرَعُ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو اسے چاہیے کہ وہ دائیں جانب سے شروع کرے، اور جب جوتے اتارے تو اسے چاہیے کہ وہ بائیں جانب سے آغاز کرے تا کہ وہ دائیں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو، اور اتارنے میں مؤخر ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِبُ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَوَجُّلِهِ وَتَتَعَلُّهِ وَطَهُورِهِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی کنگھی کرنے میں، اور جوتا پہننے میں اور اعضاء وضو و غسل کے دھونے میں حتی الوسع دائیں جانب سے ابتداء فرمایا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اِذَا التَّعَلَّ: جب جوتے پہنے، وَاِذَا انْتَرَعَ: اور جب اتارے، التَّيَمُّنُ: دائیں جانب، مَا اسْتَطَاعَ: جس قدر استطاعت ہوئی، حَتَّى الْوَسْعَ، فِي تَوَجُّلِهِ: اپنے بالوں کی کنگھی کرنے میں، وَتَتَعَلُّهُ: اور اپنے جوتے پہننے میں، وَطَهُورِهِ: اور اپنی طہارت میں یعنی وضو اور غسل کے اعضاء دھونے میں دائیں جانب سے شروع کرتے۔

(۱) فتح الباری ۱۰/۲۸۰، کتاب اللباس باب لا یُتَمَسَّحُ فِی نَعْلِ وَاحِدَةٍ، رَقْمُ الْحَدِيثِ: ۵۸۵۵۔

(۲) الصحيح للبخاری، اللباس، رَقْمُ الْحَدِيثِ: ۵۸۵۶۔

(۳) الصحيح لمسلم، رَقْمُ الْحَدِيثِ: ۲۶۸۔

نبی کریم ﷺ ہر امر میں دائیں جانب کو پسند فرماتے

نبی کریم ﷺ حتی الوسع ہر امر میں دائیں جانب کا لحاظ فرماتے، جوتا اور لباس پہننے، کنگھی کرنے، اعضاء وضو اور غسل کے دھونے وغیرہ میں آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ پہلے دائیں جانب سے شروع کریں، ہاں اگر کوئی مشکل ہوتی یا جب کسی ضرورت کی وجہ سے بائیں جانب کو اختیار کرنا ضروری ہوتا تو پھر بائیں جانب سے ہی شروع فرمادیتے۔

مذکورہ احادیث سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جوتا پہننے میں پہلے دایاں جوتا پہنا جائے اور پھر بایاں جوتا، اور اتارنے کے وقت پہلے بایاں جوتا اور پھر دایاں جوتا اتارا جائے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حتی الوسع ہر کام میں دائیں جانب کا لحاظ رکھا جائے، یہی نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنُعْلٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَانِ وَأَبْي بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے کے دو دو تسمے تھے، ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے جوتے میں بھی دو ہر ایک تسمہ تھا، اور سب سے پہلے ایک تسمہ حضرت عثمان غنیؓ نے بنایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لنعْل رسول الله ﷺ: رسول الله ﷺ کے ہر جوتے کے، عقد عقدًا واحدًا: ایک تسمہ بنایا۔

نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے کے دو تسمے ہوتے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

✽ نبی کریم ﷺ، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کے جوتوں میں دو ہر ایک تسمہ ہوتا تھا، یعنی ہر جوتے کے دو دو تسمے ہوتے تھے، اس زمانے میں جوتے کا یہی عرف تھا۔

✽ سب سے پہلے ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، انہوں نے غالباً اپنا اس لیے کیا تا کہ دو تسموں کا ہونا ضروری نہ سمجھ لیا جائے، یا یہ کوئی نہ کہنا شروع کر دے کہ ایک تسمہ کا استعمال بہتر نہیں ہے، اس لیے جوتے کی بناوٹ میں دو تسمے بنائے جائیں یا ایک ہی تسمہ بنوایا جائے، دونوں ہی جائز ہیں۔ (۳)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۷

(۲) للعجم الصغير للطبرانی، رقم الحديث: ۲۵۴۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۸

باب ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا ذکر ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ اس باب میں لفظ ”ذکر“ کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس باب میں اور اس سے پہلے باب ماجاء فی خاتم النبوة میں فرق ہے، ان میں تکرار نہیں، فرق یہ ہے کہ باب ماجاء فی خاتم النبوة میں مہر نبوت کا بیان ہے، جس کی تفصیل وہاں لکھ دی گئی ہے، اور اس باب میں نبی کریم ﷺ کی اس انگوٹھی کا ذکر ہے، جس پر ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا، دعوتی خطوط پر اس سے مہر لگائی جاتی تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ، وَكَانَ فَضَّةً حَبِيشًا. (۱)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی پتھر کا بنا ہوا تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فَضَّةٍ، فَكَانَ يَخْتِمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، آپ ﷺ اس سے (خطوط وغیرہ پر) مہر لگاتے تھے، اور اسے (ہر وقت) پہنتے نہیں تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضَّةٍ، فَضَّةً وَهَذِهِ. (۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی، اور اس کا نگینہ بھی اس انگوٹھی (یعنی چاندی) کا ہی تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ورق: (واو پر زبر اور راء کے نیچے زیر) چاندی، چاندی کا ٹکڑا، خواہ وہ ڈھلا ہوا ہو یا نہ ہو، خاتم: (تا کے نیچے زیر) انگوٹھی، مہر، کان یا ختم بہ: آپ ﷺ اس انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے، ولا یلبسہ: اور آپ ﷺ مہر والی انگوٹھی کو ہر وقت نہیں پہنتے تھے، فضہ منہ: اس میں ”منہ“ کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے، مراد تو اس سے چاندی ہے کہ وہ نگینہ بھی چاندی کا ہی تھا، مگر اشکال یہ ہے کہ ”منہ“ کی ضمیر مذکر ہے، اور لفظ فضہ مؤنث ہے، لہذا ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ۱۔ منہ کی ضمیر لفظ خاتم کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ نگینہ بھی اس انگوٹھی میں سے ہے یعنی چاندی کا تھا کیونکہ انگوٹھی چاندی کی تھی، ۲۔ یہ ضمیر ورق کی تاویل سے فضہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۱) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۰۹۳۔

(۲) صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ۵۵۰۰۔

(۳) سنن النسائي، رقم الحديث: ۵۱۹۸۔

نبی کریم ﷺ کی ایک سے زیادہ انگوٹھیاں تھیں

مذکورہ احادیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ابتداء میں نبی کریم ﷺ نے انگوٹھی نہیں بنوائی تھی، مگر جب آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد بن چھ ہجری کے آخر اور سات ہجری کے اوائل میں مختلف بادشاہوں کو اسلام کی دعوت سے متعلق خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا، تو اس وقت آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ حکمران مہر کے بغیر خط کو اہمیت نہیں دیتے، اس وقت آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جو مہر کے لیے استعمال کی جاتی تھی، اس کے نگینہ میں ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا، اس کی مزید تفصیل آگے احادیث میں آرہی ہے۔

اس سے استدلال کرنے کے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ چاندی سے زیادہ نہ ہو۔ (۱)

۲۔ حضرت انسؓ کی پہلی حدیث میں ہے: وکان فصہ حبشیا (اور اس کا نگینہ حبشی تھا) جبکہ اس باب کی تیسری حدیث جو حضرت انسؓ سے ہی منقول ہے، میں ہے کہ وقصہ منہ (اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا)، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

✽ امام نوویؒ اور اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک کا نگینہ چاندی کا تھا، اور دوسری کا نگینہ حبشہ کے پتھر سے بنایا گیا تھا، اس لیے دونوں احادیث میں تعارض نہیں۔ (۲)

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نگینہ تو چاندی کا ہی تھا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں بھی ہے، البتہ اسے حبشی نقش و نگار اور ڈیزائن کے مطابق بنایا گیا تھا، یا اس کا بنانے والا حبشہ کا باشندہ تھا، یا اس کا رنگ کالا تھا، یا اس کا نگینہ جزع یا عقیق پتھر کا تھا جسے ملک حبشہ سے لایا گیا تھا، اس بنا پر اسے حبشی کہا گیا ہے۔ (۳)

۳۔ ”ولا یلبسہ“ (اور نبی کریم ﷺ انگوٹھی کو نہیں پہنتے تھے)، اس سے کیا مراد ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انگوٹھی پہننا متعدد احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

✽ نہ پہننے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اسے ہر وقت دوام کے ساتھ نہیں پہنتے تھے، کبھی کبھی پہننا کرتے۔

✽ نبی کریم ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک وہ جو مہر کے لیے استعمال کی جاتی تھی، اور دوسری عام پہننے کے لیے تھی، جو انگوٹھی مہر والی تھی، اسے آپ ﷺ عموماً پہنتے نہیں تھے، صرف اسے مہر کے لیے استعمال فرماتے تھے، چنانچہ ”ولا یلبسہ“ میں اسی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح اللٹاوی ۱/۱۶۹

(۲) تکملة فتح للمہم ۱۳۷/۴، کتاب اللباس والزینۃ باب فی خاتم الورد، فصہ حبشی، رقم الحدیث: ۵۴۴۳

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۹۵، کتاب اللباس، باب قص الخاتم، رقم الحدیث: ۵۸۷۰، جمع الوسائل مع شرح اللٹاوی ۱/۱۷۰

بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَأَصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاتَى أَنْظَلَ إِلَى بِيَاضِهِ فِي كَفِّهِ. (۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اہل عجم کی طرف (دعوت کے خطوط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ عجمی بادشاہ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں، جس پر مہر لگی ہو، اس لیے آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، گویا میں اب بھی اس انگوٹھی کی سفیدی کو آپ ﷺ کی ہتھیلی میں دیکھ رہا ہوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ لَنَقْشِ خَاتَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مُحَمَّدٌ سَطْرٌ، وَرَسُولٌ سَطْرٌ، وَاللَّهُ سَطْرٌ. (۳)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا، اس طرح کہ لفظ ”محمد“ ایک سطر میں، لفظ ”رسول“ دوسری سطر میں اور لفظ ”اللہ“ تیسری سطر میں تھا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَفَيْصَرَ وَالتَّجَاشِي، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا خَلَقْتُهُ فِصَّةً، وَنَقَشَ فِيهِ: مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللَّهِ. (۴)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسری، قیسر اور نجاشی کی طرف (اسلام کی دعوت کے لیے خطوط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ مہر کے بغیر خط کو قبول نہیں کرتے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ایک انگوٹھی ڈھالنے یعنی بنانے کا حکم دیا، جس کا حلقہ چاندی کا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے اس میں ”محمد رسول اللہ“ نقش کرایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: - اصطنع: آپ ﷺ نے بنایا یعنی بنانے کا حکم دیا، الی بیاضہ: انگوٹھی کی سفیدی اور چمک کی طرف، فی کفہ: آپ ﷺ کی ہتھیلی میں یعنی انگلیوں کی اندر والی جانب میں، کسری: (کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن) فارس کے بادشاہوں کا یہ لقب ہوا کرتا تھا، اصل میں یہ خسرو ہے، تعریب ہو کر کسری ہو گیا، اس کے معنی ہیں: وسیع مملکت والا، فیصرو: یہ روم کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا، نجاشی: یہ حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا، صاغ: آپ ﷺ نے ڈھالا یعنی ڈھالنے اور

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱۷۰/۱

(۲) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۰۷۲۔

(۳) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحديث: ۱۷۲۷۔

(۴) الصحيح للبخاری، رقم الحديث: ۵۸۷۵، شرح معانی الآثار، رقم الحديث: ۶۲۹۲۔

بنانے کا حکم دیا، نقش فیہ: فیہ کی ضمیر گنبد کی طرف لوٹ رہی ہے اور لفظ ”نقش“ کو مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، معروف کی صورت میں اس کی ضمیر فاعل، نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے گی، معنی یہ ہوں گے: نبی کریم ﷺ نے اس گنبد میں محمد رسول اللہ نقش کرانے اور لکھوانے کا حکم دیا، اور ”محمد رسول اللہ“ حکایہ اس صورت میں بھی مرفوع ہی ہوگا۔

عہد رسالت میں دعوت و تبلیغ کے خطوط پر مہر لگانے کا اہتمام

سفر حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت و تبلیغ کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو اس وقت آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ حکمران مہر کے بغیر کسی خط کو اہمیت نہیں دیتے، اس لیے ان خطوط پر حضور اقدس ﷺ کی مہر کا ہونا ضروری ہے، وہاں کے عرف کے لحاظ سے اس ضرورت کے تحت آپ ﷺ نے انگوٹھی میں اپنی مہر بنوائی، یہ انگوٹھی چاندی کی تھی، جس کے گنبد میں ”محمد رسول اللہ“ کندہ کر کے لکھا ہوا تھا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ وہ اپنی انگوٹھیوں کے گنبدوں میں ”محمد رسول اللہ“ نہ لکھوائیں، کیونکہ یہ انگوٹھی مہر کے طور پر استعمال ہوتی تھی، منع اس لیے کیا تاکہ التباس اور خلل واقع نہ ہو، البتہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنی انگوٹھی پر ”محمد رسول اللہ“ لکھوایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی کے گنبد میں جو ”محمد رسول اللہ“ لکھوایا تھا، وہ تین سطروں میں تھا، ایک سطر میں ”محمد“ دوسری میں ”رسول“ اور تیسری سطر میں لفظ ”اللہ“ تھا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی صورت اس طرح اللہ رسول محمد تھی کہ اللہ جل شانہ کا نام سب سے اوپر تھا،

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر محققین فرماتے ہیں کہ روایات میں اس طرح کی کوئی تصریح نہیں ہے، بلکہ اسماعیلی کی روایت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یعنی اس طرح محمد رسول اللہ کیونکہ اس میں ہے: ”محمد ایک سطر ہے، دوسری میں ”رسول“ ہے، اور تیسری سطر میں لفظ ”اللہ“ ہے، یہ ترتیب قرآن مجید کی اس آیت محمد رسول اللہ کے موافق ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت اور تبلیغ کے امور میں دوسری قوموں کے عرف اور رواج کے مطابق مہر بنوائی جاسکتی ہے، یا اور کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں کی طرف اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے، حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث میں تین بادشاہوں کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی طرف دعوت و تبلیغ کے خط ارسال فرمائے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خطوط یعنی قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی طرف دعوت اسلام کے نبوی خطوط کی کچھ تفصیل درج کر دی جائے۔

شاہ ایران پرویز کسری کے نام دعوت اسلام کا خط مبارک

فارس کے ہر بادشاہ کا لقب ”کسری“ ہوتا تھا، اصل میں یہ لفظ ”خسرو“ ہے، جس کے معنی ہیں: وسیع مملکت والا، پھر معرب ہو کر ”کسری“ ہو گیا، اس کسری کا نام پرویز تھا، جو شیر و اس کا پوتا تھا، اس خط کی عبارت یہ ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى كَسْرَى عَظِيمٍ فَارِسَ۔

سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَآمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ كَمَا لَمْ يَلِدُوا مِنْ كَانَ حَتَّىٰ وَيُحَقِّقَ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، أَسْلِمْتَ تَسْلَمَ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ أَلَمُ الْمَجْزُومِ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف کسری کے نام جو فارس کا بڑا ہے۔

سلام اس شخص پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں تمہیں اللہ جل شانہ (کے اس دین) کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، جو تمام لوگوں کی طرف اس لیے بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں ہر اس شخص کو ڈراؤں جس کا دل زندہ ہے، اور تاکہ کافروں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں اس کا علم ہی نہ ہو سکا، لہذا) تو اسلام لے آ، سلامت رہے گا، اور اگر تو نے اسلام قبول کرنے سے روگردانی کی تو تمام آتش پرستوں کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کہ وہ تیری وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں)۔

نبی کریم ﷺ نے یہ خط حضرت عبداللہ بن حذافہ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا، کسری نے یہ خط سننے کے بعد بھاڑ دیا، اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، حضور اکرم ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے کسری کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا، جس نے اسے قتل کر دیا، اس بارے میں مزید تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ (۱)

(۱) الخصائص الكبرى للسيوطي ۱۴/۲ باب ما وقع عند كتابه ﷺ إلى كسرى، خصائل نبوی (ج ۹: ۹۶)۔

قیصر روم کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک

”قیصر“ روم کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، تاریخ میں اس کا نام ہرقل ہے، اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ الْإِلَهِ هِرَقْلُ، عَظِيمُ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى۔

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْتَ تَسْلِمَ يُؤْتِيكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ

إِلْمَ الْأَرْبَعِينَ، وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا آيَاتِنَا مِنْ دُونِ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار)

ہے، سلام ہوا اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حمد و صلاۃ کے بعد! میں تمہیں اللہ کے کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ،

سلامت رہے گا، اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائیں گے (کیونکہ اسلام قبول کرنے پر اہل کتاب کے لیے دوہرا

اجر و ثواب ہے) اس کے باوجود اگر تو اسلام قبول کرنے سے روگردانی کرے گا تو میرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا

یعنی تمام رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا، اور اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے،

اور وہ توحید ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، اور ہم

میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو پروردگار نہ بنائے، اگر اس کے بعد بھی وہ اہل کتاب اسلام قبول کرنے سے

روگردانی کریں تو مسلمانوں: تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگ اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (یوں ہم تو اپنے مسلک کا

صاف اعلان کرتے ہیں، اب تم جانو تمہارا کام)۔

اس کی طرف دعوت کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیدہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا تھا، اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا،

مگر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک خط کو بڑے ادب و احترام سے اپنے پاس سنبھال کر رکھا، آپ نے دیکھا کہ کسری نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط مبارک کو پھاڑ دیا تھا جبکہ قیصر روم نے اس خط کا ادب و احترام کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لیے، اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی۔ (۱)

قیصر روم کے واقعہ کی مزید تفصیل صحیح بخاری کے پہلے باب کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

(۱) الخصائص الكبرى للسيوطی ۲/۲۲ باب ما وقع عند كتابه ﷺ الى قیصر من الآيات۔

حبشہ کے بادشاہ اصمہ کی طرف دعوت اسلام کا نبوی خط

حبشہ کے بادشاہ کا لقب ”نجاشی“ ہوا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ نے حبشہ کے دو بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کے خط روانہ فرمائے ہیں، پہلے کا نام اصمہ تھا، ان کی طرف نبی کریم ﷺ نے یہ خط روانہ فرمایا تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ مُلْكِ الْحَبَشَةِ سَلَامٌ عَلَيْكَ

أَنَا بَعْدُ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهِيمُونَ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ رُوحَ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ الْقَاهِ إِلَى مَرْيَمَ الْبُتُولِ، الطَّيِّبَةِ الْخَصِيصَةِ، وَحَمَلَتْ بِعِيسَى فَخَلَقَهُ اللَّهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفَخَهُ كَمَا خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِمُ

وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللَّهِ وَخَدِّهِ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْعَمَلِ الْإِذَا عَلَى طَاعَةٍ وَأَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِالَّذِي جَاءَنِي فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجَنُودَكَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، لَقَدْ بَلَّغْتُ، وَلَصَّحْتُ، فَأَقْبِلُوا الصِّحْحَتَيْنِ، وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَلْدَى

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف۔ تم پر سلام ہو۔

امام بعد! میں تمہارے پاس اس اللہ کی تعریف پہنچاتا ہوں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے سالم اور محفوظ ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے، جس کو اللہ جل شانہ نے پاک و صاف کنواری پرہیزگار مریم کی طرف بھیجا تھا، جس سے وہ حاملہ بن گئیں، اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا، اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ کے) اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا۔

میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کی اطاعت پر تعاون (یا عجت) کی طرف بلاتا ہوں، اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو شریعت میں لے کر آیا ہوں، اس پر تم ایمان لے آؤ، بلاشبہ میں ہی اللہ کا رسول ہوں، اور میں تم کو اور تمہارے سارے لشکروں کو اللہ جل جلالہ کی طرف بلاتا ہوں، میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں، اور فصاحت کر چکا ہوں، لہذا تم میری فصاحت کو قبول کر لو، اور اس شخص پر سلام اور سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف حضرت عمرو بن امیہ مسمری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بھیجا تھا، جب یہ خط اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنی آنکھوں سے لگایا اور سخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام قبول کیا،

پھر اس نے نبی کریم ﷺ کی طرف جوابی خط لکھا، جس میں اس نے اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا، وہ بالکل سوافید درست ہے، نجاشی نے یہ خط اپنے لڑکے کے ہاتھ دیا، یہ حبشہ کے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے، مگر افسوس کہ وہ کشتی راستہ میں سمندر میں ڈوب گئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکا۔

یہ وہی نجاشی ہیں جن کی طرف مکی دور میں نبوت کے پانچویں سال میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، اس بادشاہ نے صحابہ کرام کا بڑا اکرام اور خدمت کی، حالانکہ اس وقت انہوں نے اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا، بعد میں انہوں نے حضرت جعفر کے ہاتھ ۶ ہجری میں اسلام قبول کیا تھا، اور جب ۹ ہجری میں ان کی وفات ہوئی، جب ان کا حبشہ میں انتقال ہوا تو اسی دن نبی کریم ﷺ نے عید گاہ میں صحابہ کرام کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی، ان کی میت معجزانہ طور پر نبی کریم ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی، یہ ان کی خصوصیت تھی، ورنہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول اس طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا۔

شمائل کی مذکورہ روایت میں جس نجاشی کی طرف دعوت اسلام کے خط کا ذکر ہے، اس سے اصحہ نجاشی مراد نہیں، اگرچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف بھی خط مبارک بھیجا تھا، مگر اس حدیث میں یہ نجاشی مراد نہیں۔ (۱)

حبشہ کے دوسرے بادشاہ کی طرف نبی کریم ﷺ کا دعوتی خط

حبشہ کے بادشاہ اصمہ کا انتقال ہوا تو ان کے بعد جو شخص حبشہ کا بادشاہ بنا، اس کی طرف بھی نبی کریم ﷺ نے خط روانہ فرمایا تھا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

هَذَا كِتَابٌ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى النَّجَاشِيِّ عَظِيمِ الْحَبَشَةِ

سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى، وَآمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَخَدَعَ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،

وَأَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُهُ، فَأَسْلِمُ تَسْلِمًا، يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا لَهُمْ شَهِدُوا بِأَنَّا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۱/۲۷۶ باب ما جاء فی ذکر خاتم رسول اللہ ﷺ خصائل نبوی (ص: ۹۶)، سیرت مصطفیٰ ۲/۳۸۳، نجاشی شاہ حبشہ کی طرف نامہ مبارک

مُسْلِمُونَ۔ فَإِنْ أَتَيْتَ فَعَلَيْكَ اَلْمُتَضَالِي۔

ترجمہ: یہ خط اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی کے نام ہے، جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے، اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تہا ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد، اور اس بات کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

میں تمہیں اللہ کے کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی طرف دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں ہی اللہ جل شانہ کا رسول ہوں، تو مسلمان ہو جا، سلامتی سے رہے گا، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے: وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔

اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب اسلام قبول کرنے سے روگردانی کریں تو مسلمانوں! تم کہہ دو کہ تم لوگ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں، (ہم اپنے ایمان کا فیہ دھڑک اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری اس دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہے، تو نصاریٰ کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کیونکہ وہ تیری وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں)

اکثر شارحین حدیث کے نزدیک شامل کی مذکورہ حدیث میں یہ والا دوسرا نجاشی مراد ہے، یہ وہ نجاشی نہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثمانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی، اس نجاشی کا مسلمان ہونا ثابت نہیں، اور نہ ہی اس کا نام معلوم ہے۔ (۱)

انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام یا کوئی ذکر لکھوانے کا حکم

مذکورہ احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام، کوئی ذکر یا علم و حکمت کی کوئی بات لکھوائی جاسکتی ہے، بہت سے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سالم بن عبداللہ نے اپنا نام نگینہ پر لکھوایا تھا، حضرت حذیفہ اور ابوصبیہ بن جراح نے ”الحمد للہ“ نقش کرایا تھا، حضرت علی نے ”اللہ الملک“ ابو جعفر باقر نے ”العزۃ للہ“ ابراہیم خنقی نے ”الثقة باللہ“ اور حضرت مسروق نے ”بسم اللہ“ لکھوایا تھا، لہذا اگر انسان اللہ کا نام یا کوئی ذکر لکھوائے تو اس کے ادب و احترام کا لحاظ رکھے، جہاں بے حرمتی کا اندیشہ ہو وہاں انگوٹھی کو اتار لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ (۲)

(۱) البدایہ والنہایہ ۸۳/۳ کتاب رسول اللہ ﷺ، الاصحاح النجاشی، نسیرت المصطفیٰ ۳۸۷/۲، حبشہ کے دوسرے نجاشی باذ شہ کے نامہ مبارک۔

(۲) فتح الباری ۴۰۲/۱۰، کتاب اللباس باب قول النبی ﷺ، لا ینقش علی نقش خاتمہ، رقم: ۵۸۷۷، جمع الوسائل فی شرح الشامل مع شرح المناوی ۱۷۶/۱

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ. (۱)
ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب بیت الخلاء جانے لگتے تو اپنی انگوٹھی نکال دیتے۔

نبی کریم ﷺ انگوٹھی اتار کر بیت الخلاء جایا کرتے

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کے گنبد میں چونکہ اللہ جل جلالہ کا نام لکھا ہوا تھا، اس لیے آپ ﷺ بیت الخلاء جانے سے پہلے اسے اتار دیتے، تاکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو جائے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایسی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء جانا مکروہ ہے، جس پر اللہ جل جلالہ کا اسم مبارک یا اور کوئی بابرکت نام یا عبارت درج ہو، ایسی صورت میں انگوٹھی کو اتار کر بیت الخلاء جانا چاہیے۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ، لَمَّا كَانَ فِي يَدِهِ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، وَبِيدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عَفْصَانَ، حَتَّى وَقَعَ فِي بئرِ أَرَيْسَ، نَقِشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. (۳)
ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، وہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں رہی (جب تک آپ ﷺ زندہ رہے) پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ (یعنی قبضہ) میں رہی، یہاں تک کہ (ان ہی کے زمانہ میں) بیراریس میں گر گئی، اس انگوٹھی کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا۔

حضرت عثمان کے دور میں نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی بیراریس میں گر گئی

”اریس“ نامی ایک یہودی تھا، جس کا مدینہ منورہ میں مسجد قباء کے پاس باغ میں کنواں تھا، جسے بیراریس کہا جاتا تھا، شامی زبان میں اریس کے معنی ”کاشکار“ کے ہیں، یہ کنواں ۱۳۸۴ھ تک موجود تھا، بعد میں سعودی حکومت نے سروک کی توسیع کی وجہ سے اسے ختم کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی مہر والی یہ انگوٹھی آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کے قبضہ میں رہی، حضرت عثمانؓ کے ابتدائی چھ سال تک یہ انگوٹھی ان کے پاس رہی، اس کے بعد اتفاق سے اس کنویں میں یہ گر گئی،

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۴۶۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۷۔

(۳) الصحيح للبخاری، اللباس، باب نقش الخاتم، رقم الحدیث: ۵۸۷۳۔

حضرت عثمان نے بہت کوشش کی، عین دن تک اسے تلاش کرتے رہے، سارا پانی بھی نکالا مگر پھر بھی وہ نہ مل سکی۔ (۱)

علامہ مناوی شرح شمائل میں لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی میں کوئی راز تھا، جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں کوئی راز تھا کہ جب وہ ان سے کم ہوگئی، تو ان کی حکومت جاتی رہی، اسی طرح حضرت عثمان سے بھی جب وہ انگوٹھی کنویں میں گر کر گرم ہوگئی تو ان کا معاملہ بگڑ گیا، طرح طرح کے قہقہے شروع ہو گئے، جو بالآخر ان کی شہادت پر منتج ہوئے۔ (۲)

بیراریس میں یہ انگوٹھی کس سے گری، حضرت عثمان سے یا حضرت معقیب سے، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی حضرت عثمان سے گری، جبکہ صحیح مسلم اور شمائل کے اگلے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ: سقط منیٰ من معقیب فتح بقرہ رئیس کہ حضرت معقیب سے وہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی، یوں روایات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

شارحین حدیث نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے یہ انگوٹھی حضرت معقیب کے پاس ہوتی تھی، وہ ان کے محافظ تھے، جس وقت آپ ﷺ انگوٹھی پہننا چاہتے تو ان سے لے لیتے، عہد صدیقی، عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی یہی اس کے نگران تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان کو انگوٹھی دے رہے تھے، یا حضرت عثمان سے لے رہے تھے کہ اس حالت میں وہ انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی، اس حالت میں گرنے کی وجہ سے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت عثمان سے گری اور یہ بھی کہ یہ حضرت معقیب سے گری ہے، ہر ایک کی طرف گرنے کی نسبت کی جاسکتی ہے، اس لیے دونوں طرح کی روایات میں تعارض نہیں ہے۔ (۳)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ✽ اگر آدمی کا مال گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں کوشش کرنی چاہیے۔
- ✽ صالحین کے آثار اور ان کا لباس برکت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اور انہیں اپنے پاس بھی رکھا جاسکتا ہے۔
- ✽ ضرورت ہو تو اپنے نام وغیرہ کی مہر بخوائی جاسکتی ہے۔
- ✽ مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ تک جائز ہے۔

لوہے کی انگوٹھی کا حکم

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم ہے، اس میں دو قول ہیں:

- (۱) تکملة فتح الملہم ۱۳۲/۴، کتاب اللباس، باب لبس النبی ﷺ، خاتما، رقم الحدیث: ۵۴۳۳۔
- (۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل ۱۸۰/۱، اللواہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدیہ للبیجوری (ص: ۲۰۶)۔
- (۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۱۸۱/۱، ۱۸۲، تکملة فتح الملہم ۱۳۳/۴۔

- ۱۔ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک لوہے کی انگوٹھی پہننا مکروہ تشریفی ہے، ان کا استدلال دو حدیثوں سے ہے:
- سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: مَا لِي أَرَاكَ عَلَىٰ حِلْيَةِ أَهْلِ النَّارِ (مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں)۔ (۱)
- ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے سونے کی انگوٹھی پہنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کراہت کی نگاہ سے دیکھا تو انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، اور لوہے کی انگوٹھی پہن لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَذَا الْخُبْثُ وَالْخُبْثُ (یہ زیادہ بری اور خبیث چیز ہے)۔ (۲)
- ان روایات کی بنیاد پر جمہور کے نزدیک لوہے کا پتیل، تانبے کی انگوٹھی پہننا مرد و عورت دونوں کے لیے مکروہ تشریفی ہے۔ (۳)
- ۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر کسی کراہت کے لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، ان کے دلائل:
- بخاری کی روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا: إِذْهَبْ فَالْتَمِشْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ (مہر کے لیے کچھ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو) اگر لوہے کی انگوٹھی کا پہننا ناجائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو اس کا حکم نہ دیتے۔
- لیکن یہ استدلال صریح نہیں ہے، کیونکہ لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دینے سے مردوں کے لیے اس کے پہننے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ دوسری احادیث میں صراحت منع کیا گیا ہے، مراد یہ ہے کہ اگر اور کوئی چیز دستیاب نہیں تو لوہے کی انگوٹھی ہی مہر میں دے دو، عورت اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر سکتی گی۔ (۴)
- سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لوہے کی ایک انگوٹھی تھی، جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا۔
- جمہور کہتے ہیں کہ جب اس پر چاندی کا پانی لگایا تو وہ لوہے کے حکم میں نہیں، چاندی کے حکم میں ہو جائے گی۔ (۵)

(۱) بذل المجہود ۵۶/۱، کتاب الخاتم باب ما جاء فی خاتم الحديد، رقم الحديث: ۴۲۲۳

(۲) مسند الامام احمد ۶۶۳/۳، مسند الکثرین وغیرہم رقم الحديث: ۷۱۶۵

(۳) قاموس الفقہ ۳۲۲/۳، خاتم، ط: زمزم

(۴) فتح الباری ۳۹۶/۱۰، کتاب اللباس، باب خاتم الحديد، رقم الحديث: ۵۸۷۱

(۵) اعلاء السنن ۳۲۱/۱۷، کتاب الحظر والاباحہ، باب خاتم الحديد وغیرہ، رقم الحديث: ۵۶۳۴، عمدة القاری ۳۳/۲۲

کتاب اللباس، باب خاتم الحديد، بذل المجہود ۵۸/۱۷، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی خاتم الحديد، رقم الحديث: ۴۲۲۳، ط: کوئٹہ

الفقہ علی للذاهب الاربعة ۱۵/۲، کتاب الحظر والاباحہ، مبحث ما یحل لبسه واستعماله من الذهب والفضة ولا یحل جمع

الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱۸۳/۱

بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبِسُ خَاتَمَهُ فِي يَمِينِهِ. (۱)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

عَنْ حَمَادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ، فَمَسَّأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ

جَعْفَرٍ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی رافع کو اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا تو میں نے

ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا اور عبداللہ

بن جعفر کہا کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ. (۳)

ترجمہ: ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا

کرتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے پہلے باب میں انگوٹھی کی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ چاندی کی ہوتی یا سونے کی، اور اس

باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس ہاتھ میں اور کس انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

اس بارے میں روایات دونوں طرح کی منقول ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں وہ مرفوع روایات ذکر کی ہیں

جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، بائیں ہاتھ میں پہننے سے متعلق حضرت انس کی دو روایات ذکر کی

ہیں، مگر ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں، اور ایک حضرت حسین کی موقوف حدیث ہے، جس میں بائیں ہاتھ میں

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۲۶۔

(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۴۴۔

(۳) سنن ابن ماجہ، اللباس، رقم الحدیث: ۳۶۴۷۔

انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے لیکن دوسری کتب حدیث میں بعض ایسی روایات موجود ہیں، جن میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، چنانچہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ والی روایات نو صحابہ سے اور بائیں ہاتھ والی روایات تین صحابہ سے منقول ہیں، یوں روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، بعض کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ میں آپ ﷺ سونے کی انگوٹھی اور بائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے، اور صحیح مسلم میں حضرت انس کی ایک حدیث میں دائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام زہری کو وہم ہوا ہے، اصل حدیث میں ”دائیں ہاتھ“ کا ذکر نہیں ہے۔
- ۲۔ امام بغوی اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پہلے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، پھر آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شروع فرمادی، یہی آپ ﷺ کا آخری عمل رہا، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ اس کی سند کو ضعیف کہا گیا ہے۔ (۱)
- ۳۔ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں رسول اللہ ﷺ سے انگوٹھی پہننا ثابت ہے، آپ ﷺ کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ (۲)
- ۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اکثر اوقات دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور کبھی کبھار کسی ضرورت کی وجہ سے یا بیان جواز کے لیے بائیں ہاتھ میں بھی پہن لیتے تھے، چنانچہ امام بخاری اور امام ترمذی کی نظر میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے والی روایات زیادہ صحیح اور راجح ہیں۔ (۳)
- ۵۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موضوع کی روایات کی تحقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر زیب و زینت کے ارادے سے انگوٹھی پہننے تو بہتر یہ ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے، اور اگر انگوٹھی سے مہر لگانا پیش نظر ہو، تو پھر اسے بائیں ہاتھ میں پہنا جائے، تاکہ وہ دائیں ہاتھ کی مدد سے آسانی سے مہر لگا سکے۔ (۴)
- ۶۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک کو آپ ﷺ دائیں ہاتھ میں اور دوسری کو بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے، جیسے پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ کی ایک سے زیادہ چاندی کی انگوٹھیاں تھیں، ایک کا گنیزہ جشی پتھر کا اور دوسری کا گنیزہ بھی چاندی کا تھا، چنانچہ حافظ عراقی نے ایک لفظ میں اسے یوں ذکر کیا ہے:

(۱) فتح الباری ۱۰/۱۰۱، کتاب اللباس باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفہ، رقم الحدیث: ۵۸۷۶، جمع الوسائل فی شرح

الشمائل مع شرح للناوی ۱/۱۸۲، تکملة فتح اللہم ۱۳۸/۲، کتاب اللباس، باب فی خاتم الورد، رقم: ۵۴۴۴۔

(۲) بذل المجہود ۱۷/۵۹، کتاب الخاتم باب ما جاء فی التخت فی الیمین، رقم الحدیث: ۲۲۷۷۔

(۳) تکملة فتح اللہم ۱۳۹/۲۔

(۴) فتح الباری ۱۰/۲۰۱۔

يَلْبَسُهُ كَمَا رَوَى الْبُخَارِيُّ لِي خَنْصَرٍ يَمِينٍ أَوْ يَسَارٍ
كِلَاهُمَا لِي مُسْلِمٌ وَ يَجْمَعُ بَيْنَ ذَا لِي خَالَتَيْنِ يَقَعُ
أَوْ خَالَتَيْنِ كُلِّ وَاحِدَةٍ بِحِدٍ كَمَا بَقِيَ خَبَشِي قَدْ وَرَدَ

ترجمہ: ۱۔ نبی کریم ﷺ دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں میں پہننے کا ذکر صحیح مسلم میں ہے، ان متعارض روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ یہ دو حالتوں میں واقع ہوتا یعنی کبھی آپ ﷺ دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

۳۔ یا آپ ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں، ہر ہاتھ میں ایک ایک انگوٹھی تھی، جیسا کہ حبشی پتھر کے ٹکینہ میں حدیث آئی ہے یعنی جس طرح وہاں یہ تاویل کی گئی تھی کہ نبی کریم ﷺ کی کم از کم دو انگوٹھیاں تھیں، اسی طرح یہاں بھی یہی تاویل مراد ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، لہذا بائیں ہاتھ میں پہننا بھی سنت ہے، یہ نہ تو مکروہ ہے اور نہ خلاف اولیٰ ہے، البتہ بعض کے بقول دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو بہر حال فضیلت حاصل ہے۔ (۱)

کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے

امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہنی جاسکتی ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، حضرت امام شافعی کے نزدیک دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، اس لیے کہ انگوٹھی پہننا ایک زینت ہے، اور دایاں ہاتھ زینت کا زیادہ مستحق ہے، نیز بایاں ہاتھ استنجاء کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو انگوٹھی کے ناپاک ہونے کا خطرہ رہے گا، حضرات حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا آخری عمل رہا، استنجاء کے وقت انگوٹھی کو اتار لیا جائے تاکہ وہ گندگی سے آلودہ نہ ہو۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما

مذکورہ احادیث میں سے دو کے راوی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس ختمیہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضرت جعفر ابائی اہلبہ کے ساتھ مکی دور میں ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے، وہاں پر حضرت عبداللہ

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۸۶، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۰۸)

(۲) فتح الباری ۱/۴۰، عمدة القاری ۲/۳۶، کتاب اللباس، باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفہ، ط: کوئٹہ

پیدا ہوئے، یہ مسلمانوں کے پہلے بچے تھے، جوارض حبشہ پر پیدا ہوئے۔

پھر حضرت جعفر حبشہ سے واپس مدینہ منورہ میں آئے، اور غزوہ موتہ میں انہیں شہادت کا اعزاز حاصل ہوا، اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے بارے میں فرمایا: **وَاتَّخَذَ اللَّهُ قِسْبَةَ خَلْقِي وَخُلُقِي (عبداللہ تو تخلیق اور اخلاق کے اعتبار سے میرے مشابہ ہیں)** کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو اہل و عیال اور مال میں برکت کی دعا دی، جو دو سخا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں حضرت عبداللہ بہت مشہور تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر دس سال تھی، پھر بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث محفوظ کی ہیں، جنہیں صحاح ستہ میں نقل کیا گیا ہے، ۸۰ ہجری یا ۸۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔ (۱)

عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخْتَمُ فِي يَمِينِهِ، وَلَا إِخَالَه إِلَّا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخْتَمُ فِي يَمِينِهِ. (۲)

ترجمہ: صلت بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے، اور میرا گمان ہے کہ ابن عباس یہ بھی کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی:۔۔۔ يتختم: انگوٹھی پہنتے، وَلَا إِخَالَه إِلَّا قَالَ: صیغہ حکم ہے، ہمزے کے نیچے زیر اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، صر فی قاعدے کے مطابق ہمزہ پر زبر ہونی چاہیے، زیر خلاف قیاس ہے، مگر کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزے کے نیچے زیر کو فصیح کہا گیا ہے اور ”إخالہ“ میں ”ة“ ضمیر ابن عباس کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اور میں ابن عباس کے بارے میں خیال اور گمان نہیں کر رہا مگر یہ کہ وہ کہا کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت صلت کی اس حدیث کو یہاں مختصر نقل کیا ہے، سنن ابی داؤد میں ذرا تفصیل ہے ”محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبداللہ کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی دیکھی، میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو اسی طرح انگوٹھی پہنے دیکھا ہے، اور انہوں نے انگوٹھی کے نگینہ کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا، اور میرا خیال ہے کہ ابن عباس یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی انگوٹھی اسی طرح پہنا کرتے تھے۔ (۳)

(۱) الاصابة ۳/۳۵، حرف الغین، رقم: ۴۶۰۹

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۲۹۔

(۳) بذل المجہود ۶۰/۱، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی التختیم فی الیمین، رقم الحدیث: ۴۲۲۹۔

اس حدیث میں دو امر ہیں:

۱۔ اس روایت میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھی کا گینہ اوپر کر کے رکھتے تھے، جبکہ اکثر روایات میں گینہ کا ہاتھ کے اندر کے حصہ یعنی پھٹی کی طرف رکھنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ گینہ کو کبھی اندر کی جانب اور کبھی اوپر کر کے رکھتے تھے، مگر صحیح طریقہ یہی ہے کہ گینہ اندر کی طرف کر کے رکھا جائے، چنانچہ امام ترمذی نے اس کے بعد جو روایت ذکر کی ہے، اس میں بھی اسی کا ذکر ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ گینہ کو اندر کی طرف رکھنے میں اس کی حفاظت ہے، اس سے انسان کے مزاج میں تکبر و غرور اور خود پسندی بھی پیدا نہیں ہوتی، اگر گینہ پر کچھ لکھا ہو اور اسے اوپر کی جانب کر کے رکھا جائے تو اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ اسے پتھر یا لوہے وغیرہ سے ایسی کوئی زگڑ پڑ جائے کہ جس سے وہ گینہ یا اس کا نقش خراب ہو جائے، تاہم ترمذی کی مذکورہ روایت سے اس بات کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ انگوٹھی کے گینہ کو اوپر کی جانب کر کے رکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ جھنکلی یعنی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتے کرتے تھے، چنانچہ علامہ مناوی نے شرح شمائل میں چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننے پر اجماع نقل کیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے، اس لیے ان میں انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے مکروہ تنزیہی ہے، البتہ چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی یعنی بصر اور انگوٹھے میں انگوٹھی پہننا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ و تابعین سے منقول ہے، اس لیے حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ مرد حضرات صرف چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتا کریں، اور خواتین کسی بھی انگلی میں انگوٹھی پہن سکتی ہیں۔ (۱)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ لُصَّةٍ، وَجَعَلَ لُصَّةً وَمَا يَلِي كَفَّهُ، وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، وَنَهَى أَنْ يَنْقَشَ أَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي سَقَطَ مِنْ مَعْيَتِهِ فِي بَثْرَ أَرِيَسَ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اور آپ ﷺ نے اس کا گینہ اپنی پھٹی کی جانب کر دیا تھا، اور آپ ﷺ نے اس گینہ میں ”محمد رسول اللہ“ نقش کرایا تھا، اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی اور شخص اپنی انگوٹھی پر یہ لکھوائے، یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت معقیب سے (حضرت عثمان کے زمانہ میں) میرا پس میں گر گئی تھی۔

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۸۸، باب ماجاء فی تحمید رسول اللہ ﷺ، مرقاة المفاتیح ۸/۲۵۰، کتاب اللباس، باب الخاتم، رقم: ۳۳۹۰، تکملة فتح اللہم ۱۳۹/۲، کتاب اللباس، باب النہی عن التختیم فی الوسطی، رقم الحدیث: ۵۴۳۷، بذل المجہود ۵۹/۱۷، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی خاتم الحدید، رقم الحدیث: ۴۲۲۵۔
(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۹۱۔

انگوٹھی پر ”محمد رسول اللہ“ کے نقش کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ انگوٹھی کے نگینہ کو اندر کی جانب یعنی پھیلی کی طرف کر کے رکھتے تھے۔
- ۲۔ آپ ﷺ کی انگوٹھی کے نگینہ پر ”محمد رسول اللہ“ کا نقش تھا، یہ انگوٹھی چونکہ مہر کے طور پر استعمال ہوتی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے منع کر دیا تھا کہ اور کوئی شخص اس طرح کی انگوٹھی نہ بنوائے، تاکہ کوئی التباس نہ ہو، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کی انگوٹھی کے نگینہ پر بھی ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا، حالانکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا تھا، شہابین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

✽ حضرت معاذ کی انگوٹھی پر یہ نقش ممانعت سے پہلے لکھا گیا تھا۔

✽ یہ ان کی خصوصیت تھی، یا انہیں ممانعت کا حکم معلوم نہیں تھا۔

✽ ہو سکتا ہے کہ یہ نقش انہوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی انگوٹھی کے نگینہ پر لکھوایا ہو، کیونکہ ممانعت کا یہ حکم صرف نبی کریم ﷺ کی زندگی تک تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس طرح کا نقش کرایا جاسکتا تھا، مگر صحابہ کرام کا کمال اتباع دیکھیے کہ جب تک نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی ان میں موجود تھی، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ نے مہر کے لیے نئی انگوٹھی نہیں بنوائی، اسی کو وہ مہر کے لیے استعمال کرتے تھے، پھر وہ انگوٹھی اس کنوین میں گر گئی، کس کے ہاتھ سے گری، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (۱)

حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ

حضرت معقیب: (میم پر پیش، عین پر زبر، معقاب کی تصغیر ہے) بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ بنی امیہ کے حلیف تھے، مکی دور میں ہی انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے، بدر و احد، بیعت رضوان اور دیگر تمام معرکوں میں شریک رہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان کے زمانے میں بھی نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کے محافظ رہے، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان نے انہیں بیت المال کا ذمہ دار بنایا تھا، صحابہ میں سے ان کو جذام اور حضرت انسؓ کو برص کی بیماری تھی، حضرت عمرؓ کے حکم پر ایلوے سے حضرت معقیب کا علاج کیا گیا، اس سے ان کو آفاقہ ہو گیا تھا، حضرت عثمان کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للناوی ۱۸۹۶ء، مرقاة المفاتیح ۲۳۳/۸، کتاب اللباس، باب الخاتم، رقم الحدیث:

زمانہ خلافت کے آخر میں یا حضرت علیؑ کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَشَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا. (۲)

ترجمہ: امام محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَشَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ أَبُو عِيْنَسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَزْوَئَةَ، عَنْ قُتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَرَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ قُتَادَةَ، عَنْ قُتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَخَشَّمُ فِي يَسَارِهِ وَهُوَ حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور حضرت انسؓ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

حضرات حسنین بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے

حضور اقدس ﷺ سے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، اور بعض حضرات کے بقول نبی کریم ﷺ کا آخری معمول بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا تھا، حضرت حسن و حسین کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ لا محالہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہوگا، حضرت امام محمد باقر والی روایت یہاں مختصر ہے، مگر سنن بیہقی میں مرفوعاً ذرا تفصیل سے یوں بتا دیا ہے کہ ”نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرات حسنین بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے“ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بھی مسنون ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب کا قاضا تو یہ تھا کہ امام ترمذی صرف وہی احادیث اس میں ذکر کرتے، جن میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، جبکہ یہاں ایک امام محمد باقر والی روایت اور حضرت انس کی ایک روایت میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔

اس بارے میں تین باتیں پیش نظر ہیں:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان روایات کو ذکر کر کے ان کا شاذ اور ضعیف ہونا بتانا مقصود ہے، کیونکہ کثیر روایات میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔

(۱) الإصابة في تمييز الصحابة ۱۵۳/۶، حرف اللیم، رقم: ۸۱۸۲

(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحديث: ۱۷۴۳۔

ان روایات کو ذکر کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا جائز ہے، حرام نہیں، جبکہ باب کے عنوان میں ”دائیں ہاتھ“ کی قید سے افضلیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر چونکہ ایک گونہ شرف حاصل ہے، اس لیے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں، مطلب یہ ہے کہ اس سند سے ان احادیث میں ہاتھ کی تعیین نہیں ہے، اس پر کلام ہے، اس لیے ان روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ ذہن میں رہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے، چنانچہ امام نووی نے دونوں قسم کی روایات کو صحیح بتایا ہے، اس لیے ان روایات میں اگرچہ امام ترمذی نے کلام کیا ہے مگر دیگر روایات سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، فَكَانَ يَلْبَسُهُ فِي يَمِينِهِ، فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ، فَطَرَحَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: لَا الْبَشَةَ أَبَدًا، فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی، جسے آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے، صحابہ نے بھی (اتباعاً) سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، پھر حضور اقدس ﷺ نے وہ انگوٹھی پھینک دی، اور یہ فرمایا کہ میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا، پھر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اتَّخَذَ: آپ ﷺ نے بنوائی، طَرَحَ: آپ ﷺ نے وہ انگوٹھی پھینک دی، خَوَاتِيمَ: خاتم کی جمع ہے: انگوٹھیاں۔

مسلمان مردوں پر سونے کا استعمال حرام ہے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ابتداء اسلام میں سونے کا استعمال جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، اب صرف خواتین کے لیے سونے کا استعمال جائز ہے، مردوں کے لیے جائز نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے دائیں ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی، کیونکہ اسی وقت حرمت کا حکم نازل ہوا تھا، امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے سونا حرام ہے، اور دوسرا یہ کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننی چاہیے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی دیکھی تو انہوں نے بھی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للنواوی ۱۸۹۷، خصائل نبویؐ (ص: ۱۱۳)

(۲) الصحيح للبخاری، اللباس، باب خواتیم الذهب، رقم الحديث: ۵۸۶۵۔

چاندی کی انگوٹھیاں بنوائیں پھر ایک دن نبی کریم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی تو صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کو دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے انگوٹھیاں نکال کر پھینک دیں، علامہ بغوی فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں میں آپ ﷺ نے محسوس کیا ہو کہ وہ اس طرح کی انگوٹھی سے خود پسندی، عجب اور تکبر میں مبتلی ہو رہے ہیں، تو اس وقت آپ ﷺ نے انگوٹھی پھینک دی، آپ ﷺ کی اتباع میں سب لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں، ایسا آپ ﷺ نے ان کی اصلاح کے لیے کیا، بعد میں پھر آپ ﷺ نے ضرورت کے وقت مہر لگانے کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہن لی تھی۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيِّفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا بیان ہے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَتْ قَبِيلَةُ سَيْفَرٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَبِيلَةِ (٢)

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کے دستہ کا کنارہ (گروہ یا ٹوپی) چاندی کا تھا۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ: كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِطْرَةِ (٣)

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تلوار کے دستہ کا کنارہ (یا ٹوپی) چاندی کا تھا۔

عَنْ هُوَيْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ

وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ. قَالَ طَالِبٌ: فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ: كَانَتْ قَبِيعةً السَّيْفِ فِضَّةً. (٣)

ترجمہ: حضرت ہود کے نانا حضرت مزیدہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مکہ کے دن (جب) مکہ مکرمہ میں داخل

ہوئے، اس وقت آپ ﷺ کی تلوار پر سونے اور چاندی کا کام تھا، حدیث کے زاوی طالب کہتے ہیں کہ میں نے

(اپنے استاذ) ہودے چاندی کے بارے میں پوچھا (کہ وہ تلوار کی کس جگہ پر تھی) انہوں نے فرمایا: تلوار کے دستے کا

سکنا زہ چاندی کا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قبیعة: (قاف پر زبر) تلوار وغیرہ کے قبضہ کے کنارہ پر چڑھا ہوا لوہا یا چاندی، تلوار کی ٹوپی پر چڑھا ہوا

لوہا یا چاندی، و علی سیفہ ذہب و فضة: اس وقت آپ ﷺ کی تلوار پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔

(١) جمع الوسائل في شرح الشافعي مع شرح المناوي ١٩١/١ ورقة للفاتيح ٢٣٣/٨، كتاب اللباس، باب الخاتم، رقم الحديث:

٢٣٨٥

(٢) سنن ترمذی ١/٢٠١/١٦٩ باب السیوف وحلیتها/ دار احیاء التراث، بیروت۔

(۳) سنن ابی داؤد ۲/۲۵۸۶/۸۳۵ باب فی السیف محلی / دار الکتاب العربی بیروت۔

(۳) سنن ترمذی ۱۶۹۰/۲۰۰/۴ باب السیوف و خلیتها / دار احیاء للتراث، بیروت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو تلواریں

ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو عدد تلواریں تھیں، جن کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ ماثور: یہ سب سے پہلی وہ تلوار ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد صاحب کے ترکہ میں ملی تھی۔
- ۲۔ ذوالفقار: یہ منبہ بن حجاج کی تلوار تھی، جو غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں ہی قتل کر دیا گیا تھا، یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنے حصے سے زائد اسے اپنے پاس رکھ لیا، ایسا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا، کئی معرکوں اور غزوات میں دیگر تلواروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ تلوار بھی رہی، اور قاموس میں لکھا ہے کہ یہ تلوار منبہ کے بیٹے عاص کی ملکیت میں تھی، جو غزوہ بدر میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار حضرت علی کو ہی عطا فرمادی تھی۔
- علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالفقار تلوار کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، پھر دوبارہ جب اسے ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی، چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی تعبیر یہ سامنے آئی کہ پہلے مسلمانوں کو کچھ شکست کا سامنا کرنا پڑا، پھر جنگ کی کایا پلٹی اور اللہ جل شانہ نے بالآخر مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔
- اس تلوار کو ”ذوالفقار“ اس لیے کہا جاتا تھا کہ اصل میں ”فقار“ پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں، اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے، اس لیے اسے ذوالفقار کہا جانے لگا۔ (۱)
- ۳۔ قلعی (قاف پر پیش اور زبر اور لام پر زبر) یہ قلع کی طرف منسوب ہے، جو ایک جگہ کا نام ہے۔
- ۴۔ بتار: (باء پر زبر اور تاء پر زبر و تشدید): بہت کائنات والی تیز تلوار۔
- ۵۔ حنف: (حاء پر زبر اور تاء ساکن) اس کے معنی ہیں: ہلاکت، موت، یعنی یہ تلوار دشمن کو موت سے دو چار کرتی ہے، یہ تینوں تلواریں بنی قیقاع کے مال سے حاصل ہوئی تھیں۔
- ۶۔ قضیب: اس کے معنی ہیں: بہت تیز تلوار۔
- ۷۔ غصب: یہ تلوار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی، اس کے معنی ہیں: تیز تلوار۔
- ۸۔ رسوب: اس کے معنی ہیں: اندر تک گھس جانے والی تیز تلوار۔

۹۔ مخدوم: (میم کے نیچے زیر، خامساکن اور ذال پر زیر): عزیز تلوار، سیف قاطع۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذوالفقار تلوار کے دستہ کا کنارہ (یا ٹوپی) چاندی کا تھا، تاکہ اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑا جاسکے، یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، پہلی شریعتوں میں تلوار کو سونے چاندی سے آراستہ نہیں کیا جاسکتا تھا، بلکہ اونٹ کے تازہ چمڑے کو ایک مخصوص طریقے سے دستہ پر چڑھایا جاتا تھا، جب وہ چمڑا خشک ہو جاتا تو اس پر تلوار کا دار اثر نہیں کرتا تھا، فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذوالفقار تلوار ہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ تلوار اور دیگر جنگی آلات کو تھوڑی سی چاندی سے آراستہ کیا جاسکتا ہے، سونے سے آراستہ کرنا جائز نہیں ہے، حضرت مزیدہ کی فتح مکہ والی مذکورہ روایت سے جنگی آلات پر سونے کے استعمال کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس حدیث کے بارے میں شارحین حدیث نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

❦ قتان کہتے ہیں کہ حضرت مزیدہ کی یہ روایت ضعیف اور منکر ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

❦ اور اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس تلوار پر سونے اور چاندی کا طمع کیا گیا تھا، یعنی اس پر کچھ سونے اور چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا، سونے سے کوئی چیز بنی ہوئی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ طالب راوی نے اپنے استاذ سے چاندی کی جگہ پوچھی کہ وہ تلوار میں کس مقام پر تھی، تو انہوں نے بتایا کہ اس کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اس وقت سونے کی حرمت کا حکم نازل نہ ہوا ہو، یہ جواب اس لیے درست نہیں کہ سونے کی حرمت کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔

عن جده، اس سے حضرت ہود کے نانا حضرت مزیدہ مراد ہیں، کیونکہ بعض نسخوں میں عن جده کے ساتھ ”لأمة“ کے الفاظ منقول ہیں۔ (۲)

عن ابن مسيرين قَالَ: صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جَنْدَبٍ، وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ خَفِيفًا. (۳)

حضرت محمد بن مسیرین کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرة کی تلوار کے طرز پر بنوائی، اور حضرت سمرة فرماتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے طرز پر بنائی گئی (یا انہوں نے بنائی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کے نمونہ پر تھی۔

(۱) زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۳۰ فصل فی ذکر سلاحه وأثائه صلی اللہ علیہ وسلم، ط: بیروت

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۱/۱۹۲، اللوہب اللدینیۃ علی الشمائل للحمیدیۃ (ص: ۲۱۴، ۲۱۸)

(۳) مسنن الترمذی، الجہاد، رقم الحدیث: ۲۶۸۳۔

مشکل الفاظ کے معنی :- علی سیف سمرة: حضرت سرہ کی تلوار کی شکل و صورت اور کیفیت پر، اس تلوار کی طرز پر، دعم سمرة: حضرت سرہ کہا کرتے، اللہ صنع سیفہ: منع کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، معروف کی صورت میں ترجمہ: انہوں نے اپنی تلوار کو بنایا بنوایا، مجہول ہو تو یہ ترجمہ ہوگا: ان کی تلوار کو بنایا گیا، بعض نسخوں میں صیغہ سیفہ ہے، ترجمہ: ان کی تلوار کو ڈھالا گیا، بنایا گیا، وکان حنفیاً: اور وہ تلوار قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی شکل و صورت اور کیفیت پر تھی، اس جملے کا قائل کون ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں:

۱۔ اس کے قائل ابن سیرین ہیں، یعنی یہ مرسل ابن سیرین ہے، اس صورت میں کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرف لوٹے گی۔

۲۔ یا اس کے قائل حضرت سرہ ہیں، اس صورت میں بھی کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرف لوٹے گی۔

۳۔ اگر کان کی ضمیر حضرت سرہ کی تلوار کی طرف لوٹائی جائے تو پھر وکان حنفیاً کا کلام ابن سیرین کا ہوگا، حنفیاً قبیلہ بنو حنیفہ کی تلوار کی شکل و صورت، طرز اور کیفیت والی تلوار۔

قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حنفی تلوار

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار اس طرح بنوائی، جس طرح حضرت سرہ کی تلوار تھی، اور حضرت سرہ فرمایا کرتے کہ میری تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی شکل و صورت اور طرز پر تھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طرح تھی، بنو حنیفہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، جو تلواروں کے عمدہ بنانے میں بہت مشہور تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار بھی اس قبیلہ کے ایک کاریگر نے بنائی تھی، یا اس قبیلہ کے علاقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لائی گئی تھی، اس لیے اس تلوار کو حنفی کہا جاتا تھا، پھر دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسی طرح کی تلوار بناتے رہے، جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی شکل و صورت اور ہیئت تھی۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَسِهِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کا بیان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سات زرہاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سات زرہوں کے نام یہ ہیں:

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النشائی ۱/ ۱۵۸، اللوہب اللدنیۃ عن الشیائل للمحمدیۃ (ص: ۲۲۰)

۱۔ ذات الفضول: یہ لوہے کی ایک بہت وسیع زرہ تھی، غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہ نے یہ زرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر اسی زرہ کو پہنا تھا، یہ وہی زرہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ کے کھانے کے لیے تیس صاع جو یعنی تقریباً اڑھائی من جو کے عوض ابومحمود کے پاس ایک سال کے لیے رہن رکھوا دی تھی۔

۲۔ ذات الوشاح۔ ۳۔ ذات الحواشی۔ ۴۔ سفد یہ (عین پر نقطہ اور بغیر نقطہ دونوں طرح نقل کیا گیا ہے) ۵۔ فضہ، یہ دونوں زرہیں بنی قینقار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ سفد یہ نامی زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی، جسے انہوں نے جالوت کے ساتھ لڑنے کے لیے پہنا تھا، پھر ہوتے ہوتے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی، ۶۔ البراء، ۷۔ خرق۔ (۱)

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ: كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُخِذَ دِرْعَانُ، فَتَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِيعَ، فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ، وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اشْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ (۲)

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر احد کے دن دو زرہیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چڑھ نہ سکے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا، اور (ان پر پاؤں رکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان پر سیدھے کھڑے ہو گئے، حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُخِذَ دِرْعَانُ، قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا (۳)
حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ درعان: (دال کے نیچے زیر) درع کا حشیشہ ہے: دو زرہیں، زرہ کے معنی ہیں: لوہے کا جالی دار کرتا، جسے لڑائی کے وقت پہنا جاتا تھا تاکہ اس پر تلوار وغیرہ کا اثر نہ ہو، فنہض الی صخرۃ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان کی طرف اٹھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر چڑھنا چاہا، صخرۃ: پتھر کی چٹان، فأقعد تحته: چٹان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا،

(۱) زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۳۰، فصل فی ذکر سلاحہ واثاثہ صلی اللہ علیہ وسلم، جمع الوسائل فی شرح الشبائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۶

(۲) سنن الترمذی، الجہاد، رقم الحدیث: ۱۶۹۲، للناقب، رقم الحدیث: ۳۷۳۹۔

(۳) سنن ابن داؤد، رقم الحدیث: ۲۵۹۔

حتیٰ استوی: یہاں تک کہ آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہو گئے، اور جب طلحہ: طلحہ نے اپنے لیے جنت یا میری شفاعت واجب کر لی، ظاہر بینہما: آپ ﷺ نے ان دونوں زرہوں کو اوپر نیچے پہنا یعنی ایک زرہ کے اوپر دوسری زرہ کو ملا کر پہنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگ میں دوزر ہیں پہننا مقام توکل کے منافی نہیں

مذکورہ احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر جنگی نقطہ نظر سے اپنے جسم مبارک پر دو زریں پہنیں، ایک کے اوپر دوسری زرہ، کیونکہ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں بہت سی آیات میں حکم دیا ہے مثلاً فرمایا: **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** دشمن سے بچاؤ اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے آلات جہاد کے ذریعہ اپنی تیاری کرتے رہو، اور فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا** اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر اختیار کرو، یعنی دشمن کے حملے سے محتاط رہو اور ان سے مقابلہ کے لیے تیاری کرو، اور لڑائی کے وقت اسلحہ سے لیس رہو، اور ان سے مقابلے کے لیے الگ الگ یا اکٹھے ہو کر نکلو) تو زریں پہننا بھی چونکہ ایک بچاؤ کا سامان اور آلہ جہاد ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے زریں پہنیں، ایک تو اس لیے تاکہ اللہ جل شانہ کے حکم پر عمل ہو اور اس وجہ سے بھی تاکہ امت کو یہ عبرت اور پیغام جائے کہ حالت جنگ اور اپنے دفاع کے موقع پر اپنی جان کی حفاظت کے لیے زریں وغیرہ پہننا اور اسلحہ استعمال کرنا مقام توکل اور منصب نبوت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں، بلکہ اپنی بساط کی حد تک اسباب کو اختیار کر کے اس کے نتیجہ کو اللہ جل شانہ پر چھوڑ دیا جائے، یہ ہے توکل، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: **اغْلِبْهَا وَتَوَكَّلْ** کہ تم جانور کو رسی سے باندھا، پھر توکل کرو، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔ (۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ملک و قوم اور وطن کی حفاظت کے لیے جدید سے جدید اسلحہ بنانا، اس کی مشقیں کرنا یہ سب حکم الہی ہے، اس سے اسلامی حکومت کو غافل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ کفریہ طاقتیں عالم اسلام پر غالب آجائیں گی، جس کا آج ہم ہر طرف مشاہدہ کر رہے ہیں۔

احد کے معرکہ میں حضرت طلحہ کی بے مثال قربانیاں

غزوہ احد میں ایک وقت ایسا آیا کہ نبی کریم ﷺ جبل احد کے دامن میں پتھر کی ایک چٹان پر چڑھنا چاہ رہے تھے، تاکہ اس کے اذپر کھڑے ہو کر دشمن کے لشکر کا صحیح طرح جائزہ لیا جاسکے، اور تاکہ صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کو دیکھ لیں کہ آپ ﷺ زندہ ہیں، شہید نہیں ہوئے، کیونکہ یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ نبی کریم ﷺ بھی شہید ہو گئے ہیں، یوں صحابہ کرام بلندی سے

(١) مرقاة المفاتيح ٢٤٥/١١، كتاب المناقب باب مناقب العشرة المبشرة رقم: ٢١٢١، جمع الوسائل في شرح الشرائع مع شرح للغازي ١٩٢/١

آپ ﷺ کو دیکھ کر دوبارہ میدان میں جمع ہو جائیں گے، مزید ذوق و شوق، ولولہ اور پوری جرأت و بہادری سے دشمن پر حملہ اور اپنا دفاع کریں گے، مگر آپ ﷺ کوشش کے باوجود اس حالت میں اس چٹان پر نہ چڑھ سکے، کیوں؟

چٹان اونچی تھی اور زروں کا وزن زیادہ تھا، جس کی وجہ سے اوپر نہ چڑھ سکے۔

نبی کریم ﷺ کا سر مبارک اور پیشانی دونوں زخمی تھے، اور ان سے بہت خون نکل رہا تھا، جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل رہی تھی، ان پریشانیوں کی وجہ سے ہمت نے آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیا، اس لیے آپ ﷺ نہ چڑھ سکے۔

حضرت طلحہ کو آپ ﷺ نے نیچے ٹھایا اور ان پر پاؤں رکھ کر چٹان پر چڑھ گئے اور اس پر سیدھے کھڑے ہو گئے، اور پھر فرمایا کہ ”طلحہ نے اپنے لیے جنت یا میری شفاعت واجب کر لی“ کس طرح واجب کر لی، اس کی وجہ:

۱۔ یا تو خاص اس عمل کی وجہ سے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو سہارا دے کر چٹان پر چڑھایا۔

۲۔ یا یہ بشارت ان تمام کارناموں کے پیش نظر دی گئی ہے، جو حضرت طلحہ نے غزوہ احد کے دن سرانجام دیئے ہیں، چنانچہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو نبی کریم ﷺ کے سامنے ڈھال بنا لیا تھا، نبی کریم ﷺ کی طرف جو بھی تیر آتے، ان کے سامنے اپنا جسم کر لیتے اور آپ ﷺ کی طرف انہیں نہ جانے دیتے، یوں ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، ایک ہاتھ تو ہمیشہ کے لیے ناکارہ اور شل ہو گیا، ان کے جسم پر اسی (۸۰) سے زائد زخم شمار کیے گئے ہیں، جسم کا کوئی حصہ یہاں تک کہ مخصوص اعضاء بھی زخموں سے بچ نہ سکے، بعد میں احد کے معرکہ کا جب بھی تذکرہ ہوتا تو صحابہ کہا کرتے کہ احد کی جنگ کا سارا دن تو طلحہ کی سر فروشی، جرأت و شجاعت اور ایثار و قربانی کا دن تھا۔

دشمنوں میں سے عامر نامی شخص نے میدان احد میں ایک جگہ اس انداز سے گڑھے کھودے کہ آدمی کو محسوس ہی نہ ہوتے اور مزید یہ کہ انہیں اوپر سے ڈھانچ بھی دیا، تاکہ گزرنے والے کو ان کا پتہ نہ چل سکے، اس طرح نبی کریم ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے، تو حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ ﷺ کو اٹھا کر اس گڑھے سے باہر نکالا، یہ وہ خدمات ہیں جو حضرت طلحہ نے احد کے دن سرانجام دی ہیں، اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے ان کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی ہے۔

دوسری روایت یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل صحابی ہے، کیونکہ حضرت سائب کی ولادت سن تین ہجری کی ہے، پھر دس ہجری میں حجۃ الوداع میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اور غزوہ احد سن تین ہجری میں واقع ہوا ہے، اس وقت حضرت سائب کی عمر روایت اخذ کرنے کے قابل ہی نہیں تھی، اس کی تائید سنن ابی داؤد کی روایت سے ہوتی ہے، اس میں اس روایت کی سند یوں ہے: عن سائب بن یزید عن رجل... اس میں اس ”رجل“ سے بظاہر حضرت زبیر بن عوام مراد ہیں،

مگر یہ ذہن نہیں رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بھی قابل استدلال ہوتی ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مَغْفَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے خود کا بیان ہے

نبی کریم ﷺ کے دو خود

”خود“ کو ہے کی بنی ہوئی ٹوپی ہوتی ہے جیسے موٹر سائیکل کا ہیلنٹ ہوتا ہے، لڑائی کے وقت اسے سر پر پہنا جاتا ہے، تاکہ اس کا سر دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے، نبی کریم ﷺ کے دو خود تھے، ایک کا نام: ”دُحَّحْ یَا مَوْحُحْ“ اور دوسرے کا نام ”ذوالسبوع“ یا ”السبوع“ تھا۔ (۲)

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جس وقت مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ احرام کے بغیر تھے، اور کچھ ساعات کے لیے حرم میں قتال کرنا نبی کریم ﷺ کے لیے جائز کر دیا گیا تھا، پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرم میں قتال کو ممنوع کر دیا گیا۔ اس باب کی دونوں روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے سر پر لوہے کا خود تھا، جبکہ اگلے باب کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر پر سیاہ پگڑی تھی، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے، شارحین نے اس کی دو توجیہات ذکر کی ہیں:

• مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت آپ ﷺ کے سر پر صرف خود تھا، بعد میں آپ ﷺ نے اس پر عمامہ بھی باندھ لیا، تو کی راوی نے ابتدائی حالت کے لحاظ سے صرف یہ روایت کر دیا کہ آپ ﷺ کے سر پر خود تھا، اور جس راوی نے پگڑی کو دیکھا تو اس نے صرف پگڑی کا ذکر کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ان دونوں باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

• بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوہے کے رنگ، حرارت اور اس کی اذیت سے بچنے کے لیے اس کے نیچے پگڑی باندھ رکھی تھی، اس لیے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔ (۳)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ مَغْفَرٌ، فَقِيلَ لَهُ: هَذَا ابْنُ حُطَلٍ مَتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: اقْتُلُوهُ۔ (۴)

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۲۷۵، کتاب المناقب، باب مناقب العشرة للبشرة رقم الحديث: ۲۱۲۱، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۶، ۱۹۷، اللوالب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة، (ص: ۲۲۲)

(۲) زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۳۱، فصل فی ذکر سلاحه وأثاته

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۰۲، اللوالب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة، ص: ۳۲۴

(۴) الصحيح لمسلم، المناقب، رقم الحديث: ۱۳۵۷

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ ابن خطل ہے، جو بیت اللہ کے غلاف کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تم لوگ قتل کر دو۔

عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ غَامِ الْفَتْحِ، وَعَلَى رَأْسِهِ الْمَغْفِرُ، قَالَ: فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: ابْنُ خَطْلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: ائْتِلُوهُ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَبَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يُؤْمِنُ بِهِ مِنْ خَيْرٍ مَا (۱)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھا، راوی کہتے ہیں: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا، اس نے عرض کیا (یا رسول اللہ) ابن خطل کعبہ کے پرے میں لپٹا ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تم لوگ قتل کر دو، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دن احرام کی حالت میں نہیں تھے۔

فتح مکہ کے دن ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جب اپنے سر مبارک سے خود اتارا تو حضرت سعید بن حریث یا حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابن خطل بیت اللہ کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے، زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ جو مجرم بھی غلاف کعبہ میں لپٹ جاتا تو اسے معاف کر دیا جاتا تھا، اسی سوچ کے پیش نظر اس نے ایسا کیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کو حرم میں بھی امن حاصل نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

عبداللہ بن خطل: اس کا اصل نام عبدالعزی تھا، اس نے جب اسلام قبول کر لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، اس کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی تھا، راستے میں کسی منزل پر اس نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا، اور کھانا تیار نہیں کیا، ابن خطل نے غصے میں آ کر اسے قتل کر دیا، اور صدقات کے اونٹ لے کر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آ گیا، یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ججو میں اشعار کہا کرتا تھا، اس کی دو باندیاں تھیں، تاج گانے کی مجلسیں سجا کر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار پڑھواتا تھا، ایک تو یہ خون ناحق کا مجرم تھا، دوسرا ارتداد کا جرم تھا اور تیسرا جرم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار کہنے کا تھا، ان تین میں سے ہر جرم کی سزا قتل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ اسے قتل کر دو، چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی اور حضرت سعید بن حریث نے جا کر اسے قتل کر دیا۔

حدیث جاء رجل من "رجل" سے حضرت فضیلہ بن عذیبہ بن ربیعہ السلمی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (۱)
ابن خطل کے علاوہ اور بھی کچھ مرد اور خواتین ایسے تھے جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ان میں سے کچھ تابع ہو کر
اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے، اور کچھ کو قتل کیا گیا، (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي عِمَامَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کا بیان ہے

پگڑی پہننا سنت ہے

پگڑی پہننا سنت ہے، احادیث میں اس کے بہت سے فضائل منقول ہیں، بعض احادیث درج ذیل ہیں:

✽ امام بیہقی نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَعْمَمُوا اَنْفُسَكُمْ وَاجْلَسُوا، یعنی پگڑی باندھا کرو، اس سے تمہارے وقار اور بردباری میں اضافہ ہوگا۔ (۳)

✽ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک آدمی نے آکر پوچھا: يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ: الْعِمَامَةُ شَنْةٌ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، کیا پگڑی سنت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ جی ہاں پگڑی باندھنا سنت ہے۔ (۴)

اس حدیث میں پگڑی کے سنت ہونے کی تصریح ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پگڑی سنت نہیں، بلکہ یہ عربوں کی عادت تھی، مگر یہ بات درست نہیں، یہ سنت ہے، جیسا کہ اوپر حدیث میں اس کی وضاحت ہے، اور اگر پگڑی پہننا عربوں کی عادت بھی ہو تو بھی جب اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت اختیار کیا ہے تو اس سے وہ عمل سنت بن جاتا ہے، ایسے عمل کو سنت عاویہ کہا جاتا ہے، سنت کی اتباع کی نیت سے جب اس پر عمل کیا جائے گا تو اس پر ثواب ملے گا۔

✽ حضرت عبدالاعلیٰ بن عدی فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بلایا، انہیں پگڑی پہنائی اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف کیا پھر فرمایا کہ اس طرح پگڑی باندھا کرو، عمامہ اسلام کی علامت ہے، مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔ (۵)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع، ۱۹۹۶، مع شرح المناوی، اللواہب اللدنیۃ علی الشرائع للحمدیہ ص: ۲۲۵

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی، جلد سوم، ص: ۳۰۷، ابواب التفسیر، باب: ومن سورۃ النحل، اس عنوان کے تحت: "فتح کمرہ کے ذریعہ کچھ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم۔"

(۳) شعب الایمان للبیہقی ۱/۴۳۵، باب للباس والاولیٰ، فصل فی العیام، رقم الحدیث: ۲۳۶۰

(۴) عمدۃ القاری ۳/۲۱۰، کتاب اللباس، باب العیام۔

(۵) عمدۃ القاری ۳/۲۱۰، کتاب اللباس، باب العیام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی صحیح مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، بلکہ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں میں خاص طور پر تلاش کیا، تاکہ مجھے پگڑی کی صحیح مقدار معلوم ہو جائے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی صحیح مقدار مجھے کسی صحیح روایت میں نہیں ملی، البتہ ملاطی قاری نے امام نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پگڑیاں تھیں، ایک چھوٹی اور دوسری بڑی، چھوٹی پگڑی کی مقدار چھ یاسات گز (یعنی سات ذراع) اور بڑی کی مقدار بارہ ذراع (یعنی ہاتھ) تھی۔ (۱)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پگڑیاں تھیں:

- ۱۔ تین شرعی ذراع کے بقدر تھی۔
- ۲۔ چھ یاسات ذراع یعنی ہاتھ لمبی پگڑی جو عام نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے۔
- ۳۔ بارہ ذراع پگڑی جسے عموماً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ وعیدین اور بڑے اجتماع میں پہنا کرتے تھے۔ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کا رنگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کالی، سفید، زرد اور سرخ رنگ کی پگڑیوں کا ثبوت ملتا ہے، کالے اور سفید رنگ میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ مردوں کے لیے زرد رنگ اور سرخ رنگ کے لباس کے استعمال سے بعض روایات میں چونکہ ممانعت آئی ہے، اس لیے اس میں اختلاف ہے، لیکن علماء کا قول جواز کا ہے اور جن روایات میں ممانعت آئی ہے، ان سے گہرا سرخ اور گہرا زرد رنگ مراد ہے، ہلکے زرد رنگ اور ہلکے سرخ رنگ کے پگڑے اور پگڑی کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی بھی ہلکے زرد رنگ اور ہلکے سرخ رنگ کی تھی۔ (۳)

جہاں تک سبز رنگ کی پگڑی کے استعمال کرنے کا تعلق ہے تو کسی صحیح روایت سے یہ رنگ ثابت نہیں، بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ سادات کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ: سبز رنگ کی پگڑی سادات علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لیکن شریعت اور سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ رنگ ۷۷۳ ہجری میں شعبان بن حسین نامی حکمران کے حکم سے رائج ہوا ہے، (۴) البتہ حضرات

(۱) مرقاة المفاتیح ۲/۱۵۸، کتاب اللباس، رقم الحدیث: ۴۳۲۰

(۲) العرف الشذی علی جامع الترمذی للعلامة الکشمیری ۳/۴۱، کتاب اللباس، باب ما جاء فی العمامة السوداء۔ جمع

الوسائل فی شرح الشانل مع شرح المناوی ۲/۹۱

(۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۵۸، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۷۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۳۵، سنن ابی داؤد،

رقم الحدیث: ۱۲۷، مستدرک حاکم ۵/۲، کتاب الفتن باب تعمیم النبی ﷺ لعبد الرحمن بن عوف۔

(۴) الحاوی للفتاویٰ للسیوطی ۳۳/۱

صحابہ نے مختلف رنگ کی جو پگڑیاں استعمال فرمائی ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ان رنگوں میں سبز رنگ کا بھی ذکر ہے۔ (۱)

نیز بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سبز رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، کیونکہ سبز پکڑے اہل جنت کا لباس ہیں۔ (۲)

لہذا سبز رنگ کی پگڑی کو دوسرے رنگوں پر ترجیح دیئے بغیر اگر کوئی استعمال کرتا ہے تو جائز ہے، ہاں اگر کوئی اسے اپنا شعار اور امتیازی علامت بنادے اور دوسرے رنگوں پر اس کو ترجیح اور فوقیت دے تو یہ درست نہیں، کیونکہ کسی مباح اور مستحب چیز کا اس طرح کا التزام بدعت ہے، جس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔

اکثر روایات میں چونکہ سفید اور سیاہ پگڑی کا ذکر ہے، اس لیے زیادہ تر سفید یا سیاہ پگڑی کو ہی استعمال کرنا چاہیے، پگڑی کو ٹوپی پر باندھا جائے اور ٹوپی کے بغیر بھی پگڑی باندھی جاسکتی ہے، اسے صرف ٹوپی کے اطراف پر ہی نہ باندھا جائے بلکہ درمیان میں بھی ایک آدھ بیچ ہو، اس کا شملہ کندھوں کے درمیان ہو یا دائیں طرف یا بائیں طرف ہو، اور شملہ ایک ذراع سے زیادہ نہ ہو، اسے مسنون سمجھ کر پہنا جائے تو ان شاء اللہ سنت کا ثواب ہوگا۔ (۳)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. (۴)
ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ عَلَى الْمُثَنَّبِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. (۵)
ترجمہ: حضرت عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی دیکھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. (۶)
ترجمہ: حضرت عمرو بن حریثؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) خطبہ دیا، آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۵، کتاب اللباس والزینۃ باب فی العمامۃ السود

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱۰۲/۹

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۰۴/۱، ۲۰۵، کشف الباری شرح صحیح بخاری، کتاب اللباس (ص: ۱۷۱)۔

(۴) سنن ابی داؤد، اللباس، رقم الحدیث: ۴۰۷۶

(۵) سنن ابن ماجہ، اللباس، رقم الحدیث: ۳۵۸۴

(۶) سنن ابی داؤد، اللباس، رقم الحدیث: ۴۰۷۷

نبی کریم ﷺ کی سیاہ پگڑی

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جس وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی، اس روایت میں تو سیاہ پگڑی کا ذکر ہے، جبکہ پچھلے باب کی روایت میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کے سر پر خود تھا، واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہی پہن رکھے ہوں یا داخلے کے وقت صرف خود سر پر تھا، بعد میں اسے اتار کر سیاہ پگڑی آپ ﷺ نے پہن لی، اس کی مزید تفصیل پچھلے باب کے اس عنوان میں ہے: ”نبی کریم ﷺ کے دو خود“۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر سیاہ پگڑی اپنے سر مبارک پر باندھی، بعض روایات میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیاہ پگڑی پہننے کا بھی ذکر ہے، بعض کا کہنا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے سر پر جو سیاہ پگڑی تھی، وہ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس کو ہدیہ کر دی تھی، یہ پگڑی پھر عباسی خلفاء کے پاس محفوظ رہی، جو بھی منصب خلافت پر مامور ہوتا، تو اسے یہ پگڑی پہنائی جاتی، مصر کے خلفاء کے پاس یہ محفوظ تھی۔

دوسری حدیث میں بغیر کسی تعیین کے مطلقاً یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حضرت عمرو بن حریث نے سیاہ پگڑی میں دیکھا، خواہ وہ فتح مکہ کا موقع ہو یا اور کوئی، جمعہ کا دن ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی دن ہو، البتہ حضرت عمرو بن حریث کی دوسری حدیث میں جو خطبہ کا لفظ ہے، اس سے مشہور قول کے مطابق فتح مکہ کا خطبہ مراد ہے، جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت کے بعض طرق میں لفظ ”منبر“ منقول ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا تھا، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، آپ ﷺ نے اس دن کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا، اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

❖ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں خطبہ سے فتح مکہ کا خطبہ مراد نہیں، اس سے مدینہ منورہ کے جمعہ کا خطبہ مراد ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں اس واقع میں لفظ ”جمعہ“ بھی منقول ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکاۃ میں میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطبہ آپ ﷺ کی مرض و فاقہ کے زمانے کا ہے۔ (۱)

❖ علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ سے فتح مکہ کا خطبہ ہی مراد ہے، اور جن روایات میں لفظ ”منبر“ ہے، اس سے بیت اللہ کی چوکھٹ مراد ہے، چنانچہ بعض روایات میں لفظ ”منبر“ کی مراد ”عتبة الکعبة“ (یعنی کعبہ کی چوکھٹ) بیان کی گئی ہے، اگر ان روایات کو دیکھا جائے تو پھر یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔ (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح ۳/۵۴۳، باب خطبة الجمعة والصلاة، رقم الحديث: ۱۴۱۰، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۲۰۵۔

(۲) المواهب اللدنیة فی الشمائل للحمیدیہ ص: ۲۲۹، باب ما جاء فی صفة عمامة رسول اللہ ﷺ۔

عَنِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَمَ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ

عَمْرٍو يَفْعَلُ ذَلِكَ. قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَمَالِئًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیتے یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اسی طرح کیا کرتے، (نافع کے شاگرد) عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم بن محمد کو اور حضرت عمر کے پوتے سالم بن عبداللہ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شملہ کی تعداد اور مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شملہ سے متعلق تین باتیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اپنی پگڑی شملہ کے ساتھ باندھا کرتے تھے، مگر کبھی شملہ کے بغیر بھی پگڑی باندھ لیتے تھے، اس لیے دونوں طریقے درست ہیں۔

۲۔ روایات میں پگڑی کے ایک شملہ کا بھی ذکر ہے اور دو کا بھی، اور اکثر روایات میں شملہ لٹکانے سے متعلق ”بین کتفہ“ کے الفاظ آئے ہیں۔

بعض روایات میں ایک شملہ کا سامنے اور دوسرے کا پیچھے کی طرف لٹکانے کا ذکر ہے، اور ایک ضعیف روایت میں دائیں طرف لٹکانے کا بھی ذکر ہے، لیکن عمرو بن حرث کی روایت اس سلسلے میں زیادہ صحیح ہے، اس لیے کندھوں کے درمیان پیچھے کی طرف لٹکانا بہتر ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شملہ کی لمبائی کی کیا مقدار تھی؟ روایات میں تین طرح کے الفاظ ہیں: ایک ذراع، ایک بالشت اور چار انگلیوں کے بقدر، ان میں رائج ذراع والی روایت ہے، البتہ شملہ اس قدر لمبا نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی پشت سے تجاوز کر جائے، شملہ کی لمبائی اگر نصف پشت سے بڑھ جائے تو وہ اسبال کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عَصَاهُ ذُشَمَاءُ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) لوگوں کو خطبہ دیا، اس وقت

(۱) سنن الترمذی، اللباس: رقم الحدیث: ۱۷۳۶۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی العمام السود ۱۷۸/۵، رقم الحدیث: ۲۳۹۴۶، الطبقات لابن سعد ۱۱۲/۵، شعب الایمان للبیہقی، باب فی اللباس والأوانی، فصل فی العمام ۱۷۲/۵، رقم الحدیث: ۲۲۵۳، کشف الباری شرح صحیح البخاری (ص: ۱۶۹) کتاب اللباس۔

(۳) الصحیح للبخاری، المناقب، باب قول النبی ﷺ: اقبلوا من محسنهم... رقم الحدیث: ۳۸۰۰۔

آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی یا چکنی پٹی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- پچھلی حدیث کے الفاظ کے معنی: اذا اعتم: جب آپ ﷺ عمامہ باندھتے، مسدل: لٹکاتے، چھوڑ دیتے، غصابہ: (عین کے نیچے زیر) پگڑی، پٹی، دسماء: کالی، تیل کی وجہ سے چکنی ہو جانا، غصابہ دسماء کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۱۔ کالی پگڑی۔ ۲۔ چکنی پٹی، نبی کریم ﷺ سر کے بالوں میں تیل زیادہ استعمال فرماتے تھے، اس کے لیے آپ ﷺ سر پر ایک پٹی کی طرح کپڑا باندھ لیتے تھے، جو اس تیل کی وجہ سے چکنی ہو جاتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا آخری خطبہ

شمائل کی یہ حدیث یہاں مختصر روایت کی گئی ہے، اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے، یہ نبی کریم ﷺ نے مرض الوفا میں اپنی زندگی کا آخری خطبہ دیا تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی خطبہ ارشاد نہیں فرمایا، اس وعظ میں آپ ﷺ نے انصار کی بدح و ثناء فرمائی، اور ہر موقع پر ان کے ساتھ رعایت رکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کو امیر بنا دیا جائے تو وہ بھی حضرات انصار کا خاص خیال رکھے، ان کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے انہیں تکلیف ہو، اس وقت نبی کریم ﷺ کے سر مبارک میں شدید درد تھا، اس لیے آپ ﷺ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ (۱)

اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ نبی کریم ﷺ کی نظر میں حضرات انصار کا بہت مقام تھا، کیونکہ انہوں نے اسلام کی راہ میں بہت قربانیاں دی تھیں، اس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

✽ سر پر تیل لگانا اور اس پر کوئی کپڑا باندھنا مسنون عمل ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی عبدالرحمن ابن العسیل ہیں، جو حضرت حذلقہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کی اولاد میں سے ہیں، ان کو ”غسیل الملائکہ“ (فرشتوں کا غسل دیا ہوا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس وقت احد کی لڑائی کے لیے نفیر عام کا حکم دیا گیا تو اس وقت یہ جنابت کی حالت میں تھے، لوگ جوق در جوق نکل رہے تھے، یہ بھی نکل پڑے، اتنی فرصت نہ ملی کہ غسل کر سکیں، وہاں پہنچ کر شہید ہو گئے، شہید کو چونکہ غسل نہیں دیا جاتا، اس لیے ان کو بھی غسل نہیں دیا گیا، مگر نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس وجہ سے ان کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔ (۲)

(۱) فتح الباری ۱/۵۴۷، کتاب مناقب الانصار، باب قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنهم... رقم الحديث: ۳۸۰۰

(۲) جمع التومائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۰۹/۱

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہ بند اور لنگی کا ذکر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تہ بند اور لنگی

”ازار“ تہ بند اور لنگی کو کہا جاتا ہے، جس سے انسان اپنے بدن کا مچلا حصہ چھپاتا ہے، اور ”رداء“ اس چادر کو کہتے ہیں، جس سے جسم کا اوپر کا حصہ چھپایا جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول لنگی باندھنے کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہنی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، البتہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار کو خریدا ہے، اور پہننے کی ترغیب بھی دی ہے، کچھ حضرات درج ذیل روایات کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار کو پہنا ہے:

✽ طبرانی نے ”معجم اوسط“ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا بیچنے والے کے پاس بیٹھے اور چار روہم میں ایک شلوار خریدی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شلوار پہنیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! سفر میں بھی، حضر میں بھی، رات میں بھی اور دن کو بھی، کیونکہ مجھے جسم کو باپردہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس روایت میں یونس بن زیاد ایک ضعیف راوی ہیں۔ (۱)

✽ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار کو پہننے کے لیے ہی خریدا ہوگا، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ بات منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار کو پہنا ہے اور صحابہ کرام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے شلوار پہنا کرتے تھے۔ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چادر اور لنگی کا استعمال زیادہ کیا کرتے تھے، چادر کی لمبائی اور چوڑائی کتنی تھی؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی اڑھائی ہاتھ تھی۔ (۳)

۲۔ ابن قیم نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ اور ایک باشت تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہ بند اور لنگی کی لمبائی چار ہاتھ اور ایک باشت تھی اور چوڑائی دو ہاتھ تھی یا دو ہاتھ اور ایک باشت

(۱) معجم اوسط للطبرانی ۳/۲۹۶، رقم الحدیث: ۲۵۹۴، من اسمہ محمد، (شاملة)، فتح الباری ۱۰/۳۳۵، کتاب اللباس باب

السراويل، رقم الحدیث: ۵۸۰۴

(۲) زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۳۹، فصل فی ملابسہ

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشماکل ۱/۲۱۰، باب ما جاء فی صفة ازار رسول اللہ

تھی۔ (۱)

عَنْ أَبِي بَرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مَلْبَدًا، وَإِذَا زَاغَ غَلِيظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَيْنِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عائشہ نے ہمیں دکھانے کے لیے ایک پیوند لگی چادر اور ایک موٹی لگی نکالی اور یہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان ہی دو کپڑوں میں قبض کی گئی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- آخر جنت البنا: حضرت عائشہ نے ہمیں دکھلانے کے لیے نکالا، کساء: چادر، ملبدا: (میم پر پیش لام پر زبر، اور با پر زبر و تشدید) پیوند لگی چادر، یعنی ایسی چادر جس کے ساتھ دوسری چیز مضبوطی سے چپکائی گئی یعنی پیوند لگایا گیا، ازار: لگی، تہبند، غلیظاً: موٹی، قبض: (صیغہ مجہول) روح قبض کی گئی، وفات ہوئی۔

وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر موجود کپڑوں کی کیفیت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت دو معمولی سے کپڑے تھے، اوپر کی چادر پیوند لگی ہوئی تھی اور لگی بھی موٹی تھی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عجز و انکساری اور تواضع کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو انتہائی عمدہ لباس بھی پہن سکتے تھے، جیسا کہ بعض مواقع پر کسی ضرورت کی وجہ سے پہنا بھی ہے، اور وفات کے وقت تو اسلام کے غلبہ کا زمانہ تھا، فتح مکہ کے بعد دوسرے حکمرانوں کی طرف سے ہدیے اور تحفے بھی آتے تھے، اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و تنگدستی اور سادگی کو اختیار فرمایا، تاکہ امت کو عملاً یہ پیغام دے دیں کہ دنیا کی زیب و زینت، اس کی چمک دمک، اس کی ظاہری رعنائیوں پر مسلمان کی توجہ نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس کی فکر و نظر اور توجہ کا محور و مرکز آخرت کی زندگی ہونی چاہیے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللَّهُمَّ أَحْبِبْنِي مَسْكِينًا وَأُمْسِكْنِي مَسْكِينًا اے اللہ! مجھے زندگی اور موت دونوں میں مسکین ہی رکھنا، چنانچہ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ان دو معمولی چادروں کا ہونا اسی دعا کی قبولیت کا مظہر ہے۔ (۳)

حضرت عائشہؓ نے حصول برکت کے لیے ان دو کپڑوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

(۱) زاد المعاد ۱/ ۱۳۷، فصل فی ملابسه صلی اللہ علیہ وسلم، للواهب اللدنی علی الشمائل للحمیدی (ص: ۲۳۲)

(۲) الصحيح لمسلم، اللباس، رقم الحديث: ۲۰۸۰، سنن الترمذی، اللباس، رقم الحديث: ۱۷۳۳۔

(۳) شرح مسلم للنووی ۲/ ۱۹۳، کتاب اللباس، باب التواضع فی اللباس والاقتصار علی الغلیظ منه، مرقاة المفاتیح ۸/ ۱۹۳، کتاب اللباس، رقم الحديث: ۳۳۰۶۔

لوگوں کو یہ دکھایا بھی کرتیں، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس نبی کریم ﷺ کا ایک جیبہ بھی تھا، جو طلیسی کپڑے سے بنا ہوا تھا، حضرت عائشہؓ کے بعد ان کی بہن حضرت اسماء کے پاس تھا، اسے پانی میں ڈالتے اور پھر وہ پانی بیمار کو پلاتے، تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس بیمار کو شفا عطا فرمادیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء، صلحاء اور نیک لوگوں کی تصویر کے علاوہ اور کوئی چیز حصول برکت کے لیے اپنے پاس رکھنا جائز ہے، البتہ اسے شرک کا ذریعہ نہ بنایا جائے، (۱)

عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سَلِيمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّتِي، تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ: بَيْنَا أَنَا وَأَخِي بِالْمَدِينَةِ، إِذَا الْإِنْسَانُ خَلْفِي يَقُولُ: إِنْ فَعَلَ إِرَازُكَ، فَإِنَّهُ أَتَقَى وَأَبْقَى فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّمَا هِيَ بَزْدَةٌ مُلْحَاءٌ قَالَ: أَمَا لَكَ فِي أَسْوَدَةٍ لَقَطَطْتَ فَإِذَا إِرَازَةٌ إِلَى يَصْفِ سَأَلِيهِ. (۲)

ترجمہ: اشعث بن سلیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی زہم بنت اسود سے سنا، اور وہ اپنے چچا عبید بن خالد بخاری سے روایت کرتی ہیں، عبید کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) مدینہ منورہ میں چل رہا تھا، اچانک ایک انسان میرے پیچھے کہنے لگا: اپنی لنگی اوپر اٹھاؤ، یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب اور کپڑے کو زیادہ عرصہ باقی رکھنے کا باعث ہے، میں کہنے والے کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ ایک کالی معمولی سی چادر ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے لیے میری ذات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو حضور اکرم ﷺ کی لنگی آپ ﷺ کی پنڈلیوں کے نصف تک تھی۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَأْتِرُ إِلَى الْأَصَابِ سَأَلِيهِ، وَقَالَ: هَكَذَا كَانَتْ إِرَازَةُ صَاحِبِي، يَغْنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی پنڈلیوں کے نصف تک لنگی رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میرے آقا ﷺ کی لنگی کی ہیئت بھی اسی طرح تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- سمعت عمتی: میں نے اپنی پھوپھی کو سنا، اس سے حضرت زہم بنت اسود بن خالد مراد ہیں، عن عمہا: چچا سے عبید بن خالد بخاری مراد ہیں بخانہ اتقی: لنگی اور شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، بعض روایتوں میں یہ لفظ ”اتقی“ ہے: زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، ہر قسم کی نجاست سے وہ کپڑا محفوظ رہے گا، و ابقی: وہ کپڑا

(۱) الصحيح لمسلم ۲/۲۵۷ کتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة، رقم الحديث: ۲۰۲۹، ط: بيروت، شرح للنواوي على حاشية جمع الوسائل في شرح الشمائل ۱/۲۱۱، للواهب اللدنية على الشمائل للمحمدية للبيجوري (ص: ۲۳۳)، مرقاة المفاتيح ۲/۲۰۲، کتاب اللباس، رقم الحديث: ۴۳۲۵، زاد للمعاذ ۱/۱۴۰، فصل، ط: بيروت

(۲) مسند الطيالسي، رقم الحديث: ۱۲۸۶۔

زیادہ عرصہ باقی رہے گا، اوپر رکھنے سے اس کے کنارے پھٹنے سے محفوظ رہیں گے، فالنفت: (میں نے متوجہ ہو کر دیکھا، ہودہ: (ہام پر پیش اور راساکن) چادر، ملحاء: (میں پرزور اور لام ساکن) کالی چادر جس میں سفید دھاریاں ہوں، یہ بدو پہنتے تھے، یہ ایک سادہ سالہاس تھا، قابل فخر نہیں تھا، أسوة: نمونہ، الزدة: (ہزے کے نیچے زیر) لگی اور تہ بند باندھنے کی ہیئت اور کیفیت، کان یا تورد: لگی باندھتے تھے، یعنی النبی ﷺ: اس کے قائل حضرت سلمہ بن اکوع ہیں۔

نبی کریم ﷺ اپنا تہ بند اور لنگی نصف پنڈلی تک رکھتے

حضرت عبید بن خالد حارثی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں چل رہا تھا، میری لنگی ٹخنوں سے نیچے تھی، پیچھے سے نبی کریم ﷺ نے آواز دے کر فرمایا کہ اپنی لنگی کو اوپر کرو، اور فرمایا فائدہ اتنی واقعی، یعنی ٹخنوں سے اوپر شلوار اور لنگی رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں تکبر و غرور نہیں آتا، یہ چیز تعویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور جب کپڑا ٹخنوں سے اوپر ہوگا تو وہ میل کچیل اور پھٹنے سے بھی محفوظ رہے گا، یوں وہ زیادہ عرصہ باقی رہے گا، مگر اس صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ایک معمولی سی کالی چادر ہے، اس میں تکبر کے کیا معنی، اگر یہ ٹخنوں سے نیچے رہے، تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ کپڑا عمدہ ہے یا کھٹیا، تمہیں میرے حکم کی پیروی کرنی ہے، میری ذات اور عمل میں تمہارے لیے نمونہ ہے، لہذا تمہیں میرے حکم کی پیروی کرنی چاہیے، اس صحابی نے جب آپ ﷺ کی لنگی کی طرف دیکھا تو وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

دوسری حدیث میں حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی لنگی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ بھی اپنی شلوار اور تہ بند کو نصف پنڈلی تک رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی شلوار، لنگی اور پتلون وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں۔ (۱)

عَنْ خُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَصَاةٍ مَسَاقِي أَوْ سَاقِيهِ، فَقَالَ: هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا تَخْفُ لِلْإِزَارِ فِي الْكُمَيْنِ. (۲)

ترجمہ: حضرت خذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑا اور فرمایا: لنگی اور تہ بند رکھنے کی یہ جگہ ہے، اگر تو اس سے انکار کرے (یعنی اگر تمہیں اس پر قناعت نہ ہو) تو اس سے تھوڑا سا نیچے رکھ لو، اگر تو اس سے بھی انکار کرے (یعنی اس سے بھی نیچے کرنا چاہیں تو سن لو کہ ایسا کرنا جائز نہیں) کیونکہ لنگی کا ٹخنوں پر (رکھنے کا) کوئی حق نہیں۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۱۲، ۲۱۳

(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۸۳۔

مشکل الفاظ کے معنی :- عضلہ: (عین پرزبر اور ضاد پرزبر اور سکون) پنڈلی کا جمع شدہ گوشت، پٹھا جس سے جسم میں حرکت ہوتی ہے، یہاں پہلے معنی ہی مراد ہیں، ضاق: پنڈلی، موضع الازار: تہ بند اور لنگی رکھنے کی جگہ، فان ایبت: اگر آپ اس سے انکار کریں یعنی اگر آپ اس پر قناعت نہ کریں، مزید شلوار کو نیچے کرنا چاہیں، فأسفل: اصل عبارت یہ ہے فموضعه أسفل من العضلہ۔ یعنی اس کی جگہ پنڈلی کے گوشت سے ذرا سامنے۔

شلوار، لنگی اور تہ بند وغیرہ کو شخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان کی پنڈلی یا اپنی پنڈلی کا گوشت پکڑ کر فرمایا کہ لنگی اور تہ بند رکھنے کی یہ جگہ ہے، اس سے مزید تھوڑا سا نیچے بھی رکھ سکتے ہیں، مگر شخنوں پر یا شخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ کو رکھنے کا کوئی حق نہیں، اس حدیث کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث میں بھی شلوار وغیرہ کو شخنوں سے نیچے رکھنے پر بڑی سختی سے منع کیا گیا ہے، فرمایا کہ ایسے شخص کے شخنے یعنی وہ شخص جہنم میں جائے گا، جس کی شلوار شخنوں سے نیچے ہو، اس مسئلہ کی مختلف صورتیں ہیں، جن کا حکم بھی الگ الگ ہے، اس لیے ان کی تفصیل یہ ہے:

❖ لنگی اور شلوار میں بہتر یہ ہے کہ وہ نصف پنڈلی تک ہو، اس سے ذرا نیچے بھی رکھ سکتے ہیں، شخنوں تک رکھنا جائز ہے، البتہ شخنے کھلے رہنے چاہئیں، کیونکہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شخنوں پر لنگی اور شلوار کو رکھنے کا کوئی حق نہیں۔

❖ تکبر و غرور اور اپنی بڑائی جتانے کے لیے شلوار اور لنگی وغیرہ کو شخنوں سے نیچے لٹکانا جائز اور حرام ہے، اس پر احادیث میں جہنم کی وعید آئی ہے۔

❖ اگر کوئی شخص تکبر کی وجہ سے تہ بند، شلوار اور لنگی شخنوں سے نیچے نہیں لٹکاتا مگر غفلت، نادانی اور عدم اہتمام کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، علامہ عینی، ملا علی قاری اور امام نووی رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

❖ قصد و اختیار کے بغیر کسی وقت اگر لنگی اور تہ بند وغیرہ شخنوں سے نیچے لٹک جائیں تو اس میں بالاتفاق رخصت ہے، شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں۔ (۱)

❖ شلوار وغیرہ کو شخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے، خواتین کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی شلوار کو مزید نیچے کر کے رکھیں، تاکہ ان کا ستر اچھی طرح ہو جائے۔ (۲)

(۱) عمدة القاری ۲۱/۲۹۵، شرح مسلم للنووی ۲/۱۹۴، کتاب اللباس، باب تحريم جبر الثوب، مرقاة المفاتیح ۸/۲۳۸، کتاب اللباس، الفصل الاول، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۳۳، کتاب الکراہیہ، الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذلک وما لا یکرہ۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشہادۃ للملا علی قاری مع شرح للناوی ۱/۲۱۵۔

یہ حکم صرف شلوار تک ہی خاص نہیں بلکہ کرتا، قمیص، آستینیں، اور پگڑی بھی اس حکم میں داخل ہیں، لہذا قمیص یا کرتے کو اس قدر لمبا رکھنا کہ عرف میں اسے محبوب سمجھا جاتا ہو، آستینیں زیادہ لمبی رکھنا کہ ان میں سارے ہاتھ چھپ جائیں یا پگڑی کے شملہ کو نصف کرے بھی لمبا کر کے رکھنا، یہ سب چیزیں منوع ہیں، ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي مَشْيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے چلنے کی کیفیت کا بیان ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا زِلْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الشَّمْسُ تَجْعُرِي فِي وَجْهِهِ، وَمَا زِلْتُ أَخَذًا أَمْنَعُ فِي مَشْيِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطَوَّى لَهُ، إِنَّا لَنَجْهَدُ أَنْفُسَنَا، وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرَبٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جو نبی کریم ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل ہو، (اس قدر چمک تھی کہ) گویا سورج نبی کریم ﷺ کے چہرے میں چل رہا ہے (یعنی چمک رہا ہے) اور میں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا، گویا کہ زمین آپ ﷺ کے لیے پیٹ دی جاتی، پٹک ہم (آپ ﷺ کے ساتھ چلنے میں) اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیتے، جبکہ آپ ﷺ کو اس کی کوئی پرواہ بھی نہ ہوتی (یعنی آپ ﷺ انتہائی وقار کے ساتھ اپنے معمول کے مطابق چل رہے ہوتے تھے)

عَنْ ابْنِ أَبِي هَرِيمٍ عَنْ مُحَمَّدٍ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ. (۳)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب نبی کریم ﷺ (کے چلنے) کا ذکر فرماتے، تو یہ فرماتے کہ جب نبی کریم ﷺ چلتے، تو قوت سے پاؤں اٹھاتے، گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَشَى، تَكَفَّأَ تَكْفُؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ. (۴)

(۱) سنن ابی داؤد ۶۰/۴، کتاب اللباس، باب فی قدر موضع الاذان رقم الحدیث: ۴۰۹۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النناوی ۲۱۵/۱۔

(۲) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۶۵۔

(۳) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۲۔

(۴) سنن الترمذی، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۴۷۔

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو آگے کی طرف کچھ جھک کر چلتے (دیکھنے والے کو یوں لگتا) گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مشیۃ: (سیم کے نیچے زیر اور شین ساکن) چلنے کی کیفیت، چال، تجوی فی وجہہ: سورج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں چل رہا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سورج کی طرح چمکتا تھا، أسرع: زیادہ تیز رفتار، تطوی لہ: (صیغہ مجہول) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی، للجهد: یہ اجہاد سے ہے، ہم مشقت میں ڈال دیتے، اپنے آپ کو تھکا دیتے، غیر مکتوث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پرواہ نہ ہوتی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی وقار اور سکون کے ساتھ معمول کے مطابق چل رہے ہوتے مگر ہم تھک جاتے، تقلع: قوت سے چلتے، کالما یبسط: گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر رہے ہوں، من صیب: (صاد اور با پر زبر) بلندی سے، ڈھلان سے، تکفأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کو جھک کر چلتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی کیفیت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی کیفیت کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی زیادہ حسین و جمیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت نہیں تھی، چہرہ انور پر اس قدر چمک دمک تھی، گویا کہ سورج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر چل رہا ہے، حدیث میں فرمایا: کَانَ الشَّمْسُ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو سمجھانے کے لیے سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مشبہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زیادہ حسین و جمیل ہے۔ (۱)

چہرے کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ چہرہ ہی حسن و جمال کا اصل مرکز ہوتا ہے، اور باقی جسم کا حسن انسان کے چہرے کے تابع ہوتا ہے، اگر کسی انسان کا چہرہ جاذب نظر، دلکش اور خوبصورت ہو، تو عرف میں بھی اسے ایک خوبصورت انسان شمار کیا جاتا ہے، ایک صحابی فرماتے ہیں کہ اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھیں تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ چہرہ انور پر سورج طلوع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بلکہ پورا جسم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی تھا، ایک دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم کے ہر عضو کے لیے ”نور“ کی دعا مانگی اور آخر میں یہ مانگا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي نُوْرًا (اے اللہ مجھے سارا ہی نور بنا دے)

اسی نور کا اثر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، کیونکہ سایہ ایک طرح کی ظلمت اور تاریکی ہوتی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مجسمہ نور ہیں، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا بھی سایہ نہیں ہوتا، اس وقت مختلف مقامات پر ”موئے مبارک“ مشہور ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں، اگر ان کا سایہ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نبی کریم

ﷺ کے بال نہیں ہیں، ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا، اور آپ ﷺ کی چمک اور آپ ﷺ کا نور سورج اور چاند پر غالب کلی تھا۔ (۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ چلنے میں تیز رفتار تھے، گویا کہ زمین کو آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے سمیٹ دیا گیا ہو، اس انداز سے ہی چلنے کا آپ ﷺ کا معمول تھا، قصداً تیز نہیں چلتے تھے، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ چلنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے، مشقت میں ڈال دیتے، تب آپ ﷺ کے ساتھ چل سکتے، جبکہ آپ علیہ السلام کو اس کی کوئی پرداہ بھی نہیں تھی، یعنی آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق انتہائی وقار اور سکون کے ساتھ چل رہے ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ذرا تیز قدموں سے چلنا چاہیے۔ (۲)

۳۔ نبی کریم ﷺ ذرا آگے کی طرف جھک کر عاجزانہ انداز سے چلا کرتے، گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں اور اپنے قدم زمین سے قوت کے ساتھ اٹھایا کرتے، زمین کے ساتھ رگڑ کر نہ چلتے، جس طرح کہ عورتیں چلتی ہیں، اس سے چلنے کا یہ ادب معلوم ہوا کہ انسان کو قدم اٹھا کر چلنا چاہیے، زمین کے ساتھ قدم گھسیٹ کر نہیں چلنا چاہیے۔ (۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْنَعُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے قناع یعنی سر پر کپڑا رکھنے کا ذکر ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْبِتُ الْقِنَاعَ كَمَا أَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زِيَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (سر پر تیل لگانے کے بعد) اکثر اپنے سر پر کپڑا رکھا

کرتے تھے (چکناہٹ کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا) گویا کہ آپ ﷺ کا یہ کپڑا تیل یعنی تیل فروش کا کپڑا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: تَقْنَعُ: (تا اور قاف پر زبر اور نون پر پیش اور تشدید) سر پر کپڑا اوڑھنا، سر پر کپڑا رکھنا، القناع:

(قاف کے نیچے زیر) وہ کپڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد رکھا جائے تاکہ ٹوپی، پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، ثوبہ:

آپ ﷺ کا کپڑا، یہاں اس ”ثوب“ سے قناع ہی مراد ہے، زِيَّاتٍ: (زا پر زبر اور یا پر زبر و تشدید) تیل بیچنے والا، تیل فروش،

اسے ”تیلی“ بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) الخصائص الكبرى للسيوطي ۱/۱۶۷، باب الاية في انه صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل، ط: رحمانيه، لاہور، الوفاء

بتعريف فضائل المصطفى لابن الجوزي ۱/۳۰۱، كشف القناع ۵/۳۱، كتاب الانصاف للمعز داوي ۸/۴۳، كتاب النكاح، قسم خصائص النبی ﷺ، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۳۸)، جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۱/۲۱۷۔

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۰/۴۷۱، كتاب الفضائل والشمائل، باب اسماء النبی ﷺ وصفاته، رقم الحديث: ۵۷۹۱۔

(۳) مرقاة المفاتيح ۱۰/۴۷۱، رقم الحديث: ۵۷۹۵۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قناع کپڑا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سر پر تیل لگاتے تو پگڑی کے نیچے سر پر ایک کپڑا ڈال لیتے، تاکہ تیل کی وجہ سے پگڑی اور کپڑے خراب نہ ہوں، اس کپڑے کو قناع کہا جاتا ہے، اس پر تیل کی بہت چکناہٹ آ جاتی تھی، ایسا لگا جیسا کہ تیل فروش یعنی تیلی کا کپڑا ہو، مگر اس کے باوجود یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ کپڑا چکناہٹ کے باوجود میلانہ ہوتا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوں پڑتی اور نہ ہی کھٹل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوستا، بلکہ مناوی نے لکھا ہے کہ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر نہیں بیٹھی اور نہ ہی کبھی چھوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاٹا ہے، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ سر پر تیل لگایا جائے تو ایک کپڑا پگڑی وغیرہ کے نیچے رکھ لیا جائے، تاکہ تیل کی چکناہٹ سے پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، یہ حدیث اگرچہ باب ماجاء فی الترجل میں گزر چکی ہے، مگر امام ترمذی اسے مستقل باب میں ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر تیل لگانے کے بعد اہتمام سے قناع کپڑے کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اور بیٹھنے کی بیعت کا بیان ہے
عن قیلۃ بنت مخزومۃ، أنّہا رأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد وهو قاعذ القرفصاء قالت:
فلما رأیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتخفیف فی المجلسۃ أزعجت من الفرق. (۲)
ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخزمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں یعنی گوٹ مار کر بیٹھے تھے، فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ نشست میں
دیکھا تو میں خوف کی وجہ سے کانپنے لگی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- جلسۃ: (جیم کے نیچے زیر اور لام ساکن) نشست، بیٹھنے کی بیعت، القرفصاء: (قاف پر پیش، را ساکن اور قاف پر پیش) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اکڑوں بیٹھک یعنی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے دونوں رانوں کو پیٹ سے ملانا، اور سہارے کے طور پر دونوں

(۱) الخصائص الكبرى للسيوطی ۱/۱۷۷، باب فی انہ ۱۷۷، کان لا یزال الذباب علیہ ولا علی ثیابہ، جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۱/۲۱۸، اللوہب اللدنیۃ علی الشرائع للحمدیۃ (ص: ۲۴۰)

(۲) سنن ابی داؤد، الادب، رقم الحدیث: ۴۸۴، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۱۵۔

ہاتھ یا کوئی کپڑا پنڈلیوں کے ارد گرد لپیٹ لیا جائے، اسے ”گوٹ مار کر بیٹھنا“ بھی کہا جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک حدیث میں یہی معنی مراد ہیں۔

۲۔ بعض حضرات نے قرفصاء کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ: تشہد کی ہیئت اختیار کر کے دونوں گھٹنوں پر آگے کی طرف جھک کر اس طرح بیٹھا جائے کہ پیٹ رانوں سے مل جائے اور دونوں ہاتھ بغل میں ڈال لیے جائیں، المتخشع: گڑ گڑانے والا، عاجزی دکھانے والا، خاکساری دکھانے والا، فی الجلسة بنشست مل، أرعدت: (باب افعال سے ماضی مجہول) میں کپکپا گئی، میں لرز گئی، مجھے کپکپی آگئی، الفرق: (فاء اور راپر زبر) خوف، دہشت۔

نبی کریم ﷺ کبھی اکڑوں بیٹھتے

حضرت قتیبہ بنت خرمہ رضی اللہ عنہما پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں انتہائی عاجزانہ انداز سے تشریف فرما تھے، قرفصاء کے معنی سے متعلق تفصیل اوپر ”مشکل الفاظ کے معنی“ میں لکھ دی گئی ہے، بیٹھنے کا یہ انداز انسان کے عاجز اور متواضع ہونے کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ کبھی کبھار اس طرح بیٹھا کرتے تھے، حضرت قتیبہ نے نبی کریم ﷺ کو جب اس عاجزانہ نشست میں دیکھا تو وہ ڈر گئیں، اور بہت گھبرا گئیں، ڈرنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اس انداز سے آدمی اس وقت بیٹھتا ہے جب وہ خاص فکر اور گہری سوچ میں ہو، اور نبی کریم ﷺ کو کسی معمولی بات سے نہیں بلکہ اپنی امت کی بہت فکر رہتی تھی، اس لیے ان کو یہ خوف ہوا کہ کہیں امت پر کوئی عذاب تو نہیں آ رہا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے ہیں یعنی گوٹ مار کر بیٹھے ہیں۔ (۱)

اس سے درج ذیل امور ثابت ہوئے ہیں:

نبی کریم ﷺ بہت زیادہ عاجز اور متواضع تھے۔

متکبرانہ انداز سے بیٹھنے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے اللہ جل جلالہ ناراض ہوتے ہیں۔

کبھی کبھار نبی کریم ﷺ اکڑوں یعنی گوٹ مار کر بیٹھتے تھے۔

حضرت قتیبہ کی یہ حدیث باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ میں بھی گذر چکی ہے، اس بارے میں مزید تفصیل اس عنوان میں دیکھ لیجئے: ”نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت قتیبہ بنت خرمہ کی حاضری“۔

عَنْ عُبَادِ بْنِ قَعِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْلِقًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِيَّاهُ رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى. (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح ۵۱۸/۸، کتاب الاداب، باب الجلوس والنوم، رقم الحديث: ۴۷۱۳، جمع الوسائل مع شرح المناوی ۲۲۰/۱۔

(۲) الصحيح لمسلم، اللباس، رقم الحديث: ۲۱۰۰، سنن الترمذی، الادب، رقم الحديث: ۲۷۶۶۔

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کتب انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مستلقیا: چت لیٹنے والا، گدی کے بل لیٹنے والا، واضعاً: رکھے ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کبھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹا کرتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کبھی مسجد میں اس طرح گدی کے بل لیٹتے کہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ لیتے، لہذا اس انداز سے انسان لیٹ سکتا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ سنن ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ما جاء فی البکراہیۃ فی ذلک میں حضرت جابر کی حدیث میں اس طرح ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سونے سے منع کیا گیا ہے، ایسے صحیح مسلم کی حضرت جابر کی روایت میں بھی اس انداز سے لیٹنے سے ممانعت کا حکم ہے، جبکہ عباد بن تمیم کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اس انداز سے لیٹا کرتے تھے، بظاہر دونوں قسم کی احادیث میں تعارض ہے، اس تعارض کے ازالے کے لیے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں۔
 ۲۔ بعض علماء نے ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ٹانگ کو ٹانگ پر رکھ کر چت لیٹنا دو طرح کا ہوتا ہے:
 * دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں، اور ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی ہو، اس انداز سے لیٹنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ستر نہیں کھلتا، لہذا عباد بن تمیم کی مذکورہ روایت میں جو یہ منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر چت لیٹے ہوئے تھے، اس سے یہی صورت مراد ہے۔

* دوسری صورت یہ ہے کہ چت لیٹ کر ایک ٹانگ کے گھٹنے کو کھڑا کر لیا جائے اور دوسری ٹانگ یا پاؤں کو اس کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھ لیا جائے، اس انداز سے سونا اس وقت ممنوع ہے، جب اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو مثلاً اس نے ٹگ لگی باندھ رکھی ہے، جس میں اس کا ستر کھل سکتا ہے، چنانچہ اس زمانے میں عام طور پر عرب میں لگی باندھنے کا دستور تھا، لگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا قوی امکان ہے، اس لیے اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا، حضرت جابر کی ممانعت والی حدیث سے یہ صورت مراد ہے، لیکن اگر انسان نے شلوار پہنی ہو یا وہ تہ بند اور لگی اس قدر لمبی ہو، جس میں ستر کھلنے کا امکان نہ ہو، تو پھر ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھ کر سونے میں کوئی حرج نہیں، بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔ (۱)

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ عباد بن تمیم کی مذکورہ روایت میں تو چت لیٹنے کا ذکر ہے، بیٹھنے کا نہیں، جبکہ یہ باب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اور بیٹھنے کی ہیئت سے متعلق ہے، بظاہر اس روایت کو اس باب سے مناسبت اور تعلق نہیں ہے، پھر امام ترمذی نے اس روایت کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۱۔ باب میں جلسہ یعنی بیٹھنے سے عام معنی مراد ہیں خواہ بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں، یہ ”جلسہ“ ضد ہے قیام کی، لہذا بیٹھنے کی جو بھی صورت ہوگی وہ اس لفظ میں داخل ہے، اور ویسے بھی انسان لیٹنے سے پہلے عموماً بیٹھتا ہے، اس لیے اس حدیث کو باب سے مناسبت ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عباد بن تمیم کی روایت سے مسجد میں چت لیٹنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ہر کیفیت کے ساتھ بیٹھنا بطریق اولیٰ جائز ہے، یوں اس روایت کو باب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ (۱)
عَنْ جَدِّهِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ اخْتَبَى بَيْتَهُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ. (۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے جنبہ بنا لیتے یعنی اکڑوں بیٹھتے یعنی دونوں رانوں کو کھٹرا کر لیتے اور پنڈلیوں پر دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنا لیتے، اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل ہوں۔

احتباء کے معنی: اکڑوں بیٹھنا: اسے ”گوٹ مار کر بیٹھنا“ بھی کہتے ہیں، یہ وہ نشست ہے، جس میں آدمی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر لیتا ہے، اور سہارا لینے کے لیے ان کے ارد گرد دونوں ہاتھ باندھ لیتا ہے، یا کمر اور گھٹنوں کے آس پاس پگڑی، رومال یا کوئی کپڑا باندھ لیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف انداز

مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف طریقے اور انداز ہوا کرتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے:

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مسجد میں احتباء کی حالت میں بیٹھا کرتے، یعنی اکڑوں بیٹھتے، یہ ایک عاجزانہ انداز ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھنے کی یہ ہیئت بہت پسند تھی، اہل عرب گوٹ مار کر بہت زیادہ بیٹھا کرتے تھے، گوٹ مار کر بیٹھنا ایک طرح سے عربوں کی دیواریں تھیں، چنانچہ اہل عرب کے ہاں یہ جملہ مشہور تھا لَا حَبِيبَةَ إِلَّا حَبِيبَةَ الْعَرَبِ (اکڑوں بیٹھنا عربوں کی دیواریں ہیں) عرب صحراؤں میں سفر کیا کرتے، وہاں اگر ٹیک لگا کر بیٹھنا چاہتے، تو گوٹ مار کر بیٹھ جاتے، کیونکہ وہاں دیواریں تو ہوتی نہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشماں مع شرح للناوی ۲۲۱/۶، للواہب اللدنیۃ علی الشماں للحمیدیۃ (ص: ۲۳۳)

(۲) سنن ابی داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۴۸۴۶۔

تھیں، جن سے یہ سہارا لیتے، پس احتیاء کی حالت میں بیٹھ جاتے، یوں انہیں سہارا مل جاتا، اور اس انداز سے بیٹھ کر انہیں سکون اور جسمانی راحت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔

یہ ذہن میں رہے کہ جب انسان نماز کے انتظار میں مسجد میں ہو یا جمعہ کا خطبہ سن رہا ہو تو اس وقت اکڑوں بیٹھنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس انداز میں بیٹھنے سے عموماً نیند آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے وضو بھی ٹوٹ سکتا ہے، اس لیے اس موقع پر اس انداز سے بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ مسجد میں کبھی متر بجا یعنی چارزانو ہو کر بیٹھا کرتے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن سرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ پر طلوع آفتاب تک چارزانو بیٹھا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں چارزانو ہو کر بھی بیٹھا جاسکتا ہے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ مسجد میں چپٹ لیٹا کرتے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۴۔ کبھی آپ ﷺ تشہد کی بیعت کی طرح مسجد میں بیٹھا کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موقع محل اور طبعی نشاط کے لحاظ سے انسان مسجد میں بیٹھنے کا کوئی بھی انداز اختیار کر سکتا ہے، نبی کریم ﷺ سے مذکورہ تمام طریقے ثابت ہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَكَاةٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے ٹیک لگانے کا ذکر ہے۔

عن جابر بن سمرة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم متكئاً على وسادة على يساره. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا، جو تکیہ کہ نبی کریم ﷺ کی بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- تکاة: (تا پر پیش، کاف اور ہمزے پر زبر ہے جیسے لمزہ ہے) وہ چیز جس سے ٹیک لگائی جائے، سہارا لیا جائے، یہ لفظ اصل میں ”وکاة“ واؤ کے ساتھ ہے، پھر اس واؤ کو تاء سے بدل دیا ہے۔ متکئاً: ٹیک لگاتے ہوئے، وسادة: (واؤ کے نیچے زیر) تکیہ۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۲۲۲/۱، اللواہب اللدنیۃ علی الشائل الحمدیۃ (ص: ۲۴۳)

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۷۱۔

نبی کریم ﷺ کبھی تکلیف پر ٹیک لگاتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کبھی تکلیف پر ٹیک لگایا کرتے تھے، وہ تکلیف کبھی آپ ﷺ کی دائیں جانب رکھا ہوتا اور کبھی بائیں جانب، اس حدیث میں ”علی یسارہ“ کی قید اتفاقی ہے، بلکہ امام ترمذی نے اس باب کے آخر میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ”علی یسارہ“ کے لفظ میں اسحاق بن منصور، اسرائیل سے روایت کرنے میں منفرد ہے، مشہور روایات میں یہ لفظ نہیں ہے، تاہم اس تصریح سے اصل مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تکلیف پر ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے، خواہ وہ تکلیف دائیں جانب رکھا ہو یا بائیں جانب، دونوں طرح کا عمل آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

شراحین حدیث نے ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے یہاں پر یہ باب قائم کیا پھر اس کے بعد دوبارہ اسی مفہوم کا یہ باب قائم کیا: باب ماجاء فی اتکاء رسول اللہ ﷺ، بظاہر ان دونوں ابواب میں تکرار ہے۔

ملا علی قاری اور مناوی فرماتے ہیں کہ ان دو بابوں میں تکرار نہیں ہے، بلکہ دونوں کے الگ الگ مقاصد ہیں، باب ماجاء فی تکاء رسول اللہ ﷺ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسانوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے بسا اوقات نبی کریم ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے، اور اگلے باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے کبھی کسی انسان کا سہارا لیتے تھے، انسان کی عظمت اور اہمیت کی وجہ سے یہ بات بتانے کے لیے الگ سے عنوان قائم کیا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخَذُ ثَكُمْ بِأَشْجُرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَغُفُوقُ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَثْكُتًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَّتَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجئے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے حالانکہ آپ ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، اور فرمانے لگے: جھوٹی گواہی دینا یا فرمایا کہ جھوٹی بات کرنا (یہ راوی کو شک ہے) حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ جھوٹی گواہی کی بات کو بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش اب حضور اکرم ﷺ خاموش ہو جائیں۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۳۰/۱ باب ماجاء فی اتکاء رسول اللہ ﷺ۔

(۲) سنن الترمذی، الب، رقم الحدیث: ۱۹۰۲۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حقوق: (تین اور قاف پر پیش) نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت سرانجام نہ دینا، عرف میں استعمال کے لحاظ سے یہ لفظ عموماً والدین کی نافرمانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اکبر الکبائر: کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ، متکنا: بگلیہ لگا کر، سہارا لے کر، شہادۃ الزور: جھوٹی گواہی، لیتہ سکت: کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتیں۔

جھوٹی گواہی سمیت چند کبیرہ گناہ

الکبائر: کبیرہ کی جمع ہے، اس کے لفظی معنی ہیں: بڑے گناہ، کبیرہ گناہ کی تعریف: یہ وہ گناہ ہوتا ہے جس کی شریعت میں سختی کے ساتھ ممانعت ہو، اسے کرنے سے انسان دنیا میں سزا کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اور جو توبہ کے بغیر معاف بھی نہ ہوتا ہو اور جس گناہ پر اس قدر سخت وعید نہ ہو تو وہ مغیرہ کہلاتا ہے، اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے، مگر یہ گناہ توبہ کے بغیر، محض نیکی کرنے سے بھی معاف ہو جاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ اس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ اس میں شمار کئے ہیں، حافظ ابن حجر نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے نماز، روزہ، حج اور معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ الگ الگ لکھے ہیں، جن کا مجموعہ چار سو سرسٹھ ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جمع الوسائل شرح شامل میں چند مشہور کبیرہ گناہ لکھے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

”ناحق قتل کرنا، زنا کرنا، لواطت یعنی اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی چھپانا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، شرعی عذر کے بغیر میدان جہاد سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ توڑ دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو اس کے وقت سے پہلے یا مؤخر کر کے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو، ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم یا حافظ قرآن کی، کسی عالم کو چغلی لگانا، دیوث پن یعنی اپنی بیوی اور بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے ناجائز تعلق کو گوارا کرنا، ناجائز تعلقات میں کسی مرد اور عورت کی مدد کرنا، قدرت کے باوجود نیکی کا حکم نہ دینا اور گناہوں سے نہ روکنا، فساد کی نیت سے جادو سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، بالغ ہونے کے بعد قرآن مجید پڑھ کر بھلا دینا، کسی مجبوری کے بغیر کسی جاندار کو جلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے نہ ڈرنا، بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا، مرد کی جنسی خواہش کو پورا کرنے سے بیوی کا بلاوجہ انکار کرنا، چغلی خوری“۔ (۱)

شامل کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سب سے بڑے کبیرہ گناہ ذکر فرمائے ہیں، جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی ذات یا صفات میں سے کسی صفت میں کسی کو شریک بنانا مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم میں، قدرت میں، تصرف میں، پیدا کرنے میں، بیماری سے شفا دینے میں... وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ”شرک باللہ“ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے، مگر مذکورہ حدیث میں تینوں گناہوں کو کبیرا الکبار کہا گیا ہے، کیونکہ باقی دو گناہوں کی بھی قباحیت اور شاعت بہت زیادہ ہے، بقیہ کبیرہ گناہوں کے لحاظ سے ان دو کو بھی اکبر الکبار کہا گیا ہے، نیز بسا اوقات نبی کریم ﷺ موقع محل کی مناسبت سے سامعین کے حالات اور مزاج کو سامنے رکھ کر حکم ارشاد فرمایا کرتے، جس طرح افضل الاعمال کے سوال کے جواب میں ایک موقع پر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ارشاد فرمایا، ایک اور موقع پر اسی سوال کے جواب میں جہاد، اور ایک اور موقع پر والدین کے ساتھ نیکی کرنا ارشاد فرمایا، اسی طرح یہاں جو تین گناہوں کو سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے، وہ بھی اسی اعتبار سے ہے کہ سامعین کے حالات اور موقع محل کی مناسبت سے آپ ﷺ نے ان تین گناہوں کی قباحیت کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا۔

۲۔ والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا، اپنی گفتگو یا کسی عمل سے انہیں دکھ دینا، ان کی نافرمانی کرنا اور ان کی خدمت نہ کرنا جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج بھی ہوں۔

انسان کا دنیا میں آنے کا ظاہری سبب چونکہ والدین ہیں، اسی وجہ سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ کی عبادت کے ساتھ ہی نوبالوالدین احسانا فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں الاشراک باللہ کے ساتھ ”عقوق الوالدین“ کو ذکر کر کے اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بسا اوقات ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۱)

چنانچہ شعب الایمان میں امام بیہقی نے ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص وفات کے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا چاہتا تھا، مگر وہ پڑھ نہیں سکتا تھا، نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا، آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں زندگی میں کہتا رہا، مگر اب میں کہنے پر قادر نہیں ہو رہا، وجہ پوچھنے پر اس نے خود ہی بتایا کہ میں والدہ کا نافرمان ہوں، وہ مجھ سے ناراض ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہ زندہ ہیں، بتایا گیا کہ وہ زندہ ہیں، نبی کریم ﷺ نے ان کی والدہ کو بلایا، وہ جب حاضر ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ تیرا ہی بیٹا ہے؟ والدہ نے کہا: جی ہاں یہ میرا ہی بیٹا ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ بھڑکی آگ ہو، اگر تم اپنے بیٹے کے لیے سفارش نہ کرو تو اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس پر وہ کہنے لگی کہ پھر تو میں اپنے بیٹے کے لیے ضرور سفارش کروں گی، پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اور ہم سب کو اس بات پر گواہ بناؤ کہ تم اپنے بیٹے سے راضی ہو، اس نے کہا کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، پھر نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ اب تم یہ کلمہ پڑھو: لا الہ الا اللہ، تو اس نے یہ کلمہ پڑھا پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس شخص کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے۔ (۱)

۳۔ جھوٹی گواہی دینا، یوں تو یہ گناہ سارے ہی انتہائی گناہوں میں سے ہے لیکن آپ ﷺ نے ”جھوٹی گواہی“ کے ذکر کے وقت خاص طور پر اپنی نشست بھی تبدیل فرمائی، تکیہ لگا کر آپ ﷺ بیٹھے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے اور یہ جملہ ”و شہادة النور“ بار بار ارشاد فرماتے رہے، صحابہ تمنا کرنے لگے کہ آپ ﷺ خاموش ہو جائیں، آپ ﷺ کو تھکاوٹ ہو رہی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ کہیں آپ ﷺ کی زبان سے اس وقت کوئی سخت حکم نہ جاری ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کے بارے میں یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے اور والدین کی نافرمانی کرنے کو ہر مسلمان برا سمجھتا ہے، لیکن جھوٹی گواہی دینے میں بہت سے مسلمان غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ اس کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں، چنانچہ جھوٹی گواہی عموماً حسد، بغض، دشمنی اور مال و دولت کی لالچ وغیرہ کی وجہ سے دی جاتی ہے، اس کا نقصان صرف ایک بندے تک ہی محدود نہیں ہوتا، بلکہ بیسیوں لوگ اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں، جبکہ شرک اور والدین کی نافرمانی کا نقصان صرف اس آدمی کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ (۲)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ✽ ٹیک لگا کر تعلیم دینا اور ذکر کرنا جائز ہے۔
- ✽ تکیہ لگا کر بیٹھ کر پڑھنا مجلس کے آداب کے خلاف نہیں ہے۔
- ✽ وعظ و نصیحت کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ اہم بات کو بار بار دہرائے، تاکہ اچھی طرح اس کی اہمیت سامعین کے ذہن میں آجائے، یہاں تک کہ سامعین کو اس خطیب پر رحم اور ترس آجائے۔ (۳)

حضرت ابو بکرہ یعنی نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ میں سے ہیں، نبی کریم ﷺ نے طائف کے محاصرے کے وقت یہ اعلان کیا کہ جو شخص اس قلعے سے نیچے اتر کر آجائے تو وہ آزاد ہے، یہ صحابی صبح کے وقت اس قلعہ سے نیچے اتر آئے، اس لیے اس صحابی کو ابو بکرہ کہا جانے لگا، نام سے زیادہ اسی نسبت ”ابو بکرہ“ سے ہی مشہور ہو گئے، بعد میں انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایات نقل کی ہیں، اور پھر ان سے ان کی اولاد نے احادیث روایت کی ہیں۔ (۴)

(۱) شعب الایمان ۱۹۷/۶، فصل فی عقوب الوالدین، رقم الحدیث: ۷۸۹۲، ط: بیروت

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۲۵/۱۔

(۳) الزواہب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۳۸)

(۴) الاصابة فی تمییز الصحابة ۳۶۹/۶، حرف النون، رقم الترجمة: ۸۸۱۶

عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا أَنَا فَلَا أَكُلُ مَشْكَا (۱)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

عَنْ أَبِي جَحْفَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا أَكُلُ مَشْكَا (۲)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، ان احادیث کا سبب دراصل اعرابی کا وہ واقعہ ہے جو سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن بسر سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک بکری ہدیہ دی گئی، اسے کھانے کے لیے آپ ﷺ دوڑا تو بیٹھے، ایک اعرابی نے عرض کیا: یہ کیسی عاجزانہ نشست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مہربان بندہ بنایا ہے، اس نے مجھے مغرور و متکبر اور سرکش آدمی نہیں بنایا، اس لیے میں اس طرح بیٹھ کر کھا رہا ہوں۔ (۳)

ابن بطال فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نشست تواضع اور عاجزی کی وجہ سے اختیار فرمائی تھی، اور ابن بطال ہی نے امام زہری سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جبرائیل امین کے ساتھ ایک ایسا فرشتہ آیا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا، آکر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ عبد (یعنی بندہ) ہو کر نبی ہوں یا فرشتہ ہو کر، آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل کی طرف مشورہ کی غرض سے دیکھا، انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ ﷺ تواضع اختیار کریں، پھر آپ ﷺ نے اس فرشتے سے فرمایا کہ: میں بندہ ہو کر نبی بننا پسند کرتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے ٹکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا، لیکن ان کی یہ بات ان کے اپنے علم کی حد تک ہے ورنہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مجاہد کا اثر ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ٹکیہ لگا کر کھانا کھایا اور پھر اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ اے اللہ! میں آپ کا بندہ اور رسول ہوں، اور عطاء بن یسار سے مرسل منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل نے نبی کریم ﷺ کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کو انہوں نے منع کر دیا، اس کے بعد پھر کبھی آپ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ (۴)

(۱) سنن ابی داؤد، الاطعمہ، رقم الحدیث: ۲۷۶۹۔

(۲) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۔

(۳) سنن ابن ماجہ ۴/۴۰۵، کتاب الاطعمہ، باب الاکل متکنا، رقم الحدیث: ۳۲۲۳۔

(۴) فتح الباری ۹/۶۷۵، کتاب الاطعمہ، باب الاکل متکنا، رقم الحدیث: ۵۳۹۹، جمع الوسائل فی شرح الشبائل مع شرح للنواوی

۲۲۸/۱، تحفۃ الاحوذی ۵/۵۶۹، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی کراهیۃ الاکل متکنا، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۔

ٹیک لگا کر کھانا کھانے کا حکم

سنت یہ ہے کہ کھانا کھانے کے وقت قدرے جھک کر عاجز انداز کے ساتھ مکمل توجہ سے بیٹھ کر کھانا کھایا جائے، ٹیک لگا کر کھانے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے، میرک شاہ فرماتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کے وقت ٹیک لگانے کی عموماً چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

❖ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگا کر کھانا کھانا۔

❖ بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھانا۔

❖ بغیر کسی عذر کے کسی گدے وغیرہ پر ٹیک لگا کر چار زانو ہو کر یعنی آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔

❖ اپنی کمر سے دیوار یا تکیہ وغیرہ پر ٹیک لگا کر کھانا۔

کھانے کے وقت بیٹھنے کی ان تمام صورتوں کو اہل علم نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے، کیونکہ ٹیک لگا کر کھانا عموماً مغرور و متکبر اور غافل لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا جو زیادہ کھانے کے خوگر ہوں، اور کراہت اس وجہ سے بھی ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے انسان کا پیٹ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے نظام ہضم بھی خراب اور کمزور ہو جاتا ہے۔

لیکن چونکہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے ٹیک لگا کر کھانے کا مطلقاً جواز منقول ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس، خالد بن ولید، عبیدہ سلمانی، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور امام زہری سے مطلقاً جواز نقل کیا ہے، اس لیے اگر کوئی عذر اور مجبوری ہو کہ ٹیک لگائے بغیر کھانا مشکل ہو تو ایسی صورت میں ٹیک لگا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں، بغیر کسی کراہت کے درست ہے، اور اگر ٹیک لگا کر کھانے کا منشا فخر و غرور ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے، اور اگر ٹیک لگا کر کھانا آرام و راحت اور زیادہ کھانے کی غرض سے ہو تو شرعیہ خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ ہے۔

بعض حضرات نے حدیث باب کے الفاظ ”اما ان افلا اکل مشکنا“ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت کا حکم صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ شواہع میں سے ابو العباس بن القاسم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی دلیل کے بغیر آپ ﷺ کی خصوصیت قرار نہیں دیا جاسکتا، لہذا ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت کا حکم سب کے لیے ہے، اس حکم کے عام ہونے پر علامہ عینی نے طبرانی کے حوالے سے حضرت ابوالدرداء کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا تَأْكُلْ مِنْكَ لَيْكٍ لَّا كَرْبَهُ كَافٍ، آپ ﷺ کا یہ ارشاد ایک عام حکم بیان کر رہا ہے، جو سب کو شامل ہے، اس لیے ٹیک لگا کر کھانا یا لیٹ کر کھانا سب ہی کے لیے ممنوع ہے، البتہ عذر اور ضرورت کی صورتیں ممانعت کے

عالم نے بہر حال مستثنیٰ ہیں۔ (۱)

اور جو چیزیں نلکھ کے طور پر کھائی جاتی ہیں مگو، چنے، پستہ اور بادام وغیرہ انہیں ٹیک لگا کر یا لیٹ کر بھی کھایا جاسکتا ہے، حضرت علیؓ سے اس طرح کا ایک اثر منقول ہے۔ (۲)

کھانے کے لیے بیٹھنے کی مستحب صورتیں

کھانے کے وقت بیٹھنے کے مستحب اور مسنون طریقے یہ ہیں:

- ۱۔ مسنون یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کی طرف قدرے جھک کر عاجزانہ انداز سے مکمل توجہ کے ساتھ بیٹھا جائے۔ (۳)
 - ۲۔ روزانہ ہو کر بیٹھنا جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ (۴)
 - ۳۔ ”اقعاء“ کی طرح بیٹھنا یعنی پنڈلی اور ران ملا کر دونوں زانو کھڑے کر لینا اور سرین پر بیٹھ جانا، حضرت انسؓ کی ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ سے کھانے کے وقت بیٹھنے کی یہ کیفیت منقول ہے۔ (۵)
 - ۴۔ دونوں پاؤں پر اس طرح بیٹھے کہ سرین زمین پر نہ لگے، اسے اکڑوں بیٹھنا بھی کہا جاتا ہے، ابن قیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کھانے کے وقت گھٹنے کے بل بیٹھے اور تواضع کی وجہ سے بائیں قدم کی اندر کی جانب کو داغیں قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔ (۶)
 - ۵۔ دونوں گھٹنوں کو زمین پر ٹیک کر جھک کر کھانا۔ (۷)
 - ۶۔ دایاں گھٹنا کھڑا کر لے اور بائیں گھٹنے پر بیٹھ جائے۔ (۸)
- بیٹھنے کے مذکورہ طریقوں میں کھانے کا ادب و احترام اور عجز و انکساری کا اظہار ہے، اور ان میں کھانا بھی کم کھایا جاتا ہے، جو صحت کے لیے فائدہ مند بھی ہے، اس لیے کھانے کے لیے ان نشستوں میں سے کوئی نشست اختیار کرنی چاہیے، ٹیک لگا کر کھانے سے ہر ممکن احتراز کرنا چاہیے۔

- (۱) فتح الباری ۶/۵۸۹، کتاب الاطعمة، باب الاکل متکثراً، عمدة القاری ۳/۲۱، مرقاة المفاتیح ۸/۸۸، کتاب الاطعمة، الفصل الاول، رقم الحديث: ۴۱۶۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۲۸/۱۔
- (۲) اللواہب اللدنیة علی الشمائل للحمیدیة (ص: ۲۴۹)۔
- (۳) بذل المجہود ۵۳/۱۶، کتاب الاطعمة، باب الاکل متکثراً، رقم الحديث: ۳۷۶۹، ط: بیروت۔
- (۴) عمدة القاری ۳/۲۱، کتاب الاطعمة، باب الاکل متکثراً۔
- (۵) تکملة فتح الملہم ۴/۴، کتاب الاطعمة، باب استحباب تواضع الاکل، رقم الحديث: ۵۲۹۰۔
- (۶) زاد المعاد لابن القيم ۲/۲۳، فصل فی الاکل بالأصابع الثلاث، اللواہب اللدنیة علی الشمائل للحمیدیة (ص: ۲۴۹)۔
- (۷) عمدة القاری ۳/۲۱۔
- (۸) اشعة اللمعات فارسی ۴/۸۷۳، الفصل الاول۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ

شمال کی مذکورہ دونوں حدیثوں کے راوی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام وہب بن عبد اللہ بن مسلم بن جنادہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخر میں یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، بہت سی احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ کیں، ان کے بچپن کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضرت حسن بن علی شکل و صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرہ اونٹنیاں ہمیں دینے کا حکم دیا، لیکن ابھی ہم نے وہ وصول نہیں کی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

پھر حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ حضرت علیؑ کے ساتھ رہا کرتے، حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں کوفہ کی پولیس کا نگران مقرر کیا تھا، حضرت علیؑ ان کو ”وہب الخیر“ کہا کرتے، سن ۶۳ یا ۶۴ ھ میں عراق میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُوءَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَّكَفًا عَلَى وَصَادَقَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے۔

”علی یسارہ“ کے لفظ میں اسحاق بن منصور منفرد ہیں

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے، یہاں اسے دوبارہ ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باب کی پہلی روایت میں ”علی یسارہ“ کے الفاظ غریب ہیں، انہیں اسرائیل سے صرف محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے، اسرائیل کے دیگر شاگرد مثلاً کعب وغیرہ نے ”علی یسارہ“ کے الفاظ روایت نہیں کیے، چنانچہ امام ترمذی نے کتاب الاطعمۃ، باب ما جاء فی کراہیۃ الاکل متکئا میں بھی اس بات کو ذکر کیا ہے۔

باب ما جاء في انكأ رسول الله صلى الله عليه وسلم

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (انسان پر) سہارا اور ٹیک لگانے کا ذکر ہے امام ترمذی رحمہ اللہ اس باب کو دوبارہ ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے موقع پر کسی انسان پر بھی سہارا اور ٹیک لگا لیتے تھے، جبکہ اس سے پچھلے باب سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انسان کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً نکیہ اور دیوار

(۱) الاصابة ۶/۲۹۰، حرف الواو، رقم الترجمة: ۹۱۸۷، مرقاة المفاتیح ۸/۸۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الاول، رقم الحديث:

وغیرہ سے کبھی آپ ﷺ ایک لگا لیتے تھے، اس لیے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ یہاں ان دو بابوں میں تکرار ہے۔
 عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا، فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلَى أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قَطْرِي،
 فَلَمَّا تَوَشَّعَ بِهِ، فَصَلَّى بِهِمْ. (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (مرض وقات میں) بیمار تھے، اپنے گھر
 سے باہر اس طرح تشریف لائے کہ آپ ﷺ حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ
 کے جسم مبارک پر ایک یمنی منقش چادر تھی، جسے آپ ﷺ نے اوڑھ رکھا تھا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز
 پڑھائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- شاکیا: بیمار، ناساز طبیعت، يتوكأ علی اسامہ: حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے، ثوب قطری:
 (قاف کے نیچے زیر اور طاء ساکن) اس کے دو ترجمے ہیں :- ۱۔ یہ ایک یمنی مضبوط چادر تھی جو روئی سے بنائی جاتی تھی، منقش اور سرخ
 دھاری دار ہوتی۔ ۲۔ یہ ایک عمدہ لباس تھا، جو بحرین کے شہر قطر سے لایا جاتا تھا، اسی سے اس کو قطری کہا جاتا ہے، اصل میں تو یہ لفظ
 ”قطر“ قاف اور طاء پر زبر کے ساتھ ہے، مگر خلاف قیاس قاف کے نیچے زیر اور طاء کو ساکن کر کے پڑھا جانے لگا، قد تو شح بہ:
 آپ ﷺ نے اس چادر کو لپیٹا، اوڑھا جس طرح کہ چادر کو کندہ ہوں پر لپیٹا جاتا ہے، یا اضطباع کی طرح اسے لپیٹا تھا یعنی دایاں
 کندہ ہانگ کر کے بائیں کندھے پر اس چادر کو آپ ﷺ نے ڈال رکھا تھا۔

بیماری میں نبی کریم ﷺ کا سہارا حضرت اسامہ پر

مرض وقات کے زمانے میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ کے سہارے گھر سے باہر تشریف لائے، اس
 وقت آپ ﷺ کی طبیعت ناساز تھی، اور جسم مبارک پر آپ ﷺ نے ایک یمنی منقش چادر اوڑھ رکھی تھی، مسجد میں آپ ﷺ
 نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی، یہ حدیث شامل میں باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ میں بھی گزر چکی ہے، مزید تفصیل اس عنوان
 کے تحت دیکھ لیجئے: ”نبی کریم ﷺ نے ”ثوب قطری“ زیب تن فرمایا“

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، وَعَلَى
 رَأْسِهِ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: يَا فَضْلُ قُلْتُ: لَتُبَيِّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: اشدَّ ذِي هَذِهِ الْعِصَابَةِ
 رَأْسِي قَالَ: فَلَعَلْتُ، ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ كَفَّهُ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ فِي الْعَسَبِ حَيْدٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہوا، آپ ﷺ کی اس بیماری
 میں جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت حضور ﷺ کے سر مبارک پر زرد پٹی تھی، میں نے سلام

کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ ”اے فضل! میں نے کہا: یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پٹی سے تم میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو، فضل کہتے ہیں کہ میں نے یہ کام کر لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور اپنی ہتھیلی میرے کندھے پر رکھی اور کھڑے ہوئے اور مسجد میں تشریف لے گئے، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عصابہ: (عین کے نیچے زیر) پٹی پگڑی، مفراء: زرد، پیلا، لیمک: میں حاضر ہوں، اشد: تم زور سے باندھ دو، وضع کفہ: اپنی ہتھیلی رکھی یعنی سہارا لیا، ایک لکائی، علی منکبی: میرے کندھے پر۔

حضرت فضل کے کندھے پر ہتھیلی رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے

مذکورہ حدیث میں درج ذیل باتوں کا ذکر ہے:

❁ وفات سے قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید بیمار ہوئے، اٹھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دشوار ہو گیا تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس کے کندھے پر ہتھیلی رکھی، ان کے سہارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، پھر مسجد نبوی میں تشریف لائے۔

❁ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عصابہ مفراء تھا، ان کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر زرد پٹی تھی، جسے فضل بن عباس نے زور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر باندھا، تاکہ درد اور بوجھ کو سکون ہو۔ ۲۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے: زرد پگڑی، جو فضل بن عباس نے سر پر مضبوطی سے باندھی، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ پیلے رنگ کی پگڑی پہننا جائز ہے۔

❁ بیماری میں سر پر کپڑا باندھنا، تاکہ بیماری میں آفاقہ ہو جائے، جائز ہے، توکل اور مقام نبوت اور مقام ولایت کے منافی نہیں۔ (۱)

وفات سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم خطبہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ”وفی الحدیث قصۃ“ اس قصہ کی تفصیل یہ ہے:

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مرض الوفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت شدید بخار میں تھے، سر پر پٹی باندھ رکھی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضل! میرا ہاتھ پکڑ لو، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا، یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر بلاؤ، میں نے

(۱) المواہب اللدنیۃ علی شمائل المحمدیۃ (ص: ۲۵۱) باب ما جاء فی انکاء رسول اللہ ﷺ

لوگوں کو جمع کر لیا، پھر نبی کریم ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد درج ذیل باتیں ارشاد فرمائیں:

۱۔ اے لوگو! میرا دنیا سے جانے کا وقت قریب آچکا ہے، لہذا جس کو میں نے پشت پر مارا ہو تو میری کمریہ ہے، اسے چاہیے کہ وہ مجھ سے بدلہ لے لے، جس سے میں نے کبھی کوئی مال لیا اور واپس نہ دیا ہو تو وہ مجھ سے اپنا مال وصول کر لے، اپنا حق لینے میں کوئی شخص یہ مت سوچے کہ بدلہ لینے سے حضور ﷺ کے دل میں میری دشمنی، بغض اور کدورت پیدا ہو جائے گی، خوب سن لو کہ بغض رکھنا نہ تو میرا مزاج ہے اور نہ میرے مقام کے لیے موزوں اور مناسب ہے، مجھے وہ شخص زیادہ محبوب ہوگا، جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے یا مجھے معاف کر دے، تاکہ میں اللہ جل شانہ کے سامنے پوری بشارت کے ساتھ جاؤں (کہ مجھ پر کسی کا کوئی حق نہ ہو) میں یہ اعلان ایک بار نہیں، بار بار کرتا رہوں گا (تاکہ میں ان حقوق سے سبکدوش ہو جاؤں) پھر آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اور وہی مضمون دوبارہ دہرایا۔

۲۔ مزید یہ فرمایا کہ جس کے ذمے دوسرے کا کوئی حق ہو، وہ اسے ادا کر دے، اس کی وجہ سے دنیا کی ذلت و رسوائی کا خیال نہ کرے، کیونکہ دنیا کی ذلت اور رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت معمولی ہے، اس پر ایک صاحب اٹھے، اس نے عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ ﷺ کے ذمے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی تکذیب نہیں کرتا، نہ اس سے قسم لیتا ہوں لیکن یہ ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ تین درہم کیسے ہیں؟ اس صحابی نے بتایا کہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک سائل آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اسے تین درہم دے دو، حضور اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو، اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے وہ خیانت سے لیے تھے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ خیانت کیوں کی تھی؟ عرض کیا: میں اس وقت بہت محتاج تھا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان سے یہ وصول کر لو۔

۳۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرالے، اس پر تین آدمی یکے بعد دیگرے اٹھے:

✽ ایک شخص نے عرض کیا: میں منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں، حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَوْزُقْهُ صِدْقًا وَ اِيْمَانًا وَ اَذْهِبْ عَنْهُ النَّوْمَ اِذَا اَوْرَاذَ: اے اللہ! اسے سچائی عطا فرما، ایمان کا لٹھیلیب فرما، اور جب یہ چاہے تو اس سے نیند دور فرما دے۔

✽ ایک اور شخص اٹھا اور عرض کیا: میں بہت جھوٹا ہوں، منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں جو میں نے نہ کیا ہو، اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق نے اسے تنبیہ کے طور پر فرمایا: اپنے گناہوں کو کیوں پھیلاتے پھر رہے ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے، پھر اس صحابی کو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ اَوْزُقْهُ صِدْقًا وَ

إِنَّمَا نَاوَضِيوْهُ إِلَى خَيْرٍ۔ اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان کا دل نصیب فرما، اور ان کے معاملات اور حالات کو بہتر فرما دے۔

ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے: ایک اور شخص نے عرض کیا: میں ایک بزدل آدمی ہوں اور نیند کا مریض ہوں، اسے آپ ﷺ نے دعا دی، حضرت فضل فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے یہ شخص بہت ذلیل اور جری ہو گیا تھا، اور سوتا بھی کم تھا۔

۴۔ اسی دوران حضرت عمرؓ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر میرے ساتھ ہیں، اور میں عمر کے ساتھ ہوں، اور میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا جہاں بھی وہ ہیں۔

۵۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے، عورتوں کو وہاں جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے پردے میں ان سے یہی سارا اعلان فرمایا، جو آپ ﷺ نے مردوں کے مجمع سے فرمایا تھا، ایک صحابیہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں، حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے تمام معاملات صاف ستھرے رکھنے چاہئیں، خاص طور پر مالی معاملات، تاکہ آخرت میں ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے، نیز اس حدیث میں بعض صحابہ نے جو اپنے آپ کو منافق کہا ہے، یہ عجز و انکساری اور خوف خدا کی وجہ سے کہا ہے، ورنہ اصلاً وہ منافق نہیں تھے، مگر وہ اپنے اعمال کو بیچ سمجھ رہے تھے، اس لیے ان حضرات نے نبی کریم ﷺ سے اپنے لیے دعا کرائی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَكْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے کھانے کی صفت اور طریقہ کا بیان ہے

عَنْ ابْنِ لُكَيْبٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا. قَالَ أَبُو عِيْسَى: وَرَوَى غَيْرُ مُحَمَّدَ بْنِ بَشَّارٍ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ: يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا. (۲)

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کھانے کے بعد) اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ محمد بن بشار کا طریق ہے، جبکہ دوسرے راویوں نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے: نبی کریم ﷺ اپنی تین انگلیاں (جن سے آپ ﷺ کھانا کھاتے) چاٹ لیتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعَقَ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا. (۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

(۱) مجمع الزوائد ۲۵/۹، رقم الحديث: ۱۴۲۵۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۸۰۲۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۸۰۳۔

عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مَشْكَنًا. (۱)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو ایک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

عَنْ ابْنِ لُكَيْبٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ. (۲)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً) اپنی تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے، اور (کھانے کے بعد) ان کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کان يلعق: (عین پر زبر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاٹ لیتے، أصابع: اصبع کی جمع ہے: انگلیاں، متکنا: ٹیک لگا کر، ويلعقهن: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

۱۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان کھانا کھائے تو اس کے بعد انگلیاں چاٹ لیا کرے، تاکہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر چلے جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تین انگلیوں کو جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے، چاٹ لیا کرتے تھے، کھانے کے دوران انگلیاں نہ چاٹی جائیں، اس سے انسان کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔

اس باب کی پہلی روایت: يلعق أصابعه ثلاثاً سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

بعض حضرات اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے یہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ انگلیاں چاٹنا مستحب ہے، اس طرح ان کی صحیح صفائی ہو جاتی ہے، مگر ملاحظہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے تین مرتبہ چاٹنا مراد نہیں بلکہ تین انگلیوں کو چاٹنا مراد ہے، امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ محمد بن بشار کا طریق ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر تمام راویوں نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے: يلعق أصابعه الثلاث یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے، نیز اسی باب میں اس کے بعد حضرت کعب بن مالک بنی کی روایت ہے، جس میں تین انگلیوں کے چاٹنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد تین انگلیوں کو چاٹنا سنت ہے۔

بعض شارحین فرماتے ہیں کہ باب کی پہلی حدیث میں ایک مستقل ادب بیان کیا گیا ہے کہ تین مرتبہ انگلیوں کو چاٹ لیا

(۱) الصحيح للبخاری، الاطعمة، رقم الحديث: ۵۳۹۸۔

(۲) الصحيح لمسلم، الاطعمة، رقم الحديث: ۲۰۳۲۔

جائے، اس سے پوری صفائی ہو جاتی ہے، اور تین انگلیوں کو چائیا یہ مستقل ایک ادب ہے، اور دونوں ادب ہی اپنی جگہ درست ہیں۔ (۱)

۲۔ کھانے میں نبی کریم ﷺ عموماً تین انگلیاں استعمال فرماتے تھے: انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو سب سے پہلے درمیان کی بڑی انگلی، پھر شہادت کی انگلی اور آخر میں انگوٹھے کو چاٹتے تھے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے، علماء فرماتے ہیں کہ ایک اور دو انگلیوں سے کھانا تکبر کی علامت ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں تین سے زیادہ انگلیاں استعمال کرنے میں ایک گونہ حرص و ہوس اور لالچ کا شائبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ عموماً تین انگلیوں سے انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، ہاں اگر کہیں اس قسم کا کھانا ہو کہ جسے تین انگلیوں سے نہ کھایا جاسکتا ہو، تب چوتھی اور پانچویں انگلی کو بھی بغیر کسی کراہت کے استعمال کیا جاسکتا ہے، نیز چبچ سے بھی کھانا کھانا جائز ہے۔

۳۔ یہ ذہن میں رہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چائیا سنت رسول ہے، جو بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے باعث اجر و خیر ہے، اسی جذبے سے سرشار ہو کر اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے، کسی بھی موقع پر نبی کریم ﷺ کی کسی بھی سنت کو حقیر اور ہلکانہ سمجھا جائے، لیکن آج بہت سے نام نہاد مسلمان مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کو خلاف تہذیب اور ایک معیوب کام شمار کرتے ہیں، یہ انتہائی گندی ذہنیت اور گمراہ کن فکر کا نشانہ خاصانہ ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی طبیعت کی وجہ سے انگلیاں نہیں چاٹتا، سنت کی تحقیر اس کے پیش نظر نہیں، تب بھی اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے، اپنی طبیعت کو سنت کے ڈھانچے میں ڈھالنا چاہیے، لیکن اگر کوئی شخص سنت کی تحقیر کی بناء پر انگلیاں نہیں چاٹتا تو اس کے کفر کا اندیشہ ہے، اس لیے اس طرح کی فکر سے تہ دل سے توبہ کرنی چاہیے اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر اہتمام سے عمل کرنا چاہیے۔ (۲)

۴۔ ٹیک لگا کر کھانے سے متعلق تفصیل ایک باب پہلے گزر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیں۔

انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

- ۱۔ انگلیاں چاٹنے کے بعد رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف کیے جائیں گے تو وہ زیادہ آلودہ، اور خراب نہیں ہوگا۔
- ۲۔ تاکہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر پہنچ جائیں اور برکت حاصل ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح النناوی ۱/۲۳۲

(۲) فتح الباری ۹/۲۱۱ کتاب الأطعمة، باب لعق الأصابع و مصہا۔۔۔ رقم الحدیث: ۵۳۵۶، تکملة فتح اللہم ۳/۲۲، کتاب

الأطعمة، باب استحباب لعق الأصابع، رقم الحدیث: ۵۲۵۳

کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے ذرے میں برکت ہے، اس لیے برکت کے حصول کے لیے کھانے کے بعد انگلیوں کو ضرور چاٹ لیا جائے۔

۳۔ انگلیاں چاٹنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ طعام اور غذا کی تھوڑی سی مقدار کو بھی معمولی، ہلکا اور حقیر نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کی بھی قدر کی جائے، اسے ضائع کرنا ایک طرح سے اس کی توہین ہے، اس سے بچا جائے۔

۴۔ انسان کوشش کرے کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں خود ہی چاٹ لیا کرے، لیکن اگر خود چاٹ نہ سکے تو دوسروں کو انگلیاں چٹانے میں اس بات کا خیال رہے کہ جس کو انگلیاں چٹائی جا رہی ہیں، وہ کراہت اور گھن محسوس نہ کرتا ہو جیسے فرمانبردار بیوی، خادم اور اولاد وغیرہ۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: أُنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَمِرُ لَوْ أَفْتَدَى بِأَكْلٍ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوعِ. (۲)
ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کھجور لائی گئی، میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں کھاتے ہوئے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- اُنِّي رسول الله: رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی گئی، مقع: یہ اقعاء سے ہے: اکڑوں بیٹھ کر یعنی دونوں پاؤں پر بیٹھا جائے اور سرین زمین پر نہ ہو، من الجوع: بھوک کی وجہ سے۔

”عذر“ کی وجہ سے ٹیک لگا کر کھانے کا ثبوت

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ پر بھوک کی وجہ سے اس قدر ضعف ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کھانے کے وقت اپنے سہارے سے نہیں بیٹھ سکے، بلکہ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے اور کمر کو دیوار وغیرہ پر سہارا دیا، ٹیک لگا کر کھانے کا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، عذر کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کو شرعی عذر ہو، ایسا کوئی مسئلہ ہو جس کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نہ کھا سکے، ٹیک لگانا ضروری ہو، تو ایسی صورت میں ٹیک لگا کر کھانا تناول کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ (۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خُبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی روئی کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا شَيْخَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْرِ الشَّعِيرِ يُؤْمِنُ مُتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ

(۱) فتح الباری ۲/۱۶۹، کتاب الاطعمۃ، باب لعق الاصابع، رقم الحدیث: ۵۲۵۴۔

(۲) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۰۴۴، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۷۷۱۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۳۶/۱۔

وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنِ أَهْلِ بَيْتِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَخَيْرُ الشَّعْبِ (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن بھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ يَقُولُ: مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنِ أَهْلِ بَيْتِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَخَيْرُ الشَّعْبِ (۲)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ سے بھی جو کی روٹی (دستر خوان پر) نہ بچتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ما شبع: آپ ﷺ سیر نہیں ہوئے، پیٹ بھر کر نہیں کھانا، خیر الشعب: جو کی روٹی، یومین متابعین: مسلسل دو دن، ما کان یفضل: بچتی نہ تھی، ضرورت سے زائد نہ ہوتی بلکہ اس سے وہ میرا ہی نہ ہوتے۔

آل محمد ﷺ نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اور بخاری کی روایت میں ہے کہ تین دن مسلسل گندم کی روٹی سے آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر نہیں کھایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، دستر خوان پر جو کی روٹی کا ذرہ بھی نہیں بچتا تھا، اس قدر تنگ حالات سے آپ ﷺ دو چار رہتے تھے، ہاں روٹی کے علاوہ کھجوروں سے ممکن ہے کہ آپ ﷺ اپنا گذر اوقات کر لیتے ہوں۔

لیکن یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اہل و عیال نے پیٹ بھر کر جو یا گندم کی روٹی مسلسل تین دن نہیں کھائی، جبکہ دیگر روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو پورے سال کا خرچہ اور غذائی اشیاء دے دیا کرتے تھے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس تعارض کے حل میں مختلف جواب ذکر کیے ہیں:

۱۔ اس حدیث میں لفظ ”آل“ زائد ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کی ذات مراد ہے، آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی، چنانچہ اس باب کے آخر میں اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جو کی روٹی سے مسلسل دو دن پیٹ نہیں بھرا، ہاں اہل و عیال کو سال بھر کا نفقہ ایک ساتھ عطا فرمادیتے تھے۔

۲۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ اور غذائی اشیاء دے دیتے تھے، مگر جب کوئی سائل آتا تو اس کی ضرورت کے پیش نظر آپ ﷺ اور ازواج مطہرات وہ چیزیں ان کو دے دیتے، اس لیے وہ اشیاء

(۱) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۵۸، الصحيح لمسلم، الزہد، رقم الحدیث: ۲۹۷۰۔

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۰۔

آپ ﷺ کی ازدواج کے پاس ذخیرہ نہ ہوتیں، اور ”آل“ سے نبی کریم ﷺ کے اہل و عیال مراد ہیں، وہ لوگ ہر انہیں، جن پر صدقہ حرام ہوتا ہے۔ (۱)

۳۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال جو اور گندم کی روٹی سے تو زیادہ دن سیر ہو کر نہ کھا سکتے، اتنی وہ مہیا ہی نہ ہوتی، البتہ کھجوریں عموماً دستیاب ہوتیں، ازدواج مطہرات کو کھجوریں وافر مقدار میں کھانے کے لیے دے دی جاتیں، انہیں وہ غذا کے طور پر کھایا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بسا اوقات کئی مہینے اس طرح گزر جاتے کہ ہم آگ تک نہیں جلاتے تھے، ہماری غذا کھجور اور پانی یا دودھ ہوتا تھا۔ (۲)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَابِعَةَ طَائِرًا هَوًّا أَهْلَهُ، لَا يَبْجِدُونَ عِشَاءً، وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْرِهِمْ خُبْرَ الشَّعِيرِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال مسلسل کئی راتیں بھوک کی حالت میں گزار دیتے تھے، وہ شام کا کھانا بھی نہ پاتے تھے، اور اکثر ان کی روٹی جو کی ہوتی تھی۔
مشکل الفاظ کے معنی: المتابعة: مسلسل، پورے، طائر یا: بھوکا، بھوک کی حالت میں، لا یجدون: وہ لوگ نہ پاتے، عشاء: (عین پر زبر) شام کا کھانا۔

نبی کریم ﷺ اپنی تنگدستی کو صحابہ سے مخفی رکھتے

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال پر کئی دن فقر و فاقہ اور تنگدستی کی وجہ سے اس طرح گزر جاتے کہ شام کا کھانا انہیں میسر نہ آتا، عموماً ان کی روٹی جو کے آٹے سے ہوتی، مگر اس سب کے باوجود نبی کریم ﷺ اپنی یہ حالت کسی صحابی کے سامنے ظاہر نہ فرماتے، بلکہ مخفی رکھتے، اگر صحابہ کو آپ ﷺ کی یہ حالت معلوم ہو جاتی تو صحابہ میں بعض تو صاحب ثروت اور مالدار ہوتے، وہ کبھی آپ ﷺ پر اس طرح کی حالت نہ آنے دیتے، اور غیر مالدار صحابہ بھی اپنی کسمپرسی کے باوجود حضور اکرم ﷺ کی یہ حالت برداشت نہ کرتے، اپنی ہی جدوجہد کر کے آپ ﷺ کی اس مشکل میں مدد فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر خدا خواستہ انسان پر کوئی مشکل پیش آ جائے، معاشی لحاظ سے حالات سازگار نہ رہیں، تو اس حالت کو ہر کس و نا کس کے سامنے بیان نہ کرے، اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے، وہ ہر مشکل کو حل کرنے والا ہے، ہاں اسباب

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۳۷/۱۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۷، کتاب النکاح، باب ما أمرہ اللہ تعالیٰ من اختیار الاخرۃ، رقم الحدیث: ۱۳۳۱۲، جمع الوسائل

فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۳۷/۱۔

(۳) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۱۔

کی حد تک ان مشکل حالات سے نکلنے کے لیے کسی قطع دوست سے مشورہ ضرور کیا جائے، اور کسب معاش کی کوئی جائز صورت اختیار کی جائے، تاکہ اس مشکل سے خلاصی ہو جائے۔ (۱)

عن سهل بن سعد، أنه قيل له: أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم التقي؟ - يعني الخواري - فقال سهل: ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم التقي حتى لقي الله عز وجل، فقيل له: هل كانت لكم مناخل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: ما كانت لنا مناخل. قيل: كيف كنتم تصنعون بالشعير؟ قال: كنا نلفعه في طيز منه ما طار ثم نعيجه. (۲)

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کی روٹی بھی کھائی ہے؟ حضرت سهل نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ تو دیکھا بھی نہیں، (کھانا تو دور کی بات ہے) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ سے جا ملے، پھر ان سے پوچھا گیا: کیا عید رسالت میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں، پوچھا گیا: آپ لوگ جو کے آٹے کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ (یعنی اسے چھلکے سے کس طرح صاف کرتے تھے) فرمایا: (اسے پیسنے کے بعد) ہم اس میں پھونک مار دیتے تھے، چھلکے کے جو ذرے اس میں اڑنے والے ہوتے، وہ اڑ جاتے، پھر ہم اسے گوندھ لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - نفی: میدہ، چھلکے اور تنکوں سے صاف آٹا، خواری: (خاوا پریش، واو پر تشدید اور زبر، آخر میں الف تصورہ): میدہ، سفید آٹا، ہر وہ کھانا جو سفید کیا گیا ہو، نشاستہ، مناخل: بخل: (میم پریش، فون ساکن اور خاء پریش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں) کی جمع ہے: چھلنیاں، کیف کنتم تصنعون: تم کیا کرتے تھے، نفخہ: ہم اس میں پھونک مار دیتے، ما طار: جو چیز کہ اڑ سکتی یعنی بھوسہ، تنکے اور چھلکا، نعبجہ: (نون پر زبر، عین ساکن اور جیم کے نیچے زبر) ہم اس آٹے کو گوندھ لیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کو دیکھا تک نہیں

اس حدیث میں حضرت سهل بن سعد نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کی بنی روٹی کو کھانا تو دور کی بات ہے، میدے کے آٹے کو دیکھا تک نہیں، ان زمانے میں چھلنیاں بھی نہیں ہوتی تھیں، جو کی روٹی سے تنکے اور چھان کو پھونک مار کر اڑا دیا جاتا پھر اسے گوندھ لیا جاتا، یوں اس سے روٹی بنا کر کھائی جاتی، بعض کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد تو میدے کو نہیں دیکھا لیکن غالب امکان یہ ہے کہ نبی بننے سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف دوسری تجارتی سفر کیا تو اس وقت میدے کو دیکھا ہوگا، کیونکہ شام میں اس وقت بھی میدے کی روٹی کا استعمال بہت تھا، مگر نبی بننے کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشافعی مع شرح النواوی ۲۳۷، اللوالب اللدنیۃ علی الشافعی للحمدیہ (ص: ۲۶۱)

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۱۔

بعد آپ ﷺ نے میدے کو دیکھا بھی نہیں۔ (۱)

اس حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ✽ اپنی غذا میں جو کی روٹی بھی شامل کرنی چاہیے، اس سے انسان کا معدہ اور بلڈ پریشر اور شوگر وغیرہ صحیح رہتے ہیں۔
- ✽ میدے کی روٹی اور اس سے بنی ہوئی چیزیں گوکہ انہیں کھانا جاڑ ہے، مگر عموماً اس سے معدے کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، اگر ایسی صورت حال ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

✽ آٹے کو چھان کر استعمال کرنا جائز ہے، مگر چھان سمیت اگر اسے گوندھا جائے اور اس کی روٹی کھائی جائے، تو یہ صحت کے لیے زیادہ مفید ہے، بلکہ شوگر کے مریضوں کو تو چھان کی روٹی کھانے کی تاکید کی جاتی ہے، اس سے بعض لوگوں کا شوگر کنٹرول رہتا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي مَسْكَرَةٍ جَدَّةٍ، وَلَا خَبِزٍ لَدَمْوَقٍ
قَالَ: لَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: لَعَلَّامَ كَانُوا يَا كَلُونَ؟ قَالَ: عَلَى هَذَا الشَّعْرِ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چوکی یا میز پر کھانا نہیں کھایا، اور نہ چھوٹی طشتری یا رکابی میں کھایا، اور نہ ہی آپ ﷺ کے لیے چپاتی (میدے کی روٹی) پکائی گئی، یونس راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے پوچھا: آخر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کس چیز پر رکھ کر کھانا تناول فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: انہی چیزوں کے دسترخوانوں پر۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خِوَان: (خاء پر پیش اور زیر) اس سے وہ چوکی اور میز مراد ہے، جو کھانے کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے، لغات میں اس کا ترجمہ مطلق دسترخوان کیا جاتا ہے، ملامہ معنی فرماتے ہیں کہ ”نجان“ تانبے کا ایک بڑا طباق ہوتا تھا، اس کے نیچے تپائی کی طرح پائے ہوتے تھے، اسے کم از کم دو بندے اٹھاتے تھے، اس پر منگبر اور عیش و عشرت والے لوگ کھانا رکھ کر کھایا کرتے تھے، (۳) مسکوئجہ: (سین، کاف اور را پر پیش و تشدید اور جیم پر زبر کے ساتھ) یہ قاری زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: طشتری، چھوٹی رکابی، چٹنی وغیرہ ڈالنے کا چھوٹا تیا، چھوٹی پلیٹ، اس کی جمع سکارج ہے، خبز: (صیغہ مجہول) روٹی پکائی گئی، موثق: (میم پر پیش، را پر زبر اور قاف پر زبر و تشدید): پتلی اور بڑی چپاتی یعنی میدے کی روٹی، اس کی جمع مراقیق ہے، علی ما: کس چیز پر، سفر: (سین پر پیش اور فاء پر زبر کے ساتھ) یہ جمع ہے، اس کا واحد سفرۃ ہے، اور ”سفر“ دراصل اس کھانے کو کہتے ہیں،

(۱) مرقاة المفاتیح ۹۱/۸، کتاب الاطعمة، الفصل الاول، رقم الحديث: ۴۱۷۱، جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح

للمناوی ۲۴۰/۱

(۲) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۳۶۳۔

(۳) عمدة القاری ۳۵/۲۱، کتاب الاطعمة، باب الخبز المرق۔

جو مسافر اپنے ساتھ کسی چیزے میں لپیٹ کر لے جاتا تھا، پھر اس کا استعمال مطلق دسترخوان اور چیزے کے دسترخوان پر ہونے لگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر کھانا کھاتے

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور کھانے کے وقت جس انداز اور کیفیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے، اس کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ”خوان“ پر کھانا رکھ کر نہیں کھایا، خوان کے معنی دسترخوان کے ہیں، مگر یہاں حدیث میں خوان سے وہ چوکی اور میز مراد ہے، جس پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا تھا، تاکہ کھانے کے وقت جھکنا نہ پڑے، اس طرح بیٹھ کر عموماً وہ لوگ کھانا کھاتے ہیں، جو مالدار، عیش پسند، متکبر اور غیر اسلامی تہذیب کے خوگر ہوں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اس انداز سے کھانا تناول نہیں فرمایا۔

۲۔ ”سکر جہ“ سے وہ چھوٹی پیالی، رکابی اور طشتی مراد ہے جس میں چٹنی، اچار، سلاد اور مربہ وغیرہ ڈال کر دسترخوان پر رکھا جاتا ہے، اور کھانے کے ساتھ انہیں اس لیے استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ کھانا زیادہ مقدار میں کھایا جاسکے، اور جو کھایا جائے تو وہ آسانی سے ہضم ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر اس طرح کی کسی رکابی اور طشتی کو استعمال نہ فرماتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عموماً اجتماعی حالت میں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، اس لیے چھوٹے برتنوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بڑے برتن میں سب ایک ساتھ کھاتے تھے، چنانچہ عربوں کا اب بھی عموماً کھانے کا یہی طریقہ ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ چھوٹی طشتیاں اور چھوٹے پیالے عموماً اچار وغیرہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اول تو عسرت اور تنگی زیادہ تھی اور ثانیاً وہاں خوراک کی کثرت کا اہتمام نہیں تھا اور اچار، چٹنی وغیرہ کا بندوبست وہ لوگ کرتے ہیں، جو زیادہ کھانے کے شوقین اور عادی ہوتے ہیں تاکہ وہ کھانا جلدی سے ہضم ہو جائے۔

اس سے یہ مت سمجھا جائے کہ کھانے کے ساتھ سلاد اور چٹنی وغیرہ کا استعمال سنت کے خلاف ہے، کیونکہ خلاف سنت اس عمل کو کہا جاتا ہے، جو سنن مؤکدہ (جنہیں سنن ہدی بھی کہا جاتا ہے) کے ترک پر مشتمل ہو یعنی وہ افعال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر کیے ہیں اور ان پر مواہبت اور پابندی سے عمل کیا ہے، ان کو چھوڑ کر دوسرا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے، ایسا عمل خلاف سنت کہلاتا ہے، دسترخوان پر چٹنی اور سلاد وغیرہ کا استعمال سنن عادیہ میں سے ہے، ایک مباح کام ہے، عبادت نہیں، لہذا اگر کوئی انسان طبعی ضرورت کے تحت سلاد وغیرہ کو رکابی میں ڈال کر کھاتا ہے تو یہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، اور خلاف سنت بھی نہیں ہے۔

۳۔ ولا خبز له مرفق“ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی پکائی گئی“ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میدے کی روٹی یعنی چپاتی نہیں پکائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھائی بھی نہیں، اس حدیث سے پہلے حضرت اہل کی روایت میں گزر چکا ہے

کہ نبی کریم ﷺ کا چپاتی کھانا تو دور کی بات ہے، آپ ﷺ نے تو نبوت کے بعد میدے کو دیکھا تک نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ پیٹ بھر کر کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کو ان چیزوں کا اہتمام نہیں تھا۔

۴۔ علی ماسکانوایا کلون؟ ”وہ کس چیز پر کھاتے تھے“ اس میں ماسکانوایا کلون کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں رد قول ہیں:

✽ یہ ضمیر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

✽ یہ ضمیر صرف صحابہ کی طرف لوٹ رہی ہے، سائل کا مقصد اس سے صحابہ کرام کے بارے میں معلوم کرنا تھا، کیونکہ وہ حضرات نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر بڑے اہتمام سے عمل کرتے تھے، گویا صحابہ کرام کے بارے میں سوال درحقیقت نبی کریم ﷺ کے بارے میں سوال کرنا تھا۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے کھانے میں نہایت سادگی، اور بندگی کی شان ہوتی تھی، آپ ﷺ نے نہ کبھی میز، چوکی اور ٹیبل پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی طشتری اور رکابی میں تناول فرمایا اور نہ ہی آپ ﷺ کے لیے چپاتی، مرغین کھانے اور پر تکلف ڈشیں تیار کی گئیں، آپ ﷺ نہایت عاجزی کے ساتھ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، کھانے کا یہی طریقہ مسنون ہے۔

میز کرسی پر کھانا خلاف سنت نہیں

نبی کریم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ زمین پر دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا تناول فرماتے، لہذا حتی الامکان ایک مسلمان کو کھانے کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے، لیکن موجودہ دور میں ہوٹلوں اور گھروں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ میز کرسی پر کھانا کھایا جاتا ہے، جبکہ شمائل کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ”خوان“ پر کھانا رکھ کر نہیں کھایا، کیا میز اور ٹیبل پر کھانا ”خلاف سنت“ ہے؟

یہ ذہن میں رہے کہ میز اور ٹیبل پر کھانا شرعاً جائز ہے، ممنوع نہیں، نیز ٹیبل وغیرہ پر کھانا ”خلاف سنت“ بھی نہیں، کیونکہ خلاف سنت اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے چھوڑنے پر شریعت میں مذمت اور نکیر منقول ہو، اس بابت کی مزید تفصیل یہ ہے کہ ”سنن“ کی دو قسمیں ہیں:

✽ سنن مؤکدہ: جنہیں سنن ہدی بھی کہا جاتا ہے، ان سے وہ امور اور افعال مراد ہیں، جنہیں نبی کریم ﷺ نے عبادت کے طور پر سرانجام دیا ہے، ان پر پابندی اور مواظبت بھی فرمائی ہے، ایسے افعال پر عمل کرنا ”عبادت“ ہے، ان کو چھوڑ کر اگر کوئی

(۱) فتح الباری ۶/۲۶۵، کتاب الاطعمہ، باب الخبز للرقق، رقم الحدیث: ۵۳۸۶، مرقاة المفاتیح ۱/۱۸، کتاب الاطعمہ، جمع الوسائل ۲/۲۲۶

دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے تو وہ ”خلاف سنت“ ہوگا۔

سُنن غیر مؤکدہ: اگر یہ عبادات سے متعلق ہوں تو نقل کہلاتی ہیں، اور عادات سے متعلق ہوں تو ”سُنن عادیہ“ یا ”سُنن زوائد“ کہلاتی ہیں، یعنی وہ افعال جو نبی کریم ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کیے ہیں، اس طرح کی سنتوں پر عمل کیا جائے تو باعث اجر و ثواب اور فضیلت ضرور ہے، لیکن اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی کراہت اور ملامت بھی نہیں، لہذا ان سنتوں کے بجائے اگر اور کوئی جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو وہ خلاف سنت نہیں کہلائے گا، اور دسترخوان، بچھا کر کھانا حضور اقدس ﷺ کی سُنن عادیہ میں سے ہے۔ (۱)

اس لیے اگرچہ یہی طریقہ یعنی دسترخوان، بچھا کر زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے قریب، افضل اور باعث برکت و سعادت ہے، اور عام حالات میں بلا حاجت اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس طریقہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس کو بھی ناجائز یا مکروہ نہیں کہا جائے گا، چنانچہ میز کرسی پر کھانے کا جو طریقہ اب رائج ہے، یہ بھی مکروہ اور خلاف سنت نہیں۔

شمائل کی مذکورہ حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ”آپ ﷺ نے کبھی خوان (زمین سے اونچی چوکی یا تپائی وغیرہ) پر کھانا نہیں کھایا“ شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

۱۔ اصلی وجہ تو یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے کئی مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر زہد و قناعت اور سادگی والی زندگی کو اختیار فرمایا تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے خوان پر کھانا نہیں کھایا۔ (۲)

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ”خوان“ (زمین سے اونچی تپائی وغیرہ) استعمال کرنے کا منشا بااوقات تکبر ہوتا ہے، تاکہ کھانا اونچا کر لیا جائے اور بار بار سر کو زیادہ جھکا کر نہ پڑے، نبی کریم ﷺ کھانے کے وقت بھی عاجزانہ نشست اختیار فرماتے تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اس کے استعمال سے گریز فرمایا۔ (۳)

۳۔ اس زمانے میں اہل عرب میں ”خوان“ کے استعمال کا رواج ہی نہیں تھا، وہاں یہ آسانی سے ملتا بھی نہیں تھا، عجمی لوگ اسے استعمال کرتے تھے، اسے پیتل وغیرہ سے بنایا جاتا تھا، اور بہت بھاری ہوتا تھا، جسے کم از کم دو آدمی مل کر اٹھاتے تھے، عرب علاقے میں چونکہ اس کا استعمال عام نہیں تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا۔ (۴)

لیکن مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ”چونکہ نبی کریم ﷺ نے خوان استعمال نہیں فرمایا، اس لیے اب میز

(۱) رد المحتار ۱/۳۶۱، مطلب فی السنۃ و تعریفہا، البحر الرائق ۲۹/۱۔

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطلال ۲/۶۸۹، فتح الباری ۱/۳۳۷، باب فضل الفقر، رقم الحدیث: ۶۳۵۰۔

(۳) تحفۃ الاحوی ۵/۲۹۲، کتاب الاطعمۃ، باب ما جاء علی ما کان یا کل رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۱۷۸۹۔

(۴) تفسیر قرطبی ۵/۳۲۵، عنۃ القاری ۱/۳۵۲، کتاب الاطعمۃ، باب الخبز المرقق، فتح الباری ۹/۶۶۳، کتاب الاطعمۃ، باب

الخبز المرقق، رقم الحدیث: ۵۳۸۶۔

ٹھیل پر کھانا کھانا جائز یا خلاف سنت ہے ”کیونکہ حضور ﷺ کا کسی چیز کو استعمال نہ کرنا، اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں، بشرطیکہ ممانعت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو، جیسے نبی کریم ﷺ نے کھانے میں چھوٹی رکابیاں استعمال نہیں فرمائیں یا چپاتی تناول نہیں فرمائی، مگر رکابیوں یا چپاتی کے استعمال کو ممنوع یا خلاف سنت نہیں کہا جاسکتا، لہذا اگر کسی وجہ سے کھانے کے لیے زمین پر دسترخوان بچھانے کے بجائے کھانا میز یا ٹھیل پر رکھ کر کھالیا جائے تو یہ نہ تو ممنوع ہے نہ مکروہ، اور اسے خلاف سنت بھی نہیں کہہ سکتے، اس پر دو دلیلیں:

✽ مذکورہ حدیث کے راوی حضرت انسؓ سے اس ”خوان“ کا استعمال ثابت ہے، چنانچہ سنن ابن ماجہ، باب الرقاق میں روایت ہے:

”حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ کے پاس آتے تھے (اسحاق کی روایت میں ہے: اور ان کا روٹیاں پکانے والا کھڑا ہوتا تھا، اور داری کی روایت میں ہے: اور ان کا ”خوان“ رکھا ہوا ہوتا تھا) حضرت انسؓ نے ایک دن فرمایا: کھاؤ، مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی باریک چپاتی اپنی آنکھ سے دیکھی ہو یا سالم بھٹی ہوئی بکری دیکھی ہو، یہاں تک کہ آپ ﷺ جل شانہ سے جانے۔“ (۱)

اس حدیث سے خود حضرت انسؓ سے ”خوان“ کا اور ان چیزوں یعنی باریک چپاتی اور سالم بھٹی ہوئی بکری کا استعمال ثابت ہو رہا ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر میں کبھی استعمال نہیں فرمائیں۔

✽ مشہور تابعی حضرت ابوالشعواء جابر بن زید رحمہ اللہ سے بھی ”خوان“ کا استعمال ثابت ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے:

”سالم بن مسکین کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن زید کے پاس گیا اور وہ درخت کی لکڑیوں سے بنے ہوئے ”خوان“ پر کھا رہے تھے۔“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا ”خوان“ کو استعمال نہ کرنا، اس کے ممنوع یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں ہے ورنہ حضرت انسؓ جو آپ ﷺ کے سرور و حضر کے خادم اور ساتھ رہنے والے تھے، اور حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ ہرگز اس کو استعمال نہ فرماتے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ میز یا ٹھیل پر کھانے کے بارے میں عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ غیروں کا طریقہ ہے، اور اس میں کفار اور فساق و فجار کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، لیکن یہ بات اس وقت تو درست تھی جب کھانے کے لیے میز وغیرہ کا استعمال یہود و نصاریٰ کے ساتھ مخصوص تھا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں میز وغیرہ پر

(۱) متن ابن ماجہ (ص: ۲۲۹) ط: قدیمی کتب خانہ کراچی

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۵/۱۲ ط: اداره القرآن کراچی

کھانے کو تشبہ کی وجہ سے ممنوع لکھا ہے، لیکن اب ہمارے زمانے میں اس کا رواج مسلمانوں میں بھی اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اب یہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں رہا، اس لیے اب اس تشبہ کی وجہ سے بھی ممنوع نہیں کہہ سکتے، بالخصوص جبکہ میز وغیرہ کے استعمال میں غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا مقصود بھی نہ ہو۔
لہذا اگر کسی وجہ سے میز یا ٹیبل وغیرہ پر کھانا پڑے اور تکبر و تفاخر اور بڑائی مقصود نہ ہو بلکہ محض کھانے کے انتظام میں سہولت کی نیت سے اسے استعمال کیا جائے، تو اس کو گناہ یا اختلاف سنت نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی میز وغیرہ پر کھانے والے کو تنقید کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ (۱)

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ: مَا أَشْبَعَ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بِكَيْتٍ. قَالَ: قُلْتُ لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكَرُ الْحَالِ النَّبِيِّ فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا، وَاللَّهُ مَا شَبِعَ مِنْ غَيْرِهِ وَلَخُمُ مَزُونٍ فِي يَوْمٍ. (۲)

ترجمہ: مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس داخل ہوا تو انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں: میں کسی کھانے سے سیر نہیں ہوتی کہ پھر میں روزنا چاہوں تو روئے لگتی ہوں، مسروق کہتے ہیں: میں نے پوچھا: ایسا کیوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو چھوڑا ہے، اللہ کی قسم: آپ ﷺ نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَئِذٍ مَتَابَعِينَ حَتَّى قُبِضَ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے جو کہ روٹی سے دو دن مسلسل پیٹ بھرا ہو (چہ جائیکہ گندم کی روٹی سے پیٹ بھرا ہو) یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِوَانٍ، وَلَا أَكَلَ خُبْزَ امْرِئٍ قَطًّا، حَتَّى مَاتَ. (۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چوکی، میز یا اونچی تپالی پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ ﷺ نے چپاتی (یعنی میدے کی روٹی) کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ دَعَتْ لِي بِطَعَامٍ: حضرت عائشہؓ نے میرے لیے کھانا منگایا یعنی خادم کو کھانا لانے کا حکم دیا، فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ: کہ میں روزنا چاہتی، الْحَالِ النَّبِيِّ فَارَقَ عَلَيْهَا: وہ حالت جس پر نبی کریم ﷺ دنیا سے جدا ہوئے یعنی تشریف لے گئے۔

(۱) فتویٰ دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی، نمبر ۶۱/۱۵۷۴، محرم ۱۴۳۵ھ

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۔

(۳) الصبیح لمسلم، الزہد، رقم الحدیث: ۲۹۷۰، سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۵۸۔

(۴) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۴۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی معیشت کا حکم

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی معیشت اور تنگدستی کو بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو روز مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، اور نہ ہی گوشت اور روٹی کو دن میں دوسرے تاول فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہتے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا بھر کے خزانوں کی پیش کش ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونے میں تبدیل کر دیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بجائے فقر اور تنگدستی کا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا کہ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تاکہ جس دن پیٹ بھر لوں، اس دن شکر ادا کروں، اور جس دن بھوکا رہوں، اس دن صبر کروں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن مسروق سے فرمانے لگیں کہ اب جب میں سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں، تو میرا دل رونے لگتا ہے، حضرت مسروق نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگیں:

اذکر الحال التي فارق عليها.... حضرت عائشہؓ کی اس بات کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

✽ مجھے تنگدستی کا وہ دور یاد آ جاتا ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کو پیٹ بھر کر کھانا دستیاب ہی نہیں ہوتا تھا، اب اللہ کے فضل سے پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوتا ہے۔

✽ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جب پیٹ بھر کر کھانا ملتا تو اس وقت انہیں افسوس ہوتا، رونے لگتیں کہ ہم سے تنگدستی کا وہ بلند مقام چھن گیا، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم فاتر تھے، اور صبر و شکر کی صفات سے مزین تھے، اب نعمتوں کی فراوانی ہے، ہر وقت پیٹ بھر کر کھانا دستیاب ہو جاتا ہے، اس لیے مجھے وہ عہد ماضی یاد آ جاتا ہے، جس کی وجہ سے بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِدَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعَمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ. (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) فرمایا: بہترین سالن سرکہ ہے۔

(۱) جمع المسائل فی شرح الشرائع مع شرح النواوی ۱/۲۳۳، ۲۳۴.

(۲) سنن الترمذی، الألفية، رقم الحديث: ۱۸۴۱۔

عَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَهَوَايَا مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ. (۱)

حضرت ثعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم کھانے پینے کی نعمتوں میں اس طرح نہیں ہو جو تم چاہتے ہو؟ حالانکہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ ردی کھجور کو بھی اتنی مقدار میں نہ پاتے کہ جس سے آپ ﷺ اپنے پیٹ کو بھر لیتے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعَمُ الْإِدَامِ أَوْ الْأَدَمِ: الْخَلُّ. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بہترین سالن سرکہ ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- ادام: (ہڑے کے نیچے زیر) ہر وہ چیز جس سے روٹی کھائی جاسکے، سالن: خل: (خام پرزبر) سرکہ، ماشتم: جو نعمتیں کہ تم چاہتے ہو، دقل: (دال اور قاف پرزبر) ردی کھجور، نعم الادام: بہترین سالن، ما یملأ بطنہ: جس سے آپ ﷺ اپنے پیٹ کو بھر لیتے۔

سرکہ بہترین سالن ہے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سرکہ بھی ایک بہترین سالن ہے، اس کے بہت سے فوائد ہیں، بغیر کسی مشقت کے انسان اس سے روٹی کھا سکتا ہے، انسانی جیم سے زہریلے اثرات کو ختم کرتا ہے، بلغم اور فاسد رطوبتوں کو ختم کرتا ہے، کھانے کو ہضم کرتا ہے، پیٹ کے کیڑوں کو مار دیتا ہے، اس سے بھوک بھی اچھی لگتی ہے، احادیث میں اس کے بہت فضائل منقول ہیں، گذشتہ انبیاء بھی اسے سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ سرد مزاج ہوتا ہے، اس لیے بعض لوگوں کے لیے یہ موافق نہیں ہوتا، لہذا جس کے موافق نہ آئے تو اسے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۲۔ حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تابعین یا صحابہ سے حضور ﷺ کی وفات کے بعد احساس دلانے کے لیے فرما رہے ہیں کہ آج تم لوگ ہر طرح کی کھانے پینے کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو، جس چیز کی تمہیں خواہش ہو، اسے تم لوگ تناول کر لیتے ہو، جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ردی کھجور بھی اتنی نہیں ہوتی تھی، جس سے آپ ﷺ پیٹ بھر سکیں، اس سے دراصل امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ کھانے کی جو چیز بھی مل جائے، اسے کھا لیا جائے، اپنے آپ کو عیش و عشرت کی زندگی کا عادی نہیں بنانا چاہیے۔

(۱) الصحيح لمسلم، الزهد، رقم الحديث: ۲۹۴۷، سنن الترمذی، الزهد، رقم الحديث: ۲۳۷۳۔

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۴۰۔

یہاں حدیث میں حضرت نعمان نے اپنے سامعین سے اس انداز سے کہا: رایت نبیکم، اس میں ”تمہارے نبی“ کا اسلوب اختیار کیا، حالانکہ نبی (میرے نبی) یا ”النبی“ بھی کہہ سکتے تھے، اس سے صرف ترفیع دنیا مقصود ہے کہ جب تمہارے نبی نے اس قدر فقر و فاقہ سے زندگی گزاری ہے تو تمہیں بھی اس نبی کی اتباع کرنی چاہیے۔

مالک بن نویرہ نے اس انداز سے حضرت خالد بن ولید کے سامنے کہا: کمان صاحبکم بقول کمال فقال: صاحبنا ولیس صاحبکم: تمہارے صاحب یعنی نبی ایسا کہتا تھا، حضرت خالد نے فرمایا: ہمارا صاحب یعنی نبی، وہ تمہارا نبی نہیں ہے، اس حرکت پر حضرت خالد بن ولید نے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان کو اطلاع بھی ملی تھی کہ وہ مرتد ہو گیا ہے، اور ان نے مرتد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ (۱)

۳۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ سرکہ سے متعلق مذکورہ احادیث سے درحقیقت امت کو دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کی ترفیع دی جا رہی ہے کہ جب حالات اور وسائل میں گنجائش نہ ہو تو اس دوران کھانے کی جو چیز بھی میسر آ جائے تو اس پر صبر اور قناعت اختیار کرنی چاہیے، اپنے نفس کو لذیذ اور عمدہ کھانوں کا ہر وقت عادی نہیں بنانا چاہیے، اس سے انسان کی دینی زندگی متاثر اور بدن طرح طرح کی بیماریوں سے دوچار ہو جاتا ہے، اس لیے ہر موقع پر اور خاص طور پر کھانے پینے میں میانہ روی اور اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، اسی میں عافیت اور سکون ہے، اور یہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ (۲)

عَنْ زُهْدِ بْنِ الْحَرْثِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَأَتَانِي بِلَحْمٍ دَجَاجٍ فَتَخَنَّى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا لَيْسَ بِهَا أَكْلٌ قَالَ: أَذْنُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ. (۳)

ترجمہ: زہد بن حارث جری فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں مرغی کا گوشت لایا گیا، لوگوں میں سے ایک شخص الگ ہو گیا، ابو موسیٰ اشعری نے اس سے فرمایا: آپ کو کیا ہوا؟ (کہ آپ کھانے سے دور ہو گئے) اس نے عرض کیا: میں نے مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا ہے، تو میں نے قسم کھالی کہ میں مرغی نہیں کھاؤں گا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا: قریب آ جاؤ (اور کھاؤ) میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

عَنْ زُهْدِ بْنِ الْحَرْثِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: فَقَدِمَ طَعَامُهُ وَقَدِمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمٌ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمٍ اللَّهُ أَحْمَرٌ كَأَنَّهُ مَوْلَى قَالَ: فَلَمْ يَذُقْ فَقَالَ لَدَاهُ مُوسَى: أَذْنُ، فَإِنِّي لَذَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للنوای ۲۴۶/۱

(۲) التکوید الدرعی ۲۲۲/۳ ابواب الاطعمه، باب ما جاء فی الحل۔

(۳) سنن الترمذی، الاطعمه، رقم الحدیث: ۱۸۲۸۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ فَيَتَأَلَّقُ ذَنَبَهُ لَمْ يَخْلُفْ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا. (۱)

ترجمہ: زہدم بن مغرب جری فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس تھے، کہتے ہیں: ان کے پاس ان کا کھانا لایا گیا، جس میں مرغ کا گوشت بھی تھا، لوگوں میں قبیلہ بنو نمیر اللہ کا ایک سرخ رنگ کا آدمی تھا، گویا کہ وہ آزاد کردہ غلام تھا، راوی کہتے ہیں: وہ شخص کھانے کے قریب نہ آیا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس شخص نے عرض کیا: میں نے مرغی کو (گندی) چیز کھاتے ہوئے دیکھا ہے، جس کی وجہ سے مجھے اس سے گھن آتی ہے، لہذا میں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ اسے کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔۔۔ دجاج: (دال پر زبر، زیر اور پیش تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں) یہ لفظ جمع ہے، اس کا واحد دجاجہ ہے، یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، دجاجہ میں ”تاء“ تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ مفرد کے لیے ہے، اس لیے اس کی طرف مذکر ضمیر لوثا سکتے ہیں، تصحی: الگ ہو گیا، دور ہو گیا، ہٹ گیا، ہٹنا: (نون پر زبر، تاء کے نیچے زیر اور سکون دونوں پڑھ سکتے ہیں) گندی اور بدبودار چیز، متعفن چیز، ادن: دناؤ سے صیغہ امر: قریب آ جاؤ، کأنہ مولیٰ: گویا کہ وہ آزاد کردہ غلام ہے، فقلذتہ: میں اس سے گھن کرتا ہوں، مجھے اس سے گھن آتی ہے۔

مرغ کا گوشت حلال ہے

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہو رہا ہے کہ مرغ خواہ وہ دیسی ہو یا قاری، حلال ہے، اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے، اگر مرغی تھوڑا بہت گندی کھالے تو اس سے اس کا گوشت حرام نہیں ہو جاتا، حدیث میں اس شخص نے مرغی کا گوشت نہ کھانے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ گندی کھاتی ہے، میں نے اس کا گوشت نہ کھانے کی قسم کھالی، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اسے فرمایا کہ یہ حلال ہے، قریب آ کر اسے کھا لو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دینا، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں ایک ہی شخص کے واقعہ کا بیان ہے، اور اس ”رجل“ سے بعض کے نزدیک زہدم ہی مراد ہے۔ (۲)

عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ سَفِينَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قُلْتُ: اَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَحْمَ خُبَارَى. (۳)

ابراہیم اپنے باپ عمر بن سفینہ سے اور یہ ابراہیم کے دادا سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفینہ فرماتے ہیں کہ

(۱) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۲۷۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲۴۸/۱

(۳) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۳۰۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

سرخاب کا گوشت حلال ہے

حباری: (حاء پر پیش اور با پر زیر) سرخاب کو کہتے ہیں، یہ ایک جنگلی پرندہ ہے، جس کا رنگ نیالا، گردن بڑی، چونچ قدر بے طویل اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں، اس کی اڑان بہت تیز ہوتی ہے اور اس کا گوشت انتہائی لذیذ اور صحت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے، مصری لوگ اس پرندے کو ”البحرج“ کہتے ہیں۔ (۱) اور یہ سنگلاخ علاقوں میں پایا جاتا ہے، اس کے پراکھاڑ لینے سے یا گر جانے سے اس کی خوبصورتی کم ہو جاتی ہے، اس مدمد اور غم کی وجہ سے یہ مرجاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں ایک قیمتی موتی ہوتا ہے، اگر وہ خارج ہو جائے تو وہ اپنے تمام پروں کو اکھاڑ دیتا ہے، اور پھر یہی اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ (۲)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کی کنیت ”ابو عبد الرحمن“ ہے، بعض کے نزدیک ان کا نام ”مہران“ ہے، اور ان کو ”سفینہ“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ دوران سفر انہوں نے بہت زیادہ سامان اٹھایا تھا، جس طرح کہ ایک کشتی بہت سامان اٹھا لیتی ہے، اس وجہ سے پھر یہ ”سفینہ“ کے نام سے ہی مشہور ہو گئے، رسول اللہ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ (۳)

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوا الزَّيْتُ وَأَدْهَنُوا بِهِ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةِ مَبَارَكَةٍ. (۴)

ترجمہ: حضرت ابواسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل (سارن وغیرہ میں) کھایا کرو اور اس کے تیل سے بدن پر مالش کیا کرو، اس لیے کہ یہ ایک بابرکت درخت کا تیل ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوا الزَّيْتُ وَأَدْهَنُوا بِهِ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةِ مَبَارَكَةٍ. (۵)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل (روٹی کے ساتھ) کھاؤ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۶/۱

(۲) حیات الحیوان اردو ۱/۲۶۶ الحباری، ط: ادارہ اسلامیات لاہور

(۳) تقریب التہذیب ۱/۲۱۷ رقم الترجمة: ۲۵۳۲، ط: بیروت

(۴) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحديث: ۱۸۲۷۔

(۵) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحديث: ۱۸۵۲۔

اور اس سے بدن کی مالش کیا کرو، اس لیے کہ وہ ایک مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- الزیت : زیتون کا تیل، دیگر تیلوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، کبھی اضافت کے ساتھ اور کبھی بغیر
اضافت کے، مثلاً یوں کہا جاتا ہے زیت الغار : مٹی کا تیل، ادھواہہ : زیتون کے تیل سے بدن کی مالش کیا کرو۔

زیتون کا آکل استعمال کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر زیتون کا ذکر کیا، سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شجرة مباركة زيتونة،
اس سے بھی زیتون اور اس کے درخت کا مبارک، نافع اور مفید ہونا ثابت ہوتا ہے، مذکورہ احادیث میں بھی زیتون کے تیل کی
برکات کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے اسے کھانے اور بدن پر مالش کے طور پر استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے، کیونکہ یہ مبارک
درخت یعنی زیتون سے حاصل ہوتا ہے، اس کے بہت سے فوائد اور خصوصیات ہیں، اس کو چراغ میں روشنی کے لیے بھی استعمال کیا
جاتا ہے، اور اس کی روشنی نہایت نفیس، عمدہ اور صاف شفاف ہوتی ہے، اسے سالن کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے، زیتون کا پھل بھی
کھایا جاتا ہے، اور روغن زیتون ایسا آکل ہے جس کے نکالنے کے لیے کسی مشین وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہر شخص اس کے پھل
سے بڑی آسانی سے خود ہی تیل نکال سکتا ہے۔

ملا علی قارئی فرماتے ہیں کہ زیتون کے درخت کو ”مبارک“ اس وجہ سے کہا ہے کہ اس کی اکثر پیداوار ملک شام میں ہوتی
ہے، جس میں اللہ جل شانہ نے اہل دنیا کے لیے بڑی برکتیں رکھی ہیں، یہ علاقہ قدرتی نہروں، پھلوں کی فراوانی اور انبیاء کی جگہ اور
دفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے، چونکہ زیتون کا درخت بابرکت ہے، اس لیے اس کے
پھل اور تیل کو بھی مبارک بنا دیا گیا ہے، یہ تیل کئی بیماریوں کے لیے مفید ہوتا ہے، چنانچہ طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت
نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اس مبارک درخت کو لازم پکڑو، اس کے ذریعہ علاج کرو، کیونکہ یہ بواسیر کو بھی صبح کر
دیتا ہے، اور ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: روغن زیتون کھایا کرو اور اس کی
مالش بھی کیا کرو، کیونکہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے، ان میں سے ایک جذام کی بیماری ہے۔ (۱)

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَغَبَذُ الزَّرَاقِ كَانَ يَضْطَرِبُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرَبَّمَا أَضْنَعَهُ، وَرَبَّمَا أَرْسَلَهُ. حَدَّثَنَا غَبَذُ
الزَّرَاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ تَخَوُّهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ "عَنْ عَمَرَ"۔

امام ترمذی اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ مذکورہ حدیثوں میں سے دوسری حدیث میں اضطراب فی السند ہے، کیونکہ
عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں، جس طرح کہ اوپر اس روایت کو حضرت عمر فاروق کی سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے،
اور کبھی مرسلہ ذکر کرتے ہیں جیسے عن معمر بن زید بن اسلم عن ابیہ عن النبی ﷺ، اس میں ”عن عمر“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

مگر منذری امام ترمذی کا یہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں کہ حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْجِدُ الذَّبَاءَ فَأَبَى بِطَعَامٍ، أَوْ دُعَى لَمْ يَجْعَلْ اتَّبَعَهُ فَأَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا أَعْلَمَ أَنَّهُ يَجْعِدُهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا، (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا یا آپ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی گئی (جس میں کدو تھا) میں اس کدو کو (شوربے سے) تلاش کرنے لگا اور اسے آپ ﷺ کے سامنے کر دیتا، اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند ہے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهُ ذَبَاءً لَقَطَعَ فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالَ: نَكْثَرُ بِهِ طَعَامَنَا (۳) قَالَ أَبُو عَيْسَى: وَجَابِرٌ هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ: ابْنُ أَبِي طَارِقٍ، وَهُوَ جُلُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَعْرِفُ لَهَذَا الْحَدِيثِ الْوَاحِدَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن طارق کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کے پاس کدو دیکھا، جس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے (یعنی اس کا کیا ہے گا؟) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم اس کے ذریعہ اپنے کھانے (یعنی سالن) کو بڑھاتے ہیں (یعنی گوشت میں کدو بھی ڈالیں گے تاکہ سالن بڑھ جائے) امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ صحابی رسول ہیں، ان سے یہی ایک روایت منقول ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یعجبه: یہ اعجاب سے ہے، نبی کریم ﷺ کو پسند تھا، اچھا لگتا تھا، الذبء: (دال پر پیش اور باپر زبرد شدید) کدو، لوکی خواہ گول ہو یا لंबا، یہ لفظ جمع ہے، اس کا واحد ذباء ہے، بعض کے نزدیک حدیث میں اس سے صرف ”گول کدو“ مراد ہے، دعی لہ: (میضہ مجہول) کھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کو بلایا گیا، آپ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی گئی، ”لہ“ میں ”ہ“ ضمیر ”طعام“ کی طرف لوٹ رہی ہے، اتبعہ: (میضہ منکمل) میں کدو کو تلاش کرنے لگا، أضعه بین یدیه: میں اس کدو کو آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیتا، سامنے کر دیتا، یقطع: یہ قطع سے ہے: کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے، کدو کو کاٹا جا رہا تھا، نکثر به: (پہ نکثر سے ہے) ہم کدو کے ذریعہ اضافہ کر رہے ہیں، بڑھا رہے ہیں، طعامنا: اپنا طعام یعنی سالن۔

(۱) تحفة الاحوذی، ۵۹۹/۵، ابواب الاطعمة، باب ما جاء فی اکل الزيت، رقم الحدیث: ۱۸۵۱

(۲) سنن ابی داؤد، الاطعمة، رقم الحدیث: ۲۷۸۲۔

(۳) سنن ابن ماجہ، الاطعمة، رقم الحدیث: ۳۳۰۴۔

نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا

ان احادیث سے کدو کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا، آپ ﷺ اسے بڑے شوق اور رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے، اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے جبکہ عرب کی آب و ہوا اور اہل عرب کے مزاج عموماً گرم ہوتے ہیں، اس کے کھانے سے طبیعت میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، نیز یہ جلدی پک جاتا ہے، اس کا کھانا بھی آسان ہے، اس کا ذائقہ مزیدار اور لذیذ ہوتا ہے، اور اعضا کو توانائی فراہم کرتا ہے، ان خصوصیات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ اسے پسند فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ کدو کی تیل نے میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام پر اس وقت سایہ کیا تھا، جب انہیں مچھلی نے سمندر کے کنارے پر تنہا چھوڑ دی تھا، چونکہ یہ سبزی نبی کریم ﷺ کو پسند تھی، اس لیے صحابہ کرام بھی اسے بہت پسند کرتے تھے، حضرت انس کدو کو خطاب کر کے کہا کرتے کہ اے سبزی، تجھ سے مجھے بہت پیار ہے، کیونکہ میرے نبی ﷺ تجھے پسند فرماتے تھے، اس کا سالن جب آپ ﷺ کے سامنے آتا تو اس میں سے کدو تلاش کر کے بڑی چاہت سے آپ ﷺ کھاتے تھے اور شمال کی مذکورہ ایک حدیث میں حضرت انس سالن کے شوربے سے کدو تلاش کر کے نبی کریم ﷺ کے سامنے کر دیتے، تاکہ آپ ﷺ اسے آسانی سے کھا سکیں، اس لیے اہل اسلام کو بھی اس سبزی کے ساتھ محبت رکھنی چاہیے، یہی کمال ایمان کا تقاضا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنَّ خِيَاطًا دَعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَذَّهَبَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ، وَمَرَقًا فِيهِ دَبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، قَالَ أَنَسٌ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُ الدَّبَّاءَ حَتَّى يَخْرُجَ إِلَى الْقَضْعَةِ، فَلَمْ أَزَلْ أَحِبُّ الدَّبَّاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی (ایک مرغیہ) کھانے کی دعوت کی، جو اس نے بنایا تھا، فرماتے ہیں: میں بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کھانے پر گیا، اس درزی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا، جس میں کدو اور گوشت تھا، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو پلیٹ کی تمام جانبوں میں کدو کو تلاش کرتے ہوئے دیکھا، پھر میں بھی اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خیاط: درزی، صنعه: جس کھانے کو اس نے بنایا، مرقا: (میم اور را پر زبر) شوربا، قدید: گوشت

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲۵۴/۱

(۲) سنن الترمذی، الأطلعمہ، رقم الحلیث: ۱۸۵۱۔

کے بڑے کٹڑے، جنہیں نمک لگا کر دھوپ میں خشک کیا جائے، پستہ: تلاش کرتے ہوئے، حوالی: (لام پر زبر اور یا ساکن) تمام جانیں، پلیٹ کے چاروں طرف، صفحہ: وہ پلیٹ جس میں پانچ آدمی سیراب ہو کر کھا سکیں۔

ایک درزی کے ہاں نبی کریم ﷺ کی دعوت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی ایک درزی نے کھانے کی دعوت کی، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت انسؓ بھی تھے، وہ بھی باقاعدہ دعوت تھے یا نبی کریم ﷺ کے خادم ہونے کی حیثیت سے گئے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ داعی اس پر خوش ہو۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس درزی کے نام سے تو میں مطلع نہ ہو سکا، البتہ ایک روایت میں ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔

۳۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی عاجزی اور تواضع ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ایک ادنیٰ صحابی کی دعوت بھی قبول کر کے اس کے گھر تشریف لے جاتے تھے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ درزی کا پیشہ گھٹیا نہیں ہے۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت پر نمک لگا کر اسے دھوپ میں خشک کرنا اور پھر اسے کھانا جائز ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ دوران سفر ایک شخص نے بکری ذبح کی، نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا کہ اس گوشت پر نمک لگا کر اسے دھوپ میں خشک کر لو، اس نے ایسا کر لیا، پھر وہ یہ گوشت نبی کریم ﷺ کو دینے پہنچے تک کھلاتے رہے۔

۵۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو پلیٹ کی تمام جانوں میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پلیٹ یا پیالے میں ہاتھ گھما کر کھانے کی ممانعت اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو، لیکن اگر اس میں مختلف چیزیں ہوں، تو پھر ہاتھ ادھر ادھر گھمانے میں کوئی حرج نہیں، اور یہاں اس پلیٹ میں تین چیزیں تھیں: شوربا، کدو اور گوشت، آپ ﷺ گوشت چھوڑ کر اپنی پسند کے مطابق لوکی تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے، ایسی صورت میں پلیٹ میں ہاتھ گھمایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ہاتھ کھانے والے ساتھی کو اس میں ناگواری نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانے والے صحابہ کرام چونکہ آپ ﷺ کے ہاتھ گھمانے کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو اس کو اپنے لیے بجا طور پر برکت اور سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے، یہ تو ان کی نظر میں انتہائی معمولی بات تھی، حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کی تھوک اور ناک کی رینٹ سے بھی وہ برکت حاصل کرتے، انہیں اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے، بعض نے اپنے عشق کو یوں تسکین دی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا پیشاب پی گئے اور بعضوں کی محبت اس انتہاء کو پہنچ گئی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا خون تک پی لیا۔ جن لوگوں کے آپ ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کے یہ کرشمے ہوں، وہ آپ ﷺ کے پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر گھمانے کو کیسے ناگوار

(۱)۔ سمجھ سکتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ. (۲)
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد بہت پسند تھا

”حلواء“ مد کے ساتھ اور مد کے بغیر دونوں طرح یہ لفظ پڑھا جاسکتا ہے، اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو میٹھی ہو، خواہ وہ سوچی سے بنا ہوا حلوی ہو یا اور کوئی میٹھی چیز، سب ہی پر ”حلواء“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، بعض حضرات نے اس حلواء سے معروف حلوی مراد لیا ہے، جو ہمارے معاشرے میں پکایا اور کھایا جاتا ہے، لیٹ بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عثمان نے حلوی بنا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے اسے پسند کر کے فرمایا کہ: اے کھاؤ، اہل فارس اسے ”ضمیع“ کہتے ہیں۔ (۳)

یہ حلوی انہوں نے آئے، شہد اور کھی سے تیار کیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ حلوی کھجور اور کھی سے یا کھجور اور دودھ سے بنایا گیا تھا۔ (۴) علامہ ابو منصور ثعالبی نے ”فقه اللغة“ میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جس حلوی کو پسند کرتے تھے وہ کھجور کو دودھ میں گوندھ کر بنایا جاتا تھا۔

حدیث میں حلواء کے بعد ”عسل“ یعنی شہد کا ذکر کیا، جبکہ شہد بھی میٹھا اس کی وجہ سے ”حلواء“ میں داخل ہے، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ شہد کو دوسری تمام میٹھی چیزوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ احادیث میں اس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا میٹھی چیز کو پسند کرنا طبعی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر میٹھی چیز کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ ”یحب الحلواء“ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے دسترخوان پر میٹھی چیز آ جاتی تو آپ ﷺ اسے بھی بڑے شوق و ذوق سے تناول فرماتے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ بھی نبی کریم ﷺ کو پسند ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کے عمدہ، لذیذ اور شیریں کھانے بنانا اور انہیں کھانا جائز ہے، اور شرعاً یہ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کے مٹائی نہیں ہے۔

(۱) فتح الباری ۶/۲۵۵، کتاب الاطعمة، باب من تتبع حوالی القصعة مع صاحبہ، رقم الحديث: ۵۳۷۹۔

(۲) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحديث: ۱۸۳۳۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی ۹۸/۵، باب فی الطاعم والشارب، رقم الحديث: ۵۹۳۲۔

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۲/۲۵۷، اللواہب اللدنیة علی الشیائل للحمیدیہ (ص: ۲۸۱)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث یہاں مختصراً ذکر کی ہے، اس کی تفصیل صحیح مسلم میں موجود ہے، اس میں وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کر لیا تھا، پھر اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورہ تحریم نازل فرمائی۔ (۱)
عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرِئَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَّتَا مَشْوِيَّاتَا فَأَكَلْنَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَاتَوْهُمَا. (۲)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے اس سے تناول فرمایا، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے اٹھے اور وضو نہیں کیا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: أَكَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءَ فِي الْمَسْجِدِ. (۳)

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قویت: ام سلمہ نے قریب کیا، خدمت اقدس میں پیش کیا، جنباً مشویاً: بھنا ہوا پہلو کا گوشت، شواء: بھنا ہوا گوشت، روست کیا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت کھایا

مذکورہ احادیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

❁ نبی کریم ﷺ نے بھنا ہوا پہلو کا گوشت تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ روست کیا ہوا گوشت، خواہ وہ بکرے کا ہو یا کسی بھی حلال جانور اور پرندے کا، اس کا کھانا جائز ہے، صحابہ کرام بھی اس طرح کا گوشت کھایا کرتے تھے۔

❁ جب کوئی شخص وضو کے بعد آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کیا اور آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لے گئے، یہی جمہور ائمہ اور علماء کا موقف ہے، مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جمہور نے ان احادیث سے متعلق دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ حکم ابتداء میں تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

۲۔ ان احادیث سے کھانے کے بعد کلی کرنا مراد ہے، وضو مراد نہیں، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کھانے کے بعد کلی کرنا

(۱) عمدة القاری ۲/۲۱، کتاب الاطعمة، باب الحلواء والعسل، صحیح مسلم ۴/۹۶، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارة علی من حرم امراته، تکملة فتح الملهم ۱/۲۴، رقم الحدیث: ۳۶۵۸

(۲) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۔

(۳) سنن ابن ماجه، الاطعمة، رقم الحدیث: ۳۲۱۱۔

مسنون ہے۔

نیز اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا تناول کرنا جائز ہے گو کہ بہتر نہیں، مگر اس کا اہتمام رہے کہ اس عمل کی وجہ سے مسجد خراب اور آلودہ نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھایا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد کا یہ واقعہ اعتکاف کے زمانے کا ہو، نبی کریم ﷺ ہر سال اعتکاف بیٹھا کرتے رہے، ایسی صورت میں مسجد میں کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔ (۱)

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: ضَغُفْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَانِي بِحَنْبٍ مَشْوِيٍّ، ثُمَّ أَخَذَ الشُّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحْزُو، فَحَزَّ لِي بِهَا مَنَةً قَالَ: فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ فَأَلْقَى الشُّفْرَةَ فَقَالَ: مَا لَكَ تَرَبَّتْ يَدَاؤُ؟ قَالَ: وَكَانَ شَارِبًا قَدْ وَفَى، لَقَالَ لَه: أَقْصَدْتُ لَكَ عَلَى مِسْوَاكِ أَوْ قُضِدْتُ عَلَى مِسْوَاكِ. (۲)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم ﷺ کے ہاں مہمان ہوا، کھانے میں ایک ہنٹا ہوا پہلو لایا گیا، پھر آپ ﷺ نے چھری لی، اور اس کے ذریعہ اس پہلو سے میرے لیے کاٹنے لگے، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں، اسی دوران حضرت بلال نبی کریم ﷺ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آگئے، آپ ﷺ نے چھری پھینکی اور ارشاد فرمایا: بلال کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، اسے کیا ہوا کہ ایسے موقع پر نماز کی اطلاع دینے کے لیے آگیا، (ابھی تو نماز کا بہت وقت باقی ہے)، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں: اور ان کی (یعنی مغیرہ کی یا بلال کی) مونچھ بہت بڑھ گئی تھی، اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: (لاؤ) میں تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دیتا ہوں یا یہ فرمایا کہ تم خود یہ مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ضغفت: (میخرواحد متکلم) میں مہمان ہوا، الشفرة: (شین پر زبر اور قاسا کن) چوڑی چھری، چھٹی چھری، بحز: کاٹنے لگے، بہا منہ: اس پہلو سے چھری کے ذریعہ، اس میں ”حا“ ضمیر شفرة کی طرف اور ”منہ“ کی ضمیر حسب کی طرف لوٹ رہی ہے، یؤذنه: آپ ﷺ کو حضرت بلال اطلاع دینے لگے، ألقى: آپ ﷺ نے پھینک دی، ماله: بلال کو کیا ہوا کہ اس وقت اطلاع دینے آگئے، تربت یدہ: بلال کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، یہ جملہ یہاں زجر اور تنبیہ کے لیے استعمال ہوا ہے، مقصد یہ تھا کہ ان کو ایسے وقت میں کہ جب سب بڑے شوق سے کھانے میں مشغول ہیں، نماز کی خبر نہیں کرنی چاہیے تھی، جبکہ نماز کا وقت ابھی بہت باقی بھی ہے، شاربه: اس میں ”ہ“ ضمیر کے لوٹنے میں دو احتمال ہیں: ۱۔ ملاطی قاری رحمہ اللہ بڑے وثوق سے یہ فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی حضرت مغیرہ کی مونچھ۔ ۲۔ علامہ مناوی اور ان کی اتباع میں علامہ تبجوری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹ رہی ہے، قدوفی: وہ مونچھ بڑھ گئی، لسی ہو گئی، أقصد لک: (میخرواحد متکلم) میں تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دیتا ہوں یا یہ فرمایا کہ تم خود یہ مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دو۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۲۵۸/۱

(۲) سنن ابی داؤد، الطہارۃ، رقم الحدیث: ۱۸۸۔

واحد حکم) میں تمہاری مونہیں کتر دجا ہوں، قصہ ملک: (میخاسر) تم خود ہی اپنی مونہیں کتر دو۔ (۱)

کھانے کے وقت چھری سے گوشت کاٹ سکتے ہیں

مذکورہ حدیث سے چند امور ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت رسول اللہ ﷺ، (حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا) اس کے مطلب میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

✽ حدیث میں لفظ ”مع“ زائد ہے، معنی یہ ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کا مہمان ہوا، اور نبی کریم ﷺ نے ان کی میزبانی کرتے ہوئے گوشت کاٹ کاٹ کر کھلایا، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں اس معنی کی تائید ہوتی ہے، اس میں لفظ ”مع“ نہیں ہے۔
✽ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنا مہمان بنایا، مگر یہ مفہوم درست نہیں، حدیث کے الفاظ سے اس معنی کی تائید نہیں ہوتی۔

✽ حضرت مغیرہ نبی کریم ﷺ کے مہمان تھے، اور پھر نبی کریم ﷺ اور حضرت مغیرہ، کسی تیسرے شخص کے مہمان ہوئے، جیسا کہ عام عرف ہے کہ جب کسی بڑے کی دعوت کی جائے تو خادم بھی دعوت میں ساتھ شریک ہوتے ہیں، روایات میں ”مع“ کا لفظ اس معنی کی تائید کرتا ہے، اس صورت میں نبی کریم ﷺ کا بھنا ہوا گوشت کاٹ کاٹ کر حضرت مغیرہ کو کھلانا ان کی دلجوئی اور تالیف قلب کے لیے تھا، اس مفہوم کو سامنے رکھ کر ابوداؤد اور ترمذی کی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا کہ حضرت مغیرہ اصلاً نبی کریم ﷺ کے مہمان تھے اور نبی کریم ﷺ کی اس وقت مہمانوں سمیت کسی تیسرے شخص کے ہاں دعوت تھی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قاضی اسماعیل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعوت حضرت ضبابہ بنت الزبیرؓ کے گھر میں تھی، آپ ﷺ وہاں حضرت مغیرہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ مذکورہ حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے وقت اگر پکا ہوا یا بھنا ہوا گوشت سخت معلوم ہو، اسے کسی وجہ سے نوج کر بھی نہ کھایا جاسکتا ہو، تو ضرورت کی وجہ سے اسے چھری چاقو سے کاٹ کر کھانا یا اچھ سے توڑنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ چھری سے کاٹ کر وہ گوشت حضرت مغیرہ کو دے رہے تھے اور حضرت مغیرہ اسے تناول کر رہے تھے۔

مگر سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ کی ایک روایت ہے کہ جس میں چھری سے کاٹ کر گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”گوشت کو چھری سے کاٹ کاٹ کر نہ کھایا کرو، یہ عجی لوگوں کا طریقہ ہے، بلکہ اسے دانتوں سے

نوح کرکھایا کرو، کیونکہ اس طرح وہ زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ (۱)

اس حدیث میں گوشت کو چھری کے ساتھ کاٹ کر کھانے کو عجمیوں کا طریقہ بتایا گیا ہے، یوں تو عرب کے لوگ اپنے علاوہ دنیا کے سارے لوگوں کو عجمی (یعنی گونگا) کہا کرتے ہیں، لیکن اس حدیث میں عجمیوں سے خاص طور پر اہل فارس یعنی ایران کے لوگ مراد ہیں، وہ لوگ تکبر و غرور کی وجہ سے گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھاتے تھے، اور دانتوں سے نوح کرکھانے کو برا اور خلاف تہذیب سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کی خاطر ایسے موقع پر چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا۔

یہاں شمائل کی اس روایت اور سنن ابی داؤد کی حضرت عائشہ کی مذکورہ روایت میں تعارض ہو رہا ہے، شمائل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے وقت چھری سے گوشت کو کاٹ کر کھایا جاسکتا ہے، جبکہ ابوداؤد کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے واضح انداز میں منع فرمادیا ہے، اس تعارض کے حل میں علماء حدیث نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

✽ علماء نقد نے ابوداؤد کی روایت پر کلام کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی نہیں ہے، جبکہ شمائل کی مذکورہ روایت ہر اعتبار سے صحیح ہے، اس لیے اسی کو اختیار کیا جائے گا، لہذا کھانے کے وقت اگر ضرورت ہو تو بچنے ہوئے یا پکے ہوئے گوشت کو چھری سے کاٹا جاسکتا ہے۔

✽ بعض کو حضرات نے ان متعارض روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ پکانے کے بعد اگر گوشت صحیح طرح گلا ہو اور نرم ہو تو اس چھری کے بجائے دانتوں سے نوح کر ہی کھانا چاہیے، اور اگر گوشت پکانے اور بچنے کے باوجود سخت ہو، دانتوں سے نوح کر اسے کھانا ممکن نہ ہو تو پھر چھری کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ممانعت کا حکم، نبی تنزیہی پر محمول ہے، لہذا چھری کا استعمال ایسے موقع پر گوکہ حرام نہیں، جائز ہے، لیکن چونکہ عموماً چھری سے کاٹ کر کھانے کا طریقہ یہود و نصاریٰ، فساق و فجار، دنیا دار اور مغربی دنیا کا شعار بن چکا ہے، اس لیے مشابہت سے بچنے کے لیے حتی الامکان اس طریقہ سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ اگر کبھی اس کی شدید ضرورت پیش آجائے تو اس انداز سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا جائز ہے۔

۳۔ حضرت بلال کھانے کے دوران نماز کی اطلاع دینے کے لیے آگئے تو حضور اکرم ﷺ نے زجر، تنبیہ اور ملامت کے طور پر فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، اس وقت یہ اطلاع نہ دیتا، تھوڑی انتظار کر لیتا، کیونکہ ابھی نماز کا وقت بہت باقی تھا، نیز ایسے موقع پر میزبان کا دل بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ کھانا چھوڑ کر آدمی چلا جائے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو تنبیہ فرمائی، اس سے دو امر معلوم ہوئے:

✽ اذان کے بعد بھی نماز کی یاد دہانی اور اطلاع دی جاسکتی ہے۔

اگر کھانے کا شدید تقاضا ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیے، تاکہ پھر مکمل یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔

۳۔ وکان شاربہ قدوفی، اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ شاربہ کی ”و“ ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت مغیرہ کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں ان کے نیچے مسواک رکھ کر کتر دیتا ہوں یا تم خود ہی مسواک پر رکھ کر کتر دو۔

اقصہ... اقصہ، یہ حضرت مغیرہ یا ان سے نیچے کسی راوی کو شک ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صیغہ حکم ارشاد فرمایا، یا صیغہ امر فرمایا۔ (۱)

علامہ مناوی اور بخاری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت ہلال کی طرف لوٹ رہی ہے، ان کی مونچھیں لمبی تھیں، اس لیے آپ ﷺ نے کترنے کا حکم دیا۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہو، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مغیرہ سے فرمایا کہ میں اپنی مونچھیں مسواک پر رکھ کر کترتا ہوں تمہارے لیے، تاکہ تم ان سے برکت حاصل کرو، لیکن یہ مفہوم مراد لینا ابوداؤد کی روایت کے خلاف ہے، اس میں حضرت مغیرہ کی مونچھوں کی تصریح ہے، وہ بڑھی ہوئی تھیں، جنہیں نبی کریم ﷺ نے کاٹ دیا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بڑا آدمی بھی چوٹے کی مونچھیں کاٹ سکتا ہے۔

مونچھیں مونڈنا یا قینچی سے کترنا دونوں طریقے مسنون ہیں

احادیث میں مونچھیں تراشنے کے بارے میں مختلف الفاظ منقول ہیں، شامل کی مذکورہ روایت اور دیگر بعض روایات میں قص الشارب کے الفاظ ہیں کہ مونچھیں تراشی جائیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں أحفوا الشوارب، بعض روایات میں انھکو الشوارب اور صحیح مسلم کی روایت میں جزوا الشوارب کے الفاظ ہیں، ”الاحفاء“ کے معنی ہیں: بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا، ”نھک“

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۳۶/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۲۲۳۶، جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح لناوی ۲۵۸/۱، الواہب اللبنیۃ علی الشہائل للمحمدیۃ (ص: ۲۸۴)

(۲) بذل المجہود ۴۲/۲، کتاب الطہارۃ، باب فی ترک الوضوء عامست الناس رقم الحدیث: ۱۸۸، مرقاة المفاتیح ۱۳۶/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۲۲۳۶

کے معنی ہیں، خوب مبالغہ کے ساتھ بالوں کو صاف کرنا اور ”جڑ“ کاٹنے اور کترنے کو کہتے ہیں۔

ان مختلف الفاظ کی وجہ سے ائمہ کرام میں اختلاف ہے کہ موچھیں کاٹنے کا مسنون طریقہ کیا ہے، حلق کرنا ہے یا قینچی سے کترنا، یا یہ کہ دونوں طریقے ہی مسنون ہیں۔

امام مالک اور امام نووی رحمہما اللہ ”قص الشارب“ کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ موچھیں قینچی وغیرہ سے اس قدر باریک تراشی جائیں کہ کھال نظر آنے لگے اور ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، جڑ سے نہ اکھیری جائیں، ان کے نزدیک موچھوں کا حلق کرنا مسنون نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بدعت اور مثلاً قرار دیا ہے اور احفوا الشوارب کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ موچھیں اس قدر تراشی جائیں کہ ہونٹوں کا کنارہ ظاہر ہو جائے، انہیں بلیڈ یا سترے سے صاف کرنا مراد نہیں۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک موچھیں تراشی جائیں یا بلیڈ اور سترے وغیرہ سے انہیں صاف کیا جائے، دونوں صورتیں احادیث سے ثابت ہیں، لہذا ان میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے، اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے، صحابہ کرام سے بھی دونوں طریقے منقول ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے موچھوں کا جڑ سے صاف کرنا نقل کیا ہے، جن میں حضرت ابوسعید خدری، ابواسید بن ثابت انصاری، رافع بن خدیج، بل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، ابو رافع اور حضرت ابو ہریرہ شامل ہیں۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے ”احفاء“ کے جو معنی بیان کیے ہیں کہ ”موچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں“ یہ معنی کسی بھی لفظ کی کتاب سے ثابت نہیں، بلکہ صحاح، قاموس اور کشاف وغیرہ میں احفاء کے معنی اتصال ہی کے لکھے ہیں کہ جڑ سے بالوں کو صاف کر دیا جائے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں: **بَانَ شَوَّلَ اللّٰهُ ﷻ كَانِ يَخْفِىْ شَارِبُهُ** (نبی کریم ﷺ اپنی موچھیں جڑ سے صاف کرتے تھے) اور جن روایات میں ”قص“ کے الفاظ ہیں، وہ ”احفاء“ کی روایات کے منافی نہیں، کیونکہ ”قص“ کبھی تو اس مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ احفاء میں داخل ہو جاتا ہے، اور کبھی صرف موچھیں تراشی جاتی ہیں، اور ”احفاء“ والی روایت میں صرف ایک ہی جہت متعین ہے کہ موچھیں سترے وغیرہ سے صاف کی جائیں، یہی وجہ ہے کہ طبری فرماتے ہیں کہ انسان کو اختیار ہے، چاہے تو وہ موچھیں تراشے یا انہیں سترے وغیرہ سے صاف کر لے، ہر صورت میں سنت ادا ہو جاتی ہے، احفاف کے نزدیک تراشنے کے بجائے جڑ سے موچھوں کو صاف کرنا افضل ہے۔ (۱)

(۱) جمع البوابات فی شرح الشمائل مع شرح للنواوی ۲/۱۶۱۱ اوجز للسالك، کتاب اللباس، باب ما جاء فی السنة فی الفطرة ۲۳۱/۱۲، فتح الباری ۳۲۵/۱۰ کتاب اللباس، باب قص الشارب، رقم الحديث: ۵۸۸۸، زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۷۸، فصل فی هدیه صلی اللہ علیہ وسلم فی قص الشارب، غنۃ الاخوذی ۳۲/۸، کتاب الاداب، باب ما جاء فی قص الشارب، رقم الحديث: ۲۷۲۰، فتح للہم ۳/۲، کتاب الطہارة، باب خصال الفطرۃ خصال نبوی (ص: ۱۷۵)

چھری کانٹے اور چمچ سے کھانے کا حکم

چھری کانٹے اور چمچ سے کھانا سنت سے اگرچہ ثابت نہیں ہے، مگر شرعاً ان سے کھانا جائز ضرور ہے، نبی کریم ﷺ ہاتھ سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، اور آخر میں انگلیاں چاٹ لیتے تھے، ایک مسلمان کو اسی سنت پر عمل پیرا رہنا چاہیے، لیکن اگر کھانا اس قسم کا ہو کہ جسے چمچ کے بغیر نہ کھایا جاسکے، تو پھر چمچ کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے جیسے کسڑا اور کھیر وغیرہ، لیکن چھری کانٹے میں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے استعمال کے بغیر بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے، اور شامل کی مذکورہ حدیث میں بھی چھری کے ذریعہ گوشت کاٹنے کا تو ذکر ہے مگر چھری سے کھانے کا نہیں، اس لیے چھری کانٹے کا استعمال بہر حال پسندیدہ نہیں، تاہم اگر ان کے ساتھ کھانے کی واقعی شدید ضرورت ہو تو پھر انہیں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

عن أبي هريرة قال: أتى النبي ﷺ فوقع إليه الذراع و كانت تعجبه فنهس منها. (۲)
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا، تو آپ ﷺ کو دسی کا گوشت دیا گیا، آپ ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ کر کھایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اتی النبی ﷺ: (میضہ مجہول) نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا، الذراع: (ذال کے نیچے زیر) ہر جانور کا ہاتھ، چنانچہ گائے اور بکرے کا ذراع پندلی سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اونٹ کا اور دوسرے کھردالے جانوروں کا ہاتھ پندلی کے پکے حصے کے اوپر سے شروع ہوتا ہے، جو ہری کہتے ہیں کہ لفظ ”ذراع“ عربی میں مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، لہذا کانت تعجبه میں ”ا“ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف اور کانت تعجبه میں ضمیر مؤنث ذراع کی طرف لوٹ رہی ہے، تعجبہ: اعجاب سے ہے، معنی یہ ہیں: نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا، نص: آپ ﷺ نے دانتوں کے کنارے سے گوشت کو نوچ کر کھایا، منها: ذراع میں سے۔

نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا

نبی کریم ﷺ کو گوشت میں سے دسی کا گوشت پسند تھا، آپ ﷺ اسے دانتوں کے کنارے سے نوچ کر کھایا کرتے تھے، چھری سے نہیں کاٹتے تھے، نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت کئی وجوہ سے پسند تھا: ﴿یہ جلدی پک جاتا ہے۔﴾ زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ ﴿معدہ پر بوجھ نہیں ہوتا بلکہ جلد ہی ہضم ہو جاتا ہے۔﴾ یہ گوشت نجاست کی جگہوں مثلاً آنت وغیرہ سے

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۱۸۰، خوراک و پوشاک۔ کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں (ص: ۸۸)

(۲) سنن الترمذی، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۔

دور ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو گوشت نوح کرکھایا جاسکتا ہو، اسے دانتوں سے نوح کر ہی کھانے کا معمول بنانا چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْبِبُهُ اللَّذَّاعُ قَالَ: وَمَنْ لِي اللَّذَّاعُ، وَكَانَ يُؤَيَّ أَنْ
الْيَهُودَ سَمُوهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دسی کے گوشت میں ہی حضور اقدس ﷺ کو زہر دیا گیا، اور ابن مسعودؓ کا خیال یہ تھا کہ یہود نے (باہمی مشورے سے) نبی کریم ﷺ کو زہر دیا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- سم: (صیغہ مجہول) نبی کریم ﷺ کو زہر دیا گیا، و کان یوی: لفظ یری کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ۱۔ یہ اراء سے صیغہ مجہول ہے۔ ۲۔ اگر اسے معروف پڑھا جائے تو پھر مجرد سے ہوگا یعنی راوی یری سے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں: ابن مسعودؓ کا خیال اور گمان تھا، ابن مسعودؓ سمجھتے تھے، سموہ: یہود نے نبی کریم ﷺ کو زہر دیا۔

ایک یہودی عورت نے نبی کریم ﷺ کو دسی کے گوشت میں زہر دیا

”خیبر“ فتح کرنے کے بعد چند روز تک حضور اقدس ﷺ نے خیبر ہی میں قیام فرمایا، اس دوران یہود نے مشورہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو زہر دیا جائے، اسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے اس حدیث میں زہر کی نسبت یہودی طرف کی، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث کو پتہ چلا کہ حضور اقدس ﷺ کو دسی کا گوشت پسند ہے، اس نے دعوت کا اہتمام کیا، جس میں اس نے دسی کے گوشت میں خوب زہر ملا دیا، نبی کریم ﷺ اور چند صحابہ کرام دعوت میں آئے تو اس عورت نے دسی کا گوشت نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھ دیا، نبی کریم ﷺ نے اس کا لقمہ چبایا، ابھی نگلا نہیں تھا یا تھوڑا سا نگل لیا تھا کہ پھر اسے تھوک دیا، مگر ساتھ میں بیٹھے دوسرے ایک صحابی حضرت بشر بن براہ نے لقمہ پورا نگل لیا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے، ساتھ ہی اس کی تصدیق میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آکر زہر کی اطلاع دے دی، آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ رک جاؤ، اسے مت کھاؤ، نبی کریم ﷺ نے زہر کے اثر کو ختم کرنے کے لیے اس وقت کندھے کے اوپر والے حصے میں جامہ کرایا، اس وقت تو اس زہر نے نقصان نہیں پہنچایا، مگر پھر ہر سال اس موسم میں اس کا اثر محسوس ہوتا تھا، وفات کے وقت بھی اس زہر کا شدید اثر تھا، اس

(۱) شرح الطیبی ۱۵۹/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی، جمع الواسائل فی شرح الشمائل مع شرح اللناوی ۲۶۲/۱

(۲) سنن ابی داؤد، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۳۷۸۱۔

لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں آپ ﷺ کو شہادت کے اعلیٰ مرتبہ سے بھی سرفراز فرمایا۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے زینب بنت حارث کو بلا کر سازش کا سبب دریافت کیا تو اعتراف جرم کے بعد اس نے

دوسبب بتائے۔

۱۔ زہر اس لیے ملایا تھا کہ میرا خیال تھا کہ آپ ﷺ اگر واقعی برحق نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مطلع کر دے گا اور آپ ﷺ کی اس سے حفاظت فرمائے گا، اور اگر آپ ﷺ سچے نبی نہیں ہیں، تو لوگوں کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی۔

۲۔ واقعی نے زہری کی سند سے روایت ذکر کی ہے، جس میں اس خاتون نے یہ بھی وجہ بتائی کہ: آپ ﷺ نے میرے باپ حارث کو، میرے چچا یسار کو، میرے شوہر سلام بن مشکم کو اور میرے بھائی زبیر کو قتل کیا، اس وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو زہر کھلانے کی کوشش کی۔

حضور اقدس ﷺ اپنی ذات کے لیے بھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے زینب سے کچھ نہیں کہا، اپنا حق آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا، اس خاتون نے آپ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن بعد میں جب اس زہر کے اثر سے حضرت بشر بن ہرام انتقال کر گئے، تو ان کے وارثوں نے قصاص کا مطالبہ کیا، تو پھر اس عورت کو بشر بن ہرام کے وارثوں کے حوالہ کر دیا گیا، انہوں نے زینب کو قصاص میں قتل کر دیا تھا۔ (۱)

عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: طَبَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِنْذَارًا، وَقَدْ كَانَ يَفْجِئُهُ الذَّرَاعُ، فَنَاقَوْهُ الذَّرَاعَ، ثُمَّ قَالَ: نَاقَوْ لَنِي الذَّرَاعَ، فَنَاقَوْهُ ثُمَّ قَالَ: نَاقَوْ لَنِي الذَّرَاعَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكُنْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ مَنَعْتُ لَنَاقَوْ لَنِي الذَّرَاعَ مَا دَعَوْتُ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے ہانڈی پکائی، نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پسند تھا، اس لیے میں نے نبی کریم ﷺ کو دسی کا گوشت پیش کیا، (اسے کھانے کے بعد) پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے دسی کا گوشت دو، میں نے آپ ﷺ کو (دوسری بار) دسی کا گوشت دے دیا، (اسے بھی آپ ﷺ نے تناول فرمایا) پھر فرمایا: مجھے دسی کا گوشت دے دو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بکری کی کتنی دستیاں ہوتی ہیں (مطلب یہ تھا کہ ایک بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو آپ ﷺ نے تناول فرمائی ہیں) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے: اگر تو خاموش رہتا تو میں جب تک تم سے دسی کا گوشت مانگا رہتا تو تم مجھے (اس دیکھی سے) دستیاں نکال کر دیتے رہتے۔

(۱) فتح الباری ۶/۲۳۳ کتاب المغازی، باب الشاة التي سميت للنبي ﷺ، يخيبر، رقم الحديث: ۴۲۲۹، جمع الوسائل في شرح الشائل مع شرح للناوي ۱/۲۲۳۔

(۲) الأحاد والثاني من ذكر أبي عبيد مولى رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۴۷۲۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قدز : (قاف کے نیچے زیر اور دال ساکن) ہانڈی، دیگی، بلاو لنی : (صیفہ امر) مجھے دے دو، کم للشاة من ذراع : ایک بکری کی کتنی دستیاں ہوتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک بکری کی دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو میں نے آپ ﷺ کو دے دی ہیں اور آپ ﷺ نے انہیں تناول فرمایا، مادعوت : جب تک میں تم سے مانگتا رہتا۔

دستی کے گوشت میں نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی، ہانڈی سے دونوں دستیاں نبی کریم ﷺ کو کھلا دیں، آپ ﷺ نے پھر ان سے تیسری مرتبہ دستی کا گوشت طلب فرمایا تو صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بکری میں دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو میں نے آپ ﷺ کو کھلا دی ہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے، آگے سے نہ بولتے، تو جب تک میں تم سے دستیاں مانگتا رہتا، تو تم دیگی سے دستیاں نکالتے رہتے، یعنی معجزہ کے طور پر ان میں اضافہ ہوتا رہتا، مگر تمہارے بولنے سے یہ برکت ختم ہو گئی۔

معجزہ کا ظہور پھر کیوں نہ ہوا؟ علماء نے اس کے دو سبب لکھے ہیں:

۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معجزات، کرامات اور اس قسم کے خرق عادت امور اس وقت پیش آتے ہیں، جب وہ نبی اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ پر اس وقت فناء کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، اس صحابی کے بولنے سے وہ مخصوص حالت ختم ہو گئی، اس لیے پھر اس معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔

۲۔ علامہ منادی فرماتے ہیں کہ معجزہ کا ظہور حقیقت میں اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک خاص انعام ہوتا ہے، اگر یہ صحابی پورے ادب اور اطاعت کے ساتھ دستی کا گوشت نبی کریم ﷺ کو دیتے رہتے، کوئی سوال اور اعتراض نہ کرتے تو یہ انعام جاری رہتا، مگر ان کے بولنے اور سوال کرنے کی وجہ سے انعام کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَتْ الذَّرَاعُ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنَ النَّخْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّهُ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَيْثًا، وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لِأَنَّهَا أَغْضَلُهَا نَضْجًا. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت (اس طرح) پسند نہیں تھا (کہ آپ ﷺ ہر وقت اسی کے کھانے کی فکر میں رہتے) بلکہ بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گوشت کبھی کبھی ملا کرتا تھا، اور نبی کریم ﷺ دستی کے گوشت کی طرف جلدی کرتے کیونکہ دستی کا گوشت (اپنی لطافت و زراکت کی وجہ سے) بہت جلد پک جاتا ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۲۶۵/۱

(۲) جامع الترمذی، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی آی اللحم كان أحب الی رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۱۸۳۸

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ أَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- غبا: (غبن کے نیچے زیر اور باکی تشدید کے ساتھ) کبھی کبھار، بعجل الیہا: (جیم پر زبر) ترجمہ: نبی کریم ﷺ دستی کے گوشت کی طرف جلدی کرتے۔ اعجلہا نصبا: تمام گوشتوں میں دستی کا گوشت جلدی پک جاتا ہے، نصبا: (نون پر زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں اور ضا ساکن) پکنا، تیار ہو جانا۔

نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند ہونے کی ایک وجہ

نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند ہونے کی مختلف وجہیں ہیں، جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ اس وہم کو دور کر رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا دستی کے گوشت کو پسند فرمانا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ دنیا کی لذتوں میں رغبت رکھتے تھے، اور آپ ﷺ کا دل ہر وقت گویا اسی طرف متوجہ رہتا، کیونکہ یہ تو نبی کی شان کے ہرگز مناسب نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گوشت کبھی کبھار آتا، جس کی وجہ سے اسے کھانے کا طبیعت میں شوق پیدا ہو جاتا تھا، پسندیدہ ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ لذیذ ہوتا بلکہ آپ ﷺ کو دستی کا گوشت اس وجہ سے بھی پسند تھا کہ وہ جلدی پک جاتا ہے، جسے کھا کر آدمی جلدی سے فارغ ہو کر ذکر و فکر اور اللہ جل شانہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ (۲)

شمائل کی مذکورہ دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پیٹھ کے گوشت کو بہترین گوشت قرار دیا ہے، یہ حدیث دستی گوشت والی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں طرح کے گوشتوں کے پسندیدہ ہونے کی وجہیں مختلف ہیں، پیٹھ کا گوشت اس لیے بہترین ہے کہ وہ طاقتور، صاف ستم اور چکنا ہوتا ہے، اور دستی گوشت کے پسندیدہ اور عمدہ ہونے کی وجہیں پہلے گزر چکی ہیں، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ دو چیزیں مختلف وجوہات کی بناء پر پسندیدہ اور عمدہ ہوں، اس لیے دونوں روایات میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے۔ (۳)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَغْمُ الْإِذَامُ الْغُلَّ. (۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱) سنن ابن ماجہ، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۲۳۰۸۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۶۷، الکوکب الدری ۲/۲۸۳، ابواب الاطعمۃ، باب ما جاء فی اللحم

کان احب الی رسول اللہ ﷺ۔ اللواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۹۰)

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۶۷، خصائل نبوی علی الشمائل (ص: ۱۸۱)

(۴) سنن الترمذی، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۴۱۔

عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَعِنْدَكَ شَيْءٌ؟ فَقُلْتُ: لَا، إِلَّا خُبْزًا يَابَسَ وَخُلًّا، فَقَالَ: هَانِيٍّ، مَا أَفْقَرُ بَيْتٍ مِنْ أَدَمَ لِيَوْمِهِ خُلًّا. (۱)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ (صبح مکہ کے دن) نبی کریم ﷺ میرے ہاں (گھر میں) تشریف لائے، اور پوچھا کہ: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: اور تو کچھ نہیں مگر سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے اور سرکہ موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، جس میں سرکہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خبز یابس: خشک روٹی، سوکھی روٹی کے ٹکڑے، ہانی: (میدہ امر) لے آؤ، جیسے قرآن میں ہے: ہاتوا ہرہانکم یہ اسم فعل نہیں، اگر یہ اسم فعل ہوتا تو ہانی کے آخر میں ”یا“ نہ ہوتی، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم فعل ہے، ما افقر: خالی نہیں، ادم: ادام کی جمع ہے: سالن اور کبھی ادم کا لفظ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کا دال ساکن ہوگا۔ (۲)

نبی کریم ﷺ نے خشک روٹی اور سرکہ تناول فرمایا

حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صبح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، اور فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: اور تو کچھ نہیں مگر خشک روٹی کے ٹکڑے اور سرکہ ہے، سنن بیہقی میں ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ام ہانی نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! سوکھی روٹی ہے، جسے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہی لے آؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے روٹی کے خشک ٹکڑے سرکہ سے بھگو کر تناول فرمائے، اور فرمایا کہ: ام ہانی جس گھر میں سرکہ ہو، وہ سالن سے خالی نہیں، کیونکہ سرکہ ایک بہترین سالن ہے۔ (۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ام ہانی نے اس انداز سے کیوں جواب دیا، انہیں اس موقع پر یوں جواب دینا چاہیے تھا: بَلَى عِنْدِي خُبْزٌ وَخُلٌّ (ہاں کیوں نہیں، میرے پاس روٹی اور سرکہ موجود ہے) اس انداز سے جواب نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟ شارحین حدیث نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت ام ہانی نے آپ ﷺ کی عظمت شان کی وجہ سے یہ جواب دینا مناسب نہ سمجھا، انہیں اچھا نہ لگا کہ اس قدر محترم و مکرم اور معزز مہمان کی خدمت میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ پیش کیا جائے، مگر آپ ﷺ سمجھ گئے کہ محض ادب کی وجہ سے ام ہانی اس انداز سے جواب نہیں دے رہیں اور ان چیزوں کو گویا معمولی سمجھ رہی ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہی میرے پاس لے آؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ ٹکڑے سرکہ کے ساتھ تناول

(۱) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحدیث: ۱۸۴۲۔

(۲) فتح الباری ۶/۹، کتاب الاطعمہ، باب الأدم، رقم الحدیث: ۵۴۳۰۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی ۱/۵، باب فی للطاعم والمشارب، زیت الزيتون والخل، رقم الحدیث: ۵۹۴۵، ط: بیروت

فرمائے اور فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو، وہ سالن سے خالی نہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور اکرم ﷺ کی کس قدر سادہ زندگی تھی، آپ ﷺ کی نظر میں کھانا پینا صرف ضرورت اور مجبوری کا درجہ رکھتا تھا، ضرورت کے وقت جو چیز جیسے میسر آتی، اسے آپ ﷺ تناول فرمالیتے، کیونکہ آپ ﷺ نے کھانے کو زندگی کا مقصد نہیں بنایا تھا، زندگی کا مقصد دین کی نشر و اشاعت، ذکر و فکر اور انسانیت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام سے روشناس کرانا تھا، اس لیے آپ ﷺ روکھی سوکھی پر گزارہ کر کے اپنے مقدس مشن میں مشغول رہا کرتے، یہ آپ ﷺ کی عجز و انکساری اور تواضع کا عظیم شاہکار ہے۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ❖ سرکہ ہو یا کھانے کی اور کوئی چیز، اسے معمولی اور عمارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔
- ❖ ضرورت کے وقت بے تکلف دوست، پڑوسی یا رشتہ دار سے کھانے کی چیز مانگی جاسکتی ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ہانی سے کھانے کی چیز طلب کی تھی۔ (۱)

ما اقفر بیت... کی ترکیب نحوی مع اشکال و جواب

ما اقفر بیت من ادم، فیہ خل کی ترکیب نحوی یہ ہے: ”ما“ برائے نفی، ”اقفر“ فعل، ”بیت“ موصوف ”من ادم“ جار مجرور ما اقفر سے متعلق ہے، ”فیہ“ خبر مقدم اور ”خل“ مبتدا مؤخر ہے، یہ جملہ ہو کر بیت کی صفت بنے گا، موصوف صفت مل کر ”اقفر“ کا فاعل، فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

اس ترکیب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ موصوف یعنی ”بیت“ اور صفت یعنی ”فیہ خل“ کے درمیان اجنبی یعنی من ادم کا فصل ہے، موصوف صفت کے درمیان اجنبی کا فصل نحوی قواعد کی رو سے درست نہیں ہے؟ اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ بعض نے یہ کہا کہ ”بیت“ موصوف ہے ”من البیوت“ مخذوف ہے جو ”بیت“ کی صفت ہے، پھر یہ موصوف صفت مل کر ذوالحال ہوا، اور ”فیہ خل“ اس سے حال ہے اور ذوالحال حال کے درمیان فصل جائز ہوتا ہے۔

۲۔ شرح المفتاح میں ہے کہ موصوف صفت کے درمیان فصل جائز ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصوف صفت کی ترکیب درست ہے، اور ”من ادم“ بظاہر موصوف صفت کے درمیان فاصل تو ہے لیکن یہ اجنبی نہیں ہے، کیونکہ ”اقفر“ فعل ان تمام پر عمل کر رہا ہے، اس اعتبار سے ان میں ربط، اتصال اور قرب

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۲۷۷، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۲۲، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۲/۲۸۸، اللوہب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدیۃ (ص: ۲۹۳)

پایا جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ الْأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ. (۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر فضیلت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں دو امور کا بیان ہے:

✽ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت ہے، گوشت یا کسی بھی سالن کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے جاتے ہیں، پھر اسے اچھی طرح بھگو کر کھایا جاتا ہے، اس کے کھانے میں وقت بھی زیادہ نہیں لگتا، اور اسے کھانا آسان ہوتا ہے، اور جلدی ہضم بھی ہوتا ہے۔

✽ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کو دوسری خواتین پر یوں فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

فضل عائشہ علی النساء سے کیا مراد ہے؟ اس میں چار قول ہیں:

- ۱۔ علی النساء میں نساء سے دنیا کی عورتیں مراد ہیں، معنی یہ ہیں کہ حضرت عائشہ کو پوری دنیا کی خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔
- ۲۔ اہل جنت کی عورتوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔
- ۳۔ حضرت عائشہؓ اپنے زمانے کی خواتین پر فائق ہیں۔
- ۴۔ اس امت کی عورتوں سے افضل ہیں۔

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۲۷۸، کتاب الاطعمة، رقم الحديث: ۴۲۲۲، شرح الطیبی ۱/۱۶۲، کتاب الاطعمة الفصل الثانی، جمع

الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۱/۲۶۸

(۲) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحديث: ۱۸۲۵۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۸۸۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف احادیث میں پانچ خواتین حضرت عائشہؓ، حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت آسیہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ان مذکورہ خواتین میں سے کس کو زیادہ فضیلت حاصل ہے، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کا شرف و فضل، ان کے اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے، پوری دنیا کی عورتوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔

لیکن یہ نقطہ نظر ان روایات پر صادق نہیں آتا، جن میں خیر النساء اہل الجنة کہا گیا ہے، کہ اہل جنت کی عورتوں سے بہتر ہیں، کیونکہ یہ فضیلت عام ہے، اس میں کسی خاص زمانے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کی خاص شرف و فضل کے اعتبار سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہے، چنانچہ:

✽ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی شرف علمی کمال اور دینی بصیرت ہے، جو علمی مقام ان کو حاصل تھا، وہ نہ حضرت خدیجہ کو حاصل تھا اور نہ ہی حضرت فاطمہ کو حاصل ہوا، بیسیوں روایات ان سے منقول ہیں، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے، آپ کو مقام محبوبیت حاصل تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ حضور اکرم ﷺ پر اس وقت وحی نازل ہوئی، جب آپ ﷺ حضرت عائشہ کے بستر پر تشریف فرما تھے اور کئی بار جبرائیلؑ نے ان کو سلام کیا۔

✽ حضرت خدیجہ اس اعتبار سے دیگر تمام عورتوں پر فائق ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی پہلی بیوی اور آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، مشکل، انتہائی کٹھن اور دشوار حالات میں آپ ﷺ کو حوصلہ اور سہارا دیا، جان و مال اور ہر ممکن طریقے سے آپ ﷺ کا تعاون اور دفاع کیا، اور آپ ﷺ کو خوش رکھنے کی ہر طرح سے کوشش کی۔

✽ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کا جگر گوشہ اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں، اگرچہ بعض روایات میں حضرت مریم اور دیگر عورتوں کا بھی ذکر ہے کہ وہ بھی جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی، لیکن زیادہ تر روایات میں حضرت فاطمہ کا ہی ذکر ہے، حضرت فاطمہ آپ ﷺ کی تمام صاحبزادیوں میں سب سے افضل ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرا لخت جگر ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے گویا مجھے ناراض کیا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہیں۔

✽ حضرت مریم علیہ السلام کا یہ خاص اعزاز ہے کہ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت، کسی انسان کے چھوٹے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر و بغیر پیدا کیا، انہیں مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لیے قبول کیا، ان کے کمرے میں بے موسیقی پھر ان کی کرامت کی وجہ سے موجود ہوتے، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں، صحیح حدیث میں ہے کہ پیدائش کے وقت ہر بچہ کو شیطان چھوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں کو شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا، یہ ان کی دیگر عورتوں کے مقابلے میں نمایاں خصوصیات اور فضائل ہیں۔

حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کا یہ اغزاز ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے ظالم کی بیوی ہونے کے باوجود راجح اختیار کیا، اور پھر اس پر ہر طرح کی آزمائش برداشت کر کے ثابت قدم رہیں، ناز و محنت اور خوشحال زندگی کے مقابلے میں حق کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں، یہاں تک کہ بڑے اطمینان کے ساتھ شہداء کے زمرے میں داخل ہو گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق جب فرعون کے دربار میں لایا گیا تو حضرت آسیہ نے فرعون کو رائے دی کہ اس بچے کو قتل نہ کریں بلکہ ہمیں اس کی پرورش کرنی چاہیے، اور کہا کہ: ”قرۃ عین لی ولک“ ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے، فرعون نے کہا: لک، لا، لی، یہ بچہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہوگا، یہ بات حضرت آسیہ کے فہم و فراست کی دلیل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر خاتون کو کچھ نہ کچھ خاص امتیاز اور خصوصیات حاصل ہیں جو دیگر عورتوں کو حاصل نہیں، لہذا اگر کسی حدیث میں ان میں سے کسی ایک خاتون کی کسی فضیلت کا بیان ہو تو اس سے دوسری خواتین کی فضیلت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، بس موقع اور محل کے اعتبار سے کسی ایک خاتون کی فضیلت کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْحَّاهُ مِنْ أَكْلِ ثَوْرٍ أَقْطَ، ثُمَّ رَأَاهُ أَكَلَ مِنْ كَيْفِ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پنیر کا ٹکڑا کھائے کے بعد وضو کرتے ہوئے دیکھا، پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ثور: بکڑا، أقط: (ہمزے پر زبر اور قاف کے نیچے زیر) پنیر، کف: (کاف پر زبر اور تائے نیچے زیر) شانہ، کندھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا اور شانہ کا گوشت سالن کے طور پر کھایا

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا اور بکری کا شانہ سالن کے طور پر تناول فرمایا، اسی وجہ سے امام ترمذی نے اس باب کے

(۱) تفسیر عثمانی سورہ آل عمران آیت نمبر: ۳۵، سورۃ قصص آیت نمبر: ۹، فتح الباری ۵۵۲/۶، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله: و ضرب الله مثلا للذين آمنوا امرأة فرعون، ۱۳۱/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب فاطمة، باب مناقب عائشة، تکملة فتح للہم ۱۲۰/۵، کتاب الفضائل باب فضائل خدیجہ، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۶۹/۱

(۲) سنن الترمذی، الطہارۃ، رقم الحدیث: ۷۹۔

تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابتداء اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس وقت پنیر کھانے کے بعد وضو فرمایا، یہ اس زمانے کا واقعہ ہو جس میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا، یا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے کسی اور وجہ سے وضو فرمایا ہو، مثلاً آپ ﷺ کا وضو کسی اور وجہ سے ٹوٹ گیا ہو یا وضو کے باوجود حصول ثواب کے لیے وضو فرما رہے ہوں، یا یہ کہ اس سے شرعی وضو مراد نہیں، بلکہ اس سے وضو لغوی یعنی صرف کلی کرنا مراد ہے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے انداز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا، اس لیے پنیر کھانے کے بعد آپ ﷺ نے وضو فرمایا، بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا، اس لیے پھر آپ ﷺ نے بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں فرمایا۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَوَّلَ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَفِيَّةَ بَشْعِرٍ وَمِنْ يَدَيْهِ (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ کا ولیمہ کھجور اور ستوتو سے فرمایا تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور بنی نصیر کے سردار حیی بن اخطب کی صاحبزادی ہیں، پہلے ان کا نکاح سلام بن مشکم نامی ایک یہودی سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے عقد نکاح میں آئیں، جب خیبر کا قلعہ قوی فتح ہوا تو حضرت صفیہ بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر آئیں، کنانہ کو بد عہدی کی وجہ سے غزوہ خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا، حضرت صفیہ کی ان دونوں شوہروں سے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت وحیدہ کلبی نے آ کر حضور اکرم ﷺ سے ایک باندی طلب کی، تو آپ ﷺ نے حضرت صفیہ ان کے حوالہ کر دی، لیکن صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت صفیہ سردار کی بیٹی ہیں، اور حسن و جمال کے اعتبار سے بھی ممتاز ہیں، اس لیے آپ ﷺ ان کو اپنے پاس رکھیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت وحیدہ کو ان کے بدلے میں سات باندیاں دیں اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

خیبر سے واپسی پر مقام صہباء پر آپ ﷺ پہنچے تو حضرت صفیہ ایام سے پاک ہو گئیں، اس مقام پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری اور تین دن وہاں قیام فرمایا، سادہ سا ولیمہ کیا، چڑوے کا دسترخوان بچھا کر کھجور، پنیر اور گھی سے بنا ہوا ”حیس“ نامی حلوا صحابہ کو کھلایا۔

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ نے فتح خیبر سے قبل خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں آ گیا۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۸۱

(۲) سنن الترمذی، النکاح، رقم الحدیث: ۱۰۹۵۔

ہے، جب یہ خواب اپنے شوہر کنانہ سے یا اپنی ماں یا والد صاحب کو سنایا تو اس پر انہیں طمانچہ مارا گیا، اور یہ کہا کہ تم مدینہ کے بادشاہ یعنی نبی کریم ﷺ کی تمنا کرتی ہو، اس طمانچہ کا نشان حضرت صفیہ کے چہرے پر تھا، نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس نشان سے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہ قصہ سنایا۔

نبی کریم ﷺ جب مرض الوفا میں مبتلی تھے، تو تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہوئیں، حضرت صفیہ نے آپ ﷺ کی تکلیف دیکھ کر کہا: وَاللّٰہِ یَا بُنَّیَّ اللّٰہُ لَوَدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ بِکَیْ (اے اللہ کے نبی! بخدا میں چاہتی ہوں کہ جو تکلیف آپ ﷺ کو ہے، یہ مجھے ہوتی) اس جملے پر باقی ازواج نے ان کی طرف گھور کر دیکھا، یہ منظر دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰہِ اِنَّهَا الصّٰدِقَةُ (اللہ کی قسم: واقعی یہ سچ کہہ رہی ہے) نبی کریم ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ انہوں نے کسی تصنع کی وجہ سے نہیں کہا بلکہ سچ کہا اور دل سے کہا ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۰ ہجری یا ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ (۱)

عَنْ سَلْمَى، أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَالْبَنَ عُبَّاسَ، وَالْبَنَ جَعْفَرَ أَتَوْهَا فَقَالُوا لَهَا: اصْنَعِي لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يَفْعَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ أَكْلَهُ. فَقَالَتْ: يَا بُنَّیَّ لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ قَالَ: بَلَى اصْنَعِيهِ لَنَا. قَالَ: فَقَامَتْ فَأَخَذَتْ مِنْ شَعِيرٍ فَطَحَنَتْهُ، ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِي قَدْرٍ، وَصَبَّتْ عَلَيْهِ خَبِيثًا مِنْ زَيْتٍ وَذَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْهِمْ، فَقَالَتْ: هَذَا مِمَّا كَانَ يَفْعَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ أَكْلَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت حسن بن علی، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن جعفر ان کے پاس تشریف لائے، انہوں نے حضرت سلمیٰ سے عرض کیا: ہمارے لیے ایسا کھانا بنا دیجئے، جو کھانا رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا اور آپ ﷺ اس کھانے کو رغبت سے کھاتے تھے، سلمیٰ نے کہا: میرے پیارے بچو! اب تم اس کھانے کو پسند نہیں کرو گے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور پسند آئے گا) آپ اس کو ہمارے لیے ضرور بنا دیجئے، فرماتے ہیں: پھر وہ انھیں، انہوں نے کچھ جو لیے، اور ان کو پیسا، پھر ان کو ایک ہانڈی میں ڈالا، اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا، اور انہوں نے مرغ اور مسالے پیسے (اور ہانڈی میں ڈالے) اور پھر اس کھانے کو ان حضرات کے قریب کر دیا، اور فرمایا: یہ کھانا ان کھانوں میں سے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا اور آپ ﷺ اس کو رغبت سے کھاتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - اصنعی لنا: ہمارے لیے بنا دیجئے، کان یعجب: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے: - یہ باب افعال سے مضارع معلوم کا صیغہ ہو، تعجب کی ضمیر ”ہو“ طعام کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ”رسول اللہ“ کا لفظ مفعول ہے: ترجمہ: وہ رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا۔ ۲۔ یہ مجرد سے باب مع سے ہو، ”رسول اللہ“ اس کا فاعل ہوگا اور صلہ کی ضمیر مفعول محذوف ہوگی، ترجمہ یہ ہوگا:

وہ کھانا جو رسول اللہ ﷺ کو اچھا لگتا تھا، پسند تھا، بیحسن اکلہ: فعل میں ضمیر قائل ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ”اکلہ“ مفعول بہ ہے: وہ کھانا جسے کھانے کی آپ ﷺ کو رغبت ہوتی، آپ ﷺ اس کو کھانا پسند کرتے۔ یا بنی: اے میرے پیارے بچے، عبارت کے اسلوب کے لحاظ سے حضرت سلمیٰ کو جمع کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا، مگر شفقت کی وجہ سے تصغیر کا لفظ استعمال کیا، اس نداء سے فرداً فرداً ہر شخص مراد ہے، یا ان تین حضرات میں سے جو شکم تھا، اسے خطاب کرتے ہوئے مفرد کا لفظ انہوں نے استعمال کیا ہے، لاشتبہ یہ ہم اس کھانے کو پسند نہیں کرو گے، یہاں بھی ایک سے خطاب ہے، جو ان میں سے شکم تھا، یا یہ کہ ان تینوں کو ایک شخص کے درجہ میں رکھا گیا، کیونکہ تینوں کا مطالبہ ایک ہی تھا، اس لیے حضرت سلمیٰ نے مفرد کا صیغہ استعمال کیا، طحنتہ: حضرت سلمیٰ نے جو کو پیسا، صنت علیہ: اس آٹے پر ڈالا، دقت: اس نے پیسا، الفلفل: (دلوں فام پر پیش اور پہلا لام ساکن) مرچ، التوابل: تابل کی جمع ہے: مسالے، فقر بہ: حضرت سلمیٰ نے اس کھانے کو قریب کیا۔

حضرت سلمیٰ سے نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا بنانے کی درخواست

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے نبی کریم ﷺ کی خادمہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے اسی طرح کا کھانا بنائیں، جس طرح آپ حضور ﷺ کے لیے کھانا بناتی تھیں، اور جو رسول اللہ ﷺ کو مرغوب اور پسند تھا، انہوں نے فرمایا کہ پیارے بچو وہ تو فقر و فاقہ اور تنگدستی کا زمانہ تھا، اس وقت کا کھانا اب تم کھانا پسند نہیں کرو گے، انہوں نے اصرار کیا تو پھر انہوں نے اس طرح کا کھانا بنایا کہ تھوڑے سے جو پیسے، اس کا آٹا ایک ہانڈی میں ڈالا، اس آٹے پر تھوڑا سا زیتون کا تیل، اور کچھ مرچ مسالے ڈالے، اور آگ پر پکا کر ان کے سامنے پیش کر دیا، اور فرمایا کہ یہ کھانا ان کھانوں میں سے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا اور آپ ﷺ اسے رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر تنگدستی کے بعد خوشحالی آجائے، معاشی تنگی کے بعد وسعت و کشادگی ہو جائے تو عمدہ اور لذیذ کھانے میں کوئی حرج نہیں، تاکہ اس سے انسان کی صحت درست رہے، اور اللہ جل شانہ کی خوب عبادت اور دین کی خدمت کی جاسکے۔ (۱)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی بیوی اور نبی کریم ﷺ کی آزاد کردہ ہیں، حضرت ابراہیم بن محمد رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے وقت حضرت سلمیٰ ان کی خدمتگار اور دایہ تھیں، نبی کریم ﷺ کا کھانا پکانا کھانے اور شب و روز خدمت

کرتی تھیں، ان کو صفیہ بنت عبد المطلب کی آزادہ کردہ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سہلی رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابو رافعؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھے بہت مارا ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو رافعؓ سے پوچھا تو انہوں نے وجہ بتائی کہ سہلی رضی اللہ عنہا مجھے ایذا پہنچاتی ہیں، آپ ﷺ نے حضرت سہلیؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی، یہ بغیر وضو کے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہوا نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس پر انہوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا، نبی کریم ﷺ مسکرانے لگے اور حضرت ابو رافعؓ سے فرمایا کہ: یا ابنا زافع، لم تأمروک الا بخیر ابو رافع اسلی تمہیں اچھی بات ہی کہہ رہی تھیں۔ (۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَلَدَّ بِخَالِدِ شَاةٍ، فَقَالَ: كَاتِبُهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نَحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، تو ہم نے آپ ﷺ کے لیے بکری ذبح کی، حضور ﷺ نے (ان کے دل کو خوش کرنے کے لیے) فرمایا: گویا کہ ان کو معلوم ہے کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں، اور حدیث میں ایک واقعہ ہے۔

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی دعوت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں مذکورہ حدیث مختصر اذکر کی ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا تفصیلی واقعہ ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کا بھی ظہور ہوا ہے، چنانچہ کتب حدیث میں غزوہ خندق کے بیان میں یہ واقعہ منقول ہے۔ اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر میں نے حضور اقدس ﷺ پر بھوک کا شدید اثر محسوس کیا، گھر میں جا کر پوچھا کہ کھانے کا کچھ ہے؟ اہلیہ نے بتایا کہ ایک بکری کا بچہ ہے اور تھیلے میں تھوڑے سے جو ہیں، میں نے بکری کے بچہ کو ذبح کیا، اور بیوی نے جو پیس کر آتا گوندھا، گوشت ہانڈی میں پکنے کے لیے آگ پر رکھ کر میں نے حضور اقدس ﷺ سے چپکے سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تھوڑا سا کھانا موجود ہے، آپ ﷺ اور کچھ دوست تشریف لے چلیں، حضور اقدس ﷺ یہ سن کر خوش ہو گئے اور تمام اہل خندق کو جو تقریباً ایک ہزار آدمی تھے، اعلان فرما دیا کہ جابر کے ہاں سب کی دعوت ہے، لہذا سب چلو، اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں گھر میں نہ پہنچ جاؤں، ہانڈی کو چولہے سے مت اتارنا اور نہ ہی روٹی پکانا، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے تو آٹے اور دہی پر دم کیا، جس کی وجہ سے اتنی برکت ہوئی کہ اس دہی سے برابر سالن نکلتا رہا اور آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں، حضرت جابر فرماتے ہیں: خدا کی قسم! ایک ہزار آدمی

کھانے سے فارغ ہو گئے اور سالن دیکھی میں جوں کاتوں جوش مارتا رہا، اور آٹا بھی بچ گیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت جابر کی بیوی سے مخاطب ہو کر فرمایا: کُلْ مِنْ هَذِهِ وَ أَفْهَدِي فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمُ الْحَاجَةُ يَهْ كَمَا تَمَّ خُودُ بِي كَمَا ذَا وَ اُورِ پُڑوس میں بھی لوگوں کو ہدیہ بھیج دو، کیونکہ لوگوں کو بھوک لاحق ہے۔ (۱)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

اس سے نبی کریم ﷺ کا یہ معجزہ ثابت ہوتا ہے کہ تھوڑا سا کھانا ایک ہزار سے زیادہ بندوں کے لیے کافی ہو گیا، اس طرح کھانا زیادہ ہونے کے معجزات بے شمار وعدہ پیش آئے ہیں۔

اپنے استاذ اور رہنما کی دعوت کرنا مسنون ہے۔

اگر ممکن ہو سکے تو میزبان کو اس طرح کا کھانا بنانا چاہیے جو مہمان کو پسند ہو۔

نبی کریم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ جابر اور اس کے اہل خانہ کو گویا معلوم تھا کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم ﷺ گوشت کو ہر چیز سے زیادہ پسند کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے یہ حضرت جابر اور ان کے اہل خانہ کی طیب خاطر اور ان کو خوش کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ (۲)

اتانا النبی ﷺ فی منزلنا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر دعوت کا یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے، جیسا کہ صحیحین میں تفصیل سے منقول ہے، مگر اس پر شمائل کی اس حدیث کے لحاظ سے اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد کے بعد بکری کو ذبح کیا گیا ہے، جبکہ بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے بکری کو پہلے ذبح کیا اور پھر حضور اکرم ﷺ کو کھانے کے لیے گھر پر بلایا، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے چار جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ ملا علی قاری نے ایک تاویل یہ کی ہے کہ شمائل کی اس حدیث میں اتانا سے اُردا ان یا تینا مراد ہے کہ آپ ﷺ نے آنے کا ارادہ کیا تو ہم نے مہمانی کے لیے بکری ذبح کی۔

۲۔ یا یہ کہ حضرت جابر نے ایک بکری کو پہلے ذبح کی تھی، اور دوسری بکری کو حضور اقدس ﷺ کی آمد کے بعد ذبح کیا۔

۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی ضرورت کے لیے پہلے حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے پھر آپ ﷺ واپس آ گئے، اس کے بعد حضرت جابر پھر اپنے گھر لوٹ گئے اور کھانے کا اہتمام کیا۔

۴۔ منادی فرماتے ہیں کہ شمائل کی اس حدیث میں غزوہ خندق کے علاوہ کسی اور دعوت کا ذکر ہے، جس میں آپ ﷺ کی آمد کے بعد بکری کو ذبح کیا گیا ہے، جبکہ خندق کے واقعہ میں نبی کریم ﷺ کے جانے سے پہلے حضرت جابر نے بکری کو ذبح کر دیا

(۱) الصحيح للبخاری کتاب المغازی، باب غزوة الخندق، رقم الحديث: ۲۱۰۲۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۴۱، للزواہب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۹۹)

تھا، اس لیے یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔

ان توجیہات کو سامنے رکھا جائے تو پھر یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَلَذِبْحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا، وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ زُطْبٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَتْهُ بِغَلَّالَةٍ مِنْ غَلَّالَةِ الشَّاءِ، فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ (گھر سے) نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے، اس خاتون نے حضور اکرم ﷺ کے لیے بکری ذبح کی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا، پھر وہ خاتون تازہ کھجوروں کی ایک بڑے نبی کریم ﷺ کے پاس لائیں، حضور اقدس ﷺ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر آپ ﷺ نے ظہر کے لیے وضو کیا اور نماز ادا کی، پھر (نماز کے بعد) آپ ﷺ واپس تشریف لائے، تو اس خاتون نے بکری کا باقی ماندہ گوشت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قناع: (قاف کے چنے زیر) بڑی پلیٹ، بڑے اور طباق جس پر کھانا ڈال کر کھایا جاتا ہے، اور یہ اس زمانے میں کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی تھی، زطب: (را پر پیش، طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، الغلالہ: (عین پر پیش) ہر چیز کا بقیہ حصہ، وہ چیز جس سے دل بہلایا جائے، اتہ بعلالہ: وہ خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بکری کا باقی ماندہ گوشت لائیں۔

ایک انصاری خاتون نے نبی کریم ﷺ کے لیے بکری ذبح کی

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس انصاری خاتون کا نام عمرہ بنت حزام یا حزم ہے۔ (۳)
- ۲۔ انصاری خاتون نے نبی کریم ﷺ کی ضیافت کے لیے بکری کو کسی اور سے یا خود ہی ذبح کیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت بھی جانور ذبح کر سکتی ہے، جبکہ وہ ذبح کو درست طریقے سے کرنے پر قادر ہو۔
- ۳۔ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری نہیں ہے، یہاں ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا وضو نہ ہو، اس لیے آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا۔

(۱) جمع الرسائل فی شرح الشانل مع شرح للناوی ۲/۴۵۱

(۲) سنن الترمذی، الطہارۃ رقم الحدیث: ۸۰۔

(۳) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، کتاب النساء ۲۳۴/۸، حرف العین، رقم الترجمة: ۱۱۵۰۰

۴۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے ہاتی کا مہر بکری کا گوشت تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک دن میں دو مرتبہ گوشت کھایا جاسکتا ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا شَبِعَ مِنْ لَحْمٍ فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ (آپ ﷺ نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا) جبکہ مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دن میں دو مرتبہ گوشت تناول فرمایا ہے؟ اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

✽ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے لحاظ سے یہ بات کی ہے، علی الاطلاق نہیں فرمایا۔

✽ حضرت عائشہ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عموماً ایسا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دن میں دو مرتبہ گوشت نہیں کھایا، لیکن کبھی کھایا بھی ہے۔

✽ حضرت عائشہ نے ”شیخ“ یعنی سیراب ہونے کی نفی کی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے سیراب ہو کر دن میں دو مرتبہ گوشت نہیں کھایا، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ دن میں دو مرتبہ آپ ﷺ نے گوشت کھایا ہو مگر سیر ہو کر نہ کھایا ہو، اس لیے شامل کی مذکورہ حدیث اور حضرت عائشہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ اپنے بعض صحابہ کے ساتھ اس انصاری خاتون کے ہاں تشریف لے گئے، پردے میں رہ کر یہ کھانا وہاں کھایا گیا اور پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وغیرہ ہر قسم کی تقریبات میں ایک مسلمان کو غیر محرم خواتین کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہیے۔ (۱)

عَنْ أُمِّ الْمُؤَذَّرِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ، وَلَنَا ذَوَالِ مُعَلَّقَةٍ، قَالَتْ: فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مَدِّ يَدَا عَلِيٍّ، فَإِنَّكَ نَاقِدٌ، قَالَتْ: فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالتَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ لَهُمْ سَلْفًا وَشَعِيرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مِنْ هَذَا فَأَصِيبُ فَإِنْ هَذَا أَوْ لَقِيَ لَكَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ام منذر کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے، اور حضرت علیؑ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، ہمارے پاس کچی کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں سے کھجور کھانی شروع فرمادی، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؑ بھی کھانے لگے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: علیؑ! تم رک جاؤ (یعنی کھجور مت کھاؤ) کیونکہ تم (بیاری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہو، اس لیے) کمزور ہو، فرماتی ہیں کہ حضرت علیؑ بیٹھ گئے، اور نبی کریم ﷺ تناول فرماتے رہے، ام منذر کہتی ہیں کہ پھر میں نے ان کے لیے چقندر اور جو بنائے، تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تم اس میں سے لے لو (یعنی کھاؤ) کیونکہ یہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۶۱، الواهب اللدنی علی الشمائل للحمیدیہ (ص: ۳۰۰)

(۲) سنن أبی داود، الطب برقم الحدیث: ۳۸۵۵۔

تمہارے لیے زیادہ موافق ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- دوال: دالۃ کی جمع ہے، کچی کھجور کے خوشے، جنہیں پکانے کے لیے گھر میں لٹکا دیا جائے، معلقہ: لٹکائے ہوئے، مہ: (میم پر زبر اور ہاساکن) اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: رک جاؤ، ناقہ: یہ باب مع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے: وہ ضعف اور کمزوری جو بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد ہوتی ہے یعنی تم کمزور ہو، سلقا: (سین کے نیچے زیر اور لام ساکن) چتھر، ایک قسم کی سبزی جس کے پتے لمبے اور جڑ گہری ہوتی ہے، اسے پکا کر کھایا جاتا ہے، اس سے جوش بھی بنتا ہے، اور سلااد کے طور پر بھی اسے کھایا جاتا ہے، فأصب: (ہمزے پر زبر اور صاد کے نیچے زیر کے ساتھ) اصابة سے صیغہ امر ہے: تم لے لو، أوفی: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ موافق، زیادہ مناسب۔

حضرت ام المندر رضی اللہ عنہا

حضرت ام المندر کا نام: سلمیٰ بنت قیس انصاریہ بخاریہ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی طرف سے خالہ ہیں، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں کی طرف رخ کر کے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، بیعت کے موقع پر دیگر خواتین کے ساتھ ان کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اپنے شوہر کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا“ اس کا مطلب انہوں نے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر لے کر کسی اور کو دہیہ کر دو تو یہ شوہر کے ساتھ غش اور دھوکہ ہے، اس سے خاص طور پر اجتناب کرنا۔ (۱)

بیماری میں مضراشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو یا بیماری سے صحت کے بعد طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہو تو اسے ایسی تمام اشیاء سے پرہیز کرنا چاہیے، جو اس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہیں، پرہیز نہ کرنا خلاف سنت عمل ہے، لہذا اسے ایسی چیز کھانی چاہیے، جو صحت کے لیے فائدہ مند ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں حضرت علیؓ کو نیم پختہ کھجور کھانے سے اس لیے منع کیا تھا کہ یہ ذرا ثقیل اور طاقتور ہوتی ہے، کمزور و معده اسے آسانی سے ہضم نہیں کر پاتا، اور حضرت علیؓ ابھی ابھی بیماری سے شفا یاب ہوئے تھے، ان کی طبیعت میں ابھی کافی ضعف اور کمزوری تھی، اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے یہ کھجوریں کھالیں تو کہیں دوبارہ بیمار نہ ہو جائیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا، کیونکہ اصل چیز پرہیز ہے، پرہیز کے بغیر انسان کسی بیماری سے نجات نہیں پاسکتا، چنانچہ عرب کا ایک مشہور طبیب حارث بن کلدہ کا یہ جملہ مشہور ہے: الْجَفْنَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ، وَالْمَعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَعَوِّذُوا كُلَّ جَسَدٍ مَّا اعْتَادَ (پرہیز اصل دوا ہے، معده بیماری کا گھر اور مرکز ہے، لہذا ہر جسم کو اس چیز کا ہی عادی بناؤ جس کا وہ

عادی ہو یعنی جو اس کے لیے مناسب اور موافق ہو) اور جب ام منذر نے چقدر اور جو تیار کر دیے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے کا حکم دیا کہ یہ چیز تم کھاؤ، یہ خفیف اور ہلکی غذا ہے، یہ تمہارے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

بیماری میں پرہیز کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت: "وان کستم مرضی او علی سفر..." سے بھی ہوتا ہے، کہ اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو، بیماری میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا سفر میں مثلاً پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے یہ آسانی اس لیے دی ہے، تاکہ انسان اپنی صحت کا خیال رکھے اور ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے، جو صحت کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے، (۱)

البتہ بیماری کے دوران اگر مریض کھانے پینے کی کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر دے، جو اس کے لیے اس وقت درست نہیں، تو بھی اس کا مطالبہ پورا کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا: گندم کی روٹی کھانا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مطالبہ پورا کرو، جب مریض کوئی چیز مانگے تو اسے کھلا دیا کرو، طبی لحاظ سے بھی اس وقت مریض کا مطالبہ پورا کرنا مفید ہوتا ہے، زیادہ نہیں تو اسے تھوڑی سی وہ چیز کھلا دی جائے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے۔

فَجَلَسَ عَلَيَّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، حضرت علی بیٹھ گئے، تازہ کھجور نہیں کھائی، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ہی اس گچھے سے رطب کھجور تناول فرمانے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانا بھی جائز ہے اگرچہ افضل اور مسنون طریقہ بیٹھ کر کھانا ہی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا۔

فَجَعَلَتْ لَهُمْ سَلَاقًا وَشَعِيرًا، اس میں "ہم" سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ "ہم" ضمیر سے مافوق الواحد مراد ہے، یعنی ایک سے زیادہ، معنی یہ ہیں: میں نے ان مہمانوں کے لیے چقدر اور جو بنائے، اس صورت میں "ہم" ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مراد ہیں۔

✽ بعض کہتے ہیں کہ ان دو حضرات کے ساتھ کوئی تیسرا شخص بھی تھا، اس لیے "ہم" ضمیر استعمال کی گئی ہے، تاہم اس ضمیر سے مراد حضرت علی ہی ہیں کیونکہ وہی بیمار تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رطب کھانے سے منع کیا تھا۔

بعض نسخوں میں "لہ" ضمیر مفرد ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل اور متبوع ہیں، اگرچہ یہ کھانا، حضرت علی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ (۲)

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کمزوری کی وجہ سے رطب کھجور کھانے سے منع فرمایا، اور بعد میں انہیں چقدر اور جو کے آنے کا ایک طیدہ تیار کر کے کھانے کو دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز کے لیے اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، اور جب انہیں بیماری میں پرہیز کا کہا جاتا ہے تو

(۱) بذل الجہود ۱۶/۱۰۰، کتاب الطب، باب فی الحمیة، رقم الحدیث: ۳۸۵۶

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح النواوی ۲/۲۸۸، المواہب اللدنیة علی الشرائع المجدیة (ص: ۳۰۲)

کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا، اللہ مالک ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل شانہ ہی ہر چیز کے خالق و مالک ہیں، مگر اسی اللہ نے اسباب اختیار کرنے اور بیماری میں پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے لوگوں کی یہ بات درست نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي فَيَقُولُ: أَعِنْدَكَ غَدَاءٌ؟ فَأَقُولُ: لَا. قَالَتْ: فَيَقُولُ: إِنِّي ضَائِمٌ. قَالَتْ: فَأَتَانِي يَوْمَئِذٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ أَهْدَيْتَ لَنَا هَدِيَّةً قَالَ: وَمَا هِيَ؟ قُلْتُ: حَيْضٌ قَالَ: أَمَا إِنِّي أَصْبَحْتُ ضَائِعًا، قَالَتْ: لَمْ أَكُلْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (کبھی صبح کے وقت) میرے پاس تشریف لاتے تو دریافت فرماتے: کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ میں عرض کرتی کہ نہیں، تو آپ ﷺ فرماتے: پھر تو میں روزے کا ارادہ کر لیتا ہوں، فرماتی ہیں: ایک دن نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ہمارے لیے کچھ ہدیہ آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: حیس کھانا آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے صبح سے روزے کا ارادہ کر رکھا تھا، فرماتی ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے (روزہ توڑ کر) اس میں سے کھایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: - غداء: ناشتہ، دوپہر کا کھانا، کھانا، اُحدیت: (صیغہ مجہول) ہدیہ دیا گیا، حیس: (حام پر زبر اور یا ساکن) ذہ کھانا جو کھجور، گھی اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے، اور کبھی پنیر کی جگہ آٹا یا ردی کے ذرے اس میں شامل کیے جاتے ہیں، ایک عربی شاعر کہتا ہے: وَإِذَا تَكُونُ كَرِيحَةٍ اذْغَى لَهَا، وَإِذَا يَحَاشُ الْحَيْضُ يَدْغَى جَنْدَبٌ (یعنی جب مصیبت اور لڑائی کا وقت آتا ہے تو مجھے بلایا جاتا ہے، اور جب حیس تیار کیا جائے تو اس کے لیے جندب کو بلایا جاتا ہے) یہ اس شخص کے بارے میں ضرب المثل ہے، جسے مصیبت میں یا داد و خوشحالی میں فراموش کر دیا جاتا ہے۔

نفلی روزے کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں

اس حدیث کی روشنی میں چند مسائل ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

بہتر یہی ہے کہ نفل روزے کی نیت رات سے کی جائے، اور صبح کے وقت بھی آدمی دن سے پہلے تک نیت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزے کے منافی نہ کیا ہو، چنانچہ مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہؓ نے صبح کے وقت جب آپ ﷺ کو بتایا کہ کھانے کا کچھ نہیں تو پھر آپ ﷺ نے اس وقت نفل روزے کی نیت کر لی۔

یہ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، جبکہ امام مالک کا موقف یہ ہے کہ نفل روزے کی نیت بھی رات سے کرنا ضروری ہے، اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ نفل روزے کی بھی رات سے ہی نیت کی جائے، البتہ اگر کسی وجہ سے رات سے نیت نہ کی ہو تو اس حدیث کی رو سے دوپہر سے پہلے بھی نیت کی جاسکتی ہے۔

نفل روزہ یا نفل نماز شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ، اپنے اعمال کو باطل مت کرو، لہذا شرعی عذر کے بغیر اسے توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث کے دوسرے جزء سے چونکہ نفل روزے کا توڑنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کھانا تناول فرمایا کہ نفل روزے کو توڑ دیا، اس لیے دونوں باتوں پر یوں عمل کیا جائے گا کہ نفل روزہ رکھنے کے بعد اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو اس حدیث کی رو سے روزے کو توڑنے کی گنجائش ہے، اور ضرورت کے بغیر توڑنا جائز نہیں۔

اگر کسی وجہ سے نفل روزہ توڑ دیا جائے تو احتیاف کے نزدیک بعد میں کسی وقت اس کی قضا کرنا ضروری ہے، چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے نفل روزہ توڑ کر کھانا کھالیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: أَفَضَيْتُمَا اخْرَجْتُمَا (تم دونوں اس روزے کی جگہ ایک دن کی قضا کر لینا) اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزہ توڑ دیا جائے تو بعد میں اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

أَنَا أَنِي أَضْبَحْتُ صَائِمًا (میں نے روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا، البتہ صرف ارادہ تھا کہ میں آج روزہ رکھ لوں گا۔ (۱)

عَنْ يُونُسَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً وَقَالَ: هَذِهِ إِذَا مَ هَذِهِ هُوَ أَكَل. (۲)

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر ایک کھجور رکھی اور پھر فرمایا: یہ کھجور اس ٹکڑے کا سالن ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: بـ کسرة: (کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن) ٹکڑا، وضع علیہا: اس ٹکڑے پر رکھا، ہذہ ادام ہذہ: ہذہ: ای ہذہ التمرة ادام ہذہ الکسرة، یہ کھجور اس ٹکڑے کا سالن ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو سالن کے طور پر بھی استعمال فرمایا

اس حدیث سے متعلق تین باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کے علاوہ اور کوئی سالن کی چیز اس وقت موجود نہیں تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو ہی جو کی روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایسی چیز سے بھی روٹی کھائی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشماثل مع شرح للناوی ۲۸۰/۱، اللواہب اللدنیۃ علی الشماثل للحمیدی (ص: ۳۰۳)

(۲) سنن ابی داؤد، الأیمان والنذور، رقم الحدیث: ۳۲۵۹۔

جاسکتی ہے، جو چیز سالن کے طور پر متعارف نہ ہو، نیز اس سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ دنیا کی زندگی میں کھانے پینے کو مقصد حیات قرار نہ دیا جائے، بھوک کے وقت کھانے کی جو چیز جس طرح بھی دستیاب ہو جائے، اسے کھا لینا چاہیے، اس سے اعراض کرنا یا اس پر نقطہ چینی کرنا نبی کریم ﷺ کا طریقہ نہیں ہے۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں ادا م یعنی سالن نہیں کھاؤں گا، پھر وہ کھجور یا ایسی چیز سے روٹی کھالے، جو عرف میں سالن نہ ہو، تو اس سے احتاف کے نزدیک اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، وہ حائث نہیں ہوگا، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کر کے یہ فرماتے ہیں کہ یہ بندہ حائث ہو جائے گا، حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ”کھجور“ کو مجازاً سالن کہا گیا ہے، چونکہ کھجور حقیقت میں عرف عام میں سالن شمار نہیں ہوتی، اس لیے وہ حائث نہیں ہوگا، لہذا قسم کے بعد وہ شخص ایسی چیز کھانے سے حائث ہوگا، جسے عرف عام میں سالن شمار کیا جاتا ہے۔ (۱)

۳۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو کی روٹی کے ساتھ کھجور کو تناول فرمایا، جو کی تاثیر ٹھنڈی جبکہ کھجور کا اثر گرم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ غذائی اشیاء میں ان کی تاثیر کا لحاظ کیا کرتے تھے، دو ایسی چیزوں کو ملا کر نہ کھاتے جو دونوں ہی تاثیر میں گرم یا ٹھنڈی ہوتیں، یا دونوں ہی قبض کرنے والی یا پیٹ کو جاری کرنے والی ہوتیں، آج ہمارے معاشرے میں طرح طرح کی جان لیوا بیماریاں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، اس کی ایک سب سے بڑی وجہ کھانے میں بے احتیاطی ہے، ہر طرح کی غذا کو ہر وقت بڑے شوق سے کھالیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس غذا کی تاثیر کیا ہے، اس سے خون میں مزید حدت اور حرارت پیدا ہوتی ہے یا حد سے زیادہ اس میں ٹھنڈک کے اثرات ہیں، اسی وجہ سے آج بلڈ پریشر اور شوگر کی بیماریاں بہت عام ہو گئی ہیں، اپنی صحت کو درست رکھنا، اس کو مضر اشیاء سے بچا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے غذائی اشیاء میں ہر قدم پر احتیاط کی جائے تاکہ حتی الامکان بیماری سے حفاظت اور امن رہے۔ (۲)

حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہم

اس حدیث کے راوی حضرت یوسف نے بچپن میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے، اس لیے امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں، اور یہی قول صحیح ہے، پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس ان کو لایا گیا، آپ ﷺ نے انہیں اپنی گود میں بٹھایا اور ان کا نام یوسف رکھا، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، یہ حضرت عبد اللہ بن سلام کے بیٹے ہیں، حضرت یوسف بن یعقوب کے سلسلہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۲۸۱/۱۔ بذل الجہود ۸۷/۱۶، کتاب الأطعمة، باب فی التمر، رقم

الحدیث: ۳۸۳۰۔

(۲) زاد المعاد ۲۲۳/۴، فصل فی ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حفظ الصحة، ۲۸۸/۴، فصل فی ذکر شیء من الادویۃ والاغذیۃ،

للاواب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدیۃ (ص: ۳۰۵)

نسب میں سے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تین احادیث روایت کی ہیں، خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْجِئَةُ الثَّقَلِ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: يَغْنِي مَا بَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی، پلیٹ اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا پسند تھا۔

امام ترمذی کے شیخ عبداللہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ثقل سے مراد ہے: ما بقی من الطعام یعنی کھانے سے بچی ہوئی چیز، باقی ماندہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی اور پلیٹ میں بچا ہوا کھانا پسند تھا

ثقل: (ثناء پر پیش اور قاسا کن) تلچھٹ، پھوک، یہاں حدیث میں اس لفظ سے ہانڈی، پلیٹ اور پیالہ میں بچا ہوا کھانا مراد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت پسند تھا، صاحب نہایت کے نزدیک ثقل سے مراد ہے، مگر اکثر حضرات نے اس حدیث میں پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، اس حدیث سے دو فوائد ثابت ہوتے ہیں:

اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہانڈی اور پلیٹ میں جو کھانا بچ جاتا، اسے بڑے شوق سے تناول فرمایا کرتے۔ (۲)

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ کھانے کے برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہیے، تھوڑا سا اس میں بچا دینا ہمارے معاشرے کی ایک قبیح رسم ہے، اسے ترک کرنا چاہیے، یہ طریقہ سراسر سنت کے خلاف ہے، یہ بچا ہوا کھانا عموماً پھر کوئی بھی نہیں کھاتا، یوں وہ ضائع ہو جاتا ہے، اس طرح کرنے میں اللہ جل شانہ کی بہت سی نعمتوں کا ضیاع ہو جاتا ہے، اس لیے سنت کے مطابق اس برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہیے، یہی طریقہ ایک مسلمان کے لیے باعث برکت اور نجات کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الطَّعَامِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقَرَّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامَ فَقَالُوا: أَلَا نَأْكِبُكَ

(۱) الاصابة ۵۳۳/۶، البیاض بعدھا الواو رقم الترجمة ۹۳۹۶، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۲۸۰/۱

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۲۸۱/۱، الواهب اللبنیة علی الشیائل المحمدیة (ص: ۳۰۶)

بَوْضُوءٌ؟ قَالَ: إِنَّمَا أَمُزْتُ بِالْبَوْضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضور اقدس ﷺ بیت الخلاء سے نکلے تو آپ ﷺ کو کھانا پیش کیا گیا، تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا: کیا ہم آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی نہ لائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تو وضو کرنے کا حکم (وجوبی طور پر) اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز (پڑھنے) کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کروں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأَتَى بِطَعَامٍ، فَقِيلَ لَهُ: أَلَا تَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ: أَصَلِّيْتُ فَأَتَوَضَّأُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قضاء حاجت کی جگہ سے تشریف لائے، آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ وضو نہیں کریں گے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا (اس وقت) میں نے نماز پڑھنی ہے کہ میں وضو کروں؟

مشکل الفاظ کے معنی :- الا نأبیک بوضوء: اس میں ”وضوء“ واو پر زبر کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں: وضو کا پانی، الوضوء: (واو پر پیش کے ساتھ) اس سے شرعی وضو مراد ہے جو نماز سے پہلے کیا جاتا ہے، الغائط: اس کے اصل معنی ”بشی جگہ“ کے ہیں، جہاں جا کر انسان چھپ کر قضاء حاجت کرتا ہے، پھر یہ لفظ قضاء حاجت کی جگہ اور قضاء حاجت کے معنی میں استعمال ہونے لگا، یہاں حدیث میں اس سے ”قضاء حاجت کی جگہ“ کے معنی مراد ہیں، اصلی فأتو وضاً: اس میں ہمزہ استفہام محذوف ہے: کیا میں نے اس وقت نماز پڑھنی ہے کہ میں وضو کروں، کیونکہ وضو تو نماز کے لیے ضروری ہوتا ہے، کھانے کے لیے نہیں۔

کھانے سے پہلے وضو کرنا یا ہاتھ منہ دھونا ضروری نہیں

حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے لیے ہم وضو کا پانی لائیں؟ ان کے سوال کے انداز سے آپ ﷺ سمجھ گئے کہ ان کی نظر میں کھانے سے پہلے شرعی وضو یعنی نماز والا وضو ضروری ہے، چنانچہ ایک روایت میں منقول ہے کہ وہ اسے ضروری سمجھتے تھے، ان کے اس عقیدے کو ختم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے بڑے تاکید والی الفاظ کے ساتھ انہیں جواب دیا کہ مجھے وضو کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا ہے، جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کروں، شروع میں خاص طور پر نبی کریم ﷺ کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جب یہ حکم آپ ﷺ پر مشکل ہوا تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مسواک کرنے کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا، اس

(۱) سنن ابی داؤد، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۳۷۶۰۔

(۲) سنن الترمذی، الاطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۴۸۔

سے معلوم ہوا کہ انسان پر وضو کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، حدیث میں صرف نماز کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے کیونکہ اس کا وقوع زیادہ ہے، ورنہ دیگر کئی موقعوں پر بھی شرعی وضو کرنا واجب ہوتا ہے، مثلاً بیت اللہ کا طواف کرنا، قرآن مجید کو چھونا اور سجدہ تلاوت کرنا۔

اس جواب سے کھانے سے پہلے وضو کے وجوب کی نفی کرنا مقصود ہے، ورنہ اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے ثواب کی خاطر پورا وضو کر لے یا صرف ہاتھ منہ دھو لے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں، وہ ایسا کر سکتا ہے۔

حدیث میں وضو سے نماز والا وضو مراد ہے جسے ”شرعی وضو“ کہا جاتا ہے۔ (۱)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہؓ کے سوال کا منشا شرعی وضو نہ ہو بلکہ اس سے صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہو، اور کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا چونکہ سنن اور آداب میں سے ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے پیش نظر اس کو ترک فرمایا، اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ کھانے سے پہلے کا وضو، جس کا تم لوگ مجھ سے سوال کر رہے ہو، یہ شرعی وضو ضروری نہیں ہے، لہذا اگر میں اسے ترک کر دوں تو کوئی حرج نہیں، البتہ وضو اس وقت لازم ہوتا ہے، جب انسان نماز پڑھنے کا، یا ایسا کام کرنے کا ارادہ کرے، جو وضو کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ (۲)

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ: إِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ، فَلَمْ تَزَلْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ. (۳)

ترجمہ: حضرت سلمان قاریؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے (اسلام قبول کرنے سے پہلے) تورات میں پڑھا ہے کہ وہ کھانا بابرکت ہوتا ہے جس کے بعد وضو کیا جائے، پھر (اسلام قبول کرنے کے بعد) میں نے (ایک دن) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا، اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سارا کچھ بتایا، جو میں نے تورات میں پڑھا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کھانے سے پہلے اور بعد دونوں میں وضو ہو، وہ کھانا بابرکت والا ہوتا ہے۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا باعث برکت ہے

حضرت سلمان قاریؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دن عرض کیا کہ میں نے اسلام

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۱۸۸، کتاب الاطعمة، الفصل الثانی رقم الحدیث: ۴۲۰۹، جمع الوسائل فی شرح الشماہل مع شرح للناوی

۲۸۲/۱

(۲) الکوکب الدری ۲۵۴/۳، ابواب الاطعمة، باب فی ترک الوضوء قبل الطعام۔

(۳) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۷، سنن أبی داؤد، الاطعمة، رقم الحدیث: ۳۷۶۱۔

قبول کرنے سے پہلے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے میں برکت کا ذریعہ اس کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں موقع پر وضو کرنا برکت کا ذریعہ ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تورات میں تحریف کی طرف اشارہ ہو کہ اصل حکم تورات میں بھی یہی تھا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں موقع پر وضو کرنا چاہیے، لیکن بعد میں لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تحریف کر ڈالی اور صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کو برقرار رکھا۔

۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کو برقرار رکھا کہ اس میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا اضافہ کیا ہو، کھانے کے احترام اور تعظیم کی وجہ سے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے سببہ حکم کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں دو باتیں پیش نظر رہیں:

✽ اس حدیث میں ”وضو“ سے ”وضو شرعی“ یعنی وہ وضو اور نہیں جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے، جسے اصطلاح میں ”وضو لغوی“ کہا جاتا ہے۔

✽ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بڑی سختی سے تورات کا مطالعہ کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث حضرت سلمان کی اس حدیث کے معارض نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حضرت سلمان نے اسلام قبول کرنے سے پہلے تورات پڑھنے کا ذکر کیا ہے، اسلام کے بعد تورات پڑھنے کا اس میں ذکر نہیں۔

بعض حضرات نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس کے بعد کھانا زیادہ خوشگوار اور پر لطف ہوتا ہے، کیونکہ ہاتھوں میں کام وغیرہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گرد و غبار اور میل چکھل ضرور جمع ہو جاتی ہے، اور معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ میں بھی تعفن اور بد بوی پیدا ہو جاتی ہے، جو کلی کرنے سے زائل ہو جاتی ہے، اس لیے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بہر حال باعث نفاست ہے اور کھانے کے بعد اس لیے ہاتھ دھونے چاہئیں کہ عموماً ہاتھوں میں کچھ چکنائی رہ جاتی ہے، جس سے بسا اوقات بد بو پیدا ہو جاتی ہے، اور بعض دفعہ اس پر کیڑے آ جاتے ہیں، جو ایذا و رسائی کا سبب بنتے ہیں، امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے: جو شخص رات کو اس حالت میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی اور بو ہو اور پھر اس کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے (مثلاً کسی کیڑے نے کاٹ دیا) تو وہ بس اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ (۱)

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعده: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے کھانے میں برکت کے یہ معنی ہیں کہ اس کھانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ اور زیادتی ہو جاتی ہے، تھوڑا کھانا بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے یا

اس سے آدمی جلدی میراب ہو جاتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے برکت حاصل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کے ثمرات اور فوائد بڑھ جاتے ہیں، اس سے طبیعت میں سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، عبادات، اخلاق حسنہ اور نیک اعمال میں تقویت کا ذریعہ بنتا ہے۔

فذكرت ذلك.... واخبرته... ان دو جملوں سے یا تو ایک ہی مفہوم مراد ہے، اس صورت میں ان کے درمیان عطف تفسیری ہوگا، یا ان دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، اس تشریح کے لحاظ سے ”ذکر“ کے معنی ہوں گے: مسألت اور أخبرته میں ”وا“ حالیہ ہے، اور یہ جملہ حالیہ ہوگا، معنی یہ ہوں گے: میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا کھانے میں برکت کا ذریعہ ہے، اس حال میں کہ میں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں نے (اسلام سے پہلے) تورات میں ایسا ہی پڑھا تھا (کیا یہ صحیح ہے؟) تو پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ (۱)

علامہ منادی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے میں بچوں کے ہاتھ پہلے دھوئے جائیں، کیونکہ بچوں کے ہاتھ زیادہ گندے ہوتے ہیں، اس کے بعد بڑے حضرات ہاتھ دھویں، مگر کھانے کے بعد ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے بڑوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے، اس کے بعد بچے ہاتھ دھویں، اور میزبان کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ سب لوگوں سے پہلے دھولے اور کھانے کے بعد سب سے آخر میں وہ دھوئے۔ (۲)

کھانے کے بعد ہاتھ تولیہ سے صاف کرنا

سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے جب ہاتھ دھوئے جائیں تو انہیں تولیہ یا کسی بھی چیز سے پونچھنا نہ جائے، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے انگلیوں کو چاٹ لیا جائے، اس کے بعد ہاتھ دھو کر تولیہ وغیرہ سے صاف کر لیے جائیں، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنے ہاتھ تولیہ وغیرہ سے صاف نہ کرے، یہاں تک کہ انہیں چاٹ لے، پھر انہیں صاف کر لے۔ (۳)

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۱۷۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۰۸، شرح الطیبی ۱۵۷/۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۴/۱۔

(۲) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۳۰۹)۔

(۳) فتح الباری ۷/۲۰۹، کتاب الاطعمۃ، باب لعق الاصابع ومصہا قبل أن یمسح بالمدیل، رقم الحدیث: ۵۳۵۶۔

بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنْهُ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں ان کلمات اور اذکار کا ذکر ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے پہلے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَرَّبَ إِلَيْنَا طَعَامًا كَانَ أَكْثَرُ بَرَكَةٍ مِنْهُ، أَوْ لَمْ نَأْكُلْهُ، وَلَا أَقَلَّ بَرَكَةٍ فِيهِ، فَخَرَجَ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ هَذَا؟ قَالَ: إِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللَّهِ جِئْنَا أَكَلْنَا، ثُمَّ قَعَدْنَا مِنْ أَكَلٍ وَلَمْ نَسْمَعْ اللَّهَ تَعَالَى، فَأَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ.

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا، (کھانے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ) میں نے اس کھانے کی ابتداء میں جو بہت زیادہ برکت دیکھی، جب ہم نے کھانا شروع کیا تھا، ایسی برکت میں نے کسی اور کھانے میں نہیں دیکھی، اور اس کھانے کے آخر میں جو میں نے بے برکتی دیکھی، ایسی بے برکتی بھی کسی اور کھانے میں نہیں دیکھی، ہم نے (حیرت سے) عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کیسے ہو گیا (کہ شروع میں اس قدر برکت اور آخرت میں اسی قدر بے برکتی، آخر اس کا سبب کیا ہے؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درحقیقت کھانے کے شروع میں ہم نے اللہ کا نام لیا تھا، (جس کی وجہ سے وہ بابرکت ہو گیا تھا) لیکن بعد میں (دستر خوان پر) ایک ایسا شخص آکر بیٹھ گیا، جس نے کھانا تو کھایا مگر اس نے اللہ کا نام نہیں لیا، لہذا اس کے ساتھ شیطان نے بھی کھانا کھایا (یوں کھانے کے آخر میں بے برکتی پیدا ہو گئی)

کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ایک دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے، ہم نے اس میں بہت برکت دیکھی، ایسی برکت کسی اور کھانے میں ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی، مگر کھانے کے آخر میں کھانے میں بہت زیادہ بے برکتی ہو گئی، اس پر ہمیں بہت تعجب ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ ہم نے دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ بعد میں دسترخوان پر کھانے میں ایک ایسا آدمی شریک ہو گیا تھا، جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی، اس کے ساتھ شیطان بھی کھانے لگا، جس کی وجہ سے کھانے کے آخر میں بے برکتی پیدا ہو گئی۔

اس حدیث سے درج ذیل چند آداب ثابت ہوتے ہیں:

کھانے اور پینے سے پہلے اللہ کا نام لینا سنت ہے، اس موقع پر صرف ”بسم اللہ“ پڑھنے سے بھی یہ سنت ادا ہو جاتی ہے، لیکن کمال کا درجہ اور افضل یہ ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پوری پڑھنی چاہیے، اور بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنی چاہیے تاکہ اردوں کو

بھی یاد آجائے۔

✽ اگر کوئی شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے ”لا الہ الا اللہ“ یا ”الحمد للہ“ یا ”سبحان اللہ“ یا ”اشھد ان لا الہ الا اللہ“ پڑھ لے تو اس سے بھی سنت پر عمل ہو جائے گا۔

✽ دسترخوان پر جب کھانے والے سب حضرات موجود ہوں، تو اگر ایک بندہ بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے، تو یہ سب کی طرف سے کافی شمار ہوگی، ہر آدمی الگ الگ نہ بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں، لیکن جو شخص بعد میں کھانے میں شامل ہو تو اسے مستقل طور پر بسم اللہ پڑھنی چاہیے، ورنہ اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہو جائے گی، مذکورہ حدیث میں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کھانے میں شامل ہوا، مگر اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہو گئی، حالانکہ کھانے کی ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب حاضرین نے بسم اللہ پڑھی تھی، اس کے باوجود اس میں بے برکتی ہو گئی اور شیطان بھی اس میں شریک ہو گیا، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کھانے پینے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا اور اللہ جل شانہ کا نام لینا کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس لیے پورے اہتمام اور یاد دہانی سے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

✽ اگر انسان کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنیٰ مراد ہیں کہ شیطان حقیقۃً اس میں شامل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے۔

✽ اگر آدمی بے وضو اور ناپاکی کی حالت میں ہو یا عورت حیض و نفاس کے ایام میں ہو، یہ سب لوگ بھی کھانے سے پہلے ذکر کی نیت سے بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

✽ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا کھانا پینا شریعت کی رو سے مکروہ یا حرام ہے، ان کے کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھے گا تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا۔

ثم قعد من اكل ولم يسم الله تعالى، اس کو مطلب یہ ہے کہ بعد میں کھانے میں شامل ہونے والا شخص ابتداء میں بسم اللہ کے وقت موجود نہیں تھا، اور پھر اس نے خود بھی بسم اللہ نہیں پڑھی، بعض شارحین نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ یہ شخص اس وقت دسترخوان پر آیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، مگر علامہ میرک فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ مفہوم ظاہر حدیث کے خلاف ہے، ثم قعد میں لفظ ”ثم“ سے آنے میں تاخیر تو ثابت ہو رہی ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے والے حضرات کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کھانے کا ذکر کیا کہ جس کی ابتداء میں بہت زیادہ برکت تھی اور آخر میں اسی قدر بے برکتی آگئی تھی، اس لیے یہ کہنا کہ یہ بندہ اس وقت آیا جب پہلے والے حضرات کھانے سے فارغ ہو گئے تھے، درست نہیں ہے۔ (۱)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا نام خالد بن زید انصاری خزرجی ہے، ابوایوب ان کی کنیت ہے، اس کنیت سے آپ زیادہ مشہور ہیں، نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انصار نے قرعہ ڈالا، قرعہ حضرت ابوایوب انصاری کے حق میں نکلا، نیز نبی کریم ﷺ کی اڈنی بھی وہیں جا کر رکی، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری کے ہاں قیام فرمایا پھر آپ ﷺ نے اپنا مکان بنالیا تھا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں پیش پیش رہے، خوارج کے مسئلہ میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، قسطنطنیہ کی لڑائی میں حضرت ابوایوب انصاری، یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے، وہاں یہ بیمار ہو گئے، بیمار پرسی کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر میں مرجاؤں اور تم لوگ دشمن کے خلاف صفیں بنارہے ہو تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے زمین پر دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ان کی قبر آج بھی موجود ہے، لوگ وہاں بکثرت حاضر ہوتے رہتے ہیں، ان کی وفات ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلْتَ أَوْ شَرِبْتَ، فَتَنَسَّيْ أَنْ يَذْكُرَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى طَعَامِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے لگے اور (شروع میں) اپنے کھانے پر اللہ کا نام لیتا بھول جائے (اور کھانے کے درمیان یاد آئے) تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ (میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، کھانے کے شروع میں بھی اور آخر میں بھی یعنی تمام حالات میں)

کھانے کے درمیان میں بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھنے کا حکم

اگر کوئی شخص کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان یا آخر میں جب یاد آ جائے تو یہ کلمات پڑھے: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ میں کھانے کے شروع اور آخر میں اللہ کا نام لے کر کھاتا ہوں، ان کلمات میں اول اور آخر کا ذکر ہے، وسط یعنی درمیان کا نہیں، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

”اول و آخر“ کے الفاظ سے ”عموم“ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ میں کھانے کے تمام اوقات میں اللہ کا نام لیتا ہوں، جیسے

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۱۹۹/۲، حرف الخاء، رقم الترجمة: ۲۱۶۸

(۲) سنن ابی داؤد، الاطبعة، رقم الحديث: ۳۷۶۷

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا الْكُوفَةُ وَعَشِيَّةً اہل جنت کے لیے صبح و شام رزق ہوگا تو کیا درمیان کے حصے میں رزق نہیں دیا جائے گا؟ اس سے محاورے کے لحاظ سے عموم مراد ہے، یعنی تمام اوقات میں ان کے لیے رزق ہوگا، اسی طرح یہاں بھی اوّل و آخر سے عموم احوال مراد ہے۔

بعض نے یہ توجہ نہ کی ہے کہ ان کلمات میں "اولاً" سے نصف اول اور "آخرہ" سے نصف ثانی مراد ہے، اس صورت میں "وسط" کی کوئی بات بھی نہیں ہوگی، اس میں تمام احوال شامل ہو گئے ہیں۔

"بسم اللہ" پڑھ کر جب کھانا شروع کیا جائے تو اس میں شیطان شریک نہیں ہوتا، اس کھانے میں اللہ کی طرف سے برکت نازل ہوتی ہے، ایسی صورت میں چھوڑا کھانا بھی بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اور اگر بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کیا جائے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے، اور اس کھانے میں برکت نازل نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ فَقَالَ: اذْنُ يَا بَنِي، فَسَمَّ اللَّهُ تَعَالَى، وَكُلَّ بِبَيْمِينِكَ، وَكُلَّ بِمَآئِلِيكَ. (۲)

ترجمہ: حضرت عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آپ ﷺ کے سامنے کھانا لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! قریب ہو جاؤ، اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اذن: دنیا بدو سے صیغہ امر، تم قریب ہو جاؤ، یا بنی: ابن کی تصغیر، اے میرے چھوٹے بیٹے، بسم اللہ: تسمیہ سے صیغہ امر ہے، تم اللہ کا نام لو، بسم اللہ پڑھو، مائیلک: اس کھانے سے جو تمہارے قریب ہو۔

دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانے کا حکم

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے پہلا حکم حضرت عمرو بن سلمہ کو یہ دیا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھا کرو، اس کی تفصیل پچھلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۲۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے، کیونکہ بعض روایات میں بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعیدیں آئی ہیں، مثلاً:

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۲۸۷/۱، للواهب اللدنی علی الشائل للمحمدیہ (ص: ۳۱۲)

(۲) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحدیث: ۱۸۵۸۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا، جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے (تکبر کی وجہ سے) کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، وہ شخص تکبر کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے نہیں کھا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے بھی طاقت نہ ہو، اس کا اثر تھا کہ ساری زندگی وہ شخص اپنا دایاں ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھا سکا۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص بائیں ہاتھ سے کھائے تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھاتا ہے۔

طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک دن سیدہ اسمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تو اس کے لیے بدو عافرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بعد میں طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئیں۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم سنت اور استحباب کے طور پر ہے، حضرات شافعیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، چنانچہ امام غزالی اور امام نووی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ وعید کی مذکورہ روایات کے بارے میں جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ زجر اور تنبیہ پر محمول ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کی یہ سنت اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، لیکن اگر عذر کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے کھانا ممکن نہ ہو مثلاً دائیں ہاتھ میں زخم وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں بائیں ہاتھ سے کھایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی کراہت بھی نہ ہوگی، آج ہمارے معاشرے میں بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا عام سارواج بن جا رہا ہے، اس لیے اس طریقے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کو اپنے سامنے اور قریب سے کھایا جائے، پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر نہ گھمایا جائے، جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم مستحب ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کھانا ایک ہی قسم کا ہو، اور اگر دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے اور ڈشیں ہوں تو بغیر کسی کراہت کے ہاتھ ادھر ادھر بڑھایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

(۱) عمدة القاری ۲۸/۲۱، کتاب الاطعمة، باب التسمية على الطعام والاكل باليمين، فتح الباری ۲۵۱/۹، مرقاة المفاتیح ۸۳/۸ ابواب الاطعمة، الفصل الاول، رقم الحديث: ۳۱۵۹، شرح مسلم للنووی ۱۷۱/۲، کتاب الاطعمة، باب اداب الطعام والشراب، تکملة فتح الملهم ۶/۲، کتاب الاطعمة، باب اداب الطعام والشراب، رقم الحديث: ۵۲۲۷۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۳۸۵۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ: تمام تعریفیں اس اللہ جل شانہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا، اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطْيَبًا مُبَارَكًا لِيهِ غَيْرُ مَوْدَعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ رَبَّنَا (۱)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطْيَبًا مُبَارَكًا لِيهِ غَيْرُ مَوْدَعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ رَبَّنَا (تمام تعریف اللہ جل شانہ کے لیے خاص ہے، ایسی تعریف جو بہت ہی زیادہ ہو، پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو، اس تعریف (یا طعام) کو نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے، اور نہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے اے ہمارے پروردگار (ہمارے شکر کو قبول فرمائیے)

مشکل الفاظ کے معنی: - أطعمنا: اللہ جل شانہ نے ہمیں کھلایا، المائدة: دسترخوان، ہر وہ چیز جس پر کھانا رکھ کر کھایا جائے، کھانا، حمدا کثیرا: بہت زیادہ تعریف جس کی کوئی انتہاء نہ ہو، طیباً: ایسی تعریف جو نام و نمود اور ریاکاری سے پاک ہو، اور ہر ایسے وصف سے پاک ہو، جو اللہ جل شانہ کی شان کے مناسب نہ ہو، مبارک لہ: (صیغہ اسم مفعول) فیہ کی ضمیر ”حمد“ کی طرف لوٹ رہی ہے: اس تعریف میں برکت دی گئی ہو، غیر مودع: لفظ ”مودع“ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ۱۔ تو دلچ سے اسم مفعول کا صیغہ ہو، اس کا تلفظ یہی رائج ہے، اس کی ”مو“ ضمیر کے مرجع میں تین قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۲۔ یہ ضمیر ”حمد“ کی طرف راجع ہے۔ ۳۔ یہ ضمیر لفظ ”طعام“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اللہ جل شانہ کو یا اس کی حمد و ثناء کو یا اس کھانے کو چھوڑا نہیں جاسکتا، ۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ ”مودع“ فال کی زیر یعنی اسم فاعل کا صیغہ ہو اور قائل سے حال ہو، ترجمہ: اس حال میں کہ میں اللہ تعالیٰ یا اس کی تعریف یا کھانے کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، ولا مستعنى عنه: استغناء سے صیغہ اسم مفعول ہے، عنہ کی ضمیر میں بھی وہی تین احتمال ہیں کہ یہ لفظ اللہ یا حمد یا طعام کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اور نہ تو اللہ تعالیٰ یا اس کی تعریف یا کھانے سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ اس لفظ کو صیغہ اسم فاعل کے طور پر نہیں پڑھا جاسکتا۔ (۲)

کھانے کے بعد کی دو مستنون دعائیں

یوں تو مختلف احادیث میں کھانے کے بعد مختلف الفاظ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں، مگر شمال کی مذکورہ احادیث میں کھانے کے بعد کی صرف دو دعائیں کا ذکر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے دعائیں پڑھا کرتے، جن میں سے دو دعائیں یہ ہیں:

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۴۹۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمال مع شرح للناوی ۲۹۱/۱۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطْعِمَنَا بِرَحْمَتِهِ وَكَأْفِيهِ غَيْرَ مُؤَدِّعٍ وَلَا مُسْتَغْنَى عَنْهُ رَبَّنَا۔ ہر قسم کی تعریف اللہ جل شانہ کے لیے ہے، ایسی تعریف جو بہت ہو، پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو، اس (اللہ یا طعام یا تعریف) کو نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے، اور نہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے اے ہمارے پروردگار (ہمارے شکر کو قبول فرمائے)

”غیر مودع ولا مستغنی عنه ربنا“ کی ترکیب نحوی

”غیر...“ پر دو طرح کا اعراب پڑھا گیا ہے:

یہ منصوب ہے اور لفظ ”اللہ“ یا ”الحمد“ یا ”الطعام“ سے حال واقع ہے۔

یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور اس کا مبتدا محذوف ہے اور وہ ”هو“ ہے، لفظ ”ربنا“ کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا

ہے: ۱۔ یہ مرفوع ہے اور ”هو“ یا ”أنت“ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ۲۔ ربنا مبتدا مؤخر ہے اور مرفوع ہے، اور ”غیر مودع“ یہ خبر

مقدم ہے۔ ۳۔ لفظ ”ربنا“ مجرور ہے، اور یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الطَّعَامَ فِي مَقْعَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَبَاءَ أَغْرَابِي، فَأَكَلَهُ بِالْمَقْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ مَسَعَى لَكُمْ كَأْسُكُمْ. (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اتنے میں ایک بدو آیا، اس نے دو قوں میں ہی وہ (سارا کھانا) کھا لیا (یعنی ہڑپ کر لیا) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاتا تو یہ کھانا سب کے لیے کافی ہو جاتا۔

”بسم اللہ“ کے بغیر کھانے میں بے برکتی

اس حدیث سے ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے یہ حکم مزید تاکید کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ کھانے کو اللہ کے نام کے ساتھ یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے، اگر بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کیا گیا تو اس میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے مذکورہ حدیث میں اس بدو نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں بے برکتی پیدا ہو گئی، کیونکہ اس کے ساتھ شیطان شریک ہو گیا تھا،

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للنوای ۲۹۱/۱

(۲) سنن الترمذی، الأطلعة، رقم الحديث: ۸۵۱۔

اگر یہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا سب کے لیے بڑی آسانی سے کافی ہو جاتا۔

۲۔ اس حدیث میں جن چھ صحابہ کا تذکرہ ہے، ممکن ہے کہ یہ واقعہ وہی ہو، جو اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابو ایوب انصاری والی روایت میں بیان کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات الگ الگ ہوں، حدیث کے اسلوب سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ واقعہ ہے۔

۳۔ اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان چھ صحابہ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس میں چند احتمال ہیں:

✽ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جس میں ابھی حجاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

✽ یا یہ کہ حضرت عائشہؓ نے پردے میں ان کو دیکھا تھا۔

✽ یا یہ روایت مرسل صحابی ہے، یعنی حضرت عائشہؓ نے براہ راست تو یہ منظر نہیں دیکھا، کسی اور صحابی سے روایت کیا ہے، اور

یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تفصیل حضرت عائشہؓ کو بتائی ہو، اور پھر اسے حضرت عائشہؓ روایت کر رہی ہیں۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَيُزِيضُ عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ، أَوْ يَشْرِبَ الشَّرْبَةَ فَيُحَمِّدَهُ عَلَيْهَا. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ قسمی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی

اس بات سے راضی اور خوش ہوتا ہے کہ (جب) وہ ایک لقمہ کھائے (یا جب) وہ سیر ہو کر کھالے) یا ایک گھونٹ پانی

پئے اور پھر وہ اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اَنْ يَأْكُلَ: اُی بسبب ان یا اکل یا وقت ان یا اکل، ترجمہ: کھانے کی وجہ سے، یا کھانے کے وقت،

الاکلة: (ہمزے کے پیش اور کاف کے سکون کے ساتھ) اس کے معنی ہیں: لقمہ (اور ہمزے کی زیر گے ساتھ) ایک دفعہ سیراب

ہو کر کھانا، اس حدیث میں ہمزے کی زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ الشربة کے ساتھ اعراب کے اعتبار سے موافق ہو

جائے، کیونکہ الشربة صرف زیر کے ساتھ ہی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے، ہمزے کے پیش کے ساتھ اس کا استعمال اس معنی

میں نہیں ہے، الشربة (شبین پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ) ایک گھونٹ پانی، ایک دفعہ پیا جانے والا پانی، ایک دفعہ کا پینا۔

فِي حَمْدِهِ عَلَيْهَا: ”ہ“ ضمیر لفظ اللہ کی طرف اور ”عليها“ کی ضمیر الاكلة کی طرف راجع ہے، بحمد کی دال پر دو طرح کا اعراب

پڑھا جاسکتا ہے: ✽ اس پر زبر ہو، اس صورت میں اس کا عطف باکل پر ہوگا، ✽ اس پر پیش ہو، یہ جملہ ”هو“ مبتداء محذوف کی

خبر ہے۔

(۱) جمع المسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۹۲/۱، الواعظ اللدنی علی الشمائل المحمدیہ (ص: ۳۱۸)

(۲) سنن الترمذی، الاطعمه، رقم الحديث: ۱۸۱۷۔

کھانے کے بعد ضرور اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا جائے

کھانے پینے کے بعد اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کرنا ایک مستحب اور مستحسن عمل ہے، یہ درحقیقت اس چیز کی یاد دہانی ہے کہ ایک انسان جب کھانا کھا چکے، تو ایک لمحہ ذرا یہ تو سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کھانے کا انتظام کس عجیب و غریب طریقے سے کیا ہے، اس گندم، چاول، دالیں اور سبزیوں... کی فصل نہ جانے کس علاقے میں ہوئی، اسے کس نے کاشت کیا، کس نے اسے کاٹا، صاف کیا، اور مارکیٹ میں کتنے ہاتھوں کی محنت نے اسے پہنچایا، پھر یہ کہاں کہاں کا سفر کر کے میرے گھر میں پہنچی، اسے پکانے پر کتنی محنت صرف ہوئی، ابن عربی نے بعض علماء کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ ”ایک لقمہ جسے انسان منہ میں ڈالتا ہے، وہ تین سو ساٹھ فرشتوں کے ہاتھوں سے ہو کر آتا ہے“ ذرا غور تو کریں کہ ایک لقمہ جو منہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے، بظاہر تو وہ ایک چھوٹا سا لقمہ ہے، لیکن اس کو تیار کرنے میں نہ جانے کتنے انسانوں نے اس کی محنت اور مشقت اٹھائی، یوں وہ کئی ہاتھوں سے ہو کر اس انسان کی غذائی تسکین کا ذریعہ بنا، یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کی قدرت کے کرشمے ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر کھانے کے بعد اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۱)

کھانے سے متعلق چند آداب کا ثبوت

- اس باب کی احادیث اور اس سلسلہ میں ذکر کردہ دوسری روایات سے درج ذیل چند آداب ثابت ہوتے ہیں:
- ۱۔ کھانے اور پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا یا ایسے کلمات سے کھانے کا آغاز کرنا مستحسن ہے، جو کلمات اللہ جل شانہ کی عظمت و کبریائی اور بزرگی کے معنی پر مشتمل ہوں۔
- ۲۔ ہر محترم کام دائیں ہاتھ سے کرنا، اور کھانا پینا بھی دائیں ہاتھ سے ہی کرنا چاہیے، اگر مجبوری ہو تو پھر بائیں ہاتھ سے بھی کھایا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ اور اپنے سامنے سے ہی کھانا چاہیے جبکہ کھانا ایک ہی قسم کا ہو، لیکن اگر دسترخوان پر مختلف انواع و اقسام کے کھانے اور ڈشیں ہوں، تو پھر اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں، ایسی صورت میں ہاتھ ادھر ادھر بھی گھمایا جاسکتا ہے۔
- ۴۔ اللہ جل شانہ کا نام لے کر کھایا اور پیا جائے تو اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔
- ۵۔ ان کاموں سے اجتناب ضروری ہے، جن سے شیطان خوش ہوتا ہے، اور جن کے ساتھ ایک مسلمان، کافروں کے مشابہ ہو جائے۔
- ۶۔ دوران طعام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للنواوی ۲/۹۳، للواهب اللدنی علی الشہائل للحمیدی (ص: ۳۱۶)

۷۔ کھانے پینے کے آداب اور مسنون اعمال سکھانا مستحب عمل ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَدَحِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (پانی کے) پیالہ کا بیان ہے
عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيظًا، مُصَيَّبًا بِخَدِيدٍ، فَقَالَ: يَا ثَابِتُ: هَذَا قَدَحُ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہمارے پاس لکڑی کا ایک موٹا سا پیالہ لایا، جس پر لوہا چڑھایا گیا
تھا، اور فرمانے لگے: اے ثابت! یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ: الْمَاءَ وَالتَّبِيْدَ
وَالْعَسَلَ وَاللَبَنَ. (۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی تمام اقسام: پانی، نبید، شہد
اور دودھ پلایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- قَدَح: (قاف اور دال پر زبر) پیالہ، وہ چیز جس سے پانی پیا جائے، قَدَحِ خَشَبٍ: لکڑی کا پیالہ،
غَلِيظًا: موٹا، مُصَيَّبًا بِخَدِيدٍ: (میم پر پیش، ضاد پر زبر، پہلی باء پر زبر و تشدید) تھیب سے صیغہ اسم مفعول: اس پیالے پر لوہا
چڑھایا گیا تھا، الشَّرَاب: (شین پر زبر) پینے کی چیز، مشروب، تبید: انگور یا کھجور یا کشمش پانی میں بھگو دی جائے اور جب اس کا اثر
اچھی طرح اس میں آجائے تو وہ پانی نبید کہلاتا ہے، اگر زیادہ دیر اسے رکھا جائے تو پھر اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے، اسے پینا شرعاً
حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی کے پیالے

ابن القیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار پیالے تھے:

❁ ایک پیالہ جس کو ”زیان“ اور ”مغنی“ کہا جاتا تھا۔ ❁ عمدہ لکڑی کا ایک موٹا پیالہ، جس پر لوہا چڑھایا گیا تھا، یا اس پر
چاندی کے پترے لگائے گئے تھے، ❁ ایک شیشہ کا پیالہ تھا، یہ تین طرح کے پیالے پانی اور دیگر مشروبات کے لیے استعمال

(۱) فتح الباری ۹/۲۵۳ کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، والاکل بالیمین، رقم الحدیث: ۵۳۷۶۔

(۲) الصحیح للبخاری، الاثریۃ، رقم الحدیث: ۵۲۳۸۔

(۳) الصحیح لمسلم، الاثریۃ، رقم الحدیث: ۲۰۰۸، ۲۰۰۶۔

ہوتے تھے، ایک لکڑی کا بڑا پیالہ تھا، جسے رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار پائی کے نیچے رکھ لیتے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت اس میں پیشاب کیا جاسکے۔ (۱)

مذکورہ احادیث میں لکڑی کے پیالے کا ذکر ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی، شہد، غنیزہ اور دودھ پیا کرتے تھے، پھر یہ پیالہ حضرت نصر بن حارث رضی اللہ عنہما کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا تھا، امام بخاری نے اس پیالے کو بصرہ میں دیکھا، اور اس سے پانی بھی پیا ہے، مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نیک لوگوں کی مبارک چیزیں اپنے پاس سنبھال کر رکھی جاسکتی ہیں، لیکن ان میں شرط یہ ہے کہ ان کو شرک اور بدعت کا ذریعہ نہ بنے دیا جائے۔

۲۔ اس مبارک چیز کو بیچا اور خریدا جاسکتا ہے اور اسے ہدیہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ غنیزہ کا استعمال جائز ہے، جب کہ اس میں نشہ نہ پیدا ہو، اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو پھر اس کا استعمال حرام ہو جاتا ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پیالے سے پانی پیا جاسکتا ہے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي فَاكِهَةٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْفَقَاءَ بِالْزُّطَبِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھیرے یا لکڑی کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - فاکہہ: مزیدار پھل، خواہ وہ تازہ ہو یا خشک، جیسے انجیر، تربوز، کشمش، تازہ پختہ کھجور، چھوڑے اور انار وغیرہ، فقاء: (قاف کے نیچے زیر اور ثاء پر زبر و تشدید) کھیر، لکڑی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی یا کھیرے کو کبھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی یا کھجور کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے، اور

ایک اور روایت میں لکڑی یا کھیرے کو نمک کے ساتھ کھانے کا بھی ذکر ہے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی یا کھیرے کو نمک کے ساتھ تناول

(۱) زاد اللعادل ابن القیم ۱/ ۱۳۲، فصل فی ذکر سلاحه و اثاثہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) فتح الباری ۱۰/ ۱۲۳، کتاب الاشریۃ، باب الشرب من قدح النبی ﷺ و انیتہ، رقم الخلیف: ۵۶۳۸۔

(۳) سنن الترمذی، الاطعمۃ، رقم الخلیف: ۱۸۴۵۔

فرما لیتے اور کبھی تازہ پختہ کھجور کے ساتھ، اس طرح کا کھانا صحت کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے، طبیعت میں اعتدال پیدا کرتا ہے، کیونکہ ککڑی، کھیرے اور نمک کا اثر ٹھنڈا جبکہ کھجور کا اثر گرم ہوتا ہے، ان دونوں کو ملا کر کھانے سے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، جسم کو فرحت، سکون اور اطمینان دیتا ہے، اور اس سے کمزور جسم موٹا ہو جاتا ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں جسمانی طور پر کمزور تھی، میری ماں نے چاہا کہ مجھے ایسی کوئی چیز کھلائیں، جس سے میں موٹی ہو جاؤں تاکہ وہ میری رخصتی حضور اکرم ﷺ کے ہاں کر دیں، چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیے ککڑی کو پختہ تازہ کھجور کے ساتھ کھایا تو میں موٹی ہو گئی، اور بالکل صحت مند ہو گئی۔

سنن طبرانی میں حضرت عبداللہ بن جعفر نے ہی روایت ہے، جس میں ان کو ملا کر کھانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں ککڑی یا کھیرا پکڑتے اور بائیں ہاتھ میں تازہ پختہ کھجور ہوتی، پہلے آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے ککڑی کھاتے، پھر بائیں ہاتھ سے وہ کھجور دائیں ہاتھ میں لے لیتے اور اس سے پکڑ کر کھاتے، لہذا شائل کی مذکورہ حدیث کی بنیاد پر یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھجور کھائی ہے، کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ (۱)

کئی طرح کے پھل اور کھانوں کا جواز

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ہی وقت میں دو یا اس سے زیادہ پھل یا کھانے کھانا، مختلف قسم کی ڈشیں تیار کر کے کھانا، اور اپنی گنجائش کے مطابق کھانے پینے میں وسعت و فراخی اختیار کرنا جائز ہے، اس میں سب علماء کا اتفاق ہے، البتہ جن حضرات نے منع کیا ہے، اس سے ان کا مقصد یہ نہیں کہ شرعاً اس طرح کے کھانے ممنوع ہیں بلکہ اس سے دو صورتیں مراد ہیں: (۱) یا تو وہ صورت مراد ہے کہ جب مختلف قسم کے کھانوں اور ڈشوں کا معمول بنالیا جائے، عمدہ اور لذیذ کھانوں کی غرض دینی مصلحت نہ ہو بلکہ محض عیش و عشرت اور نام و نمود مقصود ہو، (۲) یا ان حضرات نے علا جا منع کیا، تاکہ نفس کو مشقت اور مجاہدے کا عادی بنایا جاسکے، جیسا کہ بزرگان دین کا معمول رہا ہے۔ (۲)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کی اشیاء کی تاثیر اور ان کے خواص کو پیش نظر رکھنا چاہیے، جس طرح کہ حدیث میں ککڑی یا کھیرے اور کھجور کی تاثیر کو سامنے رکھ کر ملا کر کھانے کا ذکر آیا ہے، لہذا طبی نقطہ نظر سے کھانے کی اشیاء کی تاثیر کو سامنے رکھ کر انہیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (۳)

(۱) فتح الباری ۱۵/۹، کتاب الاطعمہ، باب جمع اللونین بمرة، رقم الحدیث: ۵۴۴۹، عمدۃ القاری ۶/۲۱، جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۲۹۵/۱، الواہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدی (ص: ۳۲۳)

(۲) شرح مسلم للنووی ۱۸۰/۲، کتاب الاطعمہ، باب أكل الفناء بالرطب، تکملة فتح اللہم ۳۶۴، رقم الحدیث: ۵۲۸۹

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۲۹۶/۱، تحفة الاحوذی ۵۹۰/۵، کتاب الاطعمہ، باب ما جاء فی أكل الفناء بالرطب، رقم الحدیث: ۱۸۴۴۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطِيخَ بِالزُّطْبِ. (۱)
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تربوز یا تربوزہ کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخُزْبِ وَالزُّطْبِ.
حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو تربوزہ اور تازہ پختہ کھجور کو جمع کر کے کھاتے ہوئے
دیکھا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الْبَطِيخَ بِالزُّطْبِ.
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تربوز کو تازہ پختہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے
تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- البطيخ: (باد اور طاء کے نیچے زیر اور طاء پر تشدید) تربوز، خربوزہ، زطب: (را پر پیش اور طاء پر
زیر) تازہ پختہ کھجور، الخربز: (طاء کے نیچے زیر، راسا کن اور با کے نیچے زیر کے ساتھ) خربوزہ، جوز رد ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ تربوز اور خربوزہ کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ تربوز کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے، اس
طرح ملا کر کھانے سے غذا میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ کھجور کا ذائقہ گرم جبکہ تربوز کا اثر ٹھنڈا ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک
دوسرے کے اثر کو ختم کر دیتا ہے، جس سے طبیعت میں اعتدال اور مزاج میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، ویسے بھی طبی نقطہ نظر سے گرم
اور سرد تاثیر والی اشیاء کو ملا کر کھانا صحت کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اسے یوں کھاتے کہ
دائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی اور بائیں ہاتھ میں تربوز، پھر انہیں ملا کر تناول فرماتے، پہلے ایک کھجور منہ میں رکھ لیتے، پھر دائیں ہاتھ
سے تربوز کا ایک ٹکڑا تناول فرماتے۔ (۲) اور ملا کر کھانے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں ایک ساتھ منہ میں رکھ کر کھا لیا جائے۔ (۳)
- ۲۔ بعض حضرات نے بطیخ سے خربوزہ مراد لیا ہے کہ سرزمین عرب اور حجاز میں تربوز کی نسبت خربوزہ زیادہ پایا جاتا تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی تازہ پختہ کھجور کے ساتھ تربوز اور کبھی خربوزہ ملا کر تناول فرمایا کرتے، تربوز کو
کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کی وجہ نمبر ۱ میں گذر چکی ہے اور خربوزہ کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کے شارحین نے تین سبب ذکر کیے

(۱) سنن الترمذی، الاطعمہ، رقم الحدیث: ۱۸۴۴۔

(۲) فتح الباری ۱/۱۵۹، کتاب الاطعمہ، باب جمع اللونین بمعرفہ رقم الحدیث: ۵۴۳۹۔

(۳) أشعة اللمعات ۴/۹۲۴، کتاب الاطعمہ، الفصل الاول۔

ہیں:

✽ عموماً خربوزہ پھیکا ہوتا ہے، اس میں مٹھاس پیدا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے، تاکہ اس کا پھیکا پن ختم ہو جائے۔

✽ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں خربوزہ سے کچا خربوزہ مراد ہے، اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے، کھجور کے ساتھ ملا کر اسے کھانا مفید ہوتا ہے۔ (۱)

✽ یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں پکا ہوا خربوزہ مراد ہو، اسے بھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھانا صحت کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے، پختہ خربوزہ کی تاثیر اگرچہ گرم ہوتی ہے اور کھجور کی بھی گرم، مگر بسا اوقات نسبتاً دو گرم تاثیر والی چیزیں بھی مفید ہوتی ہیں۔

لہذا سنت پر عمل کرنے کی نیت سے تازہ پختہ کھجور کے ساتھ کبھی تریوز کو اور کبھی خربوزے کو ملا کر کھالیا جائے تو یہ بہتر ہے، کیونکہ لغوی معنی کے لحاظ سے لفظ بطیخ تریوز اور خربوزہ دونوں کو شامل ہے، اس طرح دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الْقَمَرِ جَاءُوا بِإِبْرَاهِيمَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي بُعَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مَدِينَتِنَا، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمَثَلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ قَالَ: ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيَدِيَرَاهُ، فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الْقَمَرَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگ جب موسم کا پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، رسول اللہ ﷺ اسے لیتے اور یہ دعا پڑھتے: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي بُعَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مَدِينَتِنَا، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمَثَلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں برکت پیدا فرما، ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہمارے لیے ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت پیدا فرما دے، اے اللہ! یہ یقینی بات ہے کہ ابراہیم حیرے بندے، حیرے دوست اور حیرے نبی تھے، اور میں بھی حیرا بندہ اور حیرا نبی ہوں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی، میں تجھ سے مدینہ کے لیے وہی کچھ مانگتا ہوں جو انہوں نے مکہ کے لیے مانگا تھا، بلکہ اس سے دو گنا مانگتا ہوں، راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ جس چھوٹے بچے کو دیکھتے، اسے بلاتے اور وہ پھل اسے (کھانے کے لیے) دے دیتے۔)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح التناوی ۱/۲۹۷

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۱۲۵۱۔

صاع، مد اور رطل: پیمائش کے آلے

صاع: غلہ نانے کا ایک پیمانہ ہے جو اہل حجاز کے حساب سے ۴ مد یعنی ۴ پونڈ یعنی گیارہ سو پینس درہم کے وزن کے بقدر ہوتا ہے، اور اہل عراق کے حساب سے آٹھ رطل کے برابر یا دوسیر چودہ چھٹانک چار تولہ کے برابر مد: (نیم پر پیش اور دال پر تشدید) ایک قدیم پیمانہ ہے، فقہاء کا اس کے وزن میں اختلاف ہے، اہل حجاز کے نزدیک یہ ایک رطل اور تہائی رطل ہے، اہل عراق اور احناف اس کو دو رطل کے بقدر مانتے ہیں اور رطل: ایک وزن یا پیمانہ ہے جو ۶۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ ہے، اس کے گرام ہیں: ۳۹۸ گرام اور ۳۳ ملی گرام، رطل مختلف ملکوں میں مختلف وزن اور مقدار کا ہوتا ہے، مصری رطل بارہ اوقیہ کے برابر ہے اور ایک اوقیہ بارہ درہم کے برابر ہے، اور ایک درہم: تین ماشہ اور ایک رتی سے قدرے زیادہ یعنی ۳ گرام اور ۶۲ ملی گرام ہے۔ (۱)

مشکل الفاظ کے معنی: ب۔ اول الثمر: موسم کا پہلا پھل، اسے ”باکورہ“ بھی کہا جاتا ہے، خلیلک: آپ کا گہرا دوست، جو ہر چیز میں آپ کا ہی محتاج ہے اور جو صرف آپ ہی سے محبت کرتا ہے، ہو مثل معہ: اور اس کے ساتھ اس چیز کا دو گنا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے مانگا ہے، اصغر ولید: چھوٹا بچہ۔

موسم کا پہلا پھل دیکھنے کی ایک مستنون دعا

موسم کا پہلا پھل جب کھانے کے قابل ہو جاتا تو صحابہ کرام اسے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آتے، آپ ﷺ اسے لیکر حدیث میں مذکور یہ دعا پڑھتے: اللہم بارک لنا فی ثمارنا... ومثلہ معہ تک، اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے پھلوں میں برکت کی دعا کی اور یہ کہ ہمارے لیے مدینہ منورہ، اس کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما، چنانچہ اس دعا کی برکت کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ظاہری اعتبار سے بھی خوب وسعت عطا فرمائی ہے، اس شہر کا رقبہ چاروں طرف سے کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے، مسجد نبوی میں بھی کئی بار توسیع ہوئی، اور مدینہ منورہ میں رہنے والوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ فرمایا، چنانچہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں ایک دفعہ صرف جنگی گھوڑوں کو شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی، یہ تو اس دور کی بات ہے اور اب تو اس سے کہیں زیادہ مدینہ منورہ کے باشندوں میں اضافہ ہو چکا ہے، اور مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ سب نبی کریم ﷺ کی دعا کی قبولیت کی برکات ہیں۔

و بارک لنا فی صاعنا و مدنا، مدینہ کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما، اس سے کیا مراد ہے؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مدینہ کے صاع اور مد میں برکت: دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ہے، دینی لحاظ سے برکت یہ ہے کہ شریعت نے زکوٰۃ، صدقہ فطر اور کفارے کے وجوب میں مدینہ کے صاع اور مد کا اعتبار کیا ہے، اور اسی کو لازم قرار دیا ہے، اور دنیاوی اعتبار سے برکت

(۱) القاموس الوحید عربی سے اردو، ص: ۹۵۱، ۱۵۳۲، ۲۳۲، ط: ادارہ اسلامیات لاہور

اس طرح ہے کہ مدینہ منورہ کا ایک صاع اور ایک مد غلہ کئی سارے بندوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، جبکہ مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے صاع اور مد میں یہ بات نہیں، اور جو شخص ان پیمانوں کو اپنے کاروبار میں استعمال کرتا ہے تو اس کے مال و دولت میں اضافہ، کاروبار و تجارت میں خوب ترقی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر پوری دنیا سے اور خاص طور پر عالم اسلام سے ہر قسم کی چیز ہر موسم میں وافر مقدار میں حرمین شریفین میں دستیاب ہوتی ہے۔ (۱)

وانہ دعا کہ بمعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے جن چیزوں کی دعا کی، جس کا ذکر اس آیت میں ہے: **فَجَعَلَ أَفْنَدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقَهُم مِنَ الشَّجَرَاتِ بِعَلَّامٍ يَشْكُرُونَ** (بعض لوگوں کا دل اس طرح کر دیتے تھے کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو میوؤں سے روزی دے، شاید وہ شکر کریں) (سورہ ابراہیم، آیت نمبر: ۳) میں بھی تجھ سے مدینہ کے لیے ان تمام چیزوں کا سوال کرتا ہوں، بلکہ اس سے دو گنی چیزیں مانگتا ہوں، تاکہ مدینہ کے شہر میں خوب برکتیں رونما ہوں، اس دعا سے مدینہ منورہ کا حرم مراد نہیں، جس طرح کہ مکہ مکرمہ کا حرم ہے، جس کے مخصوص احکام ہیں، جن کی خلاف ورزی پر صدقہ یا دم واجب ہوتا ہے۔

فیعطیہ ذلک الشمر وہ پھل نبی کریم ﷺ کسی ولید یعنی کسی چھوٹے بچہ کو دے دیتے، خواہ وہ آپ ﷺ کے خاندان کا ہو یا کسی اور خاندان سے اس کا تعلق ہوتا، یہ آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق کا ایک کرشمہ اور نمونہ ہے کہ آپ ﷺ اسے خود تناول نہ فرماتے اور نہ ہی کسی اور بڑے شخص کو دیتے بلکہ شفقت کی وجہ سے چھوٹے بچہ کو دیتے، اس لیے کہ چھوٹا بچہ ایسے موقع پر پھل کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے۔ (۲)

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مکہ و مدینہ تمام روئے زمین سے افضل ہیں، مگر اس میں پھر اختلاف ہے کہ مکہ و مدینہ میں سے کون سا شہر افضل ہے، ائمہ خلافت کے نزدیک مکہ مکرمہ افضل ہے، اور امام مالک کے نزدیک مدینہ منورہ افضل ہے، جبکہ اس میں سب ہی کا اتفاق ہے کہ روضہ رسول کی زمین گاؤہ حصہ جو نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ آسمان و زمین بلکہ عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔ (۳)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ موسم کا پھل کسی نیک آدمی کے پاس لایا جائے، تاکہ وہ یہ مسنون دعا پڑھے اور پھر وہ پھل کسی بچہ کو دے دیا جائے۔

اپنے شہر اور گاؤں کی پیدائش کے آلات میں برکت کی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۱) شرح مسلم النووی ۳۲۲/۱ کتاب الحج، باب فضل المدینہ، جمع الوسائل فی شرح الشہدائے مع شرح المناوی ۲۹۹/۱

(۲) تحفۃ الاحوذی ۳۸۹/۹، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا راى الباکورة من الشمر، رقم الحدیث: ۳۲۵۴

(۳) المواہب اللدنیۃ علی الشہدائے الحمدیۃ (ص: ۳۲۶)

پابندی سے اپنی پیداوار کا عشر اور آمدن کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

نکسیر کا خون بند کرنے کا ایک وظیفہ

علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ لفظ ”مکہ“ کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ جس شخص کو نکسیر ہو تو اس کی پیشانی پر یہ لکھا جائے: مَكَّةُ وَشَطَّ الْبِلَادِ، وَاللَّهُ زَوْفٌ بِالْعَبَادِ (مکہ تمام شہروں کے وسط میں واقع ہے، اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے) تو اس سے نکسیر کا خون ان شاء اللہ بند ہو جائے گا۔ (۱)

عَنِ الزُّبَيْعِ بْنِ مَعُوذٍ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: بَعَثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ زَطْبٍ وَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِنْ قِنَاعٍ وَزُغْبٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحِبُّ الْقِنَاعَ، فَأَتَيْتُهُ بِمَوْعِدِهِ فَلَمَسْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْبُخْرَيْنِ، فَمَلَأْتُهُ مِنْهَا فَأَعْطَانِيهِ.

ترجمہ: حضرت زبیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراء نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق رٹے کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جس پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں، نبی کریم ﷺ ککڑی کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ میں وہ طبق لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ زیورات تھے، جو آپ ﷺ کے پاس بحریں سے آئے تھے، آپ ﷺ نے ان میں سے ایک ہاتھ بھرا اور وہ مجھے عطا فرمایا۔

عَنِ الزُّبَيْعِ بْنِ مَعُوذٍ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: أَمِيتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ زَطْبٍ وَأَجْرٍ وَزُغْبٍ، فَأَعْطَانِيهِ مِلَّةً كَفَّوْهُ خَلِيئًا أَوْ قَالَتْ: ذَهَبًا.

ترجمہ: حضرت زبیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ میں تازہ پختہ کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کا ایک طبق لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے مجھے اپنی آٹھیلی بھر کر زیور یا فرمایا کہ سونا، عنایت فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قِنَاع: (قاف کے نیچے زیر) بڑی پلیٹ، رٹے، طبق، جس پر کھجوریں اور پھل کھایا جاتا تھا، اور اس زمانے میں یہ طباق رٹو کری، کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی تھی، زَطْب: (زا پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، أَجْر: (ہمزے پر زبر، جیم ساکن، را پر زیر اور تنوین کے ساتھ) جوو: (جیم کے نیچے زیر اور را ساکن) کی جمع ہے، اور ”آجر“ اصل میں ”آجرو“ ہے اُفْس کی طرح پھر اس ”واؤ“ کو یاء سے بدل دیا، اور یاء کی مناسبت سے اس سے پہلے زیر دے دی اور پھر قاضی والے قانون سے اس کی تعلیل کر کے واؤ کو حذف کر دیا تو ”آجر“ ہو گیا، ترجمہ: ابتداء میں لکھا ہوا چھوٹا پھل، خواہ وہ کوئی بھی پھل ہو، یہاں اس سے چھوٹی ککڑی مراد ہے، کیونکہ اس کے بعد ”من القنأ“ ہے یہ ”من“ برائے بیان ہے، زُغْب: (زا پر پیش اور غین ساکن)

اُغلب کی جمع ہے: روئیں دار چھوٹے بالوں کی طرح باریک باریک ذرے اور روئیاں جو گٹھری کے اوپر ہوتی ہیں۔ فائیتہ بہ: ”بہ“ کی ضمیر ”قناع“ کی طرف لوٹ رہی ہے: میں اس طباق کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، حلیہ: (حاکے نیچے زیر اور لام ساکن) زیورہ ملائیدہ منها: ”منہا“ کی ضمیر ”حلیہ“ کی طرف لوٹ رہی ہے: نبی کریم ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ زیورہ سے بھرا، ملائکہ: (میم کے نیچے زیر، لام ساکن اور ہمزے پر زبر) اپنی پھٹی بھر کر یعنی اپنا ایک ہاتھ بھر کر۔

نبی کریم ﷺ کے لیے حضرت معاذ بن عفراء کی طرف سے ہدیہ

مذکورہ احادیث میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ کو ان کے چچا حضرت معاذ بن عفراء نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے ساتھ بھیجا، جس میں تازہ پختہ کھجوریں اور روئیں دار گٹھریاں تھیں، یہ چیز نبی کریم ﷺ کو بہت پسند تھی، صحت کے لیے بھی یہ بہت مفید ہے، اس ہدیہ سے آپ ﷺ خوش ہو گئے، اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے خراج اور ٹیکس کے زیورات آئے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر حضرت ربیع کو ہدیہ کے طور پر دے دیا، اس سے نبی کریم ﷺ کی کمال تواضع اور عمدہ اخلاق ثابت ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خاتون کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کی دلجوئی کے لیے زیورات عنایت فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ لانے والے شخص کو اگر کچھ دے دیا جائے تو یہ بھی باعث اجر و ثواب ہے، اس حدیث سے اس کا مستحب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے پینے کی چیزوں کا بیان ہے
عن عائشة قالت: كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلْوُ الْبَارِدُ. (۲)
ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پینے کی چیزوں میں میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا۔

نبی کریم ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب پسند تھا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا، کیونکہ یہ جسمانی حرارت کو دور کر کے دل کو سکون اور صحت کو تازگی فراہم کرتا ہے، گرم موسم میں جب انسان ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء اور شکر ادا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کے ہاں یوں تو کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، کھانے کے وقت جو بھی کھانے کی چیز دستیاب

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للناوی ۳۰۲/۱

(۲) سنن الترمذی، الاثریہ، رقم الحدیث: ۱۸۹۷۔

ہوتی، اسے آپ ﷺ تناول فرما لیتے، مگر بیٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ مدینہ منورہ سے کئی میل کے فاصلے پر ”سقیّا“ نامی ایک چشمہ تھا، وہاں سے نبی کریم ﷺ کے لیے میٹھا پانی لایا جاتا تھا، حضور اقدس ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے، اس میں بھی ٹھنڈے پانی کا خاص طور پر ذکر ہے، وہ دعا یہ ہے: **اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَجَّتْكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَ أَهْلِي وَمِنْ أَلْيَاءِ الْبَارِدِ**۔ (اے اللہ! مجھے اپنی لکسی محبت عطا فرما، جو مجھے اپنی جان، اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔)

حدیث میں ”الحلو البارد“ (میٹھی اور ٹھنڈی چیز) سے صرف پانی ہی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے عموم مراد ہے کہ آپ ﷺ کو ہر میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا، خواہ وہ میٹھا پانی ہو یا دودھ، پیڑ ہو یا شہد وغیرہ کا شربت، اس وضاحت سے مذکورہ حدیث اور ان حدیثوں کے درمیان مطابقت اور یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، جن میں سے ایک میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پینے کی چیزوں میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا، اور ایک اور حدیث میں شہد کا ذکر ہے کہ وہ آپ ﷺ کو بہت پسند تھا، عموم مراد لینے کی صورت میں ان روایات میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، یہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَلَى قَيْمُونَةٍ فَجَاءَتْنَا يَانَاؤُ مِنْ لَبَنٍ، فَشَرِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى يَمِينِهِ وَخَالِدُ عَلَى شِمَالِهِ، فَقَالَ لِي: الشَّرْبَةُ لَكَ، فَإِنْ شِئْتَ أَثَرْتُ بِهَا خَالِدًا، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ لِأَوْثَرُ عَلَى سُورِكَ أَحَدًا، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَطْعَمَهُ اللَّهُ طَعَامًا، فَلْيَقُلْ: **اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَ أَطْعِمْنَا غَيْرَ أَمْنَةٍ**، وَمَنْ سَقَاهُ اللَّهُ عَزًّا وَجَلًّا لَبَنًا، فَلْيَقُلْ: **اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ**، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ شَيْءٌ يُغْزِي مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرَ اللَّبَنِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولید رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت قیمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے (ام المؤمنین حضرت قیمونہ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر ہمارے پاس آئیں، حضور اقدس ﷺ نے دودھ پیانے میں آپ ﷺ کی دائیں جانب اور خالد بن ولید آپ ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: پینے کا حق تو تمہارا ہے (کیونکہ تم میری جانب بیٹھے ہو) لیکن اگر تم چاہو تو (بڑے کے احترام کی وجہ سے) اس حق میں خالد کو اپنے اوپر مقدم کر سکتے ہو (ترجیح دے سکتے ہو) میں نے عرض کیا: میں آپ ﷺ کے جھوٹے پر اپنے سے کئی کو ترجیح نہیں دے سکتا، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی چیز کھلائیں تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: **اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَ أَطْعِمْنَا خَيْرَ أَمْنَةٍ**

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۳۰۲/۱

(۲) سنن ابن ماجہ، الاثریۃ، رقم الحدیث: ۳۴۲۶

اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت پیدا فرما، اور ہمیں اس سے بہتر کھلا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ پلائیں تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَارِكُ لِنَاقِصِہٖ وَزِدْنَا مِنْہٗ اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت پیدا فرما اور ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما، ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو کھانے اور پینے دونوں کے لیے کافی ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- الشربة لك: (شیرین پرزہ اور زاساکن) پینے کا حق تمہارا ہے کیونکہ تم دائیں جانب بیٹھے ہو، فان شئت: اگر تم چاہو، اثوت بها: تم اس شربہ میں ترجیح دے سکتے ہو، مقدم کر سکتے ہو، لا وثو: (میں نے واحد شکلم) تاکہ میں ترجیح دوں، یہ فعل حالت نصب میں ہے، جس طرح قرآن مجید کی اس آیت وما كان اللہ ليعذبہم میں ليعذبہم حالت نصب میں ہے۔ علی سؤرک: (سین پر پیش اور ہمزہ ساکن) آپ ﷺ کے جھوٹے پر، آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی پر، وزدنا منہ: اور ہمارے لیے اس دودھ میں اضافہ فرما، واطعمنا: اطعام سے صیغہ امر: تو ہم کو کھلا دے، یجزی: (یاء پر پیش، جیم ساکن، زاء کے نیچے زیر اور ہمزہ پر پیش) کافی ہے، مکان الطعام والشراب: کھانے اور پینے کی جگہ، جوان کے قائم مقام ہو۔

کھانے اور دودھ پینے کی دعائیں

مذکورہ حدیث میں بعض اہم امور کا بیان ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت خالد بن ولید ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں، اس لیے نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ اپنی خالہ کے گھر آئے، انہوں نے ان کی دودھ سے ضیافت کی، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اپنی خالہ کے گھر بھی جانا چاہیے۔

۲۔ حضرت میمونہ جو دودھ لاتی تھیں، اسے نبی کریم ﷺ نے پیا، آپ ﷺ کی دائیں جانب حضرت عبداللہ بن عباس اور بائیں جانب حضرت خالد بن ولید تشریف فرما تھے، سنت کے مطابق باقی ماندہ دودھ کا پیالہ دائیں طرف بیٹھے آدی کو دینا چاہیے، کیونکہ دائیں جانب والا شخص اس فرشتہ کے قریب ہوتا ہے، جو فرشتہ انسان کی دائیں جانب پر مامور ہوتا ہے، اور یہ فرشتہ، بائیں جانب والے فرشتہ پر حاکم ہوتا ہے، اس لحاظ سے دودھ پینے کا حق حضرت عبداللہ بن عباس کا تھا، کیونکہ یہ دائیں جانب بیٹھے تھے، نبی کریم ﷺ نے ابن عباس سے یہی فرمایا اور ساتھ ہی ترغیب بھی دے دی کہ تم چاہو تو خالد بن ولید کو اس پینے میں اپنے سے مقدم کر سکتے ہو، اس سے دراصل ابن عباس کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ تم چھوٹے ہو، خالد بن ولید تم سے بڑے ہیں، اپنی قوم کے سردار ہیں اور ابھی ابھی وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، بڑے کے ادب کو ملحوظ رکھ کر اگر تم اپنا پینے کا حق ان پر قربان کر دو تو اس سے یہ خوش ہو جائیں گے، یہ صرف ترغیب کی حد تک بات تھی، حکم نہیں تھا، لیکن اس سب کے باوجود ابن عباس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے جھوٹے پر کسی کو مقدم نہیں کر سکتا، کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، ان کے عشق اور نبی کریم ﷺ

کے ساتھ کچی محبت نے یہ گوارہ کیا کہ پینے کا اچھا حق کسی اور کو دے دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک جھوٹا پیا۔

اس واقعہ میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف بیٹھے حضرت ابن عباسؓ سے حضرت خالد کو پہلے پانی پلانے کی اجازت طلب کی، مگر انہوں نے یہ سعادت خود ہی حاصل کی، کبھی ایسا بھی ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اعرابی بیٹھے تھے، بائیں جانب حضرت صدیق اکبرؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے کوئی اجازت نہیں لی، بلکہ پہلے اپنا جھوٹا اس اعرابی کو پلایا پھر حضرت صدیقؓ نے پیا، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر مطمئن رہتے، اللہ نے جو ان کو مقام صدیق عطا فرمایا تھا، اس میں کوئی فرق نہ آتا، اس کے برعکس شمال کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی دلجوئی کے لیے ابن عباسؓ سے اجازت طلب کی تھی، اجازت نہ دینے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا بھی ناگواری محسوس نہیں کی۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کی ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابدؤا بالاکبر پانی پلانے میں بڑے سے آغاز کرو، اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ کو پہلے پانی پلایا جاتا، کیونکہ وہ ابن عباسؓ سے بڑے تھے؟ شارحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کوئی بھی نہ بیٹھا ہو بلکہ سارے لوگ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوں تو اس وقت پلانے کا آغاز بڑی عمر والے شخص سے کرنا چاہیے، لیکن اگر دائیں جانب لوگ بیٹھے ہوں تو پھر پلانے کا آغاز دائیں جانب بیٹھے شخص سے کیا جائے گا، بھلے وہاں جو شخص بھی بیٹھا ہو۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بڑے عالم کی مجلس میں کسی اہم مقام پر بیٹھا ہو، یا صفِ اول میں کھڑا ہو، یا بیت اللہ کے قریب بیٹھا ہو، یا ریاض الجنہ میں کسی خاص مقام پر بیٹھا ہو، اتنے میں اس سے زیادہ فضیلت والا کوئی آدمی آجائے، تو وہ وہیں بیٹھ جائے، جہاں اسے آسانی سے جگہ دستیاب ہو جائے، اس بیٹھے شخص کو بروقتی اس جگہ سے اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے اپنا یہ حق کسی کو دے دے، تو ایسا وہ کر سکتا ہے۔

۴۔ فلیقل: اللّٰهُمَّ تَارِكُ لَنَا قِيَمِهِ وَأَطِيعْنَا خَيْرَ أَمْنَةٍ يَدْعَاكَ بِرُحْمَى جَائِئِي؟ اس میں دو قول ہیں: ﴿کھانے کے شروع میں یہ دعا پڑھی جائے﴾، چنانچہ امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں اسی موقع پر پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ ﴿کھانے کے بعد اگر پڑھے تو پہلے دوسری مسنون دعا پڑھے مثلاً: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ تَارِكُ لَنَا قِيَمِهِ وَأَطِيعْنَا خَيْرَ أَمْنَةٍ﴾۔

۵۔ ”دودھ“ اللہ جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے، یہ پانی اور غذا دونوں کا فائدہ دیتا ہے، دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو کھانے اور پینے دونوں کا بدل بن سکے، اس لیے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد اس دعا کی تعلیم دی: اللّٰهُمَّ

بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ! ہمارے لیے اس دودھ میں برکت پیدا فرما، اور اس میں ہمارے لیے اضافہ فرما)

۶۔ ان دونوں دعاؤں میں لَنَا اَطْعَنَا اور زِدْنَا میں جمع کے الفاظ ہیں، اس سے تمام مسلمان یا تمام کھانے والے مراد ہیں، چونکہ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہیں، اس لیے انہی الفاظ کے ساتھ ہی یہ دعا مانگنی چاہیے، اگرچہ دعا مانگنے والا ایک ہی شخص ہو، اور خواہ وہ عورت ہو، تب بھی ان الفاظ سے ہی دعا کی جائے۔ (۱)

امام ترمذی کا حدیث عائشہؓ پر کلام

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَكَذَا رَوَى سَفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. وَرَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوا إِلَيْهِ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. وَهَكَذَا رَوَى يُونُسُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: إِنَّمَا أَمْتَدُّهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ.

اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام زہری نے اس حدیث کو دو طرح سے نقل کیا ہے:

✽ ایک طریق موصول اور متصل ہے یعنی: عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ اس میں کوئی راوی حذف نہیں، یہ سفیان بن عیینہ کا طریق کہلاتا ہے۔

✽ عبد اللہ بن مبارک، عبد الرزاق اور دوسرے راویوں نے اس حدیث کو عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا ذکر کیا ہے، اس میں عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے ابواب الاشریۃ، باب ما جاء في الشراب کان أحب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہ لکھا ہے: "والصحيح ما روى الزهري عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم مرسلًا"۔ امام ترمذی کے نزدیک امام زہری کی وہ روایت جو بذریعہ ارسال ہم تک پہنچی ہے، وہ صحیح ہے، مرسل روایت کو انہوں نے ترجیح دی ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس روایت کو اکثر راویوں نے امام زہری سے مرسل ہی روایت کیا ہے، اس لیے یہی صحیح ہے، صرف سفیان بن عیینہ نے اس روایت کو مستند اور موصولاً روایت کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ امام ترمذی کی یہ تحقیق مکمل نظر ہے:

۱۔ سفیان بن عیینہ ایک ثقہ راوی اور تابعی ہیں، جب وہ اس حدیث کو عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مرفوعاً روایت کر رہے ہیں تو یقیناً اس روایت کی سند صحیح ہوگی اور جس طریق میں ثقہ راوی زیادہ ہوں تو وہ سند اور متن دونوں اعتبار سے مقبول ہوتی ہے۔

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرسل روایت جمہور کے نزدیک حجت ہے، اور فضائل اعمال میں سب کے نزدیک معتبر ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود ابن عباس کی تصریح کے مطابق ”مسند روایت“ کے مقابلے میں مرسل کا اعتبار نہیں ہوتا، اگرچہ اکثر راویوں نے اس روایت کو مرسل ہی ذکر کیا ہو۔

۳۔ نیز امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو مسند حضرت عائشہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ (۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا مسند طریق ہی راجح ہے۔

امام ترمذی کا حدیث ابن عباس پر کلام

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمِنْ مَوَاقِفِ الثَّعَالِبِ، رُوِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي حَالِهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَخَالَةُ يَزِيدَ بْنِ الْأَسَمِ، وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي رِوَايَةِ هَذِهِ الْحَدِيثِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جَدْعَانَ، فَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي حَزْمَةَ، وَرَوَى شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمَةَ، وَالصَّحِيحُ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي حَزْمَةَ.

اس عبارت میں دو باتوں کا ذکر ہے:

❖ زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن اسلم رضی اللہ عنہم کی خالہ ہیں۔

❖ علی بن زید بن جدعان سے شیخ کا نام دو طرح سے نقل کیا گیا ہے: ۱۔ عن عمرو بن حزمۃ یعنی لفظ عمر کو ”واو“ کے ساتھ، اور باپ کے نام میں لفظ ”ابن“ کے بغیر۔ ۲۔ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والصحيح عن عمرو بن أبي حزملة، یعنی لفظ عمر ”واو“ کے بغیر اور ”ابن حزمۃ“ وسمیت سے ساتھ شیخ۔ (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح ۱/۴۵۸، کتاب الاطعمۃ باب الاشریۃ، رقم الحدیث: ۴۲۸۲، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۳۰۳/۱

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۳۰۵/۱

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے پینے کے انداز کا بیان ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آب زمزم کھڑے ہو کر پیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: آب الشرب: (شہین پریش) پینا، صفة الشرب: پینے کا طرز اور انداز، زمزم: مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے قریب بابرکت کنواں، جس کا پانی غذا بیت سے بھر پور اور میٹھا ہے، جسے حجاج کرام اور سب ہی لوگ بڑے ادب سے پیتے ہیں، اور دور رہنے والے اس کا پانی اپنے وطن اور گھر بھی لے جاتے ہیں زمزم: اس کے معنی ہیں: بہت زیادہ پانی۔

آب زمزم پینے کا مستنون طریقہ

آب زمزم کھڑے ہو کر پیا جائے یا بیٹھ کر، اس کے متعلق علماء کرام کے تین قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک عام پانی کی طرح آب زمزم بھی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر جو آب زمزم نوش فرمایا، وہ یا تو بیانِ جواز کے لیے تھا، یا لوگوں کے رش، جھوم اور ازدحام کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیا، یا اس وقت اس جگہ پر کچھڑا تھا، جس کی وجہ سے بیٹھا نہیں جاسکتا تھا، اس عذر اور مجبوری کی وجہ سے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا تھا۔ (۲)

۲۔ بعض حضرات نے کھڑے ہو کر پینے اور بیٹھ کر پینے میں اختیار دیا ہے، ان کے نزدیک دونوں طریقے برابر ہیں، کوئی ایک، دوسرے سے افضل نہیں۔

۳۔ اکثر علماء نے آب زمزم کو کھڑے ہو کر پینا مستحب اور افضل قرار دیا ہے، عام پانی تو کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے، مگر آب زمزم ممانعت کے حکم میں داخل نہیں، اس لیے آب زمزم کو کھڑے ہو کر پیا جائے۔ (۳)

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہو کر آب زمزم نوش فرمایا، جس کا ذکر شمائل کی مذکورہ

حدیث میں ہے۔ (۴)

(۱) سنن الترمذی، الاثریہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۳۔

(۲) خصائل نبوی علی شمائل ترمذی (ص: ۲۱۲) باب ما جاء فی صفة شرب رسول اللہ ﷺ۔

(۳) رد المحتار ۹۵/۱، کتاب الطہارۃ، مطلب فی مباحث الشرب قائم، خصائل نبوی (ص: ۲۱۲)۔

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۳۰۷/۱۔

آب زمزم پینے کے آداب

آب زمزم پینے کے چند آداب یہ ہیں:

﴿ قبلہ رخ ہو کر پینا جائے۔ ﴿ تین سانس میں آب زمزم کو پینا جائے اور ہر دفعہ کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہا جائے۔ ﴿ ہو سکے تو خوب پیٹ بھر کر پینا جائے۔

زمزم پینے سے پہلے جو دعا کی جائے، وہ قبول ہوتی ہے، کئی غلام نے اس موقع پر اپنی دعا کی قبولیت کا ذکر کیا ہے۔ (۱)
اس لیے مکمل ادب و احترام کے ساتھ، یہ پانی پینے سے پہلے اپنے لیے دعا مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا. (۲)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب سے اور شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں حالتوں میں پانی پیتے ہوئے دیکھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمٍ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا، آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کی حالت میں ہی وہ پانی پیا۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا مسئلہ

کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ دیگر بعض روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی، ابواب الاشریۃ میں دونوں طرح کی روایات ذکر فرمائی ہیں، باب ما جاء فی الشرب قائمًا میں ان روایات کو ذکر فرمایا، جن سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور باب ما جاء فی الرخصة فی الشرب قائمًا میں ایسی روایات ذکر کی ہیں، جن سے جواز ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی دونوں قسم کی روایات موجود ہیں، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے، حضرات محدثین نے اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے تین طریقے ذکر کیے ہیں: نسخ، ترجیح اور تطبیق، جس کی تفصیل یہ

(۱) فتح القدیر ۲/۳۹۸، کتاب الحج، فصل فی ماء زمزم، معارف السنن ۶/۳۲۷، کتاب الحج۔

(۲) سنن الترمذی، الاشریۃ، رقم الحدیث: ۱۸۸۴۔

ہے:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک: احادیث نبوی، جواز کی احادیث سے منسوخ ہیں، یعنی پہلے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت تھی، مگر بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔

۲۔ ابو بکر اثرم نے جواز والی احادیث کو ممانعت والی احادیث پر راجح قرار دیا ہے، کیونکہ احادیث جواز، احادیث نبوی کے مقابلے میں زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔

۳۔ اکثر حضرات نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے، یہ تطبیق دو طرح سے دی گئی ہے:

✽ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا چونکہ طبی لحاظ سے صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، اس لیے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کے بہت نقصانات ہیں: آدمی اس طرح پانی پینے سے میراب نہیں ہوتا، معدہ پر بوجھ پڑتا ہے، یکدم معدہ کی حرارت اس طرح پینے سے ختم ہو جاتی ہے، اور پانی پورے جسم میں فوراً سرایت کر جاتا ہے، یہ ساری چیزیں صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہیں۔ (۱)

لہذا کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت والی احادیث ضرر طبی کے اعتبار سے ہیں، اور احادیث جواز شرعی اجازت پر محمول ہیں۔ (۲)

✽ احمد ابن عبد اور جمہور علماء کے نزدیک احادیث نبوی سے: نبی تڑپ بھی مراد ہے، یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تڑپ بھی ہے، تاہم دوسری احادیث کی وجہ سے اس کا جواز بھی ہے اور اگر است تڑپ بھی اس وقت ہے، جب بیٹھ کر پینا ممکن ہو، لیکن اگر کسی مقام پر بیٹھ کر پانی پینا ناممکن ہو یا انتہائی مشکل ہو تو پھر کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

یہ تمام اختلاف کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ہے، باقی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا عام معمول بھی بیٹھ کر ہی پانی پینے کا تھا، اگرچہ امت کی تعلیم و تبلیغ اور جواز کو بیان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے بھی کھار کھڑے ہو کر بھی پیا ہے، جیسے آپ ﷺ نے سوار ہو کر طواف کیا ہے، جبکہ پیدل چل کر طواف کرنا افضل ہے۔

اس سے یہ شبہ بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جب کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تڑپ بھی ہے، تو پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی کیسے پیا، کیونکہ آپ ﷺ تو مکروہ تڑپ بھی کا بھی ارتکاب نہیں فرماتے تھے، اس کا جواب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عمل، جواز کو بیان کرنے کے لیے کیا ہے، اور جو عمل امت کو سکھانے کے لیے کیا جائے، وہ مکروہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے کر کے دکھانا ایک نبی کی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لیے یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے مکروہ تڑپ بھی والا عمل کیا ہے، درست نہیں ہے۔

(۱) زاد للمعاد ۲۲۹/۲، فصل فی ہدیۃ فی ہینا الجلوس للامکل، فصل۔ ط: بیروت

(۲) رد المحتار ۹۶/۱، کتاب الطہارۃ، مطلب فی مباحث الشرب قائلہ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیے فَمَنْ شَرِبَ فَمَنْ شَرِبَ اور جو بھولے سے کھڑے ہو کر پی لے تو اسے قے کر لینی چاہیے۔“ مگر اس حدیث سے قے کرنے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبائی ہے کہ ایسے شخص کے لیے بہت قے کر دے کر لے، خواہ اس نے بھولے سے کھڑے ہو کر پیا ہو یا جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، اور اگر کوئی قے نہ کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، یہ کلام زجر کے طور پر ہے، تاکہ اس عمل کی قباحیت امت کے سامنے واضح ہو جائے۔ (۱)

عَنِ النَّزَالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ: أَتَى عَلِيَّ بَكُورٌ مِنْ مَاءٍ، وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ، فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا، فَمَسَحَ بِإِصْبَعِهِ، وَمَضْمَضَ، وَاسْتَنْشَقَ، وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا وَضُوءٌ مَنْ لَمْ يَخْدُثْ، هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّ (۲)

ترجمہ: نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک کوزہ پانی لایا گیا، جبکہ وہ کوفہ کی ایک بلند اور کشادہ جگہ پر تشریف فرما تھے، انہوں نے ایک چلو پانی لیا، اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، گلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے، دونوں ہاتھوں اور اپنے سر پر مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر وضو کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا پھر فرمایا: یہ اس شخص کا وضو ہے، جس کا وضو نہ ٹوٹا ہو (یعنی جو پہلے سے با وضو ہو) میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- رحبة: ۱۔ (را اور جا پر زبر اور جاء پر سکون بھی پڑھ سکتے ہیں) کوفہ کی مسجد کے قریب ایک بلند اور کشادہ جگہ، جہاں بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے، ۲۔ مسجد کے اندر ہی ایک بلند جگہ، جہاں حضرت علیؓ لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا: منہ کی ضمیر ”الماء“ کی طرف لوٹ رہی ہے: اس پانی سے ایک چلو لیا، استنشق: ناک میں پانی ڈالا، ومسح وجہہ وذراعیہ: اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا یعنی غسل خفیف کیا، معمولی سا دھویا، دھونے میں خوب مبالغہ نہیں کیا، ثم شرب منه وهو قائم: اس میں ”منہ“ کی ضمیر ”ماء“ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی پھر وضو کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا جبکہ آپ ﷺ کھڑے تھے، مَنْ لَمْ يَخْدُثْ: یہ احداث سے ہے: وہ شخص جس کا وضو نہ ٹوٹے یعنی جو پہلے سے با وضو ہو۔

(۱) عمدة القاری ۱۹۳/۲۱، کتاب الاشریة، باب الشرب قائمہ، فتح الباری ۱۰/۱۰۱، کتاب الاشریة، باب الشرب قائمہ، رقم

الحديث: ۵۶۱۵، تکملة فتح الملهم ۱۲-۹/۴، کتاب الاطعمة، باب کراهیة الشرب قائمہ

(۲) سنن ابی داؤد، الاشریة، رقم الحديث: ۳۷۱۸۔

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے

حضرت علیؑ نے کوفہ کے مقام رجب، جہاں وہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے، لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے، وہاں کوزے سے وضو کیا، اور پھر لوٹے میں بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پیا، اور یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے، اس سے استدلال کر کے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ وضو کے بعد کھڑے ہو کر پانی پینا مستحب ہے، اور علامہ شامیؒ نے اس موقع پر پانی کھڑے ہو کر پینے کو بعض بزرگوں سے بہت سی پیاریوں کا علاج قرار دیا ہے۔

وَمَسْحُ وَجْهِهِ وَذِرَاعَيْهِ، اس مسح سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ چہرے اور ہاتھوں پر حقیقتاً مسح مراد ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو پانی سے گیلایا گیا ہے، اس صورت میں وضو سے نماز والا وضو مراد نہیں ہوگا، بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہوں گے، یعنی ان اعضاء کو اس نے صاف کر لیا، یہی وجہ ہے کہ اس روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں شرعی وضو مراد ہے، اور ”مسح“ سے غسل خفیف یعنی ہلکے انداز سے دھونا مراد ہے جس میں زیادہ اہتمام نہ کیا گیا ہو، اس مفہوم کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ پاؤں کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔

اس صورت میں حدیث میں گویا تجدید وضو کا ذکر ہے کہ حضرت علیؑ کا وضو تھا، مگر پھر بھی لوگوں کی تعلیم کے لیے انہوں نے تجدید وضو کیا اور پھر باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مقام رجب میں حضرت علیؑ نے متعدد بار وضو کیا ہو، کبھی مکمل وضو کیا اور کبھی شرعی وضو نہیں کیا، اس لیے دونوں قسم کی روایات میں تعارض نہیں۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ فَلَا تَأْذِي إِذَا شَرِبَ، وَيَقُولُ: هُوَ أَفْرَأُ وَأَرْوَى. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پانی پیتے وقت برتن میں تین سانس لیتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب پانی پیتے تو دو مرتبہ سانس لیتے تھے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۳۰۹/۱

(۲) سنن الترمذی، الاثریہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۵۔

(۳) سنن الترمذی، الاثریہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۷۔

مشکل الفاظ کے معنی :- يتنفس: سانس لیتے، امرأ: زیادہ خوشگوار و بہتر، زیادہ مرغوب، زیادہ مزے دار، أروى: زیادہ سیراب کرنے والا۔

نبی کریم ﷺ عموماً تین سانس میں پانی نوش فرماتے

مذکورہ احادیث میں پانی اور مشروب پینے کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا پانی پیتے وقت عام معمول تین سانس میں پینے کا تھا، آپ ﷺ یہ سانس برتن کے اندر نہیں بلکہ برتن کو منہ مبارک سے ہٹاتے تو الحمد للہ سے اللہ کا شکر بجالاتے، نبی کریم ﷺ سے کسی روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی صرف ایک ہی سانس میں پانی پیا ہو، اس لیے ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی اور کوئی مشروب پینا گو کہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، بلکہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہی سانس میں شیطان پانی پیتا ہے، اور طبی لحاظ سے بھی ایک سانس میں پانی پینا بہت نقصان دہ ہے، اس سے اعصاب میں ضعف، معدہ اور جگر کی مختلف بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، لہذا حتی الامکان اس انداز سے پانی پینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۲۔ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی دو سانس میں بھی پانی پی لیا کرتے تھے، اس بارے میں دو باتیں پیش نظر ہیں:

❖ پانی پینے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اسے تین سانس میں پیا جائے اور ہر مرتبہ برتن کو منہ سے الگ کیا جائے، تاہم دو سانس میں بھی پانی پینا جائز ہے، مگر اس طرح پینے کا عام معمول نہیں بنانا چاہیے۔

❖ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ امکان ہے کہ راوی نے تیسرے سانس کا ذکر نہ کیا ہو، اس لیے اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ دو سانسوں میں پانی پینا سنت ہے، یہ استدلال تام نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرٍة، عَنْ جَدِّهِ كَبْشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قَرْبَةٍ مَعْلَقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَىٰ فِيهَا لَقَطَعَنهُ. (۲)

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی عمرہ اپنی دادی حضرت کبشہ بنت ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے ہی لٹکے ہوئے مشکیزہ کے منہ سے پانی پیا، پھر میں مشکیزہ کے منہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور اس حصے کو کاٹ لیا (جس پر نبی کریم ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے)

(۱) فتح الباری ۱/۱۵۱، کتاب الاشریۃ، باب الشرب بتغسیین او ثلاثۃ، رقم الحدیث: ۵۳۱

(۲) سنن الترمذی، الاشریۃ، رقم الحدیث: ۱۸۹۳۔

عن أنس بن مالك: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلِيمٍ، وَفِي يَدَيْهَا مِزْجَانٌ مِزْجَانٌ، فَشَرِبَتْ مِنْ قَمَرِ الْقُرْبَةِ، وَهِيَ قَائِمَةٌ، فَطَاعَتْ أُمَّ سَلِيمٍ إِلَى رَأْسِ الْقُرْبَةِ، فَقَطَعَتْهَا (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم کے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہی مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا، ام سلیم پھر مشکیزے کے منہ کے پاس گئیں اور مشکیزے کے منہ کے حصے کو کاٹ لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قربہ: (کاف کے نیچے زیر اور راس آئین) مشکیزہ، معلقہ: (میںہ اسم مفعول) لٹکا ہوا، فقطعہ: اس مشکیزے کے منہ کو میں نے کاٹ لیا، دوسری روایت میں ہے: فقطعہا: ام سلیم نے مشکیزے کے منہ کے حصے کو کاٹ لیا، اس میں "حا" ضمیر "رأس" کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی مشکیزے کا سرا، اس کا منہ، اس ضمیر کو مؤنث یا تو مضاف الیہ یعنی رأس القرۃ میں القرۃ کی وجہ سے لایا گیا یا رأس القرۃ سے قطعۃ القرۃ مراد ہے، اس وجہ سے اس ضمیر کو مؤنث لایا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھار مشکیزے کے منہ سے براہ راست کھڑے ہو کر بھی پانی نوش فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کی وجہ سے مشکیزے سے براہ راست کھڑے ہو کر پانی پیا جاسکتا ہے، مگر اسے معمول بتالینا درست نہیں۔

۲۔ حضرت کبشہ بنت ثابت اور حضرت ام سلیم دونوں صحابیات نے مشکیزے کا وہ حصہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا، کاٹ لیا تھا، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

• یہ کاشایا تو ادب و احترام کی وجہ سے تھا تا کہ اسے اور کوئی استعمال نہ کرے اور اس پر کسی اور کا منہ نہ لگے۔

• یا انہوں نے برکت اور شفا حاصل کرنے کے لیے اسے کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا، تاکہ اس کے ذریعہ خیر و برکت اور شفا حاصل کی جائے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور امت کے نیک لوگوں کے تبرکات لینا اور انہیں اپنے پاس رکھنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ان کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ نہ بنالیا جائے اور انہیں ناجائز مقاصد اور اسلام کے خلاف کاموں کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

(۱) مستند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۷۱۱۵۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱/۶۴۸، کتاب الاشریۃ، باب الاشریۃ، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۷۸۱۔

احادیث میں تعارض اور اس کا حل

ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشکیزے کے منہ سے پانی پیا جاسکتا ہے، جبکہ ترمذی ابواب الاشربة میں حضرت ابوسعید خدری کی اور صحیح بخاری میں حضرت انس کی روایت میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، دونوں طرح کی روایات میں بظاہر تعارض ہے، اس تعارض کے ازالے کے لیے شارحین حدیث نے مختلف جوابات دیئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جن احادیث میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، اس سے وہ بڑی مشک مراد ہے، جس کا منہ زیادہ بڑا اور ٹھلا ہوتا ہے، جس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس سے پانی پینے سے پانی نیچے کرکڑیاں ہو جائے گا، یا انسان ضرورت سے زیادہ پانی پی جائے گا، اگر مشکیزے کے اندر کوئی کیزا ہوا ہو، تو وہ بھی پیٹ میں جاسکتا ہے، ان اسباب کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے جس مشک سے پانی پیا تھا، اس کا منہ ٹھک تھا، جس میں مذکورہ مفاسد اور نقصانات کا خطرہ نہیں تھا۔

۲۔ شارح ترمذی علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنگی ضرورت یا دقت کی تنگی یا برتن موجود نہ ہونے کی وجہ سے مشکیزے کے منہ سے پیا ہو، گویا آپ ﷺ نے کسی ضرورت کی وجہ سے اس طرح کیا، جبکہ ممانعت والی احادیث کا تعلق عام حالات سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول مشکیزے کے منہ سے براہ راست پانی پینے کا نہیں تھا۔

۳۔ ممانعت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے کہ اس طرح مشک کے منہ سے منہ لگا کر پینے کی عادت نہیں بنانی چاہیے، اس میں دیگر خرابیوں کے علاوہ مشک کے منہ میں رفتہ رفتہ بدبو پیدا ہونے لگتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا۔

۴۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ ممانعت کا یہ حکم مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے، حرمت کے درجہ میں نہیں، اور آپ ﷺ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا، اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز شرعاً جائز ہو، مگر اس کا کرنا پسندیدہ نہ ہو، ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

۵۔ ابوبکر اثرم فرماتے ہیں کہ رخصت کی احادیث، ممانعت والی احادیث کے لیے ناخ ہیں، گویا ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔ (۲)

(۱) شرح مسلم للنووی ۱/۲۷۳، کتاب الاشربة، باب اداب الطعام۔

(۲) فتح الباری ۱۰/۱۱۱، کتاب الاشربة، باب الشرب من قم النساء، رقم الحديث: ۵۱۲۸، شرح الطیسی ۸/۱۸۶، مرقاة المفاتیح ۸/۹۳، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی ۱/۱۸۲، ابواب الاشربة، باب ما جاء فی اختناث الأسقية۔

حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا

ملا علی قاری، علامہ بیگوری اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کبشہ سے کبشہ بنت ثابت بن منذر انصاریہ مراد ہیں، جو حضرت حسان کی بہن ہیں اور صحابیات میں سے ہیں، جبکہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی راویہ کبشہ بنت کعب بن مالک انصاری ہیں، مگر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یہ تصریح کی ہے کہ مذکورہ حدیث کی راویہ کبشہ بنت ثابت ہیں، اور سورہ الصرة کی بحث میں حضرت ابو قتادہ کی روایت میں جو کبشہ ہیں، ان سے کبشہ بنت کعب بن مالک انصاری مراد ہیں، جو عبد اللہ بن ابی قتادہ کی بیوی ہیں۔ (۱)

عَنْ ثَمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا، وَرَزَعَمُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا. (۲)

ثمامہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک برتن سے تین سانس میں پانی پیتے تھے، اور کہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی برتن سے تین سانس میں پانی پیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے بارے میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدٍ بِنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا. (۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی بیٹی حضرت عائشہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (کبھی کبھار) کھڑے ہو کر بھی پانی پیتے تھے۔

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول بیٹھ کر پانی پینے کا تھا، مگر کسی مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے کبھی کھڑے ہو کر بھی پی لیتے تھے، اس بارے میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَعَطْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کے خوشبو لگانے کا ذکر ہے

عَنْ فُؤَسَى بْنِ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسْكَةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا. (۴)

(۱) الإصابة في تمييز الصحابة ۲/۸، ۲۹۳، كتاب النسماء، حرف الكاف، رقم: ۱۱۶۶، جمع الوسائل في شرح الشرائع مع شرح المناوي ۳/۱۲۱

(۲) سنن ابن ماجه، الاثرية، رقم الحديث: ۱۲۲۳۔

(۳) اشار اليه الترمذی في الاثرية بعد حديث: ۱۸۸۳۔

(۴) سنن ابی داؤد، كتاب الترجل، باب في استحباب الطيب، رقم الحديث: ۴۱۶۲۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عطر دان یا خوشبو تھی، جس میں سے یا اس خوشبو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- عطر: (تا اور عین پر زبر، طا پر پیش اور تشدید) عطر لگانا، عطر استعمال کرنا، بتطیب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگاتے، استعمال فرماتے، سکک: (سین پر پیش، کاف پر زبر و تشدید) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ سکک کے معنی عطر دان اور خوشبو کے ڈبہ کے ہیں، جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے، اس صورت میں بتطیب منہا کا ترجمہ یوں ہوگا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کے ڈبہ میں سے خوشبو لگایا کرتے تھے۔

صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ ”سکک“ ایک خوشبو ہے، جو چند مخصوص چیزوں سے تیار کی جاتی ہے، اس صورت میں بتطیب منہا کے معنی ہوں گے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خوشبو میں سے کچھ لگاتے یعنی صرف ایک ہی بار نہیں بلکہ مختلف اوقات میں کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کچھ لگاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے

اللہ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں یہ شان رکھی تھی کہ اس سے خود بخود خوشبو مہکتی تھی، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو استعمال نہ فرمائی ہو، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی کوئی خوشبو نہیں سونگھی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ عمدہ اور اچھی ہو، بہت سی روایات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ میں بہت خوشبو تھی، صحابہ اور صحابیات اسے خوشبو کے طور پر استعمال کرتے تھے، صحیح مسلم میں روایت ہے، حضرت ام سلیم فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ سونے کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا، ام سلیم اسے ایک شیشی میں ڈالنے لگیں، اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ہے، اسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے، کیونکہ یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔ (۲)

طبرانی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پر دم کیا اور پھر اسے حضرت عقبہ کی کمر اور پیٹ پر پھیرا، جس سے اس قدر خوشبو مہکتی تھی کہ ان کی چار بیویوں میں سے ہر بیوی بہت زیادہ خوشبو لگاتی، تاکہ ان کی خوشبو کے برابر ہو جائے، مگر پھر بھی حضرت عقبہ کی خوشبو غالب ہی رہتی، حالانکہ حضرت عقبہ مزید کوئی خوشبو نہ لگاتے، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۲/۶

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم والبرکۃ بہ، رقم الحدیث: ۲۳۳۱

کے ہاتھ کی برکت تھی۔ (۱)

سنن بیہقی وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جس گلی اور راستے سے گزرتے، تو وہ خوشبو سے مہک جاتا تھا، آپ ﷺ کے بعد گزرنے والے لوگ یہ پہچان لیتے کہ اس راستے سے ابھی ابھی نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔ (۲)

اس کے باوجود نبی کریم ﷺ بکثرت خوشبو کا استعمال فرماتے، اور خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند بھی تھی، کیونکہ اس سے طبیعت میں تازگی اور نکھار پیدا ہوتا ہے، یوں ایک انسان نئے جذبے اور نشاط کے ساتھ دینی امور اور اللہ جل شانہ کی عبادت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔

حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ”سکہ“ تھا، یعنی خوشبو کا ڈبہ، عطر دان یا خوشبو تھی، اس سے آپ ﷺ خوشبو لگایا کرتے تھے، اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ ایک مسلمان کو سنت کی نیت سے خوشبو کا استعمال کرنا چاہیے، تاکہ اس کے جسم کی بدبو سے کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے۔

✽ خوشبو کو کسی ڈبے اور عطر دان میں رکھا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

عَنْ لُصَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَا يُزِدُ الطَّبِيبَ، وَقَالَ أَنَسُ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُزِدُ الطَّبِيبَ. (۳)

حضرت ثمامہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی خوشبو کو روئیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی بھی خوشبو کو روئیں فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا تُرَوَّدُ: الْوَسَائِدُ، وَالذَّهْنُ، وَالطَّبِيبُ وَاللَّيْنُ. (۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں کو رو کر نامناسب نہیں: بکیہ، تیل، خوشبو اور روڑہ۔

خوشبو سمیت چند چیزوں کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے

نبی کریم ﷺ کو جب کوئی خوشبو پیش کی جاتی، تو آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے تھے، روڑہ فرماتے، دوسری حدیث

(۱) للمعجم الاوسط للطبرانی ۴۴/۱، رقم الحدیث: ۹۸

(۲) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح المناوی ۲/۲، اخلاق النبی و آدابہ ۲۵/۲، رقم الحدیث: ۲۳۵، باب ذکر محبتہ للطیب و تطیبہ ط: بیروت

(۳) سنن الترمذی، الادب، رقم الحدیث: ۲۷۹۱۔

(۴) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۹۲۔

میں نبی کریم ﷺ نے تکیہ، تل، دودھ اور خوشبو کا ذکر فرمایا کہ اگر یہ چیزیں پیش کی جائیں تو انہیں قبول کر لینا چاہیے، اس پیش کرنے کی دوسورتیں ہیں:

● ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور میزبان اسے استعمال کے لیے تکیہ دے، خوشبو، دودھ اور تل پیش کرے تو اسے ضرور قبول کر لینا چاہیے، مختلف قبول نہ کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ اسے تکیہ کی علامت قرار دیا ہے۔

● مہمان کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کسی کو یہ چیزیں ہدیہ کے طور پر دے، تو سنت یہ ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے، ایک تو اس وجہ سے کہ عموماً خوشبو وغیرہ کا ہدیہ دینے والے پر بوجھ نہیں ہوتا، یہ چیزیں زیادہ ہنگامی نہیں ہوتیں، لہذا ایسی خوشبو جیسے عود، ہندی اور شامہ وغیرہ جو زیادہ قیمتی ہوں، وہ اس حکم میں داخل نہیں، ان کا ہدیہ دیا جاسکتا ہے، دوسرا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے اور بکثرت اسے استعمال بھی فرماتے، لہذا اگر کسی فقہ کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی شری مانع بھی نہ ہو تو اس قسم کی چیزیں ہدیہ میں قبول کر لینی چاہئیں، تاکہ ہدیہ دینے والے کا دل خوش ہو جائے، اس کی دل آزاری نہ ہو۔ (۱)

علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ مذکورہ احادیث میں جو خوشبو اور دودھ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے ایسی چیزیں مراد ہیں، جن کا ہدیہ دینے والے پر کوئی بوجھ نہ ہو، لہذا ان کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے، جس کا کوئی بوجھ نہ ہو، مثلاً کوئی میٹھی چیز اور ضرورت مند کا کھانا، امام سیوطی نے ایسی سات چیزیں ذکر کی ہیں جن کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے، اور ان دو شعروں میں انہیں ذکر کیا ہے:

عَنِ الْمُصْطَفَى تَسْبِغُ نَفْسٌ قَبُولُهَا إِذَا عَابَهَا قَدْ أَلْغَفَ الْغَمْرُ جِلْدَهَا

فَخَلَّوْا أَلْيَانًا وَذَهْنَ وَسَادَةً وَرَدُّ قِيَامٍ لِمُحْتَاجٍ وَطِيبٍ وَزِيَّاحَانٍ (۲)

ترجمہ: ۱۔ نبی کریم ﷺ سے سات چیزیں ایسی مقبول ہیں، جن کا ہدیہ قبول کرنا مسنون ہے، جب دوست کسی آدمی کو وہ ہدیہ میں دے دیں۔

۲۔ میٹھی چیز، دودھ، تل، تکیہ، ضرورت مند کا راشن، خوشبو، اور ہر خوشبودار گھاس، پودا، یا نازیل۔

ثالث لا ترد... حدیث میں تین کا لفظ ہے، جبکہ اس کی تفصیل میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزیں ذکر فرمائی ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں کی تفصیل میں کتابی نسخوں میں اختلاف ہے، بعض میں: تکیہ، خوشبو اور دودھ ہے، بعض میں: تکیہ، تل اور خوشبو ہے، ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاتین کا ذکر کیا اور پھر فیما ایک اور چیز کا بھی ذکر فرما دیا ہو، اور یہ ممکن ہے کہ ”دھن“ نے خوشبودار تل مراد ہو، اس بات کو کبھی دھن سے ذکر دیا گیا ہے، اور کبھی خوشبو سے، اور مذکورہ حدیث میں دھن اور طیب دونوں مذکور ہیں، اس میں لفظ طیب اس ”دھن“ کی تفسیر اور بیان ہے،

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح النواوی ۴/۲

(۲) متھی السؤل علی وسائل الوصول للشیخ عبد اللہ بن سعید للکلی ۳۵۸/۱، ط: دار للنہاج، اللوہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدیہ (ص: ۳۵۳)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام ترمذی نے یہ روایت ابواب الاداب میں ذکر کی ہے، اس میں یہ تین چیزیں ہیں: تکیہ، تہل اور دودھ، خوشبو کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَيِّبُ الزَّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطَيِّبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کی خوشبودہ ہے جس کی خوشبو ظاہر یعنی چیز ہو اور اس کا رنگ پوشیدہ یعنی ہلکا ہو، اور عورتوں کی خوشبودہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو (یعنی غالب ہو) اور اس کی خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی ہلکی اور کم ہو)

مرد و عورت کی خوشبو میں فرق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کو ایسی خوشبو اور عطر استعمال کرنا چاہیے جس کی مہکت تیز ہو، جس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچ جائے، رنگ اس کا بالکل ہی نہ ہو یا ہلکا ہو جیسے گلاب، عنبر، عود، شامہ اور پرفیوم وغیرہ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو، جس کا رنگ کپڑوں پر ظاہر ہو جائے، مگر اس کی خوشبو انتہائی معمولی ہو، جو اس کی ذات تک ہی محدود ہو، یا زیادہ سے زیادہ اس کے شوہر تک پہنچ جائے جب وہ قریب ہو۔

یہ ذہن میں رہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگانے کا جواز صرف گھر کے اندر تک ہے، خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا عورت کے لیے جائز نہیں ہے، ایسی عورت کو حدیث میں ”زانیہ“ کہا گیا ہے، اس لیے عورت کے لیے تیز خوشبو لگانا ہرگز جائز نہیں، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی حفت و عصمت اور پاکدامنی کو محفوظ رکھنے کے لیے کیسے اصول اور عمدہ نصائح ارشاد فرمائی ہیں، مگر افسوس کہ آج کی بہت سی مسلم خواتین اس حکم پر عمل نہیں کر رہیں، وہ شرعی پردے کے بغیر میکب سے آراستہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی ہیں، اسے برا بھی سمجھا جاتا، غیر مسلم قوموں اور فاسق لوگوں کے جو طور طریقے، جوڈیزائن اور فیشن اس کے سامنے آتے ہیں، اندھا دھند انہیں اختیار کر لیا جاتا ہے، یہ نہیں سوچا جاتا کہ شرعی لحاظ سے اس طرح کا لباس اور خوشبو وغیرہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

لہذا مرد حضرات کو جمعہ، عیدین، احرام پہننے سے پہلے احرام کی چادروں میں، علم و ذکر کی محفلوں اور تلاوت قرآن کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۴/۲۲، تحفۃ الاحوذی ۴/۷۸، کتاب الاداب، باب ما جاء فی کراہیۃ رد الطیب، رقم الحدیث: ۲۷۹۰

(۲) سنن الترمذی، الادب، رقم الحدیث: ۲۷۸۸۔

وقت غرض ہر اجتماع کے موقع پر خوشبو کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (۱)

عَنْ أَبِي عُمَرَ النَّهْدِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الزَّيْحَانِ فَلَا يَزِدُّهُ، لِيَأْتَهُ عَرَجٌ مِنَ الْجَنَّةِ. (۲)

ترجمہ: ابو عثمان عبد الرحمن نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس شخص کو زیحان یعنی کوئی خوشبودی جائے تو وہ اسے رد نہ کرے (بلکہ قبول کر لے) اس لیے کہ وہ (یعنی اس کی اصل) جنت سے نکلے۔

دنیا کی خوشبو کی اصل جنت سے ہے

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ زیحان کے معنی: ہر خوشبودار پودا یا نازبو کے ہیں، مراد اس سے خوشبو ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو ہدیہ میں خوشبودی جائے تو وہ اسے رد نہ کرے، قبول کر لے، یہی مسنون طریقہ ہے، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

۲۔ دنیا کی خوشبو کی اصل اور اس کا بیج جنت سے آیا ہے، عین خوشبو کا جنت سے آنا مراد نہیں، دنیا کی خوشبو عین جنت کی خوشبوؤں کا نمونہ ہیں، اللہ جل شانہ نے جنت کی خوشبوؤں کی نقل دنیا میں اس لیے پیدا فرمائی ہے، تاکہ مسلمان اپنے نیک اعمال کے ذریعہ جنت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، یہ خوشبو ان کو جنت کی خوشبو یاد دلائے، یوں وہ زیادہ ذوق و شوق اور جذبے سے آخرت کی کوشش کریں گے، ورنہ دنیا کی خوشبوؤں کو جنت کی خوشبوؤں سے کیا نسبت، جنت کی خوشبو کی مہک اس قدر تیز ہوگی کہ پانچ سو سال کی مسافت کے فاصلے سے وہ محسوس ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس کا اہل بنادے۔ (۳)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: غُرِطُ بَيْنَ يَدَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَلْقَى جَرِيرٌ رِدَاءَهُ وَمَشَى فِيهِ إِزَارًا، فَقَالَ لَهُ: خُذْ رِدَاءَكَ. فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ: مَا زَأَيْتُمْ وَجَلَّ أَحْسَنُ صُورَةٍ مِنْ جَرِيرٍ إِلَّا مَا بَلَغْنَا مِنْ صُورَةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ نقل فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر کے سامنے (جہاد کی اہلیت دیکھنے کے لیے) پیش کیا گیا، چنانچہ حضرت جریر نے اپنی چادر اتار دی اور تہ بند میں چلنے لگے، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: چادر لے لو (تمہارا معائنہ ہو گیا) پھر قوم یعنی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا، جس کی شکل و

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۵/۲

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۹۲۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۶/۲

صورت جریر سے زیادہ خوبصورت ہو، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے، جس کی تفصیل ہم تک پہنچی۔
 مشکل الفاظ کے معنی :- عرضت: (حکلم مجہول) مجھے پیش کیا گیا تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ میں جہاد کر سکتا ہوں یا نہیں، القی
 جوہو: جریر نے اتار دی، قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ عبارت یوں ہوتی: فالقیبت ردائی ومشیبت فی الازار (میں نے اپنی چادر اتار
 دی اور تہ بند میں چلنے لگا) یہ اسلوب کس وجہ سے تبدیل کیا گیا؟ اس میں دو احتمال ہیں: ۱۔ یہ حکلم کے صیغہ سے غائب کی طرف
 التفات ہے، یہ حسن کلام کے لیے حضرت جریر نے ایسا کیا، ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام جریر بن عبد اللہ کا نہ ہو بلکہ حدیث کے
 راوی قیس بن ابی حازم کا ہو، جو انہوں نے غائب کے صیغوں کے ساتھ اس مفہوم کو بیان کیا، الا ما بلغنا من صنوۃ یوسف، سوائے
 حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے، جس کی تفصیل ہم تک پہنچی ہو، وہاں وہ چادر جو جسم کے اوپر والے حصے پر ناف سے اوپر اوپر
 اوڑھی جائے، ازار: وہ چادر جو ناف سے گھٹنے تک اوڑھی جائے، تہ بند: (۱)

جریر بن عبد اللہ کو حضرت عمر کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کیا گیا

حضرت عمر فاروقؓ اپنے دور خلافت میں جب مجاہدین کو جہاد کے لیے روانہ کرتے تو پہلے نئے بندوں کو چیک کرتے،
 اپنے سامنے انہیں چلا کر معائنہ کیا کرتے کہ ان میں جہاد کی طاقت اور صلاحیت ہے یا نہیں، اسی غرض سے ایک مرتبہ حضرت جریر
 بن عبد اللہ کو لشکر کے ذمہ دار تے حضرت عمرؓ کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کیا، تاکہ وہ انہیں دیکھ کر فیصلہ کر سکیں کہ یہ جہاد کے لیے
 موزوں ہیں یا نہیں، حضرت جریر نے اپنی چادر اتار کر لگی، لیکن اس میں چل کر دکھایا تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا کہ
 اپنی چادر لے لو، تمہارا معائنہ ہو گیا ہے، اور پھر لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا، سوائے
 حضرت یوسف کے جو ان کے بارے میں ہم تک پہنچا۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت جریر بن عبد اللہ گھوڑے پر ثابت قدمی کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے
 تقریباً چالیس دن پہلے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا، جس کی برکت سے پھر وہ ثابت قدم ہو کر بیٹھ جاتے تھے، سوال یہ ہے
 کہ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں کیوں چیک کیا، مان کا امتحان کیوں لیا گیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

• یہ معائنہ پیدل چلنے کا تھا، گھوڑے پر سوار ہونے کا نہیں تھا۔

• اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جریر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہیں دور چلے گئے ہوں پھر حضرت عمر فاروقؓ
 کے ذمہ میں واپس آئے ہوں، اس لیے انہیں جہاد کے لیے چیک کیا گیا۔ (۲)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۸۶۲

(۲) اللوہب اللدنیۃ علی الشہائل للمحمدیۃ (ص: ۲۵۸) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۸۶۲

۲۔ الاما بلغنا عن صورة يوسف سے حضرت عمرؓ نے صرف حضرت یوسف کا استثناء کیا حضور ﷺ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا حسن و جمال تو حضرت یوسف سے بھی زیادہ تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کا استثناء کیا تو اس سے خود بخود حضور اکرم ﷺ کا بھی استثناء ہو گیا، کیونکہ آپ ﷺ کا حسن و جمال حضرت یوسف سے کہیں زیادہ تھا، نیز علامہ قرطبی، حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا پورا حسن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا، تاکہ لوگ آپ ﷺ سے استفادہ کر سکیں، کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کا پورا حسن لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا جاتا تو پھر نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنا اور پھر آپ ﷺ سے استفادہ ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔

۳۔ احادیث میں حضرت وحیہ کے حسن کا بھی ذکر آتا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ حضرت وحیہ کا صرف چہرہ خوبصورت تھا، جبکہ حضرت جریر بن عبد اللہ کا چہرہ اور پورا جسم خوبصورت تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر کا جسم دیکھ کر ہی یہ فرمایا: ما رأیت رجلاً احسن صورة من جریر۔

۴۔ ایک اہم اشکال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ ﷺ سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے، پھر امام ترمذی نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا؟ اس اشکال کے متن جواب دیئے گئے ہیں، میرک کہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ کسی کا شبہ غلطی سے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس باب میں یوں اضافہ کیا جائے: وَ احْسِنُ مَنَاسِبَ الْأَصْحَابِ وَعَزَّ ضَمِيمُ عَلِيٍّ ابْنِ الْخَطَّابِ، اب باب میں تین چیزوں کا ذکر آ گیا ہے: ایک حضور اکرم ﷺ کے خوشبو لگانے کا ذکر، دوسرا صحابہ کرام کے حسن و جمال کا بیان اور تیسرا صحابہ کو ابن الخطاب کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کرنا۔

اس تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو پھر اس حدیث کو باب سے مناسبت قائم ہو جاتی ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ خوبصورتی کو خوشبو لازم ہوتی ہے، جو شخص جس درجہ کا حسین و جمیل ہوتا ہے، اسی اعتبار سے عموماً وہ خوشبو کا بھی استعمال کرتا ہے، یوں اس کے جسم اور لباس دونوں سے خوشبو مہکتی رہتی ہے، حضرت جریر اور صحابہ کرامؓ بھی اتباع سنت کی وجہ سے خوشبو کا استعمال فرماتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ بکثرت خوشبو کا استعمال فرمایا کرتے تھے، یوں اس حدیث کو اس باب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ (۱)

بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے کلام کرنے کی کیفیت کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرُذُ سِرَّةً كُمْ هَذَا، وَلَكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۸/۲ الواهب اللدینی علی الشیائل للحمیدی (ص: ۳۵۹)

بَيْنَ فَضْلٍ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیز تیز اور مسلسل بات نہیں کرتے تھے، جس طرح تم لوگ جلدی جلدی اور پے در پے بولتے ہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ ہر مضمون دوسرے سے ظاہر، واضح اور الگ ہوتا تھا، اس کلام کو ہر وہ شخص یاد کر لیتا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوتا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِيَعْقَلَ عَنْهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کلام کو تین بار دہراتے تھے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو (اچھی طرح) سمجھا جاسکے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- يسرد: جلدی جلدی اور مسلسل گفتگو کرنا، عربی زبان میں اشہر حرم کے مہینوں کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے: ثَلَاثَةٌ سَرْدٌ وَوَاحِدٌ قَوْدٌ یعنی تین ماہ مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ الگ ہے یعنی رجب، سرد کم ہذا: اصل عبارت یوں ہے: کسرد کم ہذا: جیسا کہ تم لوگ تیز تیز اور پے در پے بولتے ہو، کلام نہیں: (با پر زور، یا پر تشدید اور زیر) صاف اور واضح کلام، فصل: (فا پر زور اور صا دشا کن) ہر بات دوسری بات سے الگ ہوتی، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، يعيد الكلمه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام کو دہراتے، لعقل عنه: (میخدا و اخدا غائبہ مجہول): تاکہ اس کلمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اچھی طرح) سمجھا جاسکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا انداز

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور بات چیت کرنے کے انداز کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی اور مسلسل نہ بولتے، کیونکہ اس انداز سے لوگوں کو بات سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر بولا کرتے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واضح اور صاف گفتگو فرماتے، ہر جملہ سننے والے کو اچھی طرح سمجھا جاتا، اگر کوئی اسے یاد کرنا چاہتا، یا لکھنا چاہتا تو وہ اسے بڑی آسانی سے یاد کر سکتا تھا اور چاہتا تو اسے لکھ بھی سکتا تھا۔

۳۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی بات کو تین تین بار دہراتے، تاکہ سامعین کو اچھی طرح سمجھا جائے، عموماً کلام کا دہرانا اس وقت ہوتا، جب سننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی یا وہ کلام اتنا مشکل ہوتا کہ ایک بار سننے سے وہ بات سمجھ میں نہ آ سکتی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تین بار دہراتے یا وہ بات بہت اہم ہوتی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار دہراتے، تاکہ سننے والوں کے دلوں میں

(۱) سنن الترمذی، للناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۳۔

(۲) سنن الترمذی، للناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۴۔

اس کی اہمیت آجائے، ہر وقت ہر طرح کے کلام کو دہرانے کا معمول نہیں تھا، کیونکہ ایک معمولی بات کو دہرانے سے بعض اوقات آدمی اکتا جاتا ہے، اور یہ بات عربی فصاحت و بلاغت کے بھی خلاف ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کلام کرے تو ان آداب کا خیال رکھے، ٹھہر ٹھہر کر بولے، واضح اور صاف صاف بات کرے، مشکل نہیں بلکہ آسان جملے استعمال کرے، اور ضرورت پڑے تو ایک بات کو دہرا بھی لے، تاکہ جو پیغام وہ لوگوں کو دینا چاہتا ہے، وہ سننے اور لکھنے پڑھنے والوں کے سامنے خوب آجائے اور واضح ہو جائے، اور اسے سمجھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی دشواری اور مشکل پیش نہ آئے۔

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ نَحْلِي هَنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَافًا، فَقُلْتُ: صِفْ لِي مُنْطَلِقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْأَخْرَانِ، دَائِمَ الْفِكْرَةِ، لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ، طَوِيلَ السَّكْتِ، لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ، يَفْتَحُ الْكَلَامَ وَيُخَيِّمُهُ بِأَشْدَاقِهِ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، كَلَامُهُ فَضْلٌ، لَا فَضُولَ وَلَا تَقْصِيرَ، لَيْسَ بِالْحَافِي وَلَا الْمُهِينِ، يُعْظِمُ التَّعْظِيمَ وَإِنْ ذُقْتَ، لَا يَذِمُّ مِنْهَا شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذِمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ.

ترجمہ: حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے، جو نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو خوب اچھی طرح کثرت سے بیان فرماتے تھے، عرض کیا کہ آپ، حضور اکرم ﷺ کی گفتگو (اور خاموش رہنے) کی کیفیت مجھ سے بیان فرمادیجئے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ (آخرت کے) مسلسل غموں میں مشغول رہتے تھے، ہر وقت (اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور امت کی فلاح کے لیے) غور و فکر اور سوچ میں رہتے تھے، ان امور میں متفکر رہنے کی وجہ سے کسی وقت آپ ﷺ کو راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات آپ ﷺ خاموش رہتے تھے، ضرورت کے بغیر آپ ﷺ گفتگو نہ فرماتے، آپ ﷺ گفتگو کا آغاز اور اختتام اپنی باجھوں سے کرتے (یعنی آپ ﷺ کی ساری گفتگو ابتداء سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی تھی، صرف ہونٹ کے کنارے سے گفتگو نہ فرماتے) آپ ﷺ جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے، آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتا تھا، نہ تو وہ ضرورت سے زائد ہوتا اور نہ مقصد کے بیان میں کوتاہ ہوتا، آپ ﷺ نہ تو سخت مزاج تھے اور نہ کسی کو رسوا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (تولا و عملا) بڑا سمجھتے تھے، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی اور چھوٹی ہو، کسی بھی نعمت کی آپ ﷺ مذمت نہ فرماتے، البتہ کھانے پینے کی چیزوں کی آپ ﷺ مذمت فرماتے اور نہ ان کی تعریف فرماتے (کہ اس سے حرص کا شبہ ہوتا ہے)۔

(۱) فتح الباری ۶/۱۷۷، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۶۷، مرقاة المفاتیح ۱۰/۲۹۳، کتاب الفضائل، باب

فی أخلاقہ، رقم الحدیث: ۵۸۲۸، تحفة الاحوذی ۱۰/۱۸۷، کتاب المناقب، باب فی کلام النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۹

وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا، وَلَا مَا كَانَ لَهَا، فَإِذَا تَعَدَّى الْحَقُّ، لَمْ يَقُمْ لِعُضْبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ، وَلَا يَغْضِبَ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَنْتَصِرَ لَهَا، إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكُفِّهِ كُلِّهَا، وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلْبُهَا، وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا، وَصُرَّتْ بِوَاحِيَةٍ الْيَمْنَى بَطْنُ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى، وَإِذَا غَضِبَ أَغْرَضَ وَأَشَاحَ، وَإِذَا فَرَحَ غَضَّ طَرَفَهُ، جُلَّ ضَحِكُهُ التَّبَسُّمُ، يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْقَمَامِ.

ترجمہ: اور آپ ﷺ کو نہ تو دنیا غصہ دلاتی اور نہ وہ چیز، جو دنیا کی ہو (یعنی مال و دولت، منصب اور شہرت) مگر جب کوئی شخص کسی دینی امر اور حق بات سے تجاوز کرتا، تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں، اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر غصہ ہوتے اور نہ ہی بدلہ لیتے تھے، جب آپ ﷺ کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اپنی ہتھیلی کو پلٹ لیتے تھے، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کی گفتگو ہتھیلی کی حرکت سے ملتی ہوتی، اور کبھی دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندر دھکی دیتے اور جب آپ ﷺ کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور اس سے خوب بے رخی فرماتے، اور جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو (حیا کی وجہ سے) اپنی آنکھ کو بند فرما لیتے، آپ ﷺ کی اکثر فحش مسکرائیاں ہوتا، ہنسنے کے وقت آپ ﷺ کے دانت اُگلے کی طرح سفید اور چمکدار ظاہر ہوتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- متواصل: لگاتار، مسلسل، احزان: حزن کی جمع ہے: غم، پریشانیاں، اشداق: شذوق کی جمع ہے: باچھیں، ہونٹوں کے کنارے، جوامع: جامعۃ کی جمع ہے: ایسا کلام جو بہت سے معنی کو شامل ہو، الکلم: (کاف پرزبر اور لام کے نیچے زیر) کلمۃ کی جمع ہے، اور جوامع الکلم سے ایسا کلام مراد ہے، جس کے الفاظ کم ہوں، مگر ان کے معانی اور مطالب بہت وسیع اور زیادہ ہوں، فصل: (قاف پرزبر اور صاد ساکن) حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا کلام، جدا جدا بات، جو ایک دوسرے سے ممتاز ہو، فضول: ضرورت سے زائد کلام، تفصیر: مطلب کو بیان کرنے میں کوتاہ اور ناقص گفتگو، جافی: سخت مزاج، اکھڑ مزاج، بے رحم، سنگدل، المہین: اس لفظ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ باب افعال سے صیغہ اسم فاعل ہو، اس صورت میں اس کی میم پر پیش ہوگا: تذلیل کرنے والا، رسوا کرنے والا، ۲۔ المہین (میم پرزبر کے ساتھ) مہانۃ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کی یہ میم اصلی ہوگی، اس کے معنی ہیں: ذلیل و حقیر، بعظم: نعمت کو بڑا سمجھتے تھے، وان دقت: اگرچہ وہ نعمت معمولی اور چھوٹی ہو، ذواقا: یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے: کھانے پینے کی کوئی بھی چیز، ولا ما کان لہا: اور نہ وہ چیز آپ ﷺ کو غصہ دلاتی، جو دنیا کی ہو، تعدی الحق: (صیغہ مجہول): حق سے تجاوز کیا جائے یعنی اگر کوئی شخص حق بات سے تجاوز کرے، لم یقم لغضبه شئی: کوئی چیز آپ ﷺ کے غصہ کی تاب نہ لاسکتی، حتی یتنصر: یہاں تک کہ آپ ﷺ انتقام لے لیں، بدلہ لے لیں، قلبہا: اپنی ہتھیلی کو پلٹ دیتے یعنی ہتھیلی کے اندر دھکی دیتے اور بیرونی حصے کو نیچے کی طرف کر دیتے، اتصل بہا: آپ ﷺ کا کلام

پتیلی کی حرکت کے ساتھ متصل رہتا، اغرض: آپ ﷺ اعراض کرتے یعنی حصہ کے مقتضی پر عمل نہ کرتے بلکہ اس سے درگزر فرماتے، اہباح: آپ ﷺ اعراض میں مبالغہ کرتے، غرض طرہ: اپنی نگاہ نیچے کر لیتے، سر نہ اٹھاتے، حریصانہ نظر سے نہ دیکھتے، جمل: (جیم پر پیش اور لام پر تشدید) اکثر، جل ضحکہ: (ضاد پر زبر، حا اور کاف کے نیچے زیر) آپ ﷺ کی ہنسی کا اکثر حصہ یعنی عموماً، یفتو: یہ لفظ افترا سے ہے: آپ ﷺ کہتے، جب الغمام: بادل کا دانہ یعنی اولے، مولیٰ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے، خاموش رہنے کی کیفیت اور دیگر اوصاف

اس حدیث میں حضرت حسن بن علی کے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ نے نبی کریم ﷺ کے کلام کرنے کا انداز، خاموش رہنے کی کیفیت اور آپ ﷺ کے دیگر چند اوصاف کو ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل بالترتیب درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، آخرت میں پیش آنے والے امور اور امت کی فلاح و بہبود کے لیے اکثر غمگین رہتے تھے، کسی دنیوی مقصد کی وجہ سے پریشان نہیں ہوتے تھے، آپ ﷺ کا دل ہر وقت اللہ جل جلالہ کی یاد میں مستغرق رہتا، اس کے باوجود آپ ﷺ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، جو غزوہ آپ ﷺ کے پاس آتا، آپ ﷺ اس کا غم سنتے اور اسے تسلی دیتے، چنانچہ عربی زبان میں عارف باللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: اِنَّ الْعَارِفَ هَشَّ بَشَرٍ اَللّٰهُ كِي مَعْرِفَتٍ رَكْنٌ وَالْاَفْصَحُّ اَنْ هَشَّ مَكْمُكٌ ہوتا ہے، اس کے چہرے پر بشارت ہوتی ہے، یعنی اس کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کو اللہ کے ہاں جو مقام قرب حاصل تھا، اس کی لاج رکھتے ہوئے آپ ﷺ ہمہ وقت ایسے اعمال میں مشغول رہتے، جن سے اللہ جل شانہ کا مزید قرب حاصل ہو۔

آپ ﷺ ہر وقت اس فکر اور سوچ میں بھی رہتے، کہ یہ دین لوگوں میں کس طرح پھیلے، کفر و ضلالت کے اندھیروں میں ڈگمگاتی ہوئی انسانیت کو کیسے راہِ راست پر لایا جائے، کفر کا راستہ زبک کر اسلام کا دفاع کس طور پر کیا جائے، یہ وہ افکار ہیں جن کو آپ ﷺ اکثر سوچتے رہتے، تاکہ ان کا حل تلاش کیا جائے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ اکثر خاموش رہتے، ضرورت کے بغیر گفتگو نہ فرماتے، قرآن میں فرمایا: وَمَا يَتَّبِعُكَ مِنَ الْقَوْلِ (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے) ضرورت کے بغیر بولنے سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور منہ سے ایسی کوئی بات نکل جاتی ہے جو شرعی لحاظ سے درست نہیں ہوتی، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کیا کرے، ورنہ خاموش رہے، اور فرمایا: آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے۔

۳۔ یفتح الکلام ویختبہ باشدادہ (او باسم اللہ تعالیٰ) یہاں دو طرح کے الفاظ منقول ہیں:

بعض نسخوں میں باشداقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پوری گفتگو شروع سے آخر تک منہ بھر کر ہوتی تھی،

صرف ہونٹ کے کنارے سے گفتگو نہ فرماتے، جس طرح عموماً مسکبر لوگوں کی گفتگو کا انداز ہوتا ہے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھاڑ پھاڑ کر کلام فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام معتدل ہوتا، اس میں افراط اور تفریط نہیں ہوتا تھا۔

بعض نسخوں میں باسم اللہ تعالیٰ ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام کا آغاز اللہ کے نام سے کیا کرتے یعنی بسم اللہ سے شروع فرماتے، اسی طرح اپنی گفتگو کو اللہ کے نام سے ہی ختم فرماتے یعنی الحمد للہ سے ختم فرماتے، اس آیت پر عمل کرتے ہوئے: **اِخْوَدَعُواهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔**

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جامع کلام فرماتے تھے، یعنی ایسا کلام جس کے الفاظ تھوڑے ہوتے، مگر ان کے معانی بہت زیادہ ہوتے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** اور فرمایا: **مَنْ حَسَنَ إِسْلَامَهُ الْمَوَدَّةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ** اور فرمایا: **مَنْ صَمَتَ نَجَا۔**

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بالکل واضح اور صاف ہوتا، غلط ملط اور گول مول نہ ہوتا، اس موقع کے لحاظ سے جتنی گفتگو کی ضرورت ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کلام ہی ارشاد فرماتے، وہ کلام نہ تو ضرورت سے زائد ہوتا کہ جسے سن کر انسان اکتا جائے، اور نہ بہت مختصر ہوتا کہ جس سے مطلب ہی واضح نہ ہو، بلکہ ضرورت کے عین مطابق ہوتا۔

۶۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی ملنسار اور نرم مزاج تھے، سخت مزاج، تند خو اور سخت دل نہیں تھے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔** (ترجمہ: سو خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے)

۷۔ **ولا المہین** اس کے دو مطلب ہیں: ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ذلیل و رسوا اور شرمندہ نہیں کرتے تھے، تاکہ اس کی دل آزاری نہ ہو، اس میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو کسی شعبہ میں سرپرست ہیں، والدین ہیں، اساتذہ اور شیوخ ہیں، کسی ادارے یا ملک کے کسی اہم منصب پر فائز ہیں، ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے ان کی دل شکنی ہو، اور نہ ہی ان کو کسی بات پر ذلیل و رسوا اور شرمندہ کیا جائے، پیار و محبت اور حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں انتہائی عظیم تھے، حقیر اور گھٹیا نہیں تھے، بلکہ انتہائی باوقار اور محترم و مکرم تھے، سادگی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر رعب اور وہبہ تھا کہ بڑے بڑے سرکش اور ظالم و جابر لوگوں کی گردنیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرنگون ہوتیں، ان کے جسموں پر کچکی طاری ہو جاتی۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی ہر نعمت کو بہت بڑا سمجھتے تھے، ان کی قدر کرتے، زبان سے ان کا شکر ادا کرتے اور عمل سے ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرتے، وہ نعمت خواہ کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہوتی، اسے اللہ کا بہت بڑا فضل سمجھتے، کسی بھی نعمت کی مذمت اور برائی نہ کرتے۔

۹۔ کھانے پینے کی کسی چیز کی مذمت نہ فرماتے، نہ دل سے اللہ کا شکر بجالاتے، اور کسی کھانے یا پینے کی چیز کی زیادہ تعریف

بھی نہ فرماتے، کیونکہ کسی چیز کے زیادہ تذکرے اور تعریف سے یہ تاثر ثابت ہوتا ہے کہ یہ بندہ اس چیز کو گویا زیادہ پسند کرتا ہے، اس کا حریص ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کو کھانے پینے کی کسی چیز سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، ہاں اسے اللہ کی نعمت ضرور سمجھتے، اس کا شکر کرتے، مگر اس کے دلدادہ نہ تھے، آپ ﷺ کی تمام تر توجہ اللہ جل شانہ کی عبادت اور یاد الہی تھی، البتہ آپ ﷺ نے اپنی رغبت کے اظہار کے لیے یا کسی صحابی یا صحابیہ کے دل کو خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی خاص چیزوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔

۱۰۔ دنیا اور اس کی چیزوں کی وجہ سے آپ ﷺ کبھی غصہ نہ ہوتے، ان کی آپ ﷺ کو کوئی پرواہ نہیں تھی، آپ ﷺ کی ساری توجہ یاد الہی، دین کی سر بلندی اور آخرت کی طرف تھی۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص کسی دینی امر اور حق بات سے تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کو سخت غصہ آتا، ایسی صورت میں آپ ﷺ کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہوتا، جب تک کہ آپ ﷺ اس سے انتقام نہ لے لیتے، یعنی جب تک اس مجرم کو سزا نہ ہو جاتی، اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ ہوتے، اگر کوئی آپ ﷺ پر ظلم و زیادتی کرتا تو آپ ﷺ اسے درگزر فرما دیتے، اس سے کوئی انتقام اور بدلہ نہ لیتے۔

۱۲۔ نبی کریم ﷺ جب کسی انسان وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، صرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے، اس کی دودھ جہیں لکھی ہیں:

✽ انگلیوں سے اشارہ کرنا تواضع کے خلاف ہے، اس لیے آپ ﷺ پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔

✽ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ انگلی سے توحید کا اشارہ فرماتے تھے، اس لیے غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ کرتے تھے۔

۱۳۔ جب آپ ﷺ کسی معاملہ میں تعجب کرتے تو ہاتھ کو پلٹ لیتے یعنی ہاتھ کے اندرونی حصے کو اوپر کی طرف کر لیتے، تاکہ حاضرین کو اس تعجب کا پتہ چل جائے، اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں سے اشارہ بھی فرماتے، تاکہ سننے والوں کو وہ بات اچھی طرح سمجھ آ جائے، اور کبھی کسی اہم کلام پر آپ ﷺ دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے، یہ سب اس لیے ہوتا تاکہ اس کلام کی اہمیت لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

۱۴۔ جب آپ ﷺ کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے اعراض کر لیتے، اور پوری طرح بے رخی فرماتے، مگر اس کے باوجود غصہ کے مقتضی پر عمل نہ فرماتے، بلکہ اس شخص کو معاف فرما دیتے، اور اس سے درگزر کر لیتے۔

۱۵۔ نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو اپنی آنکھیں جھکا لیتے، بند کر لیتے، حریصانہ نظروں سے کسی کی طرف نہیں دیکھتے تھے، اور آپ ﷺ اکثر مسکراتے، اور جب ہنستے تو آپ ﷺ کے دانت مبارک اولوں کی طرح سفید دکھائی دیتے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا،

خوشی کی وجہ سے آپ ﷺ کے حسن و جمال میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو ان اوصاف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ضَحْكِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے ہنسنے کی کیفیت کا ذکر ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كَانَ فِي سَاقِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ، وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا، فَكُنْتُ إِذَا انْظُرْتُ إِلَيْهِ، قُلْتُ: أَكْجَلُ الْعَيْنَيْنِ، وَلَيْسَ بِأَكْجَلَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی دونوں پنڈلیاں پتلی تھیں، آپ ﷺ (عموماً) ہنسنے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے، اور جب میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو (دل ہی دل میں) کہتا کہ: آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا (بلکہ فطری طور پر آپ ﷺ کی آنکھیں سرگیں تھیں)

مشکل الفاظ کے معنی :- ساقی: اصل میں ساقین ہے، اضافت کی وجہ سے اس کا نون گر گیا ہے: دونوں پنڈلیاں، حُمُوشَةٌ: (حاء اور میم پر پیش) پتلی، باریک، اکجل العینین: یعنی دو مکحل العینین پورے جملہ کا ترجمہ یہ ہے: میں سوچتا کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے، ولیس بأکجل: حالانکہ آپ ﷺ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کی آنکھیں سرگیں اور پنڈلیاں پتلی تھیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے تین اوصاف کا ذکر ہے:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کی پنڈلیاں باریک اور پتلی تھیں، مگر جسم کے دوسرے اعضاء کے مناسب تھیں، ایسا نہیں تھا کہ دوسرے اعضاء سے یہ میل نہ کھاتی ہوں، یہ انسان کے چاک و چوبند، حسین و جمیل اور مستعد ہونے کی علامت ہوتی ہے۔
- ۲۔ نبی کریم ﷺ عموماً صرف ہنٹوں سے مسکرایا کرتے تھے، منہ کھول کر ہنسنے کا معمول نہیں تھا، کبھی کبھار آپ ﷺ ہنس بھی لیتے تھے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آ رہا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ آخرت سے متعلق خوش کرنے والی بات پر آپ ﷺ ہنستے تھے اور دنیا کی خوشی پر آپ ﷺ صرف مسکراتے تھے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۱۵/۲، اللوہب اللدنیۃ علی الشیائل المحمدیۃ (ص: ۳۶۵)

(۲) سنن الترمذی، المناقب، رقم الخلیف: ۳۶۳۸۔

۳۔ آپ ﷺ کی آنکھیں فطری طور پر سرگیں تھیں، چنانچہ آپ ﷺ کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا، یہ تمام اوصاف نبی کریم ﷺ کے حسن و جمال کے شاہکار ہیں، انسانی دنیا میں ایسے شخص کو انتہائی حسین و جمیل شمار کیا جاتا ہے۔

و کنت اذا نظرت الیہ قلت۔ ان تم ان افعال کو جس طرح حکیم کے طور پر پڑھنا درست ہے، اسی طرح انہیں خطاب کا صیغہ بنا کر بھی پڑھا جاسکتا ہے، اس سے حدیث کے معنی اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْوَةَ، أَنَّهُ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّعًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۲)
ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزوہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ مسکراتے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: مَا كَانَ ضَحْكًا وَرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا تَبَسُّعًا. (۳)
ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ہنسنا بس مسکراتا ہی تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- تبسم: (تا اور یا پر زبر، سین پر تشدید اور پیش) دو مسکراہٹ جس میں کوئی آواز نہ ہو، ضحک: (ضاد کے نیچے زیر و زبر اور ساکن اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں) ایسا ہنسنا جس میں خوشی کی وجہ سے دانت ظاہر ہو جائیں، اور اگر ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں، تو اسے ”تقبہ“ کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ اکثر مسکراتے

مذکورہ احادیث کی روشنی میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کا عام معمول بس مسکراتا ہی تھی، جو بھی آپ ﷺ سے ملتا تو آپ ﷺ مسکراہٹ کے پھول نچھاور فرماتے، آپ ﷺ ہنسنے نہیں تھے، نبی کریم ﷺ کا ہنسنا بس مسکراہٹ ہی تھی، البتہ کبھی کبھار آپ ﷺ کا اس انداز سے ہنسنا بھی ثابت ہے، جس سے آپ ﷺ کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو جاتی تھیں۔
- ۲۔ پچھلے باب کی آخری حدیث میں تھا: فَتَوَاصِلُ الْأَخْزَانِ کہ نبی کریم ﷺ نے درپے غموں میں رہتے تھے، اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، حضور اقدس ﷺ دل ہی دل میں

(۱) مرقاة المفاتیح ۴/۱۰، کتاب الفضائل، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۵۷۹۶، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۱/۸۷۔

(۲) سنن الترمذی، للناقب، رقم الخلیف: ۳۶۳۵۔

(۳) سنن الترمذی، للناقب، رقم الخلیف: ۳۶۳۶۔

طبعی طور پر طرح طرح کے غموں میں ہوتے، مگر پھر بھی حجابہ کرام اور اپنے اہل خانہ سے خندہ پیشانی سے ملتے، مسکراہٹ آپ ﷺ کی وہ خصوصیت تھی کہ جسے دیکھ کر ہر قسم کا غم انسان بھول جاتا تھا، اس سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر جو بھی پریشانی اور خدا نخواستہ رادقت آجائے، تب بھی چہرے کو خوش رکھنا چاہیے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے ہی ملنے کا اہتمام کیا جائے، یہی تواضع کا اعلیٰ درجہ اور سنت نبوی ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں اپنے فضل و رحمت سے اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (۱)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَآخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، يَأْتِي بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقَالُ: اغْرَضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ وَتَغْبِأْ عَنْهُ كِبَارُهَا، فَيَقَالُ لَهُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا، وَكَذَا وَكَذَا، وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيَقَالُ: أَغْطَوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً، فَيَقُولُ: إِنَّ لِي ذُنُوبًا مَآزَاها هَهُنَا. قَالَ أَبُو ذَرٍّ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَجَّكَ حَتَّى يَذْتَ ثَوَابُهَا (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں، جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں، جسے سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا، قیامت کے دن ایک شخص کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) لایا جائے گا تو کہا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے): اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کر دو اور (فی الحال) اس کے بڑے بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن ایسے ایسے گناہ کیے ہیں، وہ ہر گناہ کا اقرار کرے گا، انکار نہیں کرے گا، اس وقت وہ (دل ہی دل میں) اپنے بڑے بڑے گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا ہوگا (کہ صغیرہ کی اتنی باز پرس ہے تو کبیرہ گناہوں میں کیا گزرے گا) پھر کہا جائے گا (یعنی اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوگا) کہ اس کو ہر اس برائی کے بدلہ ایک ایک نیکی دے دو، جو برائی کہ اس نے کی ہے، (یہ فیصلہ سن کر) پھر وہ شخص خود بولے گا کہ میرے تو اور بھی بہت سے گناہ ہیں، جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا، حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ (اس ارشاد کے بعد) میں نے نبی کریم ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یأتی بالرجل: (فعل مجہول) آدمی کو لایا جائے گا، حاضر کیا جائے گا، فیکال: پھر کہا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے، اغرضوا: باب ضرب سے صیغہ امر جمع ہے، تم پیش کرو، صغیر: صغیرہ کی جمع ہے: چھوٹے چھوٹے، ذنوب: ذنوب کی جمع ہے: گناہ، تغبأ: خیابا سے صیغہ مجہول مؤنث: چھپائے جائیں، کبار: کبیرہ کی جمع ہے: بڑے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱۹۷۲، اللوہب اللدنیہ علی الشائل للمحمدیہ (ص: ۳۷۳)

(۲) الصحیح لمسلم، الأیاب، رقم الحدیث: ۱۹۰، سنن الترمذی، صفۃ جہنم، رقم الحدیث: ۲۵۹۹۔

بڑے، کڈاؤ کڈاؤ: ایسے اور ایسے گناہ، مائرا اھاھہنا: میں ان کو یہاں یعنی نامہ اعمال میں یا پیش کرنے کی جگہ میں ان گناہوں کو نہیں دیکھ رہا، بدت نو اجدہ: بدو سے صیغہ واحد مؤنث اور نو اجد جمع ہے ناجذکی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کا ذکر

اس حدیث میں ہے: انی لأعلم أول رجل يدخل الجنة، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے جس کی وجہ سے اس نے ”اول رجل“ ذکر کر دیا ہے، ورنہ صحیح نسخوں میں ”آخر رجل“ ہے، یہی لفظ درست ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں اسی طرح ہے، اس صورت میں آخر رجل يدخل الجنة اور آخر رجل يخرج من النار ان دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہوگا، کہ ایک شخص کو دوزخ سے سب سے آخر میں نکال کر سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لیکن اگر شمال کے نسخہ کو سامنے رکھا جائے کہ جس میں اول رجل يدخل الجنة کے الفاظ ہیں، اس سے کون مراد ہے؟ شارحین کے اس میں دو قول ہیں:

✽ حدیث میں ”اول رجل يدخل الجنة“ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

✽ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”اول رجل“ سے ایک گنہگار مسلمان مراد ہو، جسے دوزخ سے نکال کر سب سے پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

واخر رجل يخرج من النار کہ وہ شخص جسے دوزخ سے سب سے آخر میں نکال کر سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا، اس سے وہ شخص مراد ہے جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو دو حدیثوں کے بعد یہاں شمال میں ذکر کیا ہے، اور یوتی بالرجل يوم القيامة سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ ملا علی قاری فرماتے ہیں: یہ اول رجل يدخل الجنة کا بیان ہے، یعنی گنہگار لوگوں میں سب سے پہلے اس شخص کو جنت میں داخل کیا جائے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

✽ میناوی فرماتے ہیں کہ یوتی بالرجل ایک نیا کلام ہے، اس کا پہلے جملوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس میں ایک اور شخص کی حالت کا ذکر ہے۔

شمال کی مذکورہ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کو اللہ جل شانہ کے سامنے حساب کے لیے لایا جائے گا، فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے پہلے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کریں، اور کبیرہ گناہوں کو ابھی مخفی رکھا جائے، وہ ہر گناہ کا اقرار کرے گا، انکار نہیں، مگر دل ہی دل میں ڈر رہا ہوگا کہ جب صغیرہ گناہوں کی اتنی سخت باز پرس ہے تو کبیرہ گناہوں کا کیا ہوگا، ان میں تو مزید سختی ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ اچانک حکم دیں گے کہ اسے ہر برائی کے بدلہ ایک ایک نیکی دے دو، اس وجہ سے کہ دنیا میں اس نے سچی توبہ کی تھی یا اس کی

ٹیکیاں زیادہ ہو گئیں یا یہ کہ دنیا میں اس نے بڑی آزمائش والی زندگی گزاری، غرض کسی بھی وجہ سے اللہ جل شانہ اس کے ساتھ اپنے فضل کا معاملہ فرمائیں گے، جب وہ یہ نوازشات دیکھے گا تو پہلے وہ گناہ جن کے حساب سے وہ ڈر رہا تھا، خود ہی ان کو ظاہر کر دے گا اور یوں کہے گا کہ میرے تو اور بھی بہت سے گناہ ہیں، جنہیں میں اپنے نامہ اعمال میں نہیں دیکھ رہا یا اس فہرست میں نہیں دیکھ رہا، جس کو اللہ جل شانہ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ اتنے غصے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، اس انداز سے ہنسنے کا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، مگر کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا، ہنسی اس بات پر تھی کہ پہلے یہ شخص جن گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا تھا، اب جب اس نے اللہ میاں کی نوازشات دیکھیں تو ان گناہوں کو اب یہ خود ہی بیان کر رہا ہے، تاکہ ان کے بدلہ بھی ٹیکیاں حاصل ہو جائیں۔ (۱)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

✽ خوشی کی خبر پر اس انداز سے ہنسنا کہ انسان کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، جائز ہے، مگر ہر وقت اس کو معمول نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول بھی تبسم اور مسکراتے کا تھا، اسی سنت پر اہتمام سے عمل کرنا چاہیے۔

✽ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ جل جلالہ سے توبہ کی جائے، گناہ پر ہی ڈٹے رہنا یا اس پر اصرار کرنا درست نہیں۔

✽ یہ فکر ہر وقت محض رہے کہ میں اس دنیا میں جو کچھ بھی کرو رہا ہوں یا بول رہا ہوں، اس کا میں نے اللہ کی عدالت میں ایک دن ضرور حساب دینا ہے، اس دن اگر رسوائی ہوگی تو اس کے ازالے کی بھی کوئی صورت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہمارے دل کی یہ کیفیت بتا دے، تاکہ ہم اس کی نافرمانی سے بچ سکیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: مَا خَجَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَأَيْتُ إِلَّا ضَحْكَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، اس وقت سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پاس حاضر ہونے سے (کسی بھی وقت) نہیں روکا، اور جب بھی آپ ﷺ مجھے دیکھتے تو ہنستے تھے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: مَا خَجَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا رَأَيْتُ مِنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا تَبَسَّمَ. (۳)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی بھی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ ﷺ مسکراتے تھے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۰۶۲، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل للحمیدی (ص: ۲۷۵)

(۲) الصحيح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر جریر بن عبد اللہ البجلي، رقم الحديث: ۳۸۲۲

(۳) سنن الترمذی، للمناقب، رقم الحديث: ۳۸۲۲۔

حضرت جریر کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ تبسم فرماتے

مذکورہ احادیث میں حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنی دو خصوصیتیں بیان کی ہیں، جو انہیں دربار نبوی ﷺ سے حاصل تھیں اور یہ ان خصوصیات میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے:

۱۔ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، اس وقت سے انہیں ہر وقت دربار نبوی ﷺ میں آنے کی اجازت تھی، فرماتے ہیں کہ جب میں نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کرتا تو آپ ﷺ اگر مردوں میں ہی تشریف فرما ہوتے تو مجھے فوراً بلا لیتے اور جب آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس ہوتے تو آپ ﷺ پردہ کرا کر مجھے اپنے پاس اندر بلا لیتے، یا خود ہی میرے پاس تشریف لے آتے۔

حضرت جریر نے اسلام کب قبول کیا؟ اس میں دو قول ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے چالیس دن پہلے حضرت جریر نے اسلام قبول کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح قول یہ ہے کہ انہوں نے عام الوفود یعنی سن ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا۔

۲۔ آپ ﷺ جب حضرت جریر کو دیکھتے تو ضرور مسکراتے، مذکورہ دو حدیثوں میں سے اگرچہ پہلی حدیث میں ”مخک“ کے الفاظ ہیں، مگر اس سے تبسم ہی مراد ہے، چنانچہ دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے، تبسم فرمانا اس بات کی علامت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان سے محبت فرماتے تھے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب انسان کسی سے ملاقات کرنے یا دیکھنے تو خندہ پیشانی اور مسکرا کر ملاقات کیا کرے، اس سے دوسرے انسان کا دل خوش ہوتا ہے، جو بلاشبہ بہت بڑی نیکی ہے، اس کے برعکس ملاقات کے وقت اگر انسان کا منہ بنا ہو، پیشانی پر تیور ہوں، تو اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے، اس لیے خندہ پیشانی سے اور مسکرا کر دوسروں سے ملنا چاہیے۔

شکل و صورت میں حضرت جریر انتہائی خوبصورت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو ”یوسف حدہ الامۃ“ ”اس امت کا یوسف“ کہا کرتے تھے، قادیسیہ کی فتح میں ان کا بڑا اہم کردار تھا، بعد میں انہوں نے ”قرقیسیا“ میں رہائش اختیار کر لی تھی، پھر وہیں پر ۵۱ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَا أُغْرِفُ أَهْلَ النَّارِ خَوْفًا، وَلَا جُلَّ يَخُورُجُ مِنْهَا زَخْفًا، فَيَقَالَ لَهُ: انْطَلِقْ فَاذْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ: فَيَلْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا

(۱) فتح الباری ۱/۷۶، کتاب مناقب الانصار باب ذکر جریر بن عبداللہ البجلی، رقم الحدیث: ۳۸۲۲، الکوکب الدری ۳۳۵/۲، الاصابة ۱/۵۸۱، حرف الجیم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی ۵۵۰/۲، باب مناقب جریر بن عبداللہ البجلی۔

الْمَنَازِلَ، فَيُزَجَّعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، فَيَقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ، فَيَقُولُ: نَعَمْ قَالَ: فَيَقَالُ لَهُ: كَمْ قَالَ: فَيَعْتَمِدُ، فَيَقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ الَّذِي بَعَثْتَ وَعَشْرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُولُ: تَسْخَرُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِدُهُ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں (وحی کے ذریعہ) اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا، وہ ایک مرد ہوگا، جو جہنم سے گھسٹا ہوا نکلے گا، (عذاب کی سختی جھیلنے کی وجہ سے وہ بیدل چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا) اس سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف جا اور اس میں داخل ہو جا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ وہ جائے گا تا کہ جنت میں داخل ہو، لیکن وہ لوگوں کو اس حال میں پائے گا کہ انہوں نے جنت کے تمام گھر لے لیے ہیں، پھر وہ لوٹے گا اور عرض کرے گا: اے میرے پروردگار: لوگوں نے تو سب گھر لے لیے ہیں (یعنی ہر ایک نے قبضہ کر لیا ہے، کوئی جگہ خالی نہیں ہے) اس سے کہا جائے گا: کیا تجھے وہ وقت یاد ہے جس میں تو تھا؟ (یعنی عذاب و دوزخ میں یا اس سے دنیا کے گھر مراد ہیں) وہ کہے گا: جی ہاں (یاد ہے) پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو تمنا اور آرزو کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ آرزو کرے گا، تو اس سے کہا جائے گا: بیشک تیرے لیے وہ سب کچھ ہے، جس کی تو نے تمنا کی ہے، اور دنیا کا دس گنا (بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (تعجب سے) کہے گا: یا اللہ کیا آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں جبکہ آپ تو (بادشاہوں کے) بادشاہ ہیں، ابن مسعود کہتے ہیں کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی تسخری بات سنی تو) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہونے لگیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- زحفا: زمین پر گھسٹا ہوا، زحف کے اصل معنی ہیں: سرین کے بل گھسٹ کر چلنا، قد اخذوا المنازل: لوگوں نے جنت کے سب گھر لے لیے ہیں، ان پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے، کوئی جگہ خالی نہیں، اضعاف: ضعف کی جمع ہے: کئی گنا، عشرة اضعاف الدنيا: دنیا کا دس گنا، تسخری: کیا آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، تسخر کر رہے ہیں۔

دوزخ سے نکلنے والے آخری شخص کی بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ایک گنہگار مومن کو جہنم سے نکالنے کا حکم ہوگا، شارحین فرماتے ہیں کہ اس شخص کا نام جہیمہ ہے یا ہناد جہنی ہے، یہ جہنم سے گھسٹ کر نکلے گا، وہ یا تو دوزخ کے عذاب کی وجہ سے چلنے پر قادر نہیں ہوگا، یا عذاب کے فرشتوں سے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے وہ ایسا کرے گا، پھر اللہ کی طرف سے اسے حکم ہوگا کہ تم جنت

میں داخل ہو جاؤ، وہ جائے گا مگر جنت میں اسے کوئی خالی جگہ نہیں ملے گی، واپس آ کر اللہ جل شانہ کو یہ صورت حال بتائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تمہیں وہ وقت یاد ہے، جس میں تم پہلے تھے؟ یعنی دنیا اور اس کے مکان یا وہیں، وہ عرض کرے گا: جی ہاں یاد ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تم جو چاہتے ہو آرزو کرو، چنانچہ وہ اپنی تمنا میں بیان کرے گا، دربار الہی سے حکم ہو گا: اچھا تم کو تمہاری تمنا میں اور خواہشات بھی ہم نے دے دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زیادہ بھی عطا کر دیا، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر اور مذاق فرما رہے ہیں، جنت میں تو ذرا سی جگہ بھی خالی نہیں ہے، اور آپ مجھے تمام دنیا سے دس گنا زیادہ عطا فرما رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر اس قدر غصے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک یعنی ڈانڈھیں نظر آنے لگیں۔

أندكر الزمان الذي كنت فيه (کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جس میں تم تھے) اس سے کون سا وقت اور جگہ مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

اس سے دوزخ کا عذاب مراد ہے، جس میں وہ انتہائی سختی سے دوچار تھا۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے دنیا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ تم نے جنت کو دنیا کی طرح نگ سمجھ لیا ہے، دنیا میں جب کوئی جگہ لوگوں سے بھر جائے، مزید وہاں گنجائش نہ ہو تو زیر دستی یا کسی اور طریقہ سے پہلے لوگوں کی جگہ نگ کر کے نئے لوگوں کو جگہ دی جاتی ہے، آخرت میں ایسا نہیں ہوگا، جنت اس قدر وسیع ہے، جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں۔ (۲)

أنتسخری وأنت الملک کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا، تمسخر اور مذاق کر رہے ہیں، اس تحریر سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریر کی نفی کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ تمسخر اور مزاح نہیں کر رہے، کیونکہ آپ رب العالمین ہیں، اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، وہ بھی حق ہیں، بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے، جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں ہوں، أنتسخر میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

۲۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے سے تحریر کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت اور زیادہ خوشی کی وجہ سے زبان سے نکلے گا، خوشی کی وجہ سے وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکے گا، جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا یہ جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کی وجہ سے یوں کہہ دیا: أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں) (۳) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے غصے؟ اس کی دو وجہیں ہیں: ۱۔ اس شخص

(۱) الکوکب الدرۃ ۲/۲۲۲ ابواب صفة جهنم عن رسول الله ﷺ باب ما جاء أن النار نفسين۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۵۳۲ کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم الحديث: ۶۵۷۱۔

(۳) شرح مسلم للنووی ۲/۱۰۵، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة وأخراج اللوحين من النار، رقم الحديث: ۳۰۸۔

نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر نوازشات دیکھیں تو ہکا بکا رو گیا، فرط مسرت میں حیران ہو کر کہنے لگا: افسوس یہی، نبی کریم ﷺ اس کی اس جرأت پر فخر پڑے کہ ابھی تک تو یہ عذاب میں تھا اور اب وہ اللہ کے سامنے یہ بات کر رہا ہے۔ ۲۔ نبی کریم ﷺ اس وجہ سے جسے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی کہ سارے ایمان والوں کو دوزخ سے نکال دیا۔ (۱)

اس حدیث سے ثابت ہونے والے چند فوائد:

✽ مسلمان دنیا سے توبہ کے بغیر چلا جائے، وفات سے پہلے وہ اپنے گناہوں کی توبہ نہ کر سکے تو اللہ جل شانہ کا بیان کردہ ضابطہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو کچھ عرصہ عذاب دوزخ سے دوچار ہونا پڑے گا، پھر نبی کریم ﷺ کی سفارش سے اللہ جل جلالہ محض اپنے فضل و کرم سے اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

✽ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان کا عمل سے بھی شکر ادا کیا جائے کہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے اور زبان سے بھی اللہ کی حمد و ثناء کی جائے۔

✽ نبی کریم ﷺ کا عام معمول بسم فرمانے کا تھا، مگر کبھی کبھار کسی اہم بات پر آپ ﷺ اس انداز سے بھی ہنستے تھے کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آ جاتے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا، أَيُّ بَدَائِلِهِ تَزَكَّيْهَا، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الزَّكَابِ، قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهِا، قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ [الزحرف: ۱]. ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ تَلَاكًا، وَاللَّهُ أَكْبَرُ تَلَاكًا، سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ ضَجَّكَ. فَقُلْتُ لَهُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَجَّكَتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتَ ثُمَّ ضَجَّكَ فَقُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَجَّكَتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِنْ رَبِّكَ لَيَغْفِبُ مِنْ عِبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرُكَ. (۲)

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے پاس (ایک مرتبہ ان کے زمانہ خلافت میں) موجود تھا کہ ان کے پاس ایک سواری لائی گئی، تاکہ وہ اس پر سوار ہوں، جب حضرت علیؑ نے اپنا پاؤں زمین میں لگے ہوئے لوہے کے حلقہ میں رکھا تو بسم اللہ کہا، پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر یہ آیت پڑھی: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ہم تو اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور مردوز ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر یہ دعا پڑھی: سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

(۱) اللوہب اللدنیۃ علی الشہداء للحمیدیۃ (ص: ۳۸۲)

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۴۳۳، سنن ابی داؤد، الجہاد، رقم الحدیث: ۲۶۰۲۔

الَا اَنْتَ۔ (ترجمہ: تیری ذات پاک ہے، میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا، لہذا تو مجھے معاف کر دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا) پھر حضرت علیؓ نے پوچھا: اے امیر المؤمنین آپ کیوں نہیں رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا جیسے میں نے کیا، پھر آپ ﷺ نے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کس وجہ سے مسکرائے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک تیرا رب اپنے بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے: اے میرے پروردگار: میرے گناہوں کو بخش دے، وہ بندہ جانتا ہے کہ میرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- شہدت علیا: میں حضرت علیؓ کے پاس حاضر اور موجود تھا، رکاب: (راکے نیچے زیر) زمین میں لگا ہوا لوہے کا حلقہ، کڑا جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے، لما استوی علی ظہرہا: جب اس سواری کی پشت پر سیدھے بیٹھ گئے، مفرقین: (باب افعال سے صیغہ اسم فاعل) قابو پانے والے، کنٹرول کرنے والے، ليعجب: (جیم پر زبر) اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، يعلم الله: یہ جملہ قال کی ضمیر سے حال ہے۔

نبی کریم ﷺ کا سواری پر بیٹھ کر مسکرانا

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں سواری پر بیٹھ کر مسکرائے، تو ان کے پاس موجود حضرت علی بن ربیعہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے سواری پر بیٹھ کر اسی طرح کیا، جس طرح کہ میں نے کیا اور پھر نبی کریم ﷺ مسکرائے تو میں نے اس مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ یہ دعا مانگتا ہے فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ اللَّهُ ثَوْبَ إِلَّا اَنْتَ (اے اللہ میرے گناہ بخش دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا) تو اس دعا سے اللہ جل جلالہ بہت خوش ہوتے ہیں کہ میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ میرے علاوہ اس کے گناہوں کو اور کوئی بخش نہیں سکتا، نبی کریم ﷺ اللہ جل شانہ کے خوش ہونے پر مسکرائے۔ (۱)

اس سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

- ❁ سواری پر بیٹھ کر مسنون دعائیں پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- ❁ سنت کی نیت سے اس موقع پر مسکرائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ مسکرائے تھے۔
- ❁ تہ دل سے اللہ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۲۵/۲، باب ما جاء فی ضحک رسول اللہ ﷺ۔

سواری اور گاڑی وغیرہ پر سوار ہونے کی چند دعائیں

- نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو مندرجہ ذیل دعائیں مانگتے تھے:
- ۱۔ ایک پاؤں جب رکاب یعنی لوہے کے کڑے میں رکھتے تو بسم اللہ پڑھتے، اس لیے جب انسان کسی سواری، کار، بس، جہاز اور ریل گاڑی وغیرہ پر پاؤں رکھتے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔
 - ۲۔ نبی کریم ﷺ جب سواری پر بیٹھ جاتے تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے الحمد للہ پڑھتے، لہذا اسٹ پر بیٹھ کر الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔
 - ۳۔ پھر نبی کریم ﷺ یہ آیت پڑھتے: **سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِبِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ**، پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر اور یہ دعا مانگتے: **مَنْ عَانَكَ اتَّبِعْ ظِلْمَكَ تَقْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ**۔
- لہذا اتمام مسلمانوں کو سوار ہوتے وقت ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، ایک تو اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا ہو، اور دوسرا اس لیے کہ یہ سواریاں ایک طرح سے انسان کی ہلاکت کا ذریعہ ہیں، ان پر بیٹھ کر انسان کو آخرت اور اپنی موت کو یاد کرنے کے گناہوں کی ممانعت چاہیے، اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ سَعْدٌ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ كَانَ؟ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مَعَهُ تَرْزُوسٌ، وَكَانَ سَعْدٌ زَاوِيًا، وَكَانَ يَقُولُ كَذًا وَكَذَا بِالْتَرْزُوسِ يُعْطِي جَنَّهُتَهُ، فَتَزَعَّ لَهُ سَعْدٌ بِسَهْمٍ، فَلَمَّا رَفَعَ وَأَشَدَّ رِعَاءَهُ فَلَمْ يُعْطِ هَذِهِ مِنْهُ - يَعْنِي جَنَّهُتَهُ - وَانْقَلَبَ التَّرْزُوسُ، وَشَالَ بِرَجُلِهِ: فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. قَالَ: قُلْتُ: مِنْ أَيْ شَيْءٍ ضَحِكَ؟ قَالَ: مِنْ لِقَائِهِ بِالتَّرْزُوسِ (۱)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعدؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ خندق کے دن ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی ہنسی کس بات پر تھی؟ انہوں نے فرمایا: ایک کافر کے ساتھ ڈھال تھی اور سعدؓ (گوکہ) تیرا انداز تھے، لیکن وہ کافر (اپنے آپ کو بچانے کے لیے) اپنی ڈھال کو ادھر ادھر کر لیتا تھا، وہ اپنی پیشانی کو (تیر سے بچانے کے لیے ڈھال سے) ڈھانپ لیتا تھا، چنانچہ سعدؓ نے (ایک مرتبہ) اس کے لیے تیر نکالا، (اور موقع کے انتظار میں رہے) جب اس کافر نے اپنا سر (ڈھال سے اوپر) اٹھایا، تو سعدؓ نے اس کافر کو تیر مارا، اس حیر نے اس آدمی سے یعنی اس کی پیشانی سے غلطی نہیں کی (یعنی وہ تیر اس کی پیشانی پر لگا) اور (فورا) وہ الٹ گیا (یعنی الٹا گر گیا) اور اس نے اپنا

پاؤں اوپر اٹھالیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت ظاہر ہو گئے، عامر کہتے ہیں کہ میں نے سعد سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے ہنسے تھے؟ انہوں نے بتایا: اس آدمی کے ساتھ سعد کے کرنے سے (یعنی سعد نے موقع پا کر اسے اس انداز سے جو تیر مارا کہ وہ موقع پر ہی الٹا کر مر گیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ترجمہ: (تا پریشانی اور راساکن) ڈھال، راعیا: تیر انداز، وکان منعدرا میا، یہ کس کا کلام ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ۱۔ اگر یہ سعد کا کلام ہو تو پھر یہ حکم سے غائب کی طرف التفات ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: وکنت رمیت، ۲۔ اور اگر یہ کلام حضرت عامر کا ہو تو پھر کوئی التفات نہیں، کان یقول کذا وکذا: اس میں یقول کے معنی ہیں: یقیناً، ترجمہ: وہ کافر ایسا اور ایسا کرتا یعنی وہ اس ڈھال کو ادھر ادھر دائیں بائیں کر لیتا، تاکہ وہ تیر کا نشانہ نہ بنے، یعطی: وہ ڈھانچ رہا تھا: جہتہ: اپنی پیشانی کو، فلم یعطی: اس نے خطائیں کی یعنی تیر اپنے نشانے پر لگا، منہ یعنی جہتہ: منہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے، اس آدمی سے یعنی اس کی پیشانی سے، انقلاب: وہ الٹ گیا، یعنی وہ الٹا کر گیا، حال ہرجلہ: اس نے اپنے پاؤں اوپر اٹھالیے، یعنی اس کی ٹانگیں اوپر کو اٹھ گئیں، من فعلہ بالرجل: اس میں ”و“ ضمیر سعد کی طرف لوٹ رہی ہے: یعنی اس آدمی کے ساتھ سعد کے کرنے سے یعنی سعد کے تیر مارنے سے، جب وہ مرا تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔

حضرت سعد کی تیر اندازی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا

غزوہ خندق کے دن حضرت سعد بن ابی وقاص ایک کافر کو تیر مارنے لگتے تو وہ ایک ڈھال سے اپنے سر کو ڈھانچ لیتا، کبھی ڈھال کو اپنے بچاؤ کے لیے دائیں طرف کرتا اور کبھی بائیں طرف، حضرت سعد نے دیکھا کہ اس کافر کو آسانی سے تیر نہیں مارا جاسکتا، انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ اپنا تیر ترکش سے نکالا اور اسے کمان میں ڈال کر تیار پوزیشن میں کر لیا کہ جیسے ہی موقع ملے گا تو فوراً اسے تیر مار دیا جائے گا، حضرت سعد ایک ماہر تیر انداز تھے، اور اسلام میں سب سے پہلے انہوں نے ہی تیر چلایا، چنانچہ ایک مرتبہ اس کافر نے اپنا سر ذرا اوپر کیا تو حضرت سعد نے فوراً ہی اسے تیر مار دیا، یہ تیر ایسا نشانے پر لگا کہ اسے ڈھیر کر دیا، وہ التاسرین کے بل کر مر گیا، اور اس کی ٹانگ بھی اوپر کو اٹھ گئی، حضرت سعد کی یہ ہوشیاری دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر ہنسے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔

حضرت عامرؓ نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسے کی وجہ پوچھی؟ اس میں دو احتمال ہیں ایک وجہ تو حضرت سعد کا اس کافر کو تیر مارنا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کافر نے گر کر اپنی ٹانگ اوپر اٹھائی جس سے اس کا سر بھی ظاہر ہو گیا تھا، حضرت سعدؓ نے خود ہی بتایا کہ میں نے جو اس کافر کو نہایت پھرتی سے تیر مارا تھا، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ٹانگ اوپر اٹھانے کے منظر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہنسے، کیونکہ یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے ناممکن ہے کہ

اس وجہ سے اس پر آپ ﷺ نے ہوں۔

وكان الرجل يقول كذا وكذا بالترس يغطي وجهه شارحین نے اس عبارت کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک ”يقول“ کے معنی: ”مفعول“ ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ کافر اپنی ڈھال کو بچاؤ کے لیے کبھی ادھر کرتا، کبھی ادھر کرتا، تاکہ وہ تیر کی زد میں نہ آئے، اپنی پیشانی کو چھپالیتا تھا، مگر حضرت سعدؓ نے پھر بھی اسے مہارت کے ساتھ شکار کر لیا، اس صورت میں ترکیبی لحاظ سے ”بالترس“ کا تعلق يقول کے ساتھ ہے۔

۲۔ منادی کہتے ہیں کہ يقول اپنے اصل معنی میں ہے اور بالترس کا تعلق بعد والے فعل ”مفعول“ کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ کافر نبی کریم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہتا تھا، جسے ذکر کرنا حضرت سعدؓ نے مناسب نہیں سمجھا، تیر سے بچنے کے لیے وہ کافر اپنی پیشانی کو ڈھال سے چھپا رہا تھا۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مَزَاحِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے مزاح اور دل لگی کا بیان ہے

مزاح کی حقیقت

مزاح کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسی گفتگو یا کوئی ایسا کام کرے، جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، اور انداز بھی ذلیل و رسوا کرنے کا نہ ہو، اپنی بڑائی اور دوسرے کی تحقیر کا عنصر شامل نہ ہو، اور یہ ہنسی مزاح ہر وقت نہ ہو بلکہ کبھی کبھار ہو، کیونکہ زیادہ ہنسی مذاق سے دل سخت اور دقار مجروح ہو جاتا ہے، لہذا شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس انداز سے دل لگی اور مزاح کیا جائے تو یہ مسنون اور مستحب ہے، لیکن اگر مزاح ایسا ہو، جس سے دوسرے کا دل خوش ہونے کے بجائے رنجیدہ ہو، اس سے وہ اپنی خفت اور توہین محسوس کر رہا ہو، اور ہر وقت ہنسی مزاح ہی کا ماحول ہو، اس میں دوسرے کی تحقیر اور ایذا کا پہلو ہو، اور اس سے دل میں محبت و الفت پیدا ہونے کے بجائے نفیض و عداوت کے جذبات پیدا ہو رہے ہوں، تو یہ مزاح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کے طنز یہ مزاح سے آپس میں دشمنیاں اور عداوتیں ہی پیدا ہوتی ہیں، قرب کے بجائے دوریاں پیدا ہوتی ہیں، اس میں خوش طبعی اور دل لگی کا کوئی عنصر کارفرما نہیں ہوتا، حالانکہ مزاح کرنے کا مقصد تو آپس میں پیار و محبت کی فضا بنانا ہوتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ جامع ترمذی ابواب البر والصلة میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تمارا خاک ولا تمازحه (تم اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے مزاح کرو) اس روایت میں مزاح کرنے سے منع کیا گیا ہے، مگر اس سے مطلقاً مزاح کرنے سے منع کرنا مقصود نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ خود بھی مزاح فرمایا کرتے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۷۲، اللوالب اللدنیۃ علی الشمائل للحمیدیہ (ص: ۳۸۷)

تھے، چنانچہ امام ترمذی نے اس باب میں یہ روایات ذکر کی ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ کے مزاج کا صراحۃً ذکر ہے، ممانعت کا حکم اس مزاج سے متعلق ہے، جس سے دوسرے آدمی کی دل آزاری ہو، اسے تکلیف ہو، یا یہ کہ ہر وقت ہی، مزاج کا ایک ماحول قائم کر لیا جائے جس کی وجہ سے آدمی کا رعب اور وقار ہی ختم ہو جاتا ہے، ایسا مزاج جو یاد الہی اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے دور کر دے، اس طرح کا مزاج منوع ہے، لیکن اگر مزاج میں ان تمام باتوں کا لحاظ کیا جائے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تو اس طرح کی ہنسی مزاج سنت اور مستحب ہے، اس پر بھی ایک مسلمان کو ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

أَلَيْدَ طَبْعِكَ الْمَكْذُودُ بِالْجِدِّ وَاحِدَةً بِجِدِّهِ وَ غِلَّةً بِشَيْءٍ مِنَ الْمَرْحُحِ وَلَكِنْ إِذَا أُغْطِيَتْهُ الْمَرْحُحُ فَلَيْكُنْ عَلَى قَدْرِ مَا يُغْطِي الطَّعَامُ مِنَ الْمِلْحِ

(ترجمہ: تم محنت و مشقت کی وجہ سے اپنی چکن چور طبیعت کو کسی راحت کا فائدہ پہنچایا کرو، اور ہنسی مزاج سے اس کا دل بہلایا کرو، لیکن جب تم اس طبیعت کو مزاج دو یعنی جب تم مزاج کرو، تو وہ مزاج صرف اس قدر ہو جس طرح کہ کھانے کی چیزوں میں نمک کی مقدار ہوتی ہے۔) (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا ذَا الْأَذْنَيْنِ. قَالَ مَخْمُودٌ: قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: يَغْنَى بِمَا زَخَّة. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو (ایک مرتبہ) یا ذَا الْأَذْنَيْنِ (اے دو کانوں والے) فرمایا: محمود راوی کہتے ہیں کہ ابواسامہ کہتے ہیں: یعنی آپ ﷺ ان سے مزاج فرما رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی چھوٹے بچوں سے ہنسی مزاج

نبی کریم ﷺ کبھی کبھار اپنے صحابہ کے ساتھ دل لگی اور ہنسی مزاج فرمایا کرتے تھے، اور تبسم فرمانے کا بھی معمول تھا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ جل شانہ نے قدرتی طور پر ایسا رعب اور دبدبہ عطا فرمایا تھا کہ اگر آپ ﷺ لوگوں سے دل لگی اور مزاج نہ فرماتے تو شاید لوگ آپ ﷺ سے صحیح طرح استفادہ نہ کر سکتے اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لیے مزاج فرماتے تھے، تاکہ امت کے افراد آپ ﷺ کی اس سنت کی بھی پیروی کریں، اور آپس میں لوگ شرعی حدود میں رہتے ہوئے کبھی کبھار دل لگی اور ہنسی مزاج کر لیا کریں، اگر آپ ﷺ ہاتھ پر تیوری چڑھاتے، ترش زور دیتے، کبھی خندہ پیشانی سے نہ ملتے بلکہ ہر وقت سنجیدہ ہی رہتے تو آپ ﷺ کی اتباع میں ساری امت بھی اسی طرح کرتی، ظاہر ہے کہ اس انداز سے زندگی گزارنا انتہائی مشکل تھی، اس لیے نبی کریم ﷺ ہنس کھ رہتے، تاکہ عام لوگ بھی اس سنت کی پیروی کریں، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۹۶، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل للمحمدیۃ (ص: ۳۹۰)

(۲) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، رقم الحدیث: ۱۹۹۳۔

فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مزاح کیا کرتے، اور فرماتے تھے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اس مزاح پر کوئی مواخذہ نہیں فرمائیں گے، جس میں جھوٹ شامل نہ ہو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ چھوٹے بچوں سے بھی دل لگی اور ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے، چند واقعات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ نبی کریم ﷺ کے خادم خاص تھے، ان کی عمر دس سال تھی، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا: یا ذالاذنین اے دوکانوں والے، عموماً انسان چھوٹے بچوں کو پیار کی وجہ سے اس طرح کے الفاظ سے پکار لیتا ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہ جملہ خوش طبعی اور مزاح کے طور پر ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی حضرت انسؓ کی تعریف بھی فرمادی کہ وہ گویا بہت ذہین و فطین اور سمجھدار بچے ہیں، جو بات ان سے کہی جاتی ہے، اسے وہ خوب اچھی طرح سنتے اور سمجھتے ہیں، اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ سال تھی، آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر کٹی کا پانی ڈالا، یہ جب بڑے ہو گئے تو انہیں یہ واقعہ یاد تھا، اسی وجہ سے انہیں صحابہ میں شمار کیا گیا۔

۳۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کی چھوٹی بیٹی کے چہرے پر پانی کا چھڑکا دیا، اس کی برکت سے ان کے چہرے پر ایک خاص قسم کی روشنی رہتی تھی، بڑھاپے کی وجہ سے بھی اس بشارت اور تروتارگی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

۴۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کے بعد حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ذکر کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے مل جل کر رہتے تھے، اور میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: اے ابو عمیر! تغیر یعنی بلبل نے کیا کیا، اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ان تمام روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ پیار و محبت کے لیے ہنسی مزاح اور دل لگی کرنا سنت ہے، یہ مقام نبوت اور ولایت کے خلاف نہیں ہے، اس سے انسان کے وقار اور مرتبہ میں کمی نہیں، بلکہ اضافہ ہوتا ہے، اس لیے شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَعَالِطَنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخِي صُغَيْرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ التَّغْيِيرُ؟ قَالَ أَبُو عِيْسَى: وَفِيهِ هَذَا الْحَدِيثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمَازُحُ وَفِيهِ أَنَّهُ كَتَبَ غُلَامًا صُغِيرًا، فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، وَفِيهِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى الصَّبِيُّ الطَّيِّبُ لِيَلْعَبَ بِهِ. وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ التَّغْيِيرُ؟ لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ تَغْيِيرٌ يَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ، فَحَزَنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ التَّغْيِيرُ؟ (۲)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲۹۷

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۹۰۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مل جل کر رہتے تھے یعنی مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرے (ماں شریک) چھوٹے بھائی سے آپ ﷺ فرماتے: اے ابوعمیر! بغیر یعنی بلبل نے کیا کیا (یعنی وہ کدھر چلی گئی)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مزاح فرمایا کرتے تھے، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کی کنیت رکھی، اے یا اباعمیر فرمایا، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ بچے کو کوئی پرندہ دے دیا جائے، تاکہ وہ اس سے کھیلے، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: یا اباعمیر! مافعل النغیر اس لیے کہ اس کے پاس ایک بلبل تھی، جس سے وہ کھیلتا تھا، پھر وہ پرندہ مر گیا تو اس سے وہ بچہ پریشان ہو گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے مزاح کرتے ہوئے فرمایا: یا اباعمیر! مافعل النغیر (اے ابوعمیر! بلبل نے کیا کیا یعنی وہ کدھر چلی گئی)۔

مشکل الفاظ کے معنی:- لیخالطنا: نبی کریم ﷺ ہم سے مل جل کر رہتے یعنی آپ ﷺ ہم سے مزاح کرتے، نغیر: (نون پر پیش اور شین پر زبر) بلبل، سرخ چونچ والی چڑیا، چڑیا کا مٹا سا بچہ، کنی: کنیت رکھی، فقهہ هذا الحدیث: اس حدیث کے فوائد، اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل۔

حدیث نغیر سے ثابت ہونے والے چند مسائل

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مکمل مل جاتے، دل لگی اور مزاح بھی فرماتے، حضرت انس کے ایک ماں شریک چھوٹے بھائی تھے، جن کے نام کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ان کی کنیت یعنی ابوعمیر ہی ان کا نام تھا، الگ سے دوسرا کوئی نام نہیں تھا، لیکن بعض روایات میں ان کا نام خفص، بعض میں عبداللہ اور بعض میں کبشہ بن ابوطلمہ بن زید بن ہل انصاری منقول ہے، ابوعمیر کے پاس ایک بلبل تھی، جس سے وہ کھیلا کرتے تھے، اتفاقاً وہ مر گئی، جس سے انہیں دکھ ہوا تو ان کی دلجوئی اور تسلی کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوعمیر! نغیر یعنی بلبل کا کیا حال ہے، حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ مر چکی ہے، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے یہ کلام فرمایا۔

اس حدیث سے علماء کرام نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں، مشہور شافعی عالم ابو العباس احمد بن ابی احمد طبری نے جو "ابن القاص" کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل کو ذکر کیا ہے، ان میں سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ چھوٹے بچوں کے ساتھ مزاح فرمایا کرتے تھے۔
- ۲۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بچے کی کنیت "ابوعمیر" رکھی، جبکہ صحیحین کی روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان کی کنیت پہلے سے تھی، مگر جب آپ ﷺ نے اس کی کنیت کو برقرار رکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کی بھی کنیت رکھی جاسکتی ہے۔

۳۔ چھوٹے بچے کو کھیلنے کے لیے پرندہ دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ پرندے کو گھر میں بچے وغیرہ میں رکھنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان کی دیکھ بھال صحیح طریقے سے کی جائے، ان کی غذا اور پانی کا اہتمام کیا جائے، جو شخص ان کی غذا کا بندوبست نہ کر سکے، اس کے لیے پرندوں کو گھر میں پابند کرنا جائز نہیں ہے۔

۵۔ وہ بچہ اس بلبل کے مرنے سے افسردہ اور غمگین ہو گیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے یا ابا عمیر ما فعل النغیر کہہ کر تسلی دی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچہ کو کسی جائز بات پر دکھ ہوا ہو تو اسے تسلی دی جاسکتی ہے۔

۶۔ مدینہ منورہ میں شکار کرنا جائز ہے اور اس کی وجہ سے انسان پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، جبکہ حرم مکہ میں شکار کرنے سے انسان پر جزاء واجب ہو جاتی ہے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ ابو عمیر کی بلبل مر چکی ہے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ ابو عمیر! بلبل کا کیا حال ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک بات انسان کو معلوم ہو، تو کسی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے اسے متعلقہ شخص سے دوبارہ پوچھا جاسکتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ لَدَا عَيْنَنَا، قَالَ: إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا. (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ ہم سے ہنسی مزاح بھی فرماتے ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (میں کبھی مزاح بھی کر لیتا ہوں) مگر میں (مزاح میں بھی) حق بات ہی کہتا ہوں (کبھی غلط بات نہیں کرتا)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا ابْتِغَاهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدٍ نَاقَةٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَهَلْ تَلِدُ إِلَّا بِلًا إِلَّا التَّوْقُ. (۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے سواری کا کوئی جانور طلب کیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے سے کیا کروں گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا اونٹوں کو اونٹنیاں نہیں جنتیں (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی

(۱) فتح الباری ۱۰/۱۲، کتاب الادب، باب الکنية للصبی، رقم الحديث: ۶۲۰۳، جمع الومائل فی شرح الشمائل مع شرح للناری ۳۱/۲۔

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحديث: ۱۹۹۱۔

(۳) سنن الترمذی، البر، رقم الحديث: ۱۹۹۲۔

ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مزاح: (میم پر پیش کے ساتھ) ہنسی مذاق، دل لگی، اور میم کے نیچے زیر ہو تو پھر یہ باب مضاحلہ کی مصدر ہوگا۔ تداعبنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے دل لگی اور مزاح کرتے ہیں، استحمل: سواری طلب کی، سواری کے جانور کی درخواست کی، انی حاملک: میں تمہیں سوار کروں گا، ما اضعع: میں کیا کروں گا، ابل: اونٹ خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، النوق: ناقہ کی جمع ہے، اونٹیاں، هل تلد الابل الا النوق: اونٹوں کو نہیں جتنیں مگر اونٹیاں ہی یعنی ہر اونٹ کو اونٹ ہی جتنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح بھی حقیقت پر مشتمل ہوتا

صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم سے ہنسی مذاق اور دل لگی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں بھی مزاح کرتا ہوں، مگر اس مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، خلاف واقعہ کوئی بات نہیں کرتا، صحابہ کرامؓ نے یہ سوال کس وجہ سے کیا؟ اس سوال کا منشا اور داعیہ کیا پیش آیا تھا؟ شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

- ۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں صحابہ کرامؓ کو ہنسی مزاح کرنے سے منع فرمایا تھا، پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی، تو انہوں نے بات کو سمجھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مذکورہ سوال پوچھا۔
- ۲۔ یا سوال اس وجہ سے کیا کہ ہنسی مزاح میں چونکہ عموماً غلط باتیں شامل ہو جاتی ہیں، اس لیے صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا، اور پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح فرماتے ہیں؟

- ۳۔ یا سوال کا مقصد اور منشا یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ اور تمام لوگوں کے ہاں معزز و مکرم اور محترم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم مرتبہ اور شرف و فضیلت حاصل ہے تو کیا دل لگی اور مزاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس میں مسلمان اقتداء نہیں کر سکتے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں میں ہنسی مزاح کرتا ہوں مگر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے، اس میں کوئی بات خلاف واقعہ اور جھوٹی بات نہیں ہوتی، خوش طبعی میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، اس میں کسی کا استہزاء، تحقیر اور ایذا رسانی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا، اور وہ مزاح حد اعتدال سے متجاوز بھی نہیں ہوتی، ان شرائط کا لحاظ کر کے اگر مزاح کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، ممانعت اس صورت میں ہے جب اس میں شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا جائے، اس میں ناجائز اور نامناسب چیزیں شامل ہو جائیں، تاہم شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی ہنسی مزاح کو اپنی عادت نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ اس کی وجہ سے بددبہ، وقار اور انسان کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے، ہاں کبھی کبھار کرنے میں کوئی قباحت اور حرج نہیں۔

وہل تلد الابل الا النوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا کہ میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا، اس صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں اس بچے سے کیا کروں گا، وہ تو سواری کے قابل نہیں ہوتا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد

فرمایا: وہل تلد الابل الا النوق اس جملہ میں نبی حراح اور خوش طبعی بھی ہے اور حقیقت بھی، کیونکہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو اونٹ بھی سواری کے قابل ہوتا ہے، وہ بہر حال کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو گیا ہو، اگر تم اس کلام پر تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتے، تو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے اور تمہیں اس پر حیرت نہ ہوتی۔

اس تفصیل سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

✽ مزاج بھی حقیقت پر مشتمل ہو، اس میں کوئی بات جھوٹی اور خلاف واقعہ نہ ہو۔

✽ زیادہ مزاج پسندیدہ نہیں۔

✽ جب تک انسان کلام کو سمجھ نہیں، اس وقت تک اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔

✽ کسی انسان سے کوئی بات کی جائے تو اسے اس میں خوب غور و فکر کر کے سمجھنا چاہیے، پھر اس کا جواب دے، بات کو سمجھے

بغیر فوراً ہی اس کا جواب دے دینا درست نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرًا، وَكَانَ يَهْدِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِنَ الْبَادِيَةِ، فَيَجْهَرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتًا، وَلَحْنٌ خَاضِرٌ، وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ وَكَانَ زَاهِرًا دَمِيمًا، فَأَنَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، وَهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهُ، فَاحْتَضَبَتْهُ مِنْ عَظْمِهِ وَهُوَ لَا يَبْصُرُهُ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ أَرَأَيْتَ، قَالَتْ فَتُفْتُ فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ لَا يَأْتِي مَا أَلْفَقَ ظَهْرُهُ بِصَنْدُرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِوْنِ عَرَفَهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ يَشْعُرِي هَذَا الْعَبْدُ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِذَا وَاللَّهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَكِنْ عِنْدَ اللَّهِ لَسْتُ بِكَاسِدٍ، أَوْ قَالَ: بَأْتِ عِنْدَ اللَّهِ غَالٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جنگل کے رہنے والوں میں سے ایک شخص کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ (جب حاضر خدمت ہوتے تو) نبی کریم ﷺ کے لیے جنگل کی چیزوں (یعنی سبزی اور پھلوں) میں سے کوئی نہ کوئی چیز ہدیہ لاتے تھے، اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے، تو نبی کریم ﷺ انہیں ضرورت کا سامان عطا فرماتے تھے، (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زاہر ہمارا جنگل ہیں اور ہم اس کا شہر ہیں، (یعنی وہ ہماری دیہاتی ضرورتیں اور ہم اس کی شہری ضرورتیں پوری کرتے ہیں)۔

اور رسول اللہ ﷺ زاہر سے محبت فرماتے تھے اور وہ کچھ بد شکل بھی تھے، ایک دن نبی کریم ﷺ ان کے پاس

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۳۴، ۳۵، مرقاة المفاتیح ۱/۱۰۷، کتاب الاداب، باب المزاج، رقم الحديث:

۳۸۸۵، المآزہب اللدنیۃ علی الشمائل للحمیدی (ص: ۳۹۴)

(۲) مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث: ۳۴۵۷

تشریف لائے، اس وقت وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیچھے سے اپنے سینہ سے لگا لیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں رہے تھے، وہ کہنے لگے: ارے یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑو، پھر وہ متوجہ ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا، تو پھر وہ بہت اہتمام سے اپنی پشت کو پیچھے کی طرف کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (تاکہ زیادہ سے زیادہ انوار و برکات حاصل ہو سکیں) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ زاہر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر تو اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھوٹا (یعنی نہ بکنے والا) یا کم قیمت پر بکنے والا) پائیں گے (یعنی مجھ جیسے بد شکل کو کون خریدے گا) اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو، یا یوں فرمایا: مگر تم اللہ کے ہاں زیادہ قیمتی ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: - بادبہ: جنگل، صحراء، دیہات، اہل البادبہ: جنگل کے رہنے والے، بجهزہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہر کو شہر سے ضرورت کا سامان خورد و نوش عطا فرماتے، ان زاہر ابادبہ: پشک زاہر ہمارا جنگل ہیں، یعنی یہ جنگل اور دیہات سے ہمارے لیے چیزیں لاتے ہیں، وہاں کی سبزیاں، ترکاریاں اور پھل وغیرہ یہاں لائے ہیں، ونحن حاضر وہ: اور ہم اس کا شہر ہیں یعنی ہم اس کی شہری ضروریات پوری کرتے ہیں یعنی واپسی میں ہم اسے شہر سے کھانے پینے کی ضروری اشیاء مہیا کرتے ہیں، دمیما: بد شکل، وہ شخص جس کی شکل و صورت اچھی نہ ہو، احتضنہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ زاہر کے بغلوں میں داخل کر کے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا، من خلفہ: زاہر کے پیچھے سے، ولا یبصرہ: اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہا تھا، فالتفت: پھر وہ متوجہ ہوا یعنی انہوں نے آنکھ کے کنارے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، لا یألو: کوتاہی نہ کرتے، ما الصق: یہ ”ما“ مصدر یہ ہے اور الصاق کے معنی: ملانے کے ہیں، لا یألو ما الصق ظہرہ: اپنی پشت کو ملانے میں کوتاہی نہ کرتے یعنی بہت اہتمام سے اپنی کمر ملانے لگے، بصدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے، اذاً: پھر تو، تب تو، کاسدا: کھوٹا یعنی نہ بکنے والا مال، جس کی مارکیٹ میں کوئی طلب نہ ہو، یا کم قیمت پر فروخت ہونے والا مال، غالی: مہنگا، قیمتی، زیادہ قیمت والا، من یشتري هذا العبد سے مراد ہے: مثل هذا العبد: اس غلام کی طرح کون خریدے گا، کیونکہ یہ تو غلام نہیں تھے، بلکہ آزاد تھے۔

زاہر بن حرام اشجعیؓ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج

حضرت زاہر بن حرام اشجعی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، غزوہ بدر میں بھی شامل تھے، یہ مدینہ منورہ سے دور ایک جنگل اور دیہات میں رہتے تھے، وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے، جب بھی آتے، تو گاؤں کی سبزیاں اور پھل وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفہ میں لاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت فرماتے تھے، وہ ظاہری اعتبار سے اگرچہ بد شکل تھے، مگر سیرت و کردار کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کی اصل عظمت و برتری اس کے باطنی اخلاق اور عمدہ کردار سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بھی انسان کے دل کو دیکھتے ہیں، اس

کی شکل و صورت اور مال و داد کو نہیں دیکھتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہیں، اور ہم اس کا شہر ہیں، یعنی وہ ہماری دیہاتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور ہم اس کی شہری ضرورت پوری کرتے ہیں۔

حضرت زاہر گاؤں سے کچھ چیزیں فروخت کرنے کے لیے لاتے تھے، اسی طرح وہ ایک مرتبہ بازار میں اپنا سامان بیچ رہے تھے، ان کے سامنے شہزادہ اور دودھ کے مشکیزے تھے، اسی دن میں وہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے حضرت زاہر کو پیچھے سے پکڑا، اپنے ہاتھ ان کے بغلوں سے نیچے ڈال کر انہیں اپنے سینہ سے لگالیا، اور اپنے ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ لیے، شروع میں انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مزاح کرنے والا کون شخص ہے، وہ کہنے لگے: ارے مجھے کس نے پکڑا ہے؟ مجھے چھوڑ دو، پھر جب انہوں نے آنکھ کے کنارے سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے یہ سمجھ لیا کہ مزاح ادا ہونے والے اور آنکھوں پر ہاتھ رکھنے والے سرکارِ دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب وہ اپنی کمر کو پیچھے کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کے ساتھ ملنے لگے، تاکہ زیادہ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل ہو سکیں۔

انہیں پیچھے سے پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح فرمایا: اس غلام کو کوئی خریدے گا، حالانکہ حضرت زاہر غلام نہ تھے، وہ آزاد تھے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور فرض اور مثال کے تھا، حضرت زاہر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھونا پائیں گے، میں تو ایک بد شکل انسان ہوں، مجھے کون خریدے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے ہاں کھوٹے اور کم قیمت نہیں ہو، بلکہ زیادہ قیمتی ہو، اللہ کے ہاں باطنی سیرت سے فضیلت اور بلند مقام حاصل ہوتا ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زاہر سے دو مرتبہ مزاح اور ہنسی مذاق کیا ہے۔

☆ پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زاہر کو پیچھے سے پکڑ کر دبوچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بغلوں سے ہاتھ ڈال کر ان کی آنکھوں پر رکھ لیے۔

☆ پھر مزاح فرمایا کہ اس غلام کا خریدار کون ہے؟ (۱)

حضرت زاہر کے اس واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ ہدیہ قبول کرنا اور پھر اس کا بدلہ دینا دونوں عمل ہی مسنون ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زاہر کا ہدیہ قبول فرمالیتے، پھر جب وہ گاؤں واپس جانا چاہتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شہری سامان ہدیہ فرمایا کرتے۔
- ۲۔ چیز کو فروخت کرنے کے لیے بلند آواز سے اعلان کیا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ مزاح ایک آزاد آدمی کو بھی غلام کہہ کر پکارا جاسکتا ہے۔
- ۴۔ اعلیٰ شخص اپنے سے کم تر بندے سے مزاح کرے، تو یہ جائز ہے۔

۵۔ انسان کی اصل فضیلت نیک اعمال اور تقویٰ سے ہوتی ہے، ظاہری شکل و صورت اللہ کے ہاں معیار فضیلت نہیں۔ (۱)

عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: أَتَيْتُ عَجُوزًا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْفَعْ اللَّهُ أَنْ يَدْخُلَنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ: يَا أُمَّ فَلَانٍ، إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ، قَالَ: فَوَلَيْتُ نَبِيَّكُمْ، فَقَالَ: أَخْبِرْوَهَا أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا، وَهِيَ عَجُوزٌ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: [إِنَّا أَنْشَأْنَا هُنَّ الْإِنْسَاءَ، فَجَعَلْنَا هُنَّ أَبْكَارًا، غُرَبَاءَ، أَتَوَابًا] [الواقعة:].

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت آئی، عرض کیا کہ یا رسول اللہ: دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں: کوئی بوڑھی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی، راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت روئے ہوئے پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگی، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے بتلا دو کہ وہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان کنواری ہو کر جنت میں داخل ہوگی) بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ان (جنت کی) عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، ہم نے ان کو کنواریاں، محبوبائیں اور (شوہروں کی) ہم عمر بنایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- عجزو: بوڑھی عورت، جس کی عمر زیادہ ہو، فولت: اس بوڑھی خاتون نے جانے کے لیے پیٹھ پھیر لی، تبکی: روتے ہوئے، انشاءناہن: ہم نے جنت کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، ابکار: بکر کی جمع ہے: کنواری لڑکی، غرباء: (یعین اور پریش) عروبة کی جمع ہے: وہ عورت جو اپنے شوہر کی ماضی اور اس کی من پسند محبوبہ ہو، اتواب: ترب (تاء کے نیچے زبر) کی جمع ہے: ہم عمر، جن کی عمر ایک ہی طرح ہو۔

بڑھاپے کی حالت میں کوئی شخص جنت نہیں جائے گا

ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر درخواست کرنے لگی کہ یا رسول اللہ: میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ جل شانہ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، آپ ﷺ نے حرا فرمایا کہ بڑھاپے کی حالت میں کوئی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی، یہ بات سن کر وہ خاتون پریشان ہو گئیں، روتے ہوئے واپس ہونے لگیں، تب نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جنت میں کوئی بوڑھا بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگا، ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی عمریں تیس یا تینتیس سال کی ہوں گی، نبی کریم ﷺ کا کلام مزاح بھی تھا اور ایک حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ کوئی بوڑھا یا بوڑھی بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اور دلیل میں آپ ﷺ نے سورہ واقعہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّا أَنْشَأْنَا هُنَّ الْإِنْسَاءَ، فَجَعَلْنَا هُنَّ أَبْكَارًا، غُرَبَاءَ، أَتَوَابًا۔

اس آیت سے اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حور عین مراد ہیں، حوریں ولادت کے عام طریقے سے پیدا نہیں ہوں گی

بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی خاص قدرت سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے ساتھ ساتھ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بد شکل جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بد شکل، بد شکل رہے گی بلکہ سب کنواریاں ہوں گی، چنانچہ جنت کی عورتیں اس طرح ہوں گی کہ ہر محبت کے بعد وہ کنواری ہو جائیں گی، شوہر جب بھی ان کے پاس جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے آئے گا، تو وہ انہیں کنواری ہی پائے گا۔

یہ بوڑھی خاتون کون تھیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ منیہ بنت عبد المطلب تھیں، جو نبی کریم ﷺ کی پھوپھی اور حضرت زبیر بن عوام کی والدہ تھیں۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے بوڑھے مرد اور عورت کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کی جا سکتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّعْرِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں شعر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے کلام کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قِيلَ لَهَا: هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشَّعْرِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشَعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ، وَيَتَمَثَّلُ بِقَوْلِهِ: (مِنْ أَشْعَارِ طَرْفَةِ ابْنِ الْعَبْدِ - الْبَحْرِ الطَّوِيلِ) وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی شعر مثال اور نمونہ کے طور پر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ مثال کے طور پر کبھی عبد اللہ بن رواحہ کا کوئی شعر پڑھ لیتے تھے، (اور کبھی کسی اور شاعر کا بھی) اور کبھی (طرفہ شاعر کا) یہ مصرعہ بھی پڑھا کرتے اور فرماتے: ویاتیک بالآخبار من لم تزد (یعنی میرے پاس کبھی وہ شخص بھی خبریں لے آتا ہے جس کو تو نے زائد راہ یعنی توشہ اور معاوضہ نہیں دیا)

مشکل الفاظ کے معنی: - يتمثل بشيء من الشعر: آپ ﷺ مثال اور نمونہ کے طور پر کبھی کوئی شعر پڑھا کرتے، اس حدیث میں جو دوسرا لفظ يتمثل ہے، اس کی ضمیر قائل شاعر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس سے طرفہ شاعر مراد ہے، کیونکہ یہ اس کا

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۰۸۶۹، کتاب الاداب، باب للزاح، رقم الحديث: ۲۸۸۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للنواوی

۳۹۶۲، الوهاب اللدنی علی الشمائل للمحمّدیہ (ص: ۲۰۱)

(۲) سنن الترمذی، الادب، رقم الحديث: ۲۸۵۲۔

عمر ہے، من لم تزود: وہ شخص جس کو تم نے زاورا فراہم نہیں کیا یعنی اسے تم نے سفری خرچ اور کوئی معاوضہ نہیں دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ابن رواحہ اور طرفہ بن عبد کے اشعار کو مثال کے طور پر پڑھا کرتے

شعر: اس کلام کو کہا جاتا ہے جو بالقصد ایک قافیہ، ایک ہی انداز اور وزن پر ذکر کیا جائے، اور جو کلام شعر کے ارادے سے نہ کہا جائے، اتفاقاً وہ ایک ہی قافیہ پر مشتمل ہو، اسے شعر نہیں کہا جاتا مگر سورہ فاشیہ، نازعات اور سورہ القمیس وغیرہ، اور جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ (میں جو نبی نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں تھے، قرآن مجید کی آیت میں بڑے واضح انداز سے اللہ جل شانہ نے ذکر فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (ہم نے ان کو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری کا علم نہیں سکھایا، اور شاعری کا علم ان کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے) اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام میں جو شعر کی طرح وزن اور یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ شعر کے قصد اور ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا، اس لیے اسے اصطلاح میں شعر اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر نہیں کہا جاسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ شاعر نہ تھے، مگر اچھے مفہوم کے اشعار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرماتے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ سے اشعار سننے کے لیے مسجد نبویؐ میں منبر رکھوایا کرتے، اپنے کلام میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور طرفہ بن عبد کے بعض اشعار کو مثال اور استشہاد کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ (۱)

چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: وَبِأَنِّي كُنْتُ بِهَا لَا اخْتِيَارَ مِنْ لَمْ تَزُودْ۔

اس میں بتمثل فعل کی ضمیر شاعر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس سے ایک کافر شاعر طرفہ بن عبد مراد ہے، اس کی تصریح

خود حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، جسے امام احمدؒ نے مسند احمد میں نقل کیا ہے (۲)

طرفہ بن عبد کا اگرچہ اس حدیث میں صراحت ذکر نہیں ہے، مگر کبھی ضمیر کو عربی میں ایک ایسے شخص کی طرف بھی لوٹا دیا جاتا

ہے، جو اس کلام میں مذکور نہیں ہوتا، مگر لوگوں کے ہاں وہ مشہور ہوتا ہے، طرفہ کا یہ پورا قصیدہ زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ پر لٹکا یا گیا

تھا، اس کا ذکر "السیع العلاقات" میں موجود ہے، پورا شعر یوں ہے:

سَتَبْدِي لَكَ الْآيَاتِ مَا كُنْتُ جَاهِلًا وَبِأَنِّي كُنْتُ بِالْأَخْيَارِ مَنْ لَمْ تَزُودْ

ترجمہ: زمانہ کے شب و روز عنقریب تمہارے سامنے ایسی چیزیں ظاہر کر دیں گے جن سے تو ناواقف تھا، اور تیرے

پاس کبھی وہ شخص بھی خبریں لائے گا، جس کو تو نے توشہ نہیں دیا ہوگا (یعنی جس کو تو نے معاوضہ نہیں دیا ہوگا)۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للناوی ۲/۲۱۷

(۲) مسند احمد ۱۰/۷۱ مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۲۷۵۱، ط: بیروت

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ”من لم یزود“ سے نبی کریم ﷺ اپنی ذات مراد لے رہے تھے کہ وحی کی باتیں نبی کریم ﷺ کو لوگوں کو بغیر کسی معاوضہ اور اجرت کے بتاتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے متعلق ارشاد فرمایا: مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ، إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ (میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ جل جلالہ کے ذمہ ہے) (۱) اس حدیث میں دو شاعروں کا ذکر ہے، ۱۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ مشہور صحابی ہیں، ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، اور پھر نبی کریم ﷺ کے سامنے ہی مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔ ۲۔ طرفہ بن عبد، عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ❁ جو شعر علم و حکمت اور وعظ و نصیحت کے معنی پر مشتمل ہو، اسے کہنا، پڑھنا اور دوسروں سے سننا جائز ہے۔
- ❁ کسی کافر کے صحیح شعر کو بھی مثال اور استشہاد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، طرفہ بن عبد ایک کافر شاعر گزارا تھا، مگر اس کے بعض اشعار بڑے حکیمانہ تھے، اس لیے کبھی کبھار نبی کریم ﷺ ان کے اشعار کو مثال کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔
- ❁ علم و حکمت، زہد و تقویٰ اور منصب کے لحاظ سے جو شخص بڑا ہو، وہ بھی اپنے سے چھوٹے شخص کے اشعار اور کلام کو مثال اور استدلال میں پیش کر سکتا ہے، جس طرح کہ نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور دوسرے شعراء کے بعض اشعار کو استشہاد کے طور پر پیش فرماتے تھے۔

اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شعر کا حکم کلام کی طرح ہے، اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور برا شعر برے کلام کی طرح ہے، حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اشعار دو طرح کے ہوتے ہیں اچھے اور برے، اچھے اشعار کو لے لو اور برے اشعار کو ترک کر دو، اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار حکمت کے معنی پر مشتمل ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شعر جو وعظ و نصیحت، علم و معرفت، اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت و بڑائی پر مشتمل ہو، اس میں نبی کریم ﷺ، انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اولیاء کرام کے فضائل و مناقب ہوں، دین اسلام کے دفاع اور مسلمان مجاہدین کو جوش دلائے، جس سے ایمان کو تازگی اور سرور ملے، اس طرح کے اشعار کہنا، سننا اور پڑھنا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلمان شعراء اور کافر شاعروں کے حکمت پر مشتمل اشعار کو کبھی کبھار پڑھا اور سنا کرتے تھے، کیونکہ ان سے دلوں کو تازگی، نیا ولولہ اور امنگوں کو جلا ملتی ہے، اور جائز اشعار میں بھی اس قدر انہماک نہ ہو کہ جس سے نمازیں قضا ہو جائیں، اور ضروری کاموں میں حرج پیدا ہونا شروع ہو جائے۔

اور ایسا شعر جو ناجائز اور کفریہ معنی پر مشتمل ہو، اس میں گناہ کی باتیں، یا کسی معین عورت کے اوصاف کا بیان ہو یا جس میں بہتان اور الزام تراشی ہو، یا اس سے بلا وجہ کسی کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہو، اس طرح کے اشعار کہنا، سننا اور پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَضْدَقَ كَلِمَةٍ: قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةً لَبِيدٍ: [من أشعار لبید بن ربیعۃ العاصمی - البحر الطویل] أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ، وَكَأَذْ أَمِيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسَلِّمَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ سچا کلمہ یعنی شعر جو کسی شاعر نے کہا ہے، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ (خوب سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے یعنی فنا ہونے والی ہے) اور امیہ بن صلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔

لبید بن ربیعہ شاعر کا ایک سچا شعر

لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی عمر بڑی لمبی تھی، ایک سو بیس، ایک سو تیس اور ایک سو چالیس کی مختلف روایات ہیں، نوے سال زمانہ کفر میں اور باقی عمر اسلام میں گزاری، انہوں نے اپنی طویل عمر کی شکایت اپنے ایک مشہور شعر میں یوں کی ہے:

وَلَقَدْ سَمِعْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَطَوَّلَهَا وَ سَوَّالَ هَذَا النَّاسِ: كَيْفَ لَبِيدٍ
ترجمہ: خدا کی قسم میں لمبی عمر اور لوگوں کے اس سوال سے اکتا چکا ہوں کہ لبید کی حالت کیسی ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے زمانہ اسلام میں شعر کہنے سے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران شعر کے نعم البدل کے طور پر مجھے عطا کر دی ہیں، اس لیے اب مجھے شعر کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت لبید نے صرف یہ ایک شعر کہا ہے:

مَا غَالَبَ الْمَرْءَ الْكَرِيمَ كَنْفِيهِ وَالْمَرْءَ يَضِلُّهُ الْخَلِيسُ الصَّالِحُ

ترجمہ: شریف آدمی کو اس کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی ملامت نہیں کرتا اور ہر شخص کی اصلاح اس کا نیک اور اچھا دوست ہی کرتا ہے۔

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۲/۲، کتاب الشعر رقم الحديث: ۵۸۳۹

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۵۳۔

یاد شعر کہا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ إِذَا لَمْ يَلْبِسْ أَحْلَى حَتَّى كَسَانِي مِنَ الْإِسْلَامِ سِرَابًا

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ جل شانہ کے لیے ہیں، جس نے میری موت سے پہلے مجھے اسلام کا لباس پہنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت لبید کے شعر کے مصرعہ کو اصدق کلمہ سب سے زیادہ سچا کلمہ یعنی سچا شعر فرمایا ہے، کیونکہ یہ کتاب اللہ کی اس آیت: کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اور اس آیت: كُلُّ شَيْءٍ عَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ کے موافق ہے، یہ ان کے قصیدہ کا ایک مصرعہ ہے، اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مُخَالَاةَ زَائِلٌ

ترجمہ: آگاہ ہوا اللہ کے سوا ہر چیز قاتی ہے، اور دنیا کی ہر نعمت یقیناً ختم ہو جاتی دالی ہے۔

إِذَا الْمَوْءُ أَسْرَى لَيْلَةً ظَنَّ أَنَّ قُضِيَ عَمَلُ الْمَوْءِ مَا غَاشِ أَوَّلُ

ترجمہ: جب آدمی ایک رات کا سفر طے کر لیتا ہے، تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے اپنا کام ختم کر لیا ہے،

حالانکہ ہر شخص پوری زندگی امیدوں میں ہوتا ہے۔

حَبَائِلُهُ مَبْذُورَةٌ بِسَبِيلِهِ وَ يَقْلَى إِذَا مَا أَخْطَأَتْهُ الْحَبَائِلُ

ترجمہ: اس کی امیدوں کے جال راستہ میں ہر طرف منتشر اور پھیلے ہوئے ہیں، جب اسے وہ اہداف حاصل نہ ہوں تو فنا

اور ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

فَقُولَا لَهُ إِنْ كَانَ يَقْسِمُ أَمْرَهُ أَلَمَّا يَعْطُكَ الدَّهْرُ أَمَّكَ هَابِلُ

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیں اگرچہ اس نے اپنا کام تقسیم کر رکھا ہے کہ تیری ماں محروم ہو، کیا تو نے زمانے سے اب تک

عبرت حاصل نہیں کی۔

فَإِنَّ أَنْتَ لَمْ تَصْدَقْكَ نَفْسُكَ فَاتَّصِبْ لَعَلَّكَ قَهْدِيكَ الْقُرُونِ الْأَوَّاهِلُ

ترجمہ: اگر تیری ذات حیرتی تصدیق نہ کرے تو پھر تو اپنا نسب بیان کر، شاید کہ بچھلے لوگ تجھے کوئی راستہ بتا ہی دیں۔

وَ كُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا سَيَعْلَمُ سَعْيَهُ إِذَا كُشِفَتْ عَنْهُ لَهُ الْمَحَاصِلُ

ترجمہ: اور ہر شخص کی محنت عنقریب اس دن ظاہر ہو جائے گی، جب اللہ جل جلالہ کے سامنے اس کے کئے کے نتائج

سامنے آئیں گے۔

یہ قصیدہ حضرت لبید نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کہا تھا۔ (۱)

و کادامیہ... امیہ بن ابی الصلت بھی ایک مشہور عربی شاعر تھا، اس کے اشعار صحیح حقائق پر مشتمل ہوتے تھے، قیامت کا

(۱) الشعراء لابن قتیبة (ص: ۱۲۳) تکملة فتح اللہم ۴/۲۳۲، کتاب الشعر، رقم الحديث: ۵۸۴۲

بھی قاتل تھا، مگر اسلام قبول نہ کر سکا، نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد جب طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا، ان دنوں اس شاعر کی کفر پر ہی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سَفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ: أَصَابَ حَجْرٌ أَصْبَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدِمِيثٍ، فَقَالَ: هَلْ أَنْتَ إِلَّا أَصْبَغَ دَمِيثٍ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی (پاؤں کی) انگلی میں لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہو گئی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے، جو خون آلود ہے، اللہ کے راستے میں تمہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - أصاب حجراً: ایک پتھر لگ گیا، دَمِيثٌ: وہ انگلی خون آلود ہو گئی، مَا لَقِيتَ: جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچی، تمہیں جو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

پاؤں کی زخمی انگلی سے ایک شعر سے خطاب

مذکورہ حدیث سے متعلق دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ اس میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ مذکورہ شعر نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے ارشاد فرمایا ہے یا کسی اور شاعر کا مثال کے طور پر ذکر کیا ہے، طبری کہتے ہیں کہ یہ ولید بن ولید کا شعر ہے اور ابن ابی الدنیاء نے اپنی کتاب ”مخاسنہ النفس“ میں اس شعر کی نسبت حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی طرف کی ہے، فرماتے ہیں کہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جب حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے لشکر کی کمان سنبھالی، تو دشمنوں کے ساتھ لڑتے لڑتے حضرت عبد اللہ کی انگلی زخمی ہو گئی، اس پر انہوں نے یہ شعر کہے ہیں:

هَلْ أَنْتَ إِلَّا أَصْبَغَ دَمِيثٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتَ
تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اللہ کے راستے میں تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔

يَا نَفْسُ إِنْ لَأَنْفَعَتْنِي تَمَوُّتِي هَلْدَى حِيَاضِ الْمَوْتِ قَدْ صَلَّيْتَ
اے میرے نفس: اگر تجھے قتل نہ کیا گیا، تو بھی تو نے مرنا ہی جانا ہے، یہ موت کے تالاب ہیں، جن میں تو داخل ہو چکا ہے۔

وَ مَا تَمَيَّيْتُ فَقَدْ لَقِيتُ إِنْ تَفَعَّلْتِ فَعَلَهَا فَقَدْ هَدَيْتِ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۴۳۶۲، للواهب اللدنیۃ علی الشمائل للحمیدیۃ (ص: ۴۰۷)

(۲) سنن الترمذی، التفسیر، رقم الحدیث: ۳۳۴۲۔

جو تیری آرزو تھی اسے تو نے پایا ہے، اگر تو صحیح طرح کا ذکر ہوگی دکھائے گا تو تیری رہنمائی کی جائے گی۔

۲۔ غزوہ احد کے موقع پر حفاظتی نقطہ نظر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں تشریف لے گئے، پاؤں پھسلنے سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاؤں کی انگلی زخمی ہوگئی جس سے خون بہنے لگا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شعر پڑھا۔ (۱)

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی مختلف موقعوں پر زخمی ہوئی ہے، ایک حدیث میں غار کا ذکر ہے، ایک میں ہجرت سے پہلے اور بعض روایات میں بعض غزوات کا ذکر ہے، متعدد ہارایا ہوا ہے، اس لیے ان روایات میں تضاد نہیں ہے۔ (۲)

عَنِ النَّبَإِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَفَرَزْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَبَا عُمَارَةَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقُّهُمْ هَوَازِنَ بِالْثَّبَلِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى بَغْلَةٍ، وَأَبُو سَفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَخَذَ بِجَاهِهَا، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. (۳)

ترجمہ: حضرات براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: اے ابو عمارہ کیا تم سب لوگ جنگ حنین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: نہیں، اللہ کی قسم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، مگر لشکر میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں سے اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نو مسلم نوجوان تھے)، پیٹھ پھیر لی تھی (وجہ یہ تھی کہ) قبیلہ ہوازن نے ان کا استقبال کیا تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ پر سوار تھے، اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (ترجمہ: قطعی بات ہے کہ میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، اور میں عبدالمطلب کا بیٹا یعنی پوتا ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنی :-۔ الفودم: ہمزہ برائے استفہام ہے، کیا تم لوگ بھاگ گئے تھے، ما ولی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، سرعان: (سین پر زبرد اور را پر زبرد اور سکون دونوں طرح منقول ہے) سریع کی جمع ہے: تیز رفتار، جلد باز، تعلقہم ہوازن: قبیلہ ہوازن نے ان کا استقبال کیا، الثبل: (نون پر زبرد اور با ساکن) تیر، اس کی جمع انبال اور نبال ہے، بغلة: ٹھکر کی موٹ، یہ سفید تھی، جسے مقوقس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ میں دی تھی، اس کو ”دلّی“ کہا جاتا ہے، حضرت معاویہ

(۱) فتح الباری ۱۰/۶۶۲ کتاب الادب، باب ما يجوز من الشعر، رقم الحديث: ۶۱۴۶، تکملة فتح اللہم ۲۰۴/۳، کتاب الجہاد

باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أذى للشركين، رقم الحديث: ۴۲۱۸، اللوہب اللدنیۃ علی الشائل المحمدیۃ (ص: ۴۰۸)

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح النواوی ۲/۴۳۶، اللوہب اللدنیۃ علی الشائل المحمدیۃ (ص: ۴۰۱)

(۳) سنن الترمذی، الجہاد، رقم الحديث: ۱۶۸۸۔

کے زمانے میں اس کی موت ہوئی تھی، اخلا بلجامہا: اس ٹچرہ کی رسی کو پکڑے ہوئے تھے۔

غزوہ حنین پر ایک نظر

مذکورہ حدیث کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ حنین پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے، تاکہ حدیث کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔

”حنین“ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، یہاں عرب کے دو مشہور قبیلے آباد تھے، ہوازن اور ثقیف، ہوازن تیر اندازی میں مشہور تھا جبکہ ثقیف اپنی شرافت میں معروف اور ضرب المثل تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو ان دو قبیلوں نے باہمی مشورہ کیا کہ فتح مکہ کے بعد اب ان کی باری ہے، قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ کریں، ہمیں پیش قدمی کر کے ان پر حملہ کر دینا چاہیے، بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس حملے سے منع کیا، مگر ان کی بات کو بعض جو شیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہنے لگے: ”مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار جنگجوؤں سے سہارہ نہیں پڑا، اس لیے وہ غالب ہوتے جا رہے ہیں، اب ہم ان کو سبق سکھائیں گے“ چنانچہ دونوں قبیلوں نے پس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کر لیا، اور مالک بن عوف کی زیر نگرانی یہ لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا، عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، تاکہ ان کو چھوڑ کر کوئی بھاگ نہ سکے اور ان کی حفاظت کے لیے اپنی جان دے دیے۔

لشکر کی قیادت اگرچہ قبیلہ ہوازن کا سردار مالک بن عوف کر رہا تھا، لیکن قبیلہ جشم کا سردار درید بن صمد کو بھی مشیر کی حیثیت سے لشکر میں رکھا گیا، تاکہ جنگی امور میں اس کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جاسکے، درید بن صمد مشہور شاعر اور جنگی امور میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا، اس وقت اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہو چکی تھی، لوگوں نے اسے اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچا دیا، درید نے دریافت کیا کہ یہ کونسا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا: او طاس، درید نے کہا: ہاں یہ مقام جنگ کے لیے بہت موزوں ہے، کیونکہ یہاں کی زمین نہ تو زیادہ سخت ہے اور نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں، پھر اس نے پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی آرہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئے ہیں، تاکہ ہر شخص بہادری سے لڑے اور کوئی بھاگ نہ جائے، اس پر درید بولا: جنگ میں صرف نیزہ اور تلوار کام آتے ہیں، اگر جنگ میں فتح ہوئی تو اہل و عیال ساتھ لانے کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر شکست ہوئی تو بچوں اور عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی، اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اہل و عیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے، لیکن مالک بن عوف نے جوانی کے جوش میں درید کی یہ رائے بالکل پسند نہیں کی، اور کہنے لگا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل بے کار ہو چکی ہے۔

ادھر مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو جب اس جنگی جنون کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے تحقیق حال کے لیے عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ وہاں گئے، دو دن ہوازن کے لشکر میں رہنے کے بعد واپس آ کر آپ ﷺ کو تفصیلی صورت حال سے آگاہ کیا۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی مقابلہ کے لیے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، صفوان بن امیہ جس نے ابھی تک اسلام

قبول نہیں کیا تھا، اس سے سوزر ہیں ساز و سامان کے ساتھ عاریت میں لے لیں۔

ہفتہ کے دن، ۶ شوال، ۸ ہجری بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، اس لشکر میں مہاجرین، انصار اور مکہ کے نو مسلم حضرات شریک تھے، کچھ کافر بھی ساتھ چل پڑے مال غنیمت کی لالچ میں اور جنگ کا تماشا دیکھنے کے لیے، یہ اسلامی غزوات کا پہلا لشکر تھا، جو اتنی تعداد اور اس جاہ و جلال کے ساتھ حنین کی طرف بڑھ رہا تھا، بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ”لَنْ نَقْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ“ ”آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے“ اس جملہ میں ایک گونا گوار گھمنڈ تھا، اس لیے اللہ جل جلالہ کو یہ بات پسند نہ آئی، اسی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے: ”وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا“ (ترجمہ: اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی)۔

مسلمانوں کے لشکر کو حنین تک پہنچنے کے لیے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا، مالک بن عوف نے اپنے لشکر کو ان پہاڑوں میں مخصوص جگہوں میں بٹھا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان صبح کے وقت وہاں سے گزرنے لگے تو ہوا زن اور ثقیف کے بیس ہزار نوجوانوں نے تل کر تلواروں اور تیروں سے مسلمان فوج پر در دست حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام منتشر اور تتر بتر ہو گیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو شکست ہو گئی تھی، اور وہ پیچھے بھاگ پڑے، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ فتح ہو گئی ہے، مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، ادھر پہاڑوں میں چھپے کافروں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، اس حملے سے مسلمانوں کا لشکر ادھر ادھر منتشر ہو گیا، افراتفری کا ماحول برپا ہو گیا، صرف چند مخصوص صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے، جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت سفیان بن حارث وغیرہ شامل تھے، حضرت ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی، گھمسان کی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور جلال نبوت کے لیے فرمایا: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، حضرت عباس بلند آواز تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو، انہوں نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا: يَا مُعَشِّرَ الْأَنْصَارِ يَا أَهْلَ حَاكِبِ الشُّمُورِ اے انصار کی جماعت، اے صلح حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو، ادھر آؤ، یہ نعرہ جوں ہی صحابہ نے سنا، دیوانہ وار لپک کہتے ہوئے یوں لوٹے، جیسے اونٹنی اپنے بچہ کی طرف لوٹتی ہے۔

سب صحابہ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کا حکم دیا اور میدان جنگ گرم ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی ہاتھ میں پکڑ کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: شَاحَتِ الْوُجُوهُ، شَاحَتِ الْوُجُوهُ (براہو، ان چہروں کا) چنانچہ اس دعا کا اثر تھا کہ کفار میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھ میں یہ منی نہ پہنچی ہو، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، ان کے ستر آدمی مارے گئے، بہت سوں کو گرفتار کر لیا گیا، اور کچھ طائف اور ادھاس کی طرف بھاگ گئے، طائف کی طرف بھاگنے والوں میں مالک بن عوف بھی تھا، اور زید بن صمدہ ادھاس کی طرف جانے والوں میں شامل تھا، اس طرح اللہ جل شانہ نے اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح و

کامرانی عطا فرمائی۔ (۱)

کیا غزوہ حنین میں سب صحابہ بھاگ گئے تھے

قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم لوگ جنگ حنین میں حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، ہم سب نہیں بھاگے تھے بلکہ بعض نو مسلم اور قبیلہ بنی سلیم کے بعض جلد باز اس موقع پر بھاگ گئے تھے، مگر نبی کریم ﷺ نے پشت نہیں پھیری، شمال کی مذکورہ حدیث میں افراتم (کیا تم لوگ بھاگ گئے تھے؟) جمع کا صیغہ ہے، قرآن مجید کی اس آیت: **ثُمَّ وَلَّيْتُم مَدْيَنَ** اور بعض دوسری روایات میں بھی جمع کے الفاظ ہیں، ان روایتوں کے الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ سائل پیچھے ہٹنے والوں میں حضور اکرم ﷺ کو شامل سمجھ رہا ہے، اس لیے حضرت براء نے بتایا کہ اور بعض لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہوئے، اور بھاگنا پایا گیا، مگر حضور اکرم ﷺ اس میں شامل نہیں تھے، آپ ﷺ ثابت قدمی سے دشمنوں کے سامنے ثابت قدم رہے، اور بعض صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس موقع پر کتنے صحابہ کرام تھے؟ اس بارے میں منقول روایات کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی تین جماعتیں تھیں:

۱۔ ایک جماعت مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے تھی، اس میں قبیلہ بنی سلیم کے لوگ تھے، اس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلا حصہ تھا، اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب یہ دشوار گزار گھاٹیوں سے گذرے تو ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا، ان کے ہاتھوں ابتداء میں دشمن کو شکست ہوئی، اس سے مسلمانوں کو ہمت ہوئی، یہ آگے بڑھنے لگے، اور دشمن بھاگنے لگا، مسلمانوں نے اسے فتح سمجھ کر مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، دشمن نے اس موقع کو غنیمت جانا، پہاڑ میں چھپے جنگجوؤں نے مسلمان فوج پر تلواریں اور تیروں سے یکبارگی حملہ کر دیا، اس اچانک حملے سے مسلمان فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، قبیلہ بنی سلیم اور بعض نو مسلم بھاگ پڑے، اس کا اثر دیگر صحابہ پر پڑا اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے، صحابہ کرامؓ بھاگے نہیں تھے، صرف افراتفری کی کیفیت تھی اور وہ تتر بتر ہو گئے تھے، جب حضرت عباسؓ نے آواز دی کہ ادھر آؤ، تو فوراً تمام صحابہؓ نبی کریم ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے، اور دوسری بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنا جب ہوتا ہے جب فوج کا سپہ سالار بھاگے، اور یہاں نبی کریم ﷺ نے راہ فرار اختیار نہیں کیا، آپ ﷺ ثابت قدمی سے میدان میں ہی رہے، آپ ﷺ کو اللہ جل شانہ کی مدد و نصرت پر مکمل یقین تھا، ایسے میں پھر صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کو میدان میں چھوڑ کر کیسے بھاگ سکتے تھے۔

۲۔ مسلمانوں کی دوسری جماعت اپنی جگہ پر ہی ثابت رہی، مگر ان کی جگہ نبی کریم ﷺ کی جگہ سے دور تھی، آپ ﷺ

(۱) الكامل لابن اثیر ۱/۲۷۷، زاد المعاد ۳/۲۶۶، تاریخ طبری ۲/۲۶۶، جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح المناوی ۲/۲۸۸، الواهب اللدنی علی الشرائع المحملیہ (ص: ۴۱۲)

نے اپنا راستہ تبدیل کر کے دائیں جانب کا راستہ اختیار کر لیا تھا، ایسے میں فوری طور پر آپ ﷺ کے پاس نہیں پہنچا جاسکتا تھا۔

۳۔ صحابہ کرام کی تیسری جماعت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہی، اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید وغیرہ شامل تھے۔

اس تیسری جماعت میں صحابہ کی تعداد کتنی تھی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں سو تعداد ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اسی تعداد ہے، حضرت عباسؓ نے دس بتائی ہے، اور بعض روایات میں چار کا ذکر ہے، بظاہر ان روایات کی تعداد میں تعارض ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں، جنگی ماحول میں انسان پر مختلف حالات آتے ہیں، افراتفری کے ماحول میں جب لوگ ادھر ادھر منتقل ہو رہے تھے تو ایک وقت ایسا آیا کہ ان وقت آپ ﷺ کے ساتھ ایک سو صحابہ کرام تھے، پھر ایک وقت میں اسی اور پھر دس، اس کے بعد صرف وہ چار شخص آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے، جو حجر کی رسی اور دو کاب تھامے ہوئے تھے، حتیٰ کہ جب حجر بھی حضور اقدس ﷺ کی منشا کے موافق آگے نہ بڑھ سکا، تو حضور اکرم ﷺ اس حجر سے نیچے اتر گئے، اکیلے ہی آگے بڑھنے لگے، ہاتھ میں ننگریوں یا مٹی کی مٹھی لے کر شہادت الوجوۃ، شہادت الوجوۃ کہہ کر دشمن کی طرف پھینکی، یہ وہ وقت تھا جب آپ ﷺ اکیلے تھے، آپ ﷺ کے ساتھ اور کوئی صحابی نہیں تھا، اس وقت سب صحابہ پیچھے رہ گئے تھے، ہاشمی خون خوب جوش میں تھا، اس وقت آپ ﷺ یہ کلام پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں اسی وقت کا ذکر ہے، جس میں آپ ﷺ تن خواہ بڑے جوش و جذبے سے آگے بڑھ رہے تھے، یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ کرام بھاگ گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پیدل چل کر دشمن کی طرف جو پیش قدمی فرما رہے تھے، ان میں آپ ﷺ اکیلے تھے، ان میں اور کوئی صحابی آپ ﷺ کے ساتھ نہ تھا، اس وقت صحابہ کرام آپ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (۱)

انا ابن عبدالمطلب کہنے کی وجہ

نبی کریم ﷺ کا یہ ہم وزن کلام: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ شعر کے قصد سے نہیں کہا گیا، بلکہ اتفاقی طور پر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ مقفی کلام صادر ہوا ہے، اس لیے یہ شعر نہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے، اس میں الفاظ یوں تھے: اَنْتَ النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ، اَنْتَ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ، اس میں آپ ﷺ نے تصرف کر کے ”انت“ کے بجائے ”انا“ ضمیر لگا دی اور فرمایا: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نبوت اور جھوٹ دونوں

(۱) فتح الباری ۲/۸ کتاب المغازی، باب قول الله تعالى: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذَا جُنُودُكُمْ كَثُرَتْكُمْ... رقم الحديث: ۴۳۱۵، تکملة فتح

للمہم ۱۵۹/۳، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوة حنین رقم الحديث: ۴۳۷۸

جمع نہیں ہو سکتے، میں چونکہ اللہ کا نبی ہوں، مجھ کو نہیں ہو سکتا کہ میدان سے بھاگ جاؤں، مجھے اللہ جل جلالہ کی مدد و نصرت کا مکمل یقین ہے۔

اس شعر میں نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو والد کے بجائے اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف کیوں منسوب کیا؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

✽ حضرت عبدالمطلب کی شجاعت، جرأت، شرافت اور عظمت و بزرگی سارے عرب میں مسلم تھی، جبکہ آپ ﷺ کے والد گرامی عین جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے، ان کی شہرت نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے دادا کی طرف نسبت فرمائی۔

✽ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں آخری نبی ظاہر ہوں گے، جو مخلوق خدا کو راہِ راست دکھائیں گے، وہ راجہا اور بادنی ہوں گے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے عبدالمطلب کی طرف نسبت کر کے ان لوگوں کو یہ مشہور بات یاد دلانی، یہ وقت گویا اس بات کی تصدیق کا ہے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کسی اچھے مقصد کی وجہ سے اپنے والد کے بجائے اپنے دادا کی طرف نسبت کر سکتا ہے، ضرور و دریا کسی ناچار مقصد کی وجہ سے اپنے نسب میں تبدیلی جاڑ نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ، وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِي بَيْنَ يَدَيْهِ، وَهُوَ يَقُولُ: [مِنْ أَشْعَارِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَوَاحَةَ - الْبَحْرُ الرَّجَزِ] خَلَوْا ابْنِي الْكَفَّارِ عَنْ مَسِيلِهِ، الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ ضَرْبًا، يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ، وَيَذْهَبُ الْخَلِيلُ عَنْ خَلِيلِهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ، بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللَّهِ تَقُولُ الشُّعْرَ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَلْ عَنْهُ يَا عُمَرُ، فَلَمْ يَأْمُرْ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ التَّبَلِ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی قضا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ داخل ہوئے، تو عبد اللہ بن رواحہ رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے: خلوا ابني الكفار... الخ اے کفار کی اولاد! آپ ﷺ کا راستہ خالی چھوڑ دو، آج حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے سے روکنے پر ہم تمہیں ایسی مار دیں گے، جو کھوپڑیوں کو ان کی جگہ سے جدا کر دے گی، اور دوست کو اس کے دوست سے غافل کر دے گی، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: اے ابن رواحہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم کی میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ (یہ بات سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر ابن رواحہ کو چھوڑ دو (اسے شعر کہنے سے مت روکو) کیونکہ یہ اشعار کافروں پر تیر پھینکنے سے کہیں زیادہ جلد اثر کرتے ہیں۔

(۱) فتح الباری ۳/۸، کتاب المغازی، رقم الحدیث: ۳۳۱۵، جمع الوصائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۲/۲۸۷

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۵۲۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خلوا: نکلے سے میثدا مرجع ہے: خالی چھوڑ دو، ہنسی الکفار: حرف یاء اس سے پہلے ہے: اے کافروں کی اولاد، عن مسیلہ: رسول اللہ ﷺ کا راستہ، علی تنزیلہ: آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے پر، ضرباً: ایسی مار، یزید: جو جدا کر دے گی، ہٹا دے گی، ہام: خانہ کی جمع ہے: کھوپڑی، دماغ: عن مقبلہ: اس کی جگہ یعنی گردن سے، یدھل: غافل کر دے گی، بھلا دے گی، فلہی اسرع علیہم: کیونکہ یہ اشعار کافروں پر بہت جلد اثر کرتے ہیں، من نضح النبل: تیر پھینکنے سے، تیر اندازی ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی کفار مکہ کو اشعار میں دھمکی

۶ ہجری میں نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے، مگر کفار مکہ نے مکہ مکرمہ داخل نہ ہونے دیا، مقام حدیبیہ میں روک دیا، وہاں پر صلح کی شرائط لکھی گئیں، اس میں یہ معاہدہ بھی تھا کہ آئندہ سال حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے، اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے، چنانچہ معاہدہ کے مطابق نبی کریم ﷺ ۷ ہجری میں عمرے کے لیے تشریف لائے، اور اس عمرے کی قضاء کی، اسی لیے اسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے، یہ اختلاف کا موقف ہے، اور یہ معاہدہ بھی تھا کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لائیں گے، حضور اکرم ﷺ نے ذیقعدہ کا چاند دیکھنے کے بعد عمرے کی ادائیگی کا اعلان کر دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی زہ نہ جائے، آپ ﷺ نے احتیاطاً اسلحہ بھی ساتھ لے لیا تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا جاسکے، مکہ مکرمہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر مقام ”بطن یا جج“ میں جنگ کا وہ اسلحہ رکھوا دیا، اور اس کی حفاظت کے لیے دو سو سواروں کا دستہ متعین کر دیا۔

پھر حضور اکرم ﷺ نہ جانے عشق و محبت کے کن کن جذبات کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے حرم مکہ میں داخل ہوئے ہوں گے، آپ ﷺ کے آگے حضرت عبداللہ بن رواحہ بڑے جذبے سے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے: خلوا ہنسی الکفار... (اے کافروں کی اولاد! نبی کریم ﷺ کا راستہ خالی چھوڑ دو، کوئی مزاحمت نہ کرنا، اگر تم لوگوں نے پچھلے سال کی طرح اس سال بھی ہمیں بیت اللہ کے پاس آنے سے روکا تو ہم تمہارے سزاوار کھوپڑیوں کو جسم سے جدا کر دیں گے، ایسی عبرت ناک ماردیں گے کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑ جائے گی، ایک دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا، یعنی بہت سخت گھمناسان کی لڑائی ہوگی)

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ اشعار پڑھتے سنا تو کہا کہ اللہ جل شانہ کے رسول کے سامنے اور اللہ کے حرم میں تو شاعری کر رہا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: عمر! ابن رواحہ کو یہ اشعار پڑھنے دو، یہ اشعار ان کافروں کے لیے تیروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور اذیت ناک ہیں، نبی کریم ﷺ نے گویا وقتی مصلحت کے لحاظ سے فرمایا کہ یہ اشعار بھی زبان کا جہاد ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہر کی مذمت بیان فرمائی ہے، اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مؤمن لو! یعنی اسلحہ اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے، اور زبان کا جہاد بھی گویا ایسا ہی ہے جیسے

تم تیر برسارہے ہو، بلکہ بسا اوقات زبان سے نکلا ہوا جملہ اسلحہ سے کہیں زیادہ سخت اور ناگوار محسوس ہوتا ہے، اور زبان کا زخم سالہا سال گزرنے سے بھی منسل نہیں ہوتا جبکہ تلوار و حیر کا زخم علاج محتاج سے درست ہو جاتا ہے، وعدے کے مطابق نبی کریم ﷺ تین دن مکہ مکرمہ میں رہے اور پھر اپنے ساتھ آنے والے دو ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

اس روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ اگر ایک مسلمان عمر بے یابج کا احرام باندھ کر نیت کر لے مگر پھر کسی وجہ سے وہ عمرہ یا حج ادا نہ کر سکے، کوئی رکاوٹ پیش آ جائے تو وہ دم ذبح کر کے حلال ہو جائے، اور پھر اس کی قضا کرنا اس پر لازم ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے اس عمرے کی قضا کی۔

✽ ایسے اشعار جو اللہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل ہوں، جن میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کی حمد و ثناء اور دفاع کا ذکر ہو، اس طرح کے اشعار کہنا اور انہیں سننا جائز ہے، بلکہ بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ (۱)

✽ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈے اور سازشیں چل رہی ہیں، ان کی تردید اور اسلام کی اصل تصویر سامنے لانے کے لیے جو مضامین، رسائل اور کتابیں وغیرہ لکھی جائیں تو یہ بھی قلمی جہاد ہے، اگر یہ اخلاص نیت سے کیا جائے تو اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا ایک تسامح

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمرۃ القضاء والی مذکورہ روایت جامع ترمذی کے ابواب الاستیذان باب ما جاء فی انشاد الشعر میں بھی ذکر کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے آگے کعب بن مالک چل رہے تھے، اس پر فرماتے ہیں: وَهَذَا أَصَحُّ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ قُتِلَ يَوْمَ مَوْثَنَ وَأَمَّا كَانَتْ عُمَرَةُ الْقَضَاءِ بِغَدِ ذَلِكَ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے سچا ہوا ہے، کیونکہ عمرۃ القضاء کا سفر غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ موجود تھے، یہ سفر ذی قعدہ ۷ ہجری میں پیش آیا ہے، جبکہ غزوہ موتہ کے لیے نبی کریم ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں لشکر روانہ فرمایا ہے، اس میں پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تھے، اس لیے امام ترمذی کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرۃ قضا بعد میں پیش آیا ہے، درست نہیں ہے۔ (۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: جَالَسْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۵۱/۲

(۲) فتح الباری ۲۳۸/۷، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، الکوکب الذری ۳۳۰/۳، تحفة الاحوذی ۱۱۳/۸

الشَّعْرَ وَيَقْدَأُ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهِيَ مَنَاسِكُ وَرَبَّمَا تَبَسَّمْ مَعَهُمْ (۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سو سے زیادہ بار بیٹھا ہوں، جس میں حضرات صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی چیزوں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس پر) خاموش رہتے، (ان کو منع نہ فرماتے) ہاں کبھی کبھی ان کے ساتھ مسکرا دیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اکثرو من مائتہ مرة: سو مرتبہ سے زیادہ یعنی بے شمار بار، یہ الفاظ محاورے کے طور پر کثرت کے لیے استعمال ہوتے ہیں، یتناشدون الشعر: صحابہ کرام ایک دوسرے کو شعر سناتے، انشاء کہتے ہیں: دوسرے کسی شاعر کا شعر پڑھنا، یتذاکرون اشياء: چیزوں یعنی قصے کہانیوں کا تذکرہ کرتے، پرانی یادیں تازہ کرتے، من امر الجاہلیۃ: اسلام سے پہلے پیش آنے والے امور اور معاملات سے متعلق۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دور جاہلیت کے اشعار کا تذکرہ

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں سو سے زیادہ مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوں، اس سے بے شمار تعداد مراد ہے کہ بہت زیادہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوتا تھا، اس نشست میں کبھی کبھی صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے، مثلاً کوئی کہتا کہ زمانہ جاہلیت میں میرے بت نے مجھے بہت نفع دیا ہے، دوسروں نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا: میں نے وہ بت ”حسین“ (یعنی بھور، شیر یا شواور گھی سے بنایا ہوا کھانا) سے بنایا تھا، پھر جب قحط کا زمانہ آیا تو میں اسے روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کھاتا رہا، ایک اور صحابی نے کہا کہ میں نے لومڑ کو دیکھا کہ وہ میرے بت پر چڑھ کر پیشاب کر رہا ہے، اس سے اس بت کی آنکھیں بند ہو گئیں، وہ ناپینا ہو گیا، میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسا خدا ہے، جس پر لومڑ پیشاب کر رہے ہیں، اور وہ ناپینا ہو چکا ہے، اس وقت سے مجھے اس بات سے نفرت ہو گئی، اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔

یہ سارا کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سن رہے ہوتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے، اور کبھی کبھار صحابہ کی باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مسکرا دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ نہ تھا، بلکہ صحابہ کی دلدادگی اور مجلس کے ماحول کو مزید دلکش اور پروقار بنانے کے لیے اور باتوں کا بھی تذکرہ ہوتا، عہد ماضی کے واقعات کو عبرت کے طور پر ذکر کیا جاتا، انہیں سنا اور سنایا جاتا، تاکہ ان مختلف قسم کے تذکروں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت میں مزید اضافہ ہو، مجلس میں ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے، تو اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا، اس سے لوگ تنگ ہو کر مجلس چھوڑ دیتے ہیں، اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

گذشتہ واقعات کو عبرت کے لیے ذکر کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس میں اتنا زیادہ مشغول ہونا کہ اس سے شرعی احکام کی ادائیگی میں حرج پیدا ہو جائے، یہ جائز نہیں۔

مجلس میں اگر امیر کے سامنے لوگ اپنی گزشتہ باتیں کرنے لگیں، جن کے تذکرے میں دینی کوئی فائدہ بخش نظر ہو تو امیر بھی ان کے ساتھ وہ باتیں سن سکتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمْتُ بِهَا الْقُرْبَ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: [مِنْ أَشْعَارِ لَبِيدِ بْنِ رَبِيعَةَ الْعَامِرِيِّ - الْحَرَّ الطَّوِيلِ] أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَعَ خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے عمدہ اور اچھا شعر، جو کسی عرب شاعر نے کہا ہے وہ لبید شاعر کا یہ مقولہ ہے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَعَ خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ (جان لو کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی فنا ہونے والی ہے)

فائدہ: یہ حدیث اس باب کے نمبر ۲ پر گزر چکی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْشَدْتُهُ مَائَةً قَالَتْ أُمِّيَّةُ بِنْتُ أَبِي الصَّنَنِ الثَّقَفِيَّةِ: كُلَّمَا أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا، قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مَائَةً - يَعْنِي بَيْتًا - فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ كَادَ لَيْسَلِمَ. (۲)

ترجمہ: حضرت شریذ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سواری پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں نے حضور اقدس ﷺ کو امیہ بن ابی جلت ثقفی کے سو شعر سنائے، میں جب بھی آپ ﷺ کو کوئی شعر سناتا تو آپ ﷺ فرماتے: اور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کو امیہ کے سو شعر سنائے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ردفا: (را کے نیچے زیر اور وال ساکن) سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، فَأَنْشَدْتُهُ مَائَةً: چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو سو شعر سنائے، ہبہ: یہ لفظ اصل میں ایہ ہے، پہلی ہاء ہمزے سے بدل کر آئی ہے، قاضی عیاض نے اس کا تلفظ یوں بتایا ہے: (پہلی ہاء کے نیچے زیر، یاہ اور دوسری ہاء ساکن) جبکہ امام نووی نے آخری ہاء کے نیچے زیر ضبط کیا ہے، یہ اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: زد: اضافہ کرو، اور سناؤ۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۵۲/۲

(۲) الصحيح لمسلم، کتاب الشعر، رقم الحدیث: ۲۲۵۵۔

حضرت شرید بن سوید ثقفیؓ

حضرت شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ طائف میں رہتے تھے، بعض حضرات کے نزدیک ان کا اصل نام مالک یا عبد الملک ثقفی ہے، یہ صلح حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شریک تھے۔ (۱)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے امیہ کے سوشعر سننے

”امیہ بن ابی صلت“ زمانہ جاہلیت کا ایک مشہور عربی شاعر تھا، اس نے آسانی کتابوں کو پڑھا تھا، اسی وجہ سے وہ بت پرستی نہیں کرتا تھا، اللہ تعالیٰ کے وجود اور قیامت کا قائل تھا، اس نے سب سے پہلے یا شعیب اللہم لکھنا شروع کیا تھا اور پھر قریش کو اس نے یہ لکھنا سکھایا تھا، لوگوں کو بتاتا تھا کہ غریب آخری نبی آنے والا ہے، اور خود اس امید میں تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں گا، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ محمد ﷺ آخری نبی تشریف لائے ہیں، تو آپ ﷺ سے اسے حسد ہو گیا، جس کی وجہ سے اس نے اسلام قبول نہیں کیا، مگر اس کے اشعار وعظ و فصاحت اور خفاقی پر مبنی ہوتے تھے، اس لیے ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَمِنْ لِمَسَائِدِهِ وَكَفَرِ قَلْبِهِ (اس کی زبان تو ایمان لے آئی ہے، لیکن اس کا دل کافر ہی ہے) چنانچہ نبی کریم ﷺ امیہ کے اشعار سنا کر ٹٹے، مذکورہ حدیث میں حضرت شرید فرماتے ہیں کہ میں سواری پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ ﷺ کو امیہ کا ایک شعر سنایا، تو آپ ﷺ مجھے فرماتے رہے: اور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے امیہ کے سوا اشعار سنا دیے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: امیہ کا اسلام لے آنا بہت قریب تھا، بعض علماء کے نزدیک آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا:

لَكَ الْحَمْدُ وَالنُّعْمَاءُ وَالْفَضْلُ رَبَّنَا
فَلَا شَيْءَ أَعْلَى مِنْكَ وَأَمَّ جَدَا

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! آپ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں، اور آپ ہی کے لیے تمام نعمتیں ہیں، اور آپ ہی کا سب فضل و احسان ہے، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے اور نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی اور بزرگی والا ہے۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے مضامین، کتابیں، لٹریچر اور اشعار کو پڑھنا اور سننا جائز ہے، جب ان کے مفہوم اور معنی درست ہوں، حقائق اور معلومات پر مشتمل ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ قَابِطٍ مِثْرًا فِي الْمَسْجِدِ، يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا، يَفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوْ قَالَ: يَنَافِعُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(۱) تكملة فتح الملهم ۳۹۰/۲، كتاب الطب، باب اجتناب للجدوم، رقم الحديث: ۵۷۷۶۔

(۲) اللواہب اللدنیۃ علی الشہائل للحمیدیۃ (ص: ۴۱۸) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۵۴/۲

وَيَقُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ حَسَنًا بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يَنْفَعُ أَوْ يَضُرُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا کرتے تھے، جس پر وہ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں (اپنے اشعار کے ذریعہ) رسول اللہ ﷺ کی برتری ثابت کرتے، (راوی کہتے ہیں) یا حضرت عائشہؓ نے یوں فرمایا: وہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے (کفار کے اشعار اور جوکا اپنے اشعار کے ذریعہ) دفاع کرتے، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے: یقینی بات ہے کہ اللہ جل جلالہ حسان بن ثابتؓ کی روح القدس یعنی جبرائیل امین کے ذریعہ مدد و نصرت کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی کفار کے مقابلے میں برتری ثابت کرتے رہتے، یا یوں فرمایا کہ: جب تک وہ آپ ﷺ کی طرف سے دفاع اور مقابلہ کرنے میں مشغول رہتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بضع لحسان: حسان بن ثابت کے لیے نبی کریم ﷺ منبر رکھنے کا حکم دیتے، منبر رکھواتے، منبر: بلند مقام جس پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر خطاب کیا جاسکے، یفاحو: اشعار کے ذریعہ کفار کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کی برتری ثابت کرتے، اظہار فخر کرتے، فخر یہ اشعار کہتے، ینافع: حضرت حسان اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کا دفاع کرتے، یؤید: تائید کرتے ہیں، مدد و نصرت کرتے ہیں، روح القدس: قدس میں قاف پر پیش اور دال پر پیش اور سکون دونوں پڑھ سکتے ہیں، اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، ان کو ”روح“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی الہی لے کر آتے، پھر وہ انبیاء لوگوں کی رہنمائی کرتے، جس کی وجہ سے دلوں کو ایک روحانی زندگی ملتی، جس طرح کہ روح انسانی جسم کی زندگی کی بنیاد ہوتا ہے، اور ”روح القدس“ میں روح کی اضافت قدس کی طرف کی ہے، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فطری طور پر ہر عیب سے پاک ہیں، قدس کے معنی ہیں: پاک ہونا، ما یفاحو و ینافع: اس میں ”ما“ ماذام کے معنی میں ہے یعنی جب تک وہ اشعار کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی فضیلت و برتری ثابت کرتے رہتے، یا جب تک وہ آپ ﷺ کا دفاع کرتے رہتے۔

حضرت حسان اشعار کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے

حضرت حسان بن ثابت بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شاعرانہ صلاحیت نبی کریم ﷺ کی مدح، فضیلت و برتری اور اسلام اور اہل اسلام کے دفاع پر صرف کی، ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حسان بن ثابتؓ کو دیگر تمام شعراء پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے: ۱۔ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے۔ ۲۔

(۱) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۴۹، سنن ابی داؤد، الأدب، رقم الحديث: ۵۰۱۵۔

عہد رسالت میں نبی کریم ﷺ کے شاعر تھے۔ ۳۔ اور زمانہ اسلام میں پورے یمن کے شاعر تھے، جمہور کے نزدیک ایک سو بیس سال ان کی عمر تھی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ ہی سال اسلام میں گزارے ہیں۔ (۱)

شمائل کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات حضرت حنان کے لیے مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر رکھواتے، جس پر کھڑے ہو کر وہ اشعار پڑھا کرتے، یہ اشعار نبی کریم ﷺ کی حمد و ثناء، فضیلت و برتری اور آپ ﷺ کے دفاع پر مشتمل ہوتے، ان میں کفار کے مقابلے میں آپ ﷺ کی عظمت اور بلندی کو ثابت کیا جاتا، اسلام کی خوبیاں، اس کا عدل و انصاف اور مسلمانوں کی فضیلت ان میں بیان کی جاتی، یہ بھی کفار کے مقابلے میں ایک بہت بڑا جہاد تھا، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حسان جب تک اس مفاخرت اور دفاع میں مشغول رہتے ہیں، اس وقت تک اللہ جل شانہ حضرت جبرائیل کے ذریعہ ان کی یوں تائید کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اچھے مضامین اور خوبصورت اشعار کا القاء ہوتا رہتا ہے، نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ایک مرتبہ جبرائیل امین نے ان کے دل میں ستر اشعار الہام کیے، جن کو انہوں نے پڑھ کر سنایا۔

ایک مرتبہ بنو تمیم کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، ان کے ساتھ ان کا شاعر: اقرع بن حابس بھی تھا، انہوں نے آپ ﷺ کو اشعار میں مقابلے اور مفاخرت کی دعوت دی، اور کہنے لگے: ہماری تعریف ایک زینت ہے اور ہماری مذمت ایک عیب اور برائی ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو اللہ کی صفت ہے کہ جب وہ کسی کی تعریف کرے تو یہ اس کے لیے باعث شرف و زینت ہے، اور جب کسی کی مذمت کرے تو یہ اس کے لیے عیب اور برائی ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سن لو کہ میں نہ تو اشعار کے لیے بھیجا گیا ہوں اور نہ فخر و غرور کرنے کے لیے، مگر تم چاہتے ہو تو یہ مقابلہ اور مشاعرہ بھی کر لو، پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ وہ مقابلہ پر تقریر کریں، چنانچہ انہوں نے خطاب کیا، اور دشمن کے خطاب پر غالب آ گئے، اس کے بعد ان کا شاعر اقرع بن حابس اٹھا اور یہ شعر کہے:

اَتَيْنَاكَ كَيْفًا نَعْرِفُ النَّاسَ فَضَلْنَا إِذَا خَالَفُونَا عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ

وَأَنَا زَوْوُوسُ النَّاسِ لِحِي كُلِّ مَشْعَرٍ وَ إِنْ لَيْسَ فِي أَرْضِ الْحِجَازِ كَذَارِمِ

ترجمہ: ۱۔ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ لوگ ہمارے فضل و کمال کو جان لیں، جب وہ خوبیوں کے ذکر کے وقت ہماری مخالفت کرتے ہیں۔

۲۔ ہم ہی ہر اجتماع میں لوگوں کے سردار ہوتے ہیں، اور بنی دارم کی طرح سرزمین حجاز میں اور کوئی نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد حضرت حسانؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کا جواب دیں، چنانچہ وہ اٹھے اور اشعار کے ذریعہ یوں جواب دیا:

بَنِي دَارِمٍ لَا تَفْخَرُوا إِنَّ فَخْرَكُمْ يَفُودُ وَ بَلَاءُ عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ

هَبْلَتْكُمْ عَلَيْنَا تَفْخَرُونَ وَأَنْتُمْ لَنَا غَوْلٌ مَا بَيْنَ قَيْنِ وَ خَادِمِ

ترجمہ: ۱۔ اے دارم کی اولاد اتم فخر نہ کرو، تمہارا فخر وہاں بن کر لوٹے گا محاسن کے ذکر کے وقت۔

۲۔ تم ہم پر بلندی کا فخر کر رہے ہو، حالانکہ تم تو ہمارے غلام اور خدام ہو۔ (۱)

دونوں مقابلوں میں مسلمانوں کو غلبہ اور برتری حاصل ہوئی، اس حقیقت کو دیکھ کر سب سے پہلے ان کے شاعر، اقرع بن حابس نے اسلام قبول کر لیا۔

ایک اور موقع پر حضرت حسان نے نبی کریم ﷺ کی تعریف میں یہ اشعار کہے ہیں:

هَجَوْتُ مُحَمَّدًا وَأَجَبْتُ عَنْهُ وَعِنْدَ اللَّهِ لِي ذَلِكُ الْجُزَاءُ
هَجَوْتُ مُطَهَّرًا بَرًّا خَبِيثًا آمِنًا اللَّهُ شَيْمَتُهُ الْوَلَاءُ
أَتُهُجُّهُ لَسْتُ لَهُ بِكَفٍ فَشَرُّ كَمَا لِيخِيرَ كَمَا الْفِدَاءُ
فَإِنْ أَبَى وَاللَّهِ وَعِزُّهُ لِعِزِّهِ مُحَمَّدٌ مِنْكُمْ وَقَاءُ

ترجمہ: ۱۔ تم نے محمد ﷺ کی ہجو اور برائی کی اور میں نے اس کا جواب دیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس میں جزاء اور بدلہ ہے۔

۲۔ تم نے ایسے شخص کی ہجو کی ہے، جو ہر لحاظ سے پاک، نیکوکار، یکسوئی سے عبادت کرنے والا اور اللہ کا امین ہے، جس کی فطرت اور خصلت میں وقا ہے۔

۳۔ کیا تم اس رسول کی ہجو کرتے ہو، حالانکہ تم اس کے برابر کے نہیں، تمہارا شر تمہاری خیر کے لیے قربان ہو۔

۴۔ یقیناً میرے آباء و اجداد اور میری عزت و آبرو، محمد ﷺ کی عزت و آبرو کو تم سے بچانے کے لیے ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عرب میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، ہر شاعر اپنے حسب و نسب، اپنے خاندان کے فضل و کمال اور شرافت کو اشعار میں بیان کرتا، انسان تو کیا، جانوروں کے سب اور ان کی جسمانی ساخت کو بڑے ادبیانہ انداز میں بیان کیا جاتا، اس کے لیے مشاعرے کی مجلسیں لگتیں، آپس میں مقابلے کیے جاتے، اور شعری زبان ان کے دلوں پر بڑا اثر کرتی، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان شاعر کے اشعار کفار کو تلوار و تیر کے زخم سے کہیں زیادہ سخت لگتے ہیں، اس کو آپ ﷺ نے زبان کا جہاد قرار دیا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ بھی کبھار حضرت حسانؓ سے مسجد نبوی میں شعر سنا کرتے، جس میں نبی کریم ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع اور ان کی عظمت و برتری کا تذکرہ ہوتا، آپ ﷺ نے حضرت حسان کو شاعر اسلام قرار دیا ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل ۵۷/۱۔

(۲) الشہائل المحمدیۃ للترمذی، تعلیق و اشراف: عزت عید الدعاس (ص: ۱۱۹)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے مسجد میں اچھے اشعار کو پڑھا اور سنا جاسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان کا مفہوم درست ہو، شریعت کے خلاف امور پر مشتمل نہ ہوں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّمَرِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رات کی قصہ گوئی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے کلام کا ذکر ہے۔
عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِسَاءَةِ حَدِيثٍ، فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ: كَأَنَّ الْحَدِيثَ حَدِيثُ خُرَافَةٍ، فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَا خُرَافَةُ؟ إِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِنْ غَدْرَةِ، أَسْرَتْهُ الْجَنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَمَكَثَ فِيهِمْ قَهْرًا، ثُمَّ رَدُّهُ إِلَى الْإِلَهِ، فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَأَى فِيهِمْ مِنَ الْأَعَاجِيبِ، فَقَالَ النَّاسُ: حَدِيثُ خُرَافَةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے اپنی خواتین یعنی ازواج مطہرات کو ایک قصہ سنایا، ان میں سے ایک عورت نے کہا یہ قصہ (حیرت اور تعجب میں) گویا خرافہ جیسا قصہ ہے، (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ ”خرافہ“ قبیلہ غدرہ کا ایک آدمی تھا، زمانہ جاہلیت میں اسے جنات نے قید کر لیا تھا (یعنی اسے پکڑ کر لے گئے تھے) وہ جنات کے پاس ایک طویل زمانے تک ٹھہرا رہا، پھر وہ اس کو انسانوں میں واپس چھوڑ گئے، پھر خرافہ لوگوں کے سامنے وہ حیرت انگیز چیزیں بیان کرتا، جو اس نے جنات میں دیکھی تھیں، اس کے بعد سے لوگ ہر تعجب میں ڈالنے والے قصہ کو ”حدیث خرافہ“ کہنے لگے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مسمو: (سین پر زبرد اور میم پر سکون اور زبردوں پر ڈھ سکتے ہیں) رات کی گفتگو، رات کے قصے کہانیاں، اصل میں ”سمر“ چاند کی روشنی کو کہتے ہیں جس میں بیٹھ کر لوگ قصے کہانیاں سنتے اور سناتے تھے، پھر ان باتوں اور قصوں کو ہی سر کہا جانے لگا، اور رات کے قصہ گو کو ”سمیر“ کہا جاتا ہے، اسمر وہ الجن: خرافہ کو جنات نے قید کر لیا، یعنی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے، فمکت فیہم: خرافہ جنات میں رہے، دھوا: ایک طویل عرصہ، ثم ردوہ: پھر جنات اس کو واپس لوٹا گئے، واپس چھوڑ گئے، الا عا جیب: اعجوبہ کی جمع ہے، حیرت انگیز چیزیں، تعجب میں ڈالنے والے قصے اور باتیں، فقال الناس: حدیث خرافۃ: اس کے بعد لوگ ہر تعجب میں ڈالنے والی بات کو ”حدیث خرافہ“ کہنے لگے۔ اندرون: کیا تم جانتی ہو، یہاں پر نبی کریم ﷺ نے ذکر صیغہ استعمال فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ کی گفتگو ازواج مطہرات سے ہو رہی تھی، اس لحاظ سے مؤنث صیغہ ہونا چاہیے تھا؟ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: ۱۔ ازواج مطہرات کو کہ خواتین ہیں، مگر ان کی عقل چونکہ مردوں کی طرح کامل تھی، اس لیے ذکر صیغہ لایا

(۱) المواہب اللدنیۃ علی الشہائل للحمیدیہ (ص: ۳۱۵) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۵۶/۲۔

کیا۔ ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مجلس میں کچھ محرم مرد بھی ہوں، ان کے لحاظ سے آپ ﷺ نے مذکر لفظ استعمال فرمایا، اور بعض نسوان میں تو اندرین ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ (۱)

”خرافہ“ قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا

نبی کریم ﷺ کبھی رات کو اپنے اہل خانہ کے سامنے کوئی دلچسپ قصہ اور کہانی بیان فرمایا کرتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کے سامنے ایک قصہ بیان کیا تو ان میں سے ایک عورت نے کہا: یہ قصہ حیرت اور تعجب کے لحاظ سے بالکل خرافہ کے قصہ جیسا ہے، عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم جانتی بھی ہو کہ خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ یمن کے قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا، زمانہ جاہلیت میں جنات اسے پکڑ کر لے گئے، ایک طویل عرصہ اسے انہوں نے اپنے پاس رکھا، اس دوران وہ ان میں انتہائی عجیب قسم کی چیزیں دیکھتا رہا، پھر جنات اسے انسانوں میں واپس چھوڑ گئے، اب یہ لوگوں کو وہاں کے قصے کہانیاں سناتا، جو انتہائی حیرت انگیز اور تعجب میں ڈالنے والے ہوتے، لوگ ان کی تکذیب کرتے، حالانکہ خرافہ جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا تھا، وہ سچ ہی بتا رہا ہوتا، یہ قصے چونکہ عجیب و غریب قسم کے تھے، اس لیے پھر عرب میں جو بھی کوئی حیرت انگیز بات ہوتی یا کوئی واقعہ پیش آتا تو یوں کہہ دیا جاتا کہ یہ تو خرافہ کے قصہ کی طرح عجیب و غریب ہے، خرافہ کے قصے عرب میں ضرب المثل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ حصائل نبوی میں لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ اس شخص کا نام کچھ اور ہو، اس کے قصوں کو لوگ جھوٹ اور من گھڑت سمجھتے تھے، اس لیے وہ شخص خرافہ سے مشہور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی نے بھی خرافہ کو صحابی میں ذکر نہیں کیا، میں نے مفصل النبی کی ”کتاب الامثال“ میں حضرت عائشہ کی ایک حدیث پڑھی، اس سے خرافہ کا صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے خرافہ کا قصہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خرافہ پر رحم فرمائے، وہ ایک نیک آدمی تھا، اس نے خود مجھے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک رات وہ کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلا تو اس کو تین جنات ملے، انہوں نے اس کو قید کر لیا، پھر آپس میں وہ مشورہ کرنے لگے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ ایک جن نے کہا: اس کو معاف کر دو، دوسرے نے کہا: اس کو قتل کر دینا چاہیے، تیسرے نے کہا: ہم اس کو اپنا غلام بنالیں گے، اتنے میں وہاں سے ایک اور شخص گذرا... اس کے بعد ایک طویل قصہ ہے۔ (۲)

زمانہ اسلام سے پہلے جاہلی دور میں جنات کا بہت غلبہ تھا، وہ لوگوں کو بہت تنگ کرتے، ستاتے، اپنے ساتھ لے جاتے،

(۱) اللوہب اللدنیۃ علی الشیائل للمحمدیۃ (ص: ۳۲۳)

(۲) الاصابة ۲/۲۳۲، حرف الحاء، رقم الترجمة: ۲۲۴۲

ان سے باتیں کرتے، اور خواتین کے ساتھ جماع بھی کرتے، خرافہ کا قصہ بھی زمانہ جاہلیت میں پیش آیا تھا، مگر جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو جنات کا زور ٹوٹ گیا، اب وہ دنیا میں موجود ضرور ہیں، مگر اس طرح کا اب ان کا رواج نہیں، جیسا کہ اسلام سے پہلے تھا۔ اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ عشاء کی نماز کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کی خوش طبعی کے لیے کوئی بات کی جاسکتی ہے جس طرح نبی کریم ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ اس وقت میں گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس وقت میں وہ کلام ممنوع ہے جو محض دنیا سے متعلق ہو، لایعنی، فضول اور بے مقصد گفتگو ہو، لیکن اگر کسی دینی مسئلے پر بات چیت ہو یا اسباق کا تکرار و مطالعہ ہو، یا کوئی وعظ و نصیحت کا بیان ہو تو وہ عشاء کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں اس قدر مشغولیت نہ ہو کہ جس سے فجر کی جماعت رہ جائے یا یہ کہ نماز فجر ہی قضا ہو جائے۔

۲۔ تفریح طبع کے لیے زمانہ جاہلیت کے قصے اور کہانیوں کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے، تاکہ ان سے عبرت حاصل کر کے اسلام کی نعمت پر شکر ادا کیا جائے۔ (۱)

حدیث ام زرع

ام زرع کی حدیث

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَلَسْتُ إِخْدَى عَشْرَةَ أَمْزَاجًا، فَتَعَاهَدَنَ، وَتَعَاقَدَنَ أَنْ لَا يَكْتُمُنَّ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) گیارہ عورتیں (ایک جگہ پر) بیٹھیں، انہوں نے اس میں ایک معاہدہ اور عہد و پیمان کیا کہ اپنے شوہروں کی خبروں (یعنی ان کے احوال) میں سے کچھ بھی نہیں چھپائیں گی۔ مشکل الفاظ کے معنی :- تعاهدن: ان خواتین نے آپس میں معاہدہ کیا، تعاقدن: انہوں نے عہد و پیمان کیا، الا یکتمن: کہ وہ نہیں چھپائیں گی، اخبار: خبر کی جمع ہے، خبریں۔

حدیث ام زرع کا پس منظر

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اپنے والد کے اس مال پر سفر کرنے لگیں، جو زمانہ جاہلیت میں ان کے پاس تھا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اَسْكُنِي يَا عَائِشَةُ لَأَنْفِي كُنْتُ لَكَ كَأَبِي زَرْعٍ لَأَمْ زَرْعٍ (عائشہ: چپ ہو جا، میں بھی تیرے لیے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے واسطے تھا) حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ: حدیث ام

زرع اور ابوزرع کیا ہے؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیلی حدیث ارشاد فرمائی۔

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ یہ گیارہ عورتیں یمن کی ایک بستی میں رہتی تھیں، اور یمنی قبائل سے ان کا تعلق تھا، اور انہیں کی روایت میں ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں تھیں، ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں، اگرچہ بعض روایات میں ان میں سے بعض کا نام منقول ہے، لہذا جس کا نام کسی حدیث میں منقول ہے، اس کو لکھ دیا ہے۔

ان کے شوہر اپنی اپنی ضروریات کے لیے کہیں گئے ہوئے تھے، یہ فارغ تھیں، تفریح طبع کے طور پر ان خواتین نے یہ گفتگو کی، اور یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کرے گی۔ (۱)

حدیث ام زرع میں مشکل الفاظ بہت زیادہ ہیں، اس لیے کئی علماء نے اس حدیث کی مستقل شرح لکھی ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس، ابوسعید عیسا پوری، ابن قتیبہ، زبیر بن بکار، قاضی عیاض، قاضی ابوبکر بن عربی، ابن فرحون اور مولانا فیض الحسن نے اس حدیث کی مستقل شرح لکھی ہیں۔ (۲)

لَقَالَتِ الْاُولٰٓئِی: زَوْجِیْ لَحَمِّ جَعَلٍ، عَظْمٌ، عَلٰی ذَا سِ جَعَلٍ، وَغَیْرُ، لَا سَهْلٌ، فِیْهِ تَقٰی، وَلَا سَمِیْنٌ، فِیْہِ تَقَلُّ۔
پہلی عورت نے کہا: میرا شوہر کمزور اونٹ کا ایسا گوشت ہے، جو سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو، (اس چوٹی کا) نہ راستہ آسان ہے کہ اس پر چڑھا جائے، اور نہ وہ گوشت ایسا مونا تازہ ہے کہ اس سے گودا نکالا جائے (یا اس کو کھانے کے لیے اختیار کیا جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- غث: کمزور، لاغر، دبلا، اس پر اگر زیر پر نہیں تو یہ حمل کی صفت ہوگی یعنی کمزور اور لاغر اونٹ، اور اگر اس پر پیش پڑھا جائے تو یہ ”لحم“ کی صفت ہوگی معنی ہوں گے: اونٹ کا کمزور گوشت، و عو: (واؤ پر زبر اور عین ساکن) سخت دشوار گزار، خوفناک جگہ، لا سہل: راستہ آسان نہیں، فہو تقی: (میخہ مجہول) کہ اس پر چڑھا جائے، وَلَا سَمِیْنٌ: مونا نہیں، فہو تقی: (میخہ مجہول) اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ کہ اس گوشت سے گودا اور مغل نکالا جائے، ۲۔ کہ اس کو کھانے کے لیے چٹا اور پسند کیا جائے، بعض نسخوں میں فہو تقی ہے: کہ اس گوشت کو کھل کیا جائے۔ لا سہل وَلَا سَمِیْنٌ کو ترکیبی لحاظ سے تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ زبر: اس صورت میں یہ لائٹی جنس کے لیے ہوگا۔ ۲۔ زیر: اس صورت میں یہ حمل کی صفت ہوگا، ۳۔ پیش: یہ لا اس صورت میں ”لیس“ کے معنی میں ہوگا۔

پہلی عورت کا شوہر متکبر اور بیکار ہے

پہلی عورت نے اپنے شوہر کی مذمت بیان کی ہے اور اس کی دوا اخلاقی برائیوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) فتح الباری ۳/۹۹، کتاب النکاح، باب حسن للعاشرۃ مع الادل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹، ارشاد الساری ۱/۲۶۲

(۲) الابواب والتراجم ۷۲/۲

❁ وہ ایک ناکارہ اور بے کار آدمی ہے، جس سے کسی کو مالی اور جانی نفع نہیں پہنچ پاتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے دبلے اونٹ کا گوشت ہو، اول تو اونٹ کا گوشت بکرے کے گوشت کی طرح پسندیدہ اور قابل رغبت نہیں ہوتا، اور پھر وہ بھی ناکارہ اور لاغراونٹ کا ہو تو اس کی طرف تو کسی کی رغبت نہیں ہوتی، مقصد یہ ہے کہ یہ بیکار شخص ہے، اس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ نہیں، اس کے نکل اور کنجوسی کولاغراونٹ کے گوشت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (۱)

❁ وہ اتنا متکبر اور سخت مزاج ہے کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے، جس طرح اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا مشکل ہے، اور تکلیف برداشت کر کے اس سے ملاقات کا کوئی فائدہ بھی نہیں، کیونکہ وہ بے فائدہ آدمی ہے، اس سے کسی بھی قسم کے نفع کی کوئی امید نہیں، کسی مرض کا علاج نہیں، وہ اپنی بیوی بچوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، جس طرح پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ گوشت بے کار ہے، ایک دبلے اور لاغراونٹ کا گوشت ہے، گویا اس کی بد اخلاقی اور متکبرانہ طبیعت کو پہاڑ کی چوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (۲)

قَالَتِ الْفَاطِمَةُ: رَزَوَجِي لَا أَبْتَ خَبْرَهُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَقْرَهُ إِنْ أَذْكَرَهُ أَذْكَرَ عَجْوَةً وَبَجْرَةً.

ترجمہ: دوسری عورت نے کہا: میں اپنے شوہر کی خبر نہیں پھیلا سکتی، میں ڈرتی ہوں کہ اس کو چھوڑ نہ بیٹھوں (یا یہ ترجمہ: اگر میں نے شوہر کی خرابیوں کو بیان کرنا شروع کیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں انہیں پورا نہ کر سکوں اور درمیان میں ہی انہیں چھوڑنا پڑے گا) اگر میں شوہر کی خبر ذکر کروں گی تو اس کے تمام ظاہری اور باطنی عیوب ذکر کروں گی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا ابست: (صیغہ منکلم) میں پھیلا نہیں سکتی، میں ظاہر نہیں کر سکتی، لا اقْرہ: اس کے دو ترجمہ ہیں: ۱۔ میں اس شوہر کو چھوڑ نہ بیٹھوں، اس کو گواہ دوں، اس صورت میں ”و“ ضمیر زوج کی طرف لوٹے گی، ۲۔ میں اس خبر کو طویل اور کثرت کی وجہ سے چھوڑ نہ دوں، اسے کھل نہ کر سکوں کیونکہ اس کے عیوب بہت زیادہ ہیں، اس صورت میں ”و“ ضمیر خبر کی طرف راجع ہوگی، عجوہ: (عین پریش اور جیم پر زبر) یہ عَجْوۃ کی جمع ہے، عَجْرۃ اس گرہ کو کہتے ہیں، جو رگ پر رگ چڑھ جانے کی وجہ سے گلے میں پیدا ہو جاتی ہے، بدن کا مونا حصہ، اس سے اس کے شوہر کے ظاہری عیوب مراد ہیں، بَجْرۃ: (با پریش اور جیم پر زبر) بَجْرۃ کی جمع ہے، یہ اس گرہ کو کہتے ہیں، جو پیٹ یا ناف کے اوپر پیدا ہو جاتی ہے، اس سے اس کے باطنی عیوب مراد ہیں۔

دوسری عورت کا شوہر سراپا عیب ہے

دوسری عورت کا نام عمرہ بنت عمرو بنی لکھا ہے، یہ بھی اپنے شوہر کی مذمت بیان کر رہی ہے، اس کلام سے اس کا مقصد یہ ہے کہ میرا شوہر سراپا عیب ہے، اس کے عیوب بیان کرنے کی میرے اندر ہمت نہیں، اندیشہ ہے کہ مجھے درمیان میں ہی ان کو چھوڑنا

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۶۱/۵ کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث أم زرع، رقم الحدیث: ۶۲۶۱۔

(۲) تکملة فتح الملهم ۱۶۱/۵، کتاب فضائل الصحابة

پڑے گا، کیونکہ اگر میں ان کو بیان کروں، تو سب ہی عیب بیان کرنے ہوں گے، خواہ وہ ظاہری عیب ہوں، یا باطنی عیب ہوں، اور بیان کرنے میں اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر میرے شوہر کو ان باتوں کا پتہ چل گیا، تو وہ مجھے طلاق نہ دے دے، جبکہ میں طلاق نہیں چاہتی، مجھے اپنے بچوں کی فکر ہے، بس میں اس سب کے باوجود اسی گھر میں گزارا کروں گی، اپنے غم اور پریشانیوں کو اللہ جل جلالہ کے سپرد کرتی ہوں۔

ان اخاف ان لا اذره اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ میں اپنے شوہر کی کوئی بات ظاہر نہیں کر سکتی، کیونکہ اگر میں نے اس کے عیب بیان کیے، تو ایسا نہ ہو کہ میرا دل اس سے اچاٹ ہو جائے اور میں اس سے الگ ہو جاؤں یا یہ کہ میری ان باتوں کا اگر میرے شوہر کو پتہ چل گیا، تو خطرہ ہے کہ وہ مجھے طلاق دے دے گا، جبکہ میں طلاق نہیں چاہتی، اس صورت میں لا اذره میں ”لا“ زائد ہوگا۔

۲۔ میرے شوہر کی خرابیاں اتنی ہیں کہ اگر میں نے ان کو بیان کرنا شروع کیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان کو پورا بیان نہ کر سکوں گی، انہیں درمیان میں ہی ادھر اچھوڑنا پڑے گا، کیونکہ اس کی کوئی ایک خرابی تو ہے نہیں، ان کی ایک طویل داستان ہے، اس صورت میں لا اذره میں ”لا“ زائد نہیں ہوگا، اور ”و“ ضمیر ”خبر“ کی طرف لوٹے گی۔ (۱)

قَالَتِ الْفَالِقَةُ: رُؤُوسِي الْعَشَقُ، اِنْ اَنْطَلَقْتُ اَطْلُقُ، وَاِنْ اَسْكُتُ اَعْلَقُ.

ترجمہ: تیسری عورت نے کہا: میرا شوہر لمبا تڑنگا، لم ڈھینگ (یعنی بے نکالبا) ہے، اگر میں بولوں تو مجھے طلاق دے دی جائے، اور اگر خاموش رہوں (کچھ بھی نہ مانگوں) تو لٹکا دی جاؤں (یعنی خود سے کوئی چیز وہ نہیں دیتا) مشکل الفاظ کے معنی:۔ العشق: (میں اور شین پرزبر، نون پرزبر اور تشدید) لم ڈھینگ یعنی حد سے زیادہ لمبا آدمی، بے ڈھنگا لمبا، اطلق: (تطریق سے صیغہ مجہول) مجھے طلاق دے دی جائے، اعلق: (تعلق سے صیغہ مجہول) مجھے لٹکا دیا جائے، یعنی میں ادھر لٹکی رہوں گی، وہ مانگنے کے بغیر کچھ نہیں دیتا۔

تیسری عورت کا لمبا تڑنگا شوہر

تیسری عورت کا نام حمی بنت کعب یمانی ہے، اس نے بھی اپنے شوہر کی برائی کی ہے کہ میرا شوہر حد سے کہیں زیادہ لمبا ہے، لم ڈھینگ ہے، اس قسم کا آدمی عموماً بیوقوف ہوتا ہے، اور حد سے زیادہ لمبا ہونے کی وجہ سے بد نما بھی ہوتا ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرا شوہر بیوقوف و بد نما ہے اور بد اخلاق بھی ہے اور بد خلق اس قدر ہے کہ میں اس کے سامنے کوئی بات نہیں کر سکتی، اگر میں زبان سے کچھ بولوں کہ مجھے یہ چیز دی جائے تو طلاق ملنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے اور میں بچوں کی وجہ سے طلاق نہیں چاہتی، اگر چہ رہوں، کوئی بات نہ کروں تو خود سے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہیں ہے، بس میں یوں ہی ادھر درمیان میں لٹکی رہتی ہوں، نہ شوہر

(۱) فتح الباری ۲۳۲/۹، کتاب النکاح، باب حسن للعاشرۃ مع الامل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹۔

والیوں میں شمار کہ شوہروں جیسی کوئی بات ہی نہیں، اور نہ ہی بغیر شوہر والیوں میں کہ کسی دوسری جگہ شادی کر سکیں، کیونکہ ظاہری طور پر میری نسبت اس کے ساتھ ہے۔ (۱)

قَالَتِ الزَّائِعَةُ: زَوْجِي كَلِيلُ تِهَامَةٍ لَا حَزْوَ لَا قَرْ، وَلَا مَخَافَةَ وَلَا مَسَامَةَ.

ترجمہ: چوٹی عورت نے کہا: میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ زیادہ گرم نہ بہت ٹھنڈا، نہ اس سے کسی قسم کا خوف و خطر ہے اور نہ اکتاہٹ۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کلیل تہامہ: تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، تہامہ: مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح کو کہتے ہیں، وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے، خواہ دن میں کتنی ہی شدید گرمی ہو، جو: گرم، قر: ٹھنڈا، مسامہ: اکتاہٹ۔

چوٹی کا شوہر معتدل مزاج

چوٹی عورت کا نام مہر دہنت ابی ہر وہ ہے، اس عورت نے اپنے شوہر کی تعریف کی ہے، کہ وہ انتہائی معتدل مزاج اور نرم خو ہے، نہ زیادہ چالوسی کرتا ہے اور نہ بیزار رہتا ہے، اس سے بات کرنے یا کسی چیز کا مطالبہ کرنے میں انسان کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے، اس کے پاس بیٹھ کر دل کو تازگی اور قلب کو سرور حاصل ہوتا ہے، اس کا مزاج تہامہ کی رات کی طرح معتدل ہے، وہاں کی رات شدید گرم موسم میں بھی معتدل رہتی ہے، اس پر جتنے سخت حالات آجائیں، اس سے یہ متاثر اور مغلوب نہیں ہوتا، حسب سابق اس کا مزاج معتدل ہی رہتا ہے۔ (۲)

قَالَتِ الْخَامِصَةُ: زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فُهِدٌ، وَإِنْ خَرَجَ أُمِئِدٌ، وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ.

ترجمہ: پانچویں عورت نے کہا: میرا شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے، اور ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا، جن کی اس نے ہمیں ذمہ داری سونپی ہے (یعنی گھر کی اخراجات کی چھان بین نہیں کرتا)

مشکل الفاظ کے معنی :- فہد: (قام پرزہ اور ہاء کے نیچے زیر) وہ چیتا بن جاتا ہے۔ اُمِئِد: (ہمزے پرزہ اور سین کے نیچے زیر) شیر بن جاتا ہے، عما عہد: ان چیزوں کے بارے میں جن کی اس نے ذمہ داری سونپی ہے یعنی جو اس نے گھر کا خرچہ دیا ہوتا ہے، اس کی چھان بین نہیں کرتا کہ اس کو تم لوگوں نے کہاں کہاں خرچ کیا ہے۔

(۱) جمع الوصائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۶۱/۲، اللوالب اللدنیۃ علی الشرائع المحمدیۃ (ص: ۴۲۸)۔

(۲) تکملة فتح الملهم ۱۲۳/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث أم زرع۔

پانچویں کا شوہر گھر کے امور میں دخل اندازی نہ کرتا

اس عورت کا نام ”کبشہ“ ہے، اس نے اس کلام سے اپنے شوہر کی مذمت کی ہے یا تعریف، اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

✽ اگر اس سے مذمت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جب شوہر گھر میں آتا ہے تو گھر والوں سے کسی چیز میں کوئی تعلق نہیں رکھتا، چیتے کی طرح سویا رہتا ہے، چیتا زیادہ سونے میں مشغول ہے گھر سے باہر جاتا ہے تو لوگوں کی مصیبت آ جاتی ہے، ان کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے، جیسے شیر کمزور جانوروں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اور ہماری جن ضرورتوں کا اسے علم بھی ہو جاتا ہے، ان کے بارے میں بھی کوئی سوال نہیں کرتا اور گھر کے امور پر ذرا بھی توجہ نہیں دیتا۔

✽ صحیح یہ ہے کہ اس کلام سے وہ عورت اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے، کہنا یہ چاہتی ہے کہ میرا شوہر اچھے اخلاق کا مالک ہے، گھر میں آ کر جیتا بن جاتا ہے، یعنی چیتے کی طرح سو جاتا ہے، ہمارے عیوب نہیں نکالتا، ہماری باتوں میں دخل اندازی نہیں کرتا، لیکن جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیر کی طرح بہادر ہوتا ہے، باہر لوگ اس سے ڈرتے ہیں، اور اگر گھر میں ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے اور اس کو معلوم بھی ہو تو اس کی چھان بین اور تحقیق نہیں کرتا، گھر کی اخراجات دینے کے بعد ان کے خرچ کی تفصیل کے بارے میں بالکل نہیں پوچھتا، اس سے اس کی وسیع ظرفی اور سخاوت ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

قَالَتِ السَّادِسَةُ: زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفًّا، وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ، وَإِنْ اضْطَجَعَ اشْتَفَّ، وَلَا يُوَلِّجُ الْكَفَّ لِيُعْلَمَ الْبَثُّ.

ترجمہ: چھٹی عورت نے کہا: میرا شوہر اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو سب کچھ پی جاتا ہے، اور جب لیٹتا ہے تو (اکیلا ہی) کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، اور (میرے کپڑوں میں) ہاتھ داخل نہیں کرتا، تاکہ وہ میری حالت اور شدید پریشانی کو جان سکے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- لف: (لام پر زبر اور فاء پر زبر و تشدید) سب لپیٹ لیتا ہے، ختم کر دیتا ہے، سب نمٹا دیتا ہے، اشتف: یہ اشتغاف باب افتعال سے ہے: وہ سب کچھ پی جاتا ہے، برتن میں جو کچھ ہو، وہ سب پی لیتا ہے، ان اضطجع: جب وہ لیٹتا ہے، التف: وہ لپٹ جاتا ہے، لا یولج: وہ داخل نہیں کرتا، الکف: قہقہ، ہاتھ، البث: حالت، شدید غم اور پریشانی، جس کو بتائے بغیر انسان نہ رہ سکے۔

چھٹی عورت کے شوہر کو بیوی بچوں اور ان کی ضروریات سے کوئی سروکار نہیں

اس عورت کا نام ہند تھا، اس عورت کے کلام کو بھی شوہر کی تعریف اور مذمت دونوں پر محمول کیا گیا ہے، مگر راج یہ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی مذمت کی ہے۔

تعریف کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب میرا شوہر کھاتا ہے تو سب کچھ کھا لیتا ہے، ان میں عیب نہیں نکالتا کہ یہ چیز کیسے بنائی ہے، بس جو بھی دال ساگ وغیرہ میسر ہو، اطمینان سے کھا لیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو ہر قسم کی چیز پی لیتا ہے، اس کے دسترخوان پر کھانے پینے کی مختلف انواع موجود رہتی ہیں، طرح طرح کے کھانے، پھل، میوہ جات اور دودھ وغیرہ سب ہی کچھ اس کے دسترخوان پر ہوتا ہے، سخی طبیعت کا مالک ہے، بخل نہیں، سادہ طبیعت ہے، اور جس وقت وہ لیتا ہے تو چادر میں لپیٹ کر اکیلے ہی لیٹ جاتا ہے، ہمیں تنگ اور پریشان نہیں کرتا، لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور رہتا ہے، دوسروں کے عیوب کی کھوج اور ٹوہ نہیں کرتا، ہماری کوتاہیوں کی جستجو میں نہیں لگتا، یہی خوشگوار زندگی کے اصول ہیں کہ انسان دوسروں کو برداشت اور ان کی غلطیوں کو حتی الامکان نظر انداز کرے۔

اور مذمت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کھاتا ہے تو سب کچھ خود ہی ہڑپ کر جاتا ہے، بیوی بچوں کا کوئی خیال نہیں رکھتا، اور پیتا ہے تو بھی اسی انداز میں کسی کی پرواہ کیے بغیر سب خود پی جاتا ہے، اور جب لیتا ہے تو اجنبیوں کی طرح اکیلا چادر میں لپیٹ کر سو جاتا ہے، دل لگی اور صحبت کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا، میرے ساتھ سونا تو درکنار، کبھی میرے بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دکھ درد کی کوئی خبر لے یا میرے بدن کی گرمی سردی اور بیماری کا اسے کچھ پتہ چلے، غرض یہ کہ سب کچھ خود ہی کھا پی جاتا ہے، بیوی بچوں اور ان کی ضروریات سے کوئی سروکار اور غرض نہیں اور عربوں میں یہ بہت بڑا عیب شمار ہوتا ہے کہ ایک انسان صرف اپنی ہی فکر کرے اور بیوی کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔ (۱)

قَالَتِ السَّابِقَةُ: زَوْجِي غَيَايَا أَوْ غَيَايَا، طَبَايَا، كُلُّ ذَاوَلَهْ ذَاغٍ، شَجَكٍ، أَوْ فَلَكِبٍ، أَوْ جَمْعٌ كُلَّالِكِ.

ترجمہ: ساتویں عورت نے کہا: میرا شوہر بہستری سے عاجز یعنی نامرد، یا یوں کہا: میرا شوہر گمراہ، اور اتنا سبے وقوف ہے کہ بات بھی نہیں کر سکتا، (یا یہ کہ عورت کو سینے سے دبائے والا ہے) ہر عیب اس کے لیے عیب ہے (یعنی دنیا کی ہر بیماری اور عیب اس میں موجود ہے) اور (اخلاق ایسے کہ) تیرا سر پھوڑ دے یا تیرا جسم زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گذرنے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- غیایا: یہ عی سے ہے، یہ دراصل اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سختی پر قادر نہ ہو، اس لیے اس کے معنی عجز کے ہیں یعنی وہ شوہر جماع پر قدرت نہیں رکھتا، بہستری سے عاجز ہے، نامرد ہے، یا وہ گنگو کرنے سے عاجز ہے، غیایا: یہ غی سے

ہے، اس کے معنی: گمراہی اور غلط رخ پر چلنے کے ہیں، طباقاً: اس کے مختلف معانی ہیں: ۱۔ احمق، بیوقوف، ۲۔ وہ شخص جس کے ہونٹ بات کرتے وقت بند ہو جاتے ہوں۔ ۳۔ وہ شخص جو جماع کے وقت اپنے سینہ یا پیٹ کو بیوی کے سینہ یا پیٹ سے ملائے، یہ محبت کا غلط طریقہ ہے، یہ انداز عورت کو ناپسند ہوتا ہے کیونکہ اس طرح جماع کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس سے عورت کو تشفی بھی نہیں ہوتی، کل داء: ہر عیب اور بیماری، شجک: وہ حیرے سر کو پھوڑ دینے، زخمی کر دینے، ہلاک: قتل کے معنی ہیں: کند کرنا، دھارتوڑنا، یہاں اس سے جسم کو زخمی کرنا مراد ہے۔

ساتویں کا شوہر نامرد اور جلا دصفت ہے

اس عورت کا نام جی بنت علقمہ ہے، یہ عورت اپنے شوہر کی مذمت بیان کر رہی ہے، کہ میرے شوہر میں بہت سے عیوب اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، وہ صحبت سے عاجز اور نامرد ہے، گمراہ ہے، راہ راست پر نہیں، بہت بے وقوف ہے لوگوں کے سامنے بات تک نہیں کر سکتا، جماع کرنے کا صحیح طریقہ بھی اسے نہیں معلوم، غرض یہ کہ دنیا کی ہر بیماری اور ہر قسم کا عیب اس میں موجود ہے اور اس کے اخلاق ایسے ہیں کہ بیوی کے سر کو پھوڑ دیتا ہے، یا ہڈی کو توڑ کر جسم کو زخمی کر دیتا ہے، یا دونوں ہی کام کر لیتا ہے۔ یعنی سر اور جسم دونوں کو زخموں سے چور چور کر دیتا ہے، اپنے اہل و عیال کے ساتھ اس کا انتہائی برا رویہ ہوتا ہے۔ (۱)

قَالَتِ الْفَاقِمَةُ: زَوْجِي الْمَسْ فَمِنْ أَرْئِبَ، وَالزَّيْعُ وَيَعُ زَرْئِبَ.

ترجمہ: آٹھویں عورت نے کہا: میرے شوہر کو چھوٹا ایسا ہے جیسے خرگوش کو چھوٹا اور اس کی خوشبو ایسی ہے جیسے خوشبودار پودے کی خوشبو ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مس ارنب: خرگوش کو چھوٹا، زرنب: (زا اور نون پر زبر): ایک خوشبودار پودے کو کہتے ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ زعفران سے کیا ہے۔

آٹھویں کا شوہر خرگوش کی طرح نرم و نازک ہے

اس عورت کا نام ناشرہ یا یاسرہ بنت ادل ہے، یہ اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے کہ وہ خرگوش کی طرح نرم و نازک ہے، نرم مزاج ہے، سخت طبیعت والا نہیں، اس کا جسم اس قدر نرم اور نازک ہے کہ اس کے ساتھ لپٹنے کو دل چاہتا ہے، ہر وقت خوشبو میں معطر رہتا ہے، صفائی اور ستھرائی کا بہت خیال رکھتا ہے، اس سے خوشبودار پودے کی طرح ہر وقت خوشبو مہکتی ہے، گویا ہر اچھی صفت اس میں موجود ہے اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہے، اہل و عیال کے ساتھ اس کا سلوک اور برتاؤ بہت اچھا ہے۔ (۲)

(۱) اللواہب اللدنیۃ علی الشہائل للمحمدیۃ (ص: ۲۳۲)۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۲/۲۵۸۔

قَالَتِ النَّاصِغَةُ: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ طَوِيلُ النِّجَادِ عَظِيمُ الزَّمَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ.

ترجمہ: نویں عورت نے کہا: میرا شوہر اونچے ستون والا، لمبے پر تلے والا، بہت زیادہ راکھ والا ہے، اس کا گھر مجلس کے قریب ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رفیع: اونچے، عماد: (بین کے نیچے زیر) ستون، اس کی جمع عُمَد ہے، رماد: (راکے نیچے زیر) راکھ، النجاد: (نون کے نیچے زیر) نکواری کا پرملہ، جس میں نکواری ڈال کر انسان اسے گلے میں لٹکا لیتا ہے، الناد: مجلس، مشورہ کی جگہ۔

نویں عورت کا شوہر مہمان نواز اور ذی رائے ہے

اس عورت نے اپنے اس کلام میں شوہر کی بہت سی تعریفیں کی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ رفیع العماد: (بلند ستون والا) اس سے کیا مراد ہے؟ شارمین کے اس میں مختلف اقوال ہیں: اگر اس سے حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہو تو پھر اس سے اس کی مالدار کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ بلند اور عالی شان عمارت اور کوٹھیاں صرف مالدار آدمی ہی تیار کر سکتا ہے۔

بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مکان اونچی جگہ پر بنا ہوا ہے، جیسا کہ عربوں کا یہ دستور تھا، تاکہ ضرورت مند اور مسافر حضرات دور سے اس مکان کو دیکھ لیں، اور اس شخص کے پاس پہنچ جائیں، تاکہ یہ ان کی خدمت اور خاطر مدارات کر سکے، اس سے اس کا سخی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک اس جملے سے خاندانی شرافت اور فضیلت مراد ہے، کہ اس کا خاندان حسب و نسب کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام اور اچھی شہرت کا حامل ہے۔

۲۔ عظیم الرماد: یہ بہت زیادہ راکھ والا ہے، یعنی بہت مہمان نواز ہے، ہر وقت اس کے گھر میں مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی ضیافت کے لیے چولہا جلتا رہتا ہے، یوں راکھ زیادہ ہو جاتی ہے، اس جملے سے اس کی سخاوت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ طویل النجاد: نکواری کے لمبے پر تلے والا ہے، اس سے اس کے لمبے قد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ لمبا پرملہ اس کا ہوتا ہے جس کا قد لمبا ہو، دراز قد بشرطیکہ وہ اعتدال کی حد سے زیادہ نہ ہو، مردوں میں اچھا شمار ہوتا ہے۔

۴۔ قریب البیت من الناد: اس کا گھر مجلس کے قریب ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: اس کا گھر مجلس کی جگہ کے قریب ہے، کیونکہ وہ ایک دانہ، سمجھدار، تجربہ کار اور عظیم شخص ہے، مجلس کے قریب اس نے گھر اس لیے تعمیر کیا، تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔

یہ شخص چونکہ بہت سخی ہے، اس نے اپنا گھر مجلس کی جگہ کے قریب اس لیے بنایا ہے، تاکہ آنے والے لوگوں کی وہ اچھی

طرح ضیافت، خدمت اور خاطر مدارات کر سکے۔ (۱)

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: رَوْحِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ، مَالِكٌ غَيْرُ مَن ذَلِكُ، لَدَائِلُ كَثِيرَاتِ الْمُبَارَكِ، قَلِيلَاتِ الْمُسَارِحِ إِذَا صَمَعْتَ صَوْتِ الْمَزْهُورِ، أَيْقَنَ أَنَّهُنَّ هُوَ الْمَلِكُ.

ترجمہ: دسویں عورت نے کہا: میرا شوہر مالک ہے، بھلا مالک کی کیا تعریف کروں؟ مالک اس سے بہتر ہے، اس کے پاس اونٹ ہیں، جو اکثر اوقات باڑے کے اندر ہوتے ہیں، چراگاہوں میں چرنے کے لیے کم ہی جاتے ہیں، اور جب وہ اونٹ سارنگی اور باجہ کی آواز سنتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ وہ انب ذبح ہونے والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ المبارک: مبارک کی جمع ہے، اونٹوں کے رہنے کی جگہ، باڑا، کثیرات: کثیرہ کی جمع ہے: اکثر اوقات، قلیلات: قلیلہ کی جمع ہے: بہت کم، المسارح: مسرح کی جمع ہے: چراگاہیں، جانوروں کے چرنے کی جگہیں، اذا صمعت: جب وہ اونٹ سنتے ہیں، المزہور: (ہیم کے نیچے زیر اور زاساکن) سارنگی، باجہ، آلہ طرب، ایقن: وہ اونٹ یقین کر لیتے ہیں، الہو الکت: مالک کی جمع ہے: ہلاک یعنی ذبح ہونے والے ہیں۔

دسویں کے شوہر ”مالک“ ہر خوبی سے آراستہ ہیں

اس عورت کا نام کثیر بنت مالک یا ارقم ہے، اس نے اپنے شوہر کی مخصوص انداز میں تعریف کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

میرا شوہر مالک بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، میں اس کی صفات بیان کرنے سے قاصر ہوں مالک خیر من ذلک، مالک ان سابقہ تمام شوہروں سے جن کا تذکرہ پہلے ہوا ہے، بہتر ہے، یا جن عورتوں نے اپنے شوہروں کی تعریفات کی ہیں، مالک ان تمام سے بہتر ہے، یا میں جو تعریفیں اس کی آگے ذکر کر رہی ہوں، مالک ان سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔

مالک بہت سخی اور فیاض انسان ہے، اس نے بہت سے اونٹ مہمانوں کی ضیافت کے لیے رکھے ہیں، ان کو وہ اکثر اوقات گھر میں ہی پالتا ہے، ادھر ہی چارہ کھلاتا ہے، تاکہ جیسے ہی مہمانوں کی ضیافت میں ان کی ضرورت پڑے، تو فوراً ان کو ذبح کر دیا جائے، چراگاہ سے ان کی واپسی کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا اور بہت کم ان کو وہ چراگاہ میں بھیجتا ہے۔

عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کے پاس مہمان آتے تو ساز باجہ، گانے، موسیقی اور شراب سے ان کا استقبال کیا جاتا، اور جب وہ اونٹ سارنگی اور باجہ کی آواز سن لیتے، تو سمجھ جاتے کہ اب ہمیں عنقریب مہمانوں کے اکرام میں ذبح کر دیا جائے گا۔ (۲)

قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشْرَةَ: رَوْحِي أَبُو زَرْعٍ، وَمَا أَبُو زَرْعٍ؟ الْإِنْسَانُ مِنْ خَلِيٍّ أَدْنَى، وَمَلَأَ مِنْ شَحْمِ عَصْدِي،

(۱) فتح الباری ۳۳۰/۹، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل۔

(۲) تكملة فتح الملهم ۱۶۸/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر جدید أم زرع۔

وَبَجَحَنِي فَبَجَحْتُ إِلَى نَفْسِي، وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غَنِيمَةِ شَقِيٍّ، فَبَجَحْتُ فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَذَالِسٍ وَمُنْقِيٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أَقْبَحُ، وَأَرَا فُلًا تَصْبَحُ، وَأَشْرَبُ لَا أَقْمَحُ۔

ترجمہ: گیارہویں عورت نے کہا: میرا شوہر ابو ذرؓ ہے، اور ابو ذرؓ کا کیا کہنا، (یعنی میں اس کی کیا تعریف کروں) اس نے زیورات سے میرے کانوں کو ہلادیا (یعنی زیورات پہنائے) اور چربی سے میرے بازوؤں کو بھر دیا، اور اس نے میری (اس قدر) تعظیم کی کہ میرا نفس مجھے عظیم لگنے لگا (یا یہ ترجمہ: اس نے مجھے اس قدر خوش کیا کہ میں اپنے آپ کو بھلی اور اچھی لگنے لگی) اس نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پایا، جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گذر بسر کرتا، پھر وہ مجھے ایسے (خوشحال) گھرانے میں لایا، جو گھوڑوں کی جہنناہٹ والا، اونٹوں کی آواز والا، بیل اور کسان والا تھا، (اس کے اٹنے اچھے اخلاق ہیں کہ) میں اس کے پاس (کوئی بات) کہتی ہوں تو مجھے برا نہیں کہا جاتا (یعنی میری کسی بات پر ناگواری کا اظہار نہیں کرتا) سوتی ہوں تو صبح تک سوتی راتی ہوں، اور بیتی ہوں تو اطمینان سے خوب سیر ہو کر باقی پانی چھوڑ دیتی ہوں (کیونکہ وہ جہت زیادہ ہوتا ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اناض: اس نے ہلادیا، متحرک کر دیا، ان کو زیورات کے بو جھ سے جھکا دیا، حلی: (حار پریش، لام کے نیچے زیر اور یا پر تشدید) حلیہ کی جمع ہے: زیورات، وہ چیز جس سے زیب و زینت کی جائے، اذنی: اذن کا حثنیہ ہے، یا ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت ہے: میرے دونوں کان، ملاء: بھر دیا، ضحیم: (شین پر زبر اور جاء ساکن) چربی، عضدی: (عین پر زبر اور ضاد پر پیش) عضد کا حثنیہ ہے، یا ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت ہے: میرے دونوں بازو، بجحنتی: باب تفعیل سے ہے: اس نے مجھے خوش کیا، اس نے میری تعظیم کی، بجحنت: (باب فتح اور صغ سے) میرا نفس خوش ہو گیا، میں اپنے آپ کو اچھی اور بھلی لگنے لگی، اہل غنیمہ: (عین پر پیش، نون پر زبر اور یا ساکن) غنم کی تھغیر ہے: تھوڑی بکریوں والے، شق: (شین پر زبر کے ساتھ) اس میں تین امکان ہیں: ۱۔ یہ جگہ کا نام ہے، ۲۔ دامن کوہ، پہاڑ کا دامن۔ ۳۔ اگر شق کے شین کے نیچے زیر پڑھا جائے تو اس کے معنی مشقت، محنت اور تنگی کے ہیں، یہی معنی یہاں مراد ہیں، صہیل: گھوڑے کی آواز، جہننا، اطیط: اونٹ کی آواز، کجادے کی کلڑیوں کے چر جانے کی آواز، دانس: وہ بیل جو گندم کو کاٹنے میں استعمال ہوتا کہ اس کے دانے اور بھوسہ الگ ہو جائے، منق: (میم پر پیش، نون پر زبر اور قاف کے نیچے تنوین اور تشدید، اصل میں منق تھا، یا کو حذف کر دیا گیا) حقیقہ سے صیغہ اسم فاعل: گندم صاف کرنے والا یعنی کسان، فلا اقبح: صبح سے صیغہ مجہول: مجھے برا نہیں کہا جاتا، میری باتوں میں عیب نہیں نکالا جاتا، اراق: میں سوتی ہوں، اتصبح: میں صبح کر دیتی ہوں، اقمح: میں خوب سیر ہو کر پانی چھوڑ دیتی ہوں، اس کے زیادہ ہونے کی وجہ سے پانی بچا دیتی ہوں۔

گیارہویں عورت: ابو زرع نے تو مجھے خوب ناز و نعمت میں رکھا ہے

گیارہویں عورت اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے کہ میرا شوہر ابو زرع ہے، اور ابو زرع کا کیا کہنا، انتہائی اچھا انسان اور بے شمار خوبیوں کا مالک ہے، میں ایک غریب اور تنگ دست گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، جو بڑی تنگی اور مشقت کے ساتھ چند بکریوں پر گذر بسر کر رہا تھا، میری شادی ابو زرع سے ہوئی تو یہ مجھے ایک ایسے خوشحال گھرانے میں لایا، جہاں مال و دولت، گھوڑے، اونٹ، بیل، کاشتکار، کسان اور خدام وغیرہ کی خوب فراوانی ہے، کسی چیز کی کوئی کمی نہیں، میں جو چاہوں کروں، جو چیز بھی کھاپی لوں، جو بھی بات کروں، جب تک آرام کرتی رہوں، مجھ پر کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہیں، ابو زرع کو مجھ سے محبت کا ایسا تعلق اور لگاؤ ہے کہ وہ میری کسی بات پر کوئی گرفت نہیں کرتا، چنانچہ اس نے مجھے زیورات سے اس قدر آراستہ کیا کہ میرے کان حرکت کرنے لگے، زیورات کے بوجھ سے وہ جھک گئے، مجھے اتنا کھلاتا پلاتا ہے کہ میرے بازو چربی اور گوشت سے بھر گئے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ میرا پورا جسم نموتا اور صحت مند ہو گیا ہے، کیونکہ جس کے بازو گوشت سے پر ہوں تو اس کا جسم بھی فربہ ہوتا ہے، میں بول چال میں مکمل آزاد ہوں، میری کسی بات پر کوئی نقطہ چینی اور اعتراض نہیں کیا جاتا، کھانے پینے اور سوتے رہنے میں خود مختار ہوں، صبح جب چاہوں اٹھوں، ایسا نہیں کہ صبح سویرے سے ہی کاموں میں لگنا پڑے، ہر طرح کے خدام موجود ہیں، گھوڑے، اونٹ، بیل اور کسان ہیں، جو ہر طرح کے کام سرانجام دیتے ہیں، اس سے واضح ہو گیا کہ ابو زرع نے مجھے کس قدر بلند مقام اور اہمیت دے رکھی ہے، کہ مجھے اپنے اندر خود پسندی کا احساس ہونے لگا، اپنے متعلق اس کی تعریفیں سن کر میں خود اپنی نظروں میں بلند، اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگی۔

اس عورت نے اپنے شوہر کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی کنیت ابو زرع ذکر کی ہے، اس کی دو وجہیں ہیں: ۱۔ ان کے بہت زیادہ کھیت تھے۔ ۲۔ یا اس نے قنات لا کنیت ذکر کی ہے اور مراد اس سے اس کی اولاد ہے، زرع کے معنی بچے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابو زرع کی اولاد بہت زیادہ ہوگی۔ (۱)

أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، عُنْكَوْمَهَا زَرْعٌ، وَنَيْبُهَا فُسَاحٌ۔

ترجمہ: ابو زرع کی ماں (میری خوش دامن) ابو زرع کی ماں کا کیا کہنا، اس کی بوریاں اور برتن بہت ہی بڑے ہیں (یعنی بھرے رہتے ہیں) اور اس کا گھر کشادہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عُنْكَوْمٌ: (عین پریش) عکم (عین کے نیچے زیر اور کاف ساکن) کی جمع ہے: بوریاں، بڑے بڑے برتن، جن میں کھانے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں، دجاج: (راپر زبر اور زیر) بہت بڑے بڑے پیالے، فُسَاحٌ: (فایر زیر) کشادہ۔

ابوزرع کی ماں صاحب حیثیت خاتون

ابوزرع کی ماں کا گھر کشادہ ہے، کیونکہ ان کے مکان میں مہمان بہت زیادہ آتے ہیں، ان کے گھر میں بڑے بڑے برتن اور بودیاں کھانے پینے کی چیزوں سے بھری رہتی ہیں، کسی میں چاول، کسی میں غلے اور چاول وغیرہ رکھے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کا گھر ساز و سامان سے بھرا رہتا ہے، مال و دولت اور اشیاء کی فراوانی ہے، اس سے اس کا مال دار اور صاحب حیثیت ہونا ثابت ہوتا ہے، سخاوت اتنی ہے کہ بے دریغ مہمانوں پر خرچ کرتی ہے، عورتوں کے حراج کی طرح ان میں بخل نہیں، یوں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے خلق خدا کو فائدہ پہنچا رہی ہے۔ (۱)

ابن ابی ذرع، فَمَا ابْنُ أَبِي ذَرٍّ مَضْبُجَةٌ كَمَسَلٍ شَطْبَةٍ وَشَيْخَةٌ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ۔

ترجمہ: ابوزرع کا بیٹا، اور ابوزرع کے بیٹے کا کیا کہنا، اس کے سونے کی جگہ یا جسم میں اس کے سونے کا حصہ (یعنی پللی، پہلو وغیرہ) کھجور کی اس سبز شاخ کی طرح (باریک) ہے، جس کے زائد پتے بالکل کاٹ دیئے گئے ہوں یا اس تلواری کی طرح (باریک) ہے جس کو نیام سے نکال دیا گیا ہو، اور بکری کے چوٹے بچے کا ایک ہاتھ اس کو سیراب کر دیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مضجعہ: اس کی خواب گاہ یعنی سونے کی جگہ یا جسم کا وہ حصہ یعنی پللی اور پہلو وغیرہ، جو سوتے وقت فرش اور بستر کے ساتھ لگتا ہے، مسل: مسل سے مصدر میسی ہے: وہ شاخ جس کے زائد پتے کاٹ دیئے گئے ہوں یا وہ تلواری جسے نیام سے باہر نکال لیا گیا ہو، شطبة: (شین پرز اور طاساکن) کھجور کی سبز شاخ، شبعة: اس کو سیراب کر دیتا ہے، ذراع: ہاتھ، الجفرة: (جیم پرز اور طاساکن) بکری کا بچہ جو چار ماہ کا ہو۔

ابوزرع کا دبلا پتلا بیٹا

اس عبارت میں ابوزرع کے بیٹے کی تعریف میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

اس کا بیٹا دبلا پتلا اور چھریزے بدن والا ہے، اس کے سونے کی جگہ یا جسم کا وہ حصہ جو سوتے وقت بستر یا فرش پر لگتا ہے، جیسے پللی اور پہلو وغیرہ، یہ اجنبائی باریک ہے جیسے کھجور کی ایسی سبز شاخ جس سے زائد پتے کاٹ دیئے گئے ہوں، کھجور کی شاخ ایک تو ویسے ہی پتلی ہوتی ہے، پتے چھیلنے کے بعد مزید پتلی ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اس قدر دبلا پتلا ہے کہ اس کے سونے کی جگہ یا بدن میں سونے کا حصہ کھجور کی شاخ کی طرح باریک ہے یا اس تلواری کی طرح باریک ہے جسے نیام سے باہر نکال دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مجاہد اور جفاکش انسان ہے، جو اپنے سونے کے لیے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، ذرا سی جگہ پر ہی لیٹ

کر آرام کر لیتا ہے۔

❊ وہ کم کھاتا ہے، چنانچہ بکری کے چھوٹے بچہ کا ایک ہاتھ ہی اس کو سیراب کر دیتا ہے، یہ دونوں صفتیں یعنی چھری رے بدن والا ہونا اور کم کھانا عربوں کے ہاں نوجوانوں میں ان صفات کو بہت عمدہ خصلتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (۱)

بُنْتُ أَبِي ذَرٍّ، فَمَا جَارِيَةُ أَبِي ذَرٍّ، طَوْعًا أَوْ مَكْرًا، وَلَمْ يَكْسَاهَا، وَغِيظَ جَارِيَتُهَا۔
ترجمہ: ابو ذرؓ کی بیٹی، بھلا اس کی کیا بات ہے، اپنی ماں کی تابعدار اور اپنے باپ کی فرمانبرداری ہے، اپنی چادر کو بھرنے والی (یعنی موٹی تازی) ہے اور اپنی سوکن یا اپنی پڑوسن کو غصہ دلانے والی ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- طَوْعًا: (طا پر زبر) تابعدار، فرمانبرداری، مِلَّءُ كَسَاءُهَا: اپنی چادر کو بھرنے والی ہے یعنی وہ موٹی تازی اور صحت مند ہے، غِيظَ: غصہ دلانے والی، جَارِيَةُ: پڑوسن، سوکن۔

ابو ذرؓ کی فرمانبرداری بیٹی

اس عبارت میں ابو ذرؓ کی بیٹی کی تین خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

❊ یہ اپنے والدین کی مکمل تابعدار اور فرمانبرداری ہے، ہر جائزہ امر میں وہ ان کی اطاعت کرتی ہے، یہی انسان کی دنیا اور آخرت کی سعادت ہے۔

❊ وہ اپنی چادر کو بھرنے والی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ موٹی تازی صحت مند ہے، جب اپنی چادر کو اوڑھتی ہے تو اس میں کوئی خلا نہیں رہتا، چادر بھر جاتی ہے، جسم پر پوری طرح سینٹ ہو جاتی ہے، ایسی موٹی اور بھاری بھر کم عورت کو عرب پسند کرتے تھے۔

❊ اس کی آسودہ حالی، حسن و جمال اور ناز و نعمت والی زندگی دیکھ کر اس کی سوکن اور پڑوسن کو غصہ آتا ہے، وہ حسد کی آگ میں جلتی ہیں۔ (۲)

جَارِيَةُ أَبِي ذَرٍّ، فَمَا جَارِيَةُ أَبِي ذَرٍّ، لَا تَبْتُ حَدِيثًا تَبِيْعًا، وَلَا تَنْقُثُ مِيرَ تَنَا تَنْقِيًّا، وَلَا تَمْلَأُ بَيْتًا تَغْشِيًّا۔
ترجمہ: ابو ذرؓ کی باندی، اس کے کیا ہی کہنے، وہ ہماری بات کو ادھر ادھر نہیں پھیلاتی، اور نہ ہماری کھانے پینے کی چیزوں کو منتقل کرتی ہے، اور نہ ہی ہمارے گھر کو خس و خاشاک اور کوڑے سے بھرتی ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی :- لَا تَبْتُ: وہ نہیں پھیلاتی، لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتی، لَا تَنْقُثُ: یہ حقیقت سے ہے: وہ منتقل نہیں کرتی، مِيرَ تَنَا: ہمارا کھانا، ہماری کھانے پینے کی چیزیں، تَغْشِيًّا: خس و خاشاک، کوڑا۔

(۱) تکملة فتح للہم ۱۷۰/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث ام ذر۔

(۲) فتح الباری ۳۳۹/۹، کتاب النکاح، باب حسن العشرة مع الأهل۔

ابوزرع کی امانتدار باندی

ابوزرع کی باندی رازدار، امانتدار اور ایک ذمہ دار خاتون ہے، وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے، ہماری تمام باتیں سنتی رہتی ہے، مگر ان میں سے کوئی بات گھر سے باہر کسی کو نہیں بتاتی، رازدار ہے، اور ہماری کھانے پینے اور گھر کی دیگر چیزوں میں سے کوئی چیز کسی کو اجازت کے بغیر نہیں دیتی، ان میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہیں کرتی، اور نہ ہی انہیں خراب یا ضائع کرتی ہے، یوں وہ امانتدار ہے، اور اسے اپنی ذمہ داری کا مکمل احساس تھا، گھر کے تمام کام اچھی طرح کرتی ہے، گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے، اس میں کچرا اور کوڑا نہیں جمع ہونے دیتی بلکہ آئینہ کی طرح اسے صاف رکھتی ہے، اس سے اس کا ایک ذمہ دار خاتون ہونا معلوم ہوتا (۱)

قَالَتْ: خَوَّجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تَمَخَّضَ، فَالْقِيَ امْرَأَتُهُ مَعَهَا وَلَكَانَ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ، يَلْعَبَانِ مِنْ لَحَبِ خَضِرٍ هَابٍ يَسْتَانَتَيْنِ، فَطَلَّقْنِي وَتَكَبَّهَا۔

ترجمہ: ام زرع کہتی ہے، میرا شوہر ابوزرع (ایک دن صبح سویرے اس وقت) نکلا جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، اتنے میں اس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے ہو گئی، جس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے، جو اس کی کمر کے نیچے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، چنانچہ اس نے مجھے طلاق دی اور اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا۔
مشکل الفاظ کے معنی :- اوطاب: وطب کی جمع ہے: دودھ کے اس برتن کو کہتے ہیں، جس میں دہی ڈال کر بلویا جاتا ہے اور پھر اس سے مکھن نکالا جاتا ہے، تمخض: (تا پریش، میم ساکن، خام پر زبر، صیغہ مجہول) مکھن نکالنے کے لیے دودھ کو بلویا جاتا ہے، حرکت دی جاتی ہے، خصوها: (خام پر زبر اور صاد ساکن) اس کی کمر، اس کا کولہا، مالتین: زمانة کا مشنہ ہے: دو انار۔

ابوزرع نے بالآخر ”ام زرع“ کو طلاق دے دی

ام زرع کہتی ہے کہ ایک دن ابوزرع اس وقت گھر سے نکلا، جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، دودھ بلونے کا یہ عمل گاؤں دیہات میں عموماً صبح سویرے طلوع آفتاب سے پہلے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ابوزرع صبح سویرے گھر سے نکلا، اتنے میں اس کی ملاقات ایک عورت سے ہو گئی، جو اسے پسند آ گئی، اس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے، چیتے کی طرح چھلانگیں لگا رہے تھے اور کھیل کود میں مشغول تھے، اور وہ دونوں اس عورت کی کمر کے نیچے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، کیونکہ اس کے سرین بڑے بڑے تھے جس کی وجہ سے کمر کے نیچے خلا پیدا ہو گیا، اس جگہ پر وہ دونوں بچے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، دو اناروں سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

ان بچوں کے پاس حقیقت میں دو انار تھے، جن سے وہ کھیل رہے تھے۔
یا ان اناروں سے پستان مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ بچے اپنی والدہ کے دونوں پہلوؤں میں اس کے پستانوں سے کھیل رہے تھے۔ (۱)

فَتَكْنَحُثُ بَعْدَهُ وَجِلًا سَرِيًّا، وَكَبَّ شَرِيًّا، وَأَخَذَ حَوَاطِيَّ، وَأَرَوَحَ عَلَيَّ نَعْمًا قَرِيًّا، وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا، وَقَالَ: كُلِّي أَمَّ زَرْعٍ، وَمِيرَى أَهْلِكَ، فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِي، مَا بَلَغَ أَصْغَرَ أَتِيَّةِ أَبِي زَرْعٍ.
ترجمہ: اس کے بعد میں نے ایک شریف آدمی سے نکاح کر لیا، جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اور ہاتھ میں مقام خط کا بنا ہوا نیزہ لیے رکھتا تھا، اس نے مجھے بہت ساری نعمتیں عطا کیں (یا یہ ترجمہ: اور وہ رات کے وقت میرے پاس بہت سے جانور لے آیا) اور ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا، اور کہنے لگا: ام زرع اتم بھی کھاؤ اور اپنے میکے والوں کو بھی خوب کھلاؤ، ام زرع کہتی ہے: لیکن اگر میں ان تمام چیزوں کو جمع کروں، جو دوسرے شوہر نے مجھے عطا کی ہیں، تو وہ ابو زرع کے چھوٹے برتن کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں، (یعنی ابو زرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں)

مشکل الفاظ کے معنی :- سری: (سین پر زبر) سردار اور شریف آدمی، شری: تیز رفتار گھوڑا، خطیا: (خاء پر زبر اور طاء پر زبر و تشدید) مقام خط کا بنا ہوا نیزہ، اراح علی: ۱۔ اس نے مجھے عطا کیں، ۲۔ شام کے وقت وہ لے آیا، نعما: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں، ۱۔ (نون اور عین پر زبر) ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ اور اونٹ کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع انعام اور اناعیم ہے، ۲۔ نعما (نون کے نیچے زیر) نعمت کی جمع ہے: نعمتیں، طرح طرح کی نوازشات، ثری: (ثا پر زبر، را کے نیچے زیر): بہت زیادہ دولت مند، بالدار، اس کی جمع انزیاء ہے، کل رائحة: شام کے وقت کھیت سے واپس گھر لوٹنے والے، ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ، زوجا: ایک ایک جوڑا، میری اھلک: (صیغہ امر) اپنے میکے یعنی اپنے والدین کے لیے خوراک اور کھانا مہیا کرو، ان کی طرف کھانا بھیجو، انہیں خوب کھلاؤ، اصغر اتیة: چھوٹا برتن۔

دوسرے شوہر کا ابو زرع جیسے عظیم انسان سے کیا مقابلہ

ام زرع کہتی ہے کہ ابو زرع نے جب مجھے طلاق دے دی، اس کے بعد میں نے ایک انتہائی شریف اور سردار سے شادی کی، جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور اس کے ہاتھ میں مقام خط کا بنا ہوا نیزہ ہوتا، ”خط“ بحرین میں ایک جگہ کا نام ہے، وہاں عمدہ قسم کے نیزے بنتے تھے، گویا وہ ایک ماہر فوجی شہسوار تھا، اس نے مجھے ہر طرح کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا دیا، مال و دولت سے خوب نوازا، اور واضح الفاظ میں کہا کہ تم بھی یہاں کھاؤ اور اپنے میکے والوں کو بھی کھانا کھلاؤ، ان تک پہنچاؤ، لیکن اس سب کے

باوجود اس کی ساری نوازشات کو میں جمع کر کے ابوذرؓ کی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کروں، تو یہ ابوذرؓ کے چھوٹے برتن کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں، اس کی نعمتوں کو ابوذرؓ کی نوازشات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، یہ سب ابوذرؓ کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں، اس لیے میرے دوسرے شوہر کا پہلے شوہر ابوذرؓ سے موازنہ اور مقابلہ نہیں ہو سکتا، ابوذرؓ ایک عظیم انسان ہے۔ (۱)

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُنْتُ لَكَ كَأَبِي زُرْعٍ لِأُمِّ زُرْعٍ.
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے سے ایسا ہی ہوں جیسے ام زرعؓ کے لیے ابوذرؓ تھا۔

نبی کریم ﷺ ابوذرؓ سے کہیں زیادہ حضرت عائشہؓ پر مہربان تھے

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں الفت اور محبت کے اعتبار سے تمہارے لیے ایسا ہی ہوں، جیسے ابوذرؓ ام زرعؓ کے لیے تھا، زبیر بن بکار اور طبرانی کی روایت کے آخر میں اتنا اضافہ بھی ہے: **إِلَّا أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَلَا أَطْلَقُكِ** یعنی ابوذرؓ نے تو ام زرعؓ کو طلاق دے دی تھی مگر میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا، اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے مقابلے میں ابوذرؓ کی کیا حقیقت، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ تو میرے لیے اس سے بہت ہی زیادہ بڑھ کر مہربان ہیں۔

حدیث ام زرعؓ سے ثابت ہونے والے چند امور

✽ شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان کے ساتھ رحمن رحیم اور برتاؤ میں نا انصافی سے احتراز کرے۔

✽ اس سے حضرت عائشہؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے ام زرعؓ کے لیے ابوذرؓ ہے۔

✽ اپنے اہل و عیال کے ساتھ عشاء کے بعد بھی خیر کی بات کرنا جائز ہے، ایسے ہی گذشتہ واقعات میں سے کوئی قصہ کہانی بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

✽ نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو ابوذرؓ کے ساتھ ہر لحاظ سے تشبیہ نہیں دی، بلکہ بعض امور یعنی الفت و محبت کے اعتبار سے تشبیہ دی ہے، طلاق دینے اور جدائی اختیار کرنے میں تشبیہ دینا مقصود نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو طلاق

نہیں دی۔

حدیث ام زرع میں جن خواتین نے اپنے شوہروں کی برائی بیان کی ہے، اس کا تذکرہ غیبت کے دائرے میں نہیں آتا، کیونکہ کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا جس کو لوگ پہچانتے نہ ہوں، یہ غیبت نہیں ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي نَوْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی کیفیت وغیرہ کا بیان ہے
عَنِ النَّزَّاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ وَطَعَ كَفَّهُ الْيَمْنَى تَحْتَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ، وَقَالَ: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. (۲)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سونے کی جگہ پر آرام فرمانے لگتے تو اپنی دائیں ہتھیلی یعنی دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے، اور یہ دعا پڑھتے: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ اے میرے پروردگار! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچا کر رکھنا، جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ (قبروں سے) اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن میں)

عَنْ حَدِيثِ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأُحْيَا، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ. (۳)

ترجمہ: حضرت حدیفہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر پناہ لیتے (یعنی بستر پر لیٹنے لگتے) تو یہ دعا پڑھتے: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأُحْيَا (اے اللہ میں تیرے نام سے ہی مرنا یعنی سوتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا) (یعنی سو کر اٹھوں گا) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (یعنی سونے کے بعد) زندہ کیا (یعنی بیدار کیا)) اور اسی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مضجعہ: (مصدر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی جگہ یعنی بستر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، کفہ الیمنی: اپنی دائیں ہتھیلی، مراد اس سے پورا دایاں ہاتھ ہے، خدہ الایمن: (خا پر زبر اور دال پر تشدید) اپنے دائیں رخسار، قنی: (یعنی)

(۱) حدیث ام زرع کے لیے دیکھیے: فتح الباری ۲/۱۹۷، کتاب النکاح، باب حسن للعاشرة مع الاہل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۲/۶۰-۶۳، اللواہب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدی (ص: ۴۲۵-۴۳۳) خصائل نبوی شرح شیائل ترمذی (ص: ۲۶۵) باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۳۹۶۔

(۳) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۳۱۳۔

تو مجھے بچا، تبعث: تو اٹھائے گا، زندہ کرے گا، احيانا: اس نے ہمیں زندگی بخشی یعنی بیدار کیا، بعد ما اماننا: ہمیں مارنے کے بعد یعنی سونے کے بعد، النشور: لوٹنا، لوٹ کر جانا۔

نبی کریم ﷺ کے سونے کی کیفیت اور چند دعائیں

نبی کریم ﷺ جب سونے لگتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور دائیں کروٹ پر سوتے، یہی آپ ﷺ کا عام معمول تھا، اس میں مصلحت یہ ہے کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کی بائیں طرف ہوتا ہے، دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے، اس حالت میں اس کی نیند گہری نہیں ہوتی، بلکہ آدمی نیند میں ہونے کے باوجود چونکنا رہتا ہے، ضرورت کے وقت اسے جلدی جاگ آ جاتی ہے، اس لیے دائیں کروٹ پر سونا ایک مسنون عمل ہے۔

مذکورہ احادیث میں سونے کے وقت آپ ﷺ کے معمولات میں سے صرف تین دعائیں کا ذکر ہے:

۱۔ جب آپ ﷺ سونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے: **يَا قَيُّمُ عَذَابُكَ يَوْمَ تَجْعَلُ عِبَادَكَ** (اے میرے پروردگار! مجھے اس دن کے عذاب سے بچا، جس دن تو اپنے بندوں کو (قبروں سے) اٹھائے گا، یا یوں فرمایا: جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا) حصن حصین کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تین مرتبہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۲۔ آپ ﷺ سوتے وقت یہ دعا بھی مانگتے: **اللَّهُمَّ يَا مُبِيتُ أَمْوَاتٍ وَأُخِي** (اے اللہ! میں تیرے نام سے ہی مرتا یعنی سوتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں یعنی بیدار ہوتا ہوں)

۳۔ جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ** (تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (یعنی سونے کے بعد) زندہ کیا (یعنی بیدار کیا) اور اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹ کر جانا ہے۔) (۱)

سونے اور بیدار ہوتے وقت کی اس قسم کی دعاؤں سے بندہ کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ نیند ایک طرح سے موت ہے اور بیدار ہونا گویا قبر سے دوبارہ زندہ ہونا ہے، آج تم موت کے بعد دوبارہ دنیا میں زندہ ہو رہے ہو، تا کہ تم اس جہان میں نیک اعمال کر سکو، جن سے اللہ جل جلالہ اور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور بالآخر تم نے ایک ایسی موت کا بھی ضرور سامنا کرنا ہے، جس کے بعد تم دوبارہ بیدار ہو کر دنیا میں نہیں آ سکو گے، ہمیشہ کی نیند سو جاؤ گے، پھر قیامت کا دن جب آئے گا، اس وقت تمہیں قبر سے اٹھایا جائے گا، اور اللہ جل جلالہ کے سامنے حساب کتاب کے لیے تمہیں میدان حشر میں لایا جائے گا، لہذا اس دن کی ذلت سے بچنے کے لیے آج زندگی کے لحاظ کو غنیمت جانے اور اپنے شب و روز کو صرف اللہ جل جلالہ کی رضا میں ہی گزاریں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَى إِلَى فَرَادِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ، لَفَفَتْ فِيهِمَا، وَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَقُلْ أَغْوَدُ بِرَبِّ الْقَلْبِ، وَقُلْ أَغْوَدُ بِرَبِّ النَّاسِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا زَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَصْنَعُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب اپنے بستر پر لیٹنے لگتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان پر پھونک مارتے، اور ان میں یہ سورتیں پڑھتے: سورہ اخلاص، سورہ قلن اور سورہ ناس، پھر ان دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ہو سکتا، اپنے جسم پر پھیر لیتے، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر اور چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے اور پھر جسم کے اگلے حصہ پر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ یہ عمل فرماتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جمع کفہ: اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے یعنی دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا لیتے، ما استطاع: جس قدر ہو سکتا، وما اقبل من جسدہ: پھر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا اگلا حصہ ہے، جسم کا اگلا حصہ، یصنع ذلک: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل فرماتے یعنی ان سورتوں کو پڑھ کر دم کرتے اور پھر ہاتھوں کو جسم پر پھیر لیتے، یہ عمل تین مرتبہ کیا کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے چند سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے جس طرح دیگر اذکار اور دعائیں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے چند سورتیں بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن کی تفصیل مختلف احادیث میں ہے، اس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ شمائل کی مذکورہ حدیث میں سورہ اخلاص، سورہ قلن اور سورہ ناس کا ذکر ہے، ان سورتوں کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر انہیں اپنے جسم پر جہاں تک ممکن ہوتا، پھیر لیتے تھے، پہلے سر، پھر چہرہ اور جسم کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیر لیتے۔

حضرت عائشہ کی مذکورہ روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کر لیتے تھے اور سورتیں بعد میں پڑھتے تھے، حالانکہ یہ مراد بالکل نہیں، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دم کرنے کا ارادہ فرماتے، پھر سورتیں پڑھتے اور اس کے بعد ہاتھوں پر پھونک مارتے، حدیث میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بیان کرنا مقصود ہے، ترتیب پیش نظر نہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کر کے یا اذکار و تسبیحات کے بعد ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر انہیں جسم پر پھیرنا اور ملنا مسنون ہے۔

۲۔ سورہ ملک اور سورہ نجمہ کی بھی آپ ﷺ پابندی سے تلاوت فرماتے تھے۔

۳۔ سورہ کافرون کی بھی آپ ﷺ تلاوت فرماتے۔

۴۔ مسلمات یعنی وہ سورتیں آپ ﷺ پڑھتے جو سج، بھان اور سج (عیضہ امر) سے شروع ہوتی ہیں، یہ کل سات سورتیں ہیں: سورہ اسراء، سورہ جدید، حجر، صف، نجم، لقمان اور سورہ سج اسم ربک الاعلیٰ۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان سوتے وقت قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں، جو بیدار ہونے تک ہر موذی چیز سے اس کی وہ حفاظت کرتا رہتا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ یہ فضیلت انسان کو اس وقت بھی حاصل ہو جاتی ہے، جب وہ چھوٹی سی بھی کوئی سورت تلاوت کر لے جیسے سورہ اخلاص اور سورہ کوثر وغیرہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، فَكَانَ بِلَالٌ، فَأَذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ (ایک مرتبہ) سوئے، اور خراٹے لینے لگے اور نبی کریم ﷺ جب سوتے تو خراٹے لینے لگتے تھے، اتنے میں حضرت بلالؓ نے آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی، چنانچہ آپ ﷺ اٹھے (آپ ﷺ تشریف لے گئے) اور نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے وضو نہیں کیا، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حتی نفخ: یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینے لگے، فاذنہ: یہ اذان سے ہے: اتنے میں حضرت بلالؓ نے نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی۔

انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں، مگر میرا دل نہیں سوتا، وہ بیدار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، وہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوتے ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں بھی حضرت بلالؓ نے نبی کریم ﷺ کو گہری نیند سے جگایا، آپ ﷺ اٹھے اور آکر صحابہ کرامؓ کو غالباً فجر کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں فرمایا، اس حدیث میں گویا امت کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت کا بیان ہے کہ امت کا وضو نیند سے ٹوٹ جاتا ہے، مگر نبی کریم ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نیند میں بھی

(۱) مرقاة المفاتیح ۲۹/۵، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: ۲۱۳۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶/۲۔

آپ ﷺ کا قلب مبارک بیدار رہتا ہے، اگر بالفرض اس دوران آپ ﷺ کا وضو ٹوٹ جائے، تو اس کا آپ ﷺ کو احساس ہو جاتا تھا۔

✽ نیند میں خرابے لینا باعث عیب نہیں، نبی کریم ﷺ بھی خرابے لیتے تھے، البتہ اس میں یہ اہتمام رہے کہ ان خرابوں سے کسی کو ایذا نہ پہنچے اور اس کی وجہ سے کسی کی نیند خراب نہ ہونے پائے۔

✽ اذان کے بعد بھی کسی مشغول انسان کو نماز کی یاد دہانی کرائی جاسکتی ہے۔

✽ دینی الحدیث قصہ، اس سے امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سونے اور رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے، امام ترمذی نے اسے اگلے باب میں حدیث نمبر ۵ میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَىٰ إِلَىٰ فِرَاشِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكُفْمٌ مَعْنَى لَا كَافِيَ لَكَ وَلَا مُؤْوِي. (۲)

ترجمہ: حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر پناہ لیتے یعنی سونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكُفْمٌ مَعْنَى لَا كَافِيَ لَكَ وَلَا مُؤْوِي (ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو گیا) (یعنی ضروریات کو پورا کیا) یا یہ ترجمہ: جس نے ہمیں (تکلیف دہ چیزوں کے شرور سے) بچایا اور جس نے ہمیں (رہنے کے لیے) ٹھکانا عطا فرمایا، اس لیے کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی کوئی ان کو ٹھکانا دینے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اطعمنا: اس نے ہمیں کھلایا، سقانا: اس نے ہمیں پلایا، کفانا: وہ ہمیں کافی ہوا، اس نے ہماری کفایت کی یعنی ہماری ضروریات کو پورا کیا، یا اس نے ہمیں ضرور و آفات سے بچایا، اوانا: اس نے ہمیں ٹھکانا دیا، لا کافی: ۱۔ کوئی بچانے والا نہیں۔ ۲۔ ہمیں کوئی کفایت کرنے والا نہیں، لا مؤوی: (میںہ اسم فاعل) کوئی ٹھکانا دینے والا نہیں۔

کھانے پینے کے بعد اور سونے کی ایک دعاء نبوی

مذکورہ حدیث میں ایک جامع قسم کی دعا کا ذکر ہے، نبی کریم ﷺ کھانے پینے کے بعد اور سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اس میں اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور اس کے شکر کا ذکر ہے، ایک مسلمان کو اس دعا کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ اللہ

(۱) اللوہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدیۃ (ص: ۲۵۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۷۷۲

(۲) سنن ابی داؤد ۴۷۲/۴ مرقم الحدیث: ۵۰۵۵ باب ما یقال عند النوم / دار الکتاب العربی، بیروت۔

جل جلالہ نے ہمیں جو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا رکھا ہے، ان کا شکر ادا کیا جائے، کیونکہ وہ اپنے فضل و کرم سے کھانے پینے کی مختلف چیزیں ہمیں کھلاتا اور پلاتا ہے، وہ ہماری تمام ضروریات کی کفایت کرتا ہے، ہماری تمام حاجتیں پورا کرتا ہے، ضرور و آفات اور دشمنوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، اور سرچھپانے کے لیے اس نے ہمیں ٹھکانا عطا فرما رکھا ہے، دنیا میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں، جن کی کوئی کفایت کرنے والا اور ٹھکانا دینے والا نہیں، یعنی بہت سے لوگ انتہائی تنگدستی، فقر و فاقہ اور بغیر کسی مکان کے کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، مگر اس نے ہمیں بہت سون سے انتہائی اچھی حالت میں رکھا ہوا ہے، ہمارا خالق و مالک، کافی اور موسوی، اللہ جل شانہ ہے، لہذا اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لیے کھانے پینے کے بعد اور اچھی رہائش کی نعمت پر اور سوتے وقت اس دعا کا ضرور اہتمام کیا جائے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَّنَا وَآوَانَا، فَكُفِّمْ مَعْنَى لَا يَكْفِي لَكَ وَلَا تُؤْوِي، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ (۱)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَزَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، وَإِذَا عَزَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَضَبَ ذِرَاعَهُ، وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (دوران سفر) جب رات کے آخری حصے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے، اور جب صبح سے تھوڑا پہلے کسی جگہ ٹھہرتے تو اپنی دائیں کہنی کو کھڑا کر لیتے اور (آرام کرنے کے لیے) اپنے سر کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیتے۔
مشکل الفاظ کے معنی:- عزس: یہ تعریس سے ہے۔ رات کے آخری حصے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے، آرام کے لیے کسی مکان پر ٹھہرتے، علی شقہ الایمن: (شین کے نیچے زیر) اپنی دائیں کروٹ پر، اپنی دائیں جانب پر، نصب: کھڑا کر لیتے، ذراعہ: اپنی کہنی کو، علی کفہ: اپنی ہتھیلی پر۔

نبی کریم ﷺ کی سفر میں صبح سے پہلے سونے کی کیفیت

- ۱۔ دوران سفر رات کے آخری حصے میں نبی کریم ﷺ کس طرح آرام فرماتے، اس حدیث میں دو طریقوں کا ذکر ہے:
اگر صبح صادق سے پہلے رات کا وقت کافی ہو تا اور آپ ﷺ آرام فرماتے، تو اپنے معمول کے مطابق دائیں کروٹ پر لیٹتے، تاکہ اطمینان سے آرام کر لیا جائے۔
- ۲۔ اور جب فجر سے تھوڑا پہلے کسی جگہ آرام کے لیے اترتے تو اپنی کہنی کو کھڑا کر کے اپنے سر کو ہاتھ پر رکھ لیتے، یوں تھوڑی دیر کے لیے آرام فرماتے، بالکل لیٹ کر آرام نہ فرماتے، تاکہ گہری نیند نہ آئے، کیونکہ اس انداز سے آرام کرنے سے آدمی جلد ہی

(۱) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح النواوی ۷۷۲۔

(۲) مستند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۳۳۔

بیدار ہو جاتا ہے، اور فجر کی نماز وقت میں ہی پڑھ لیتا ہے، وہ قضا نہیں ہوتی۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سفر اور حضور و فوں میں ایک مسلمان کو اپنے آرام و راحت، سونے اور بیدار ہونے کا اس طرح بندوبست اور ترتیب بنانی چاہیے کہ کوئی بھی نماز بالخصوص فجر کی نماز قضا نہ ہو، ہر نماز کو اس کے وقت میں ہی اطمینان سے ادا کر لیا جائے، مگر افسوس ہے ایسے بہت سے مسلمانوں پر، جو فجر کی نماز روزانہ ہی وقت پر نہیں پڑھتے اور پھر بعد میں اس کی قضا کرتے ہیں، کسی ایک دن غیر اختیاری طور پر اگر ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن مستقل طور پر رات کو دیر سے سونا کہ جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہو جائے، ناجائز اور حرام ہے، بہت بڑا گناہ ہے، اس پر تہ دل سے توبہ و استغفار کرنا چاہیے، اور فجر کی نماز کو بھی دیگر نمازوں کی طرح اس کے وقت میں باجماعت ادا کرنا چاہیے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي عِبَادَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی عبادت کا ذکر ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ قُلُوبُهُمْ لَقِيلَ لَهُ: أَتَتَكَلَّفُ هَذَا، وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقْدَمُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا تَأَخَّرُ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟ (۲)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ رات میں اس قدر لمبی نفل نماز پڑھتے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں (لبے قیام کی وجہ سے) سوج گئے، (یہ حال دیکھ کر) آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں؟ (کہ آپ ﷺ کے پاؤں بھی سوج گئے) حالانکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي حَتَّى تَرْمَ قُلُوبُهُمْ قَالَ: قِيلَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هَذَا وَقَدْ جَاءَكَ أَنَّ اللَّهَ غَفَرَ لَكَ مَا تَقْدَمُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا تَأَخَّرُ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟ (۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (اس قدر کثرت سے نفل) نماز پڑھا کرتے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں سوج جاتے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ اتنی مشقت والا کام کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب ہی گناہ معاف کر دیئے ہیں،

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۷۸۲۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۱۲۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۱۲۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ بِصَلَاةٍ، حَتَّى تَنْتَفِعَ قَدَمَاهُ، فَيَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: تَفْعَلُ هَذَا، وَقَدْ عَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقْدُمُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا تَأْخُورُ؟ قَالَ: أَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (اس قدر طویل نفل) نماز پڑھا کرتے

کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں سوچ جاتے، آپ ﷺ سے عرض کیا جاتا: یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ یہ کرتے

ہیں (یعنی اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں،

آپ ﷺ ارشاد فرماتے: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حتی الطمخت: یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں پر درم آجاتا، وہ سوچ جاتے، اکتکلف:

ہمزہ برائے استفہام: کیا آپ ﷺ مشقت برداشت کرتے ہیں، ما تقدم من ذلک: آپ ﷺ کے اگلے تمام گناہ، وما

تأخرو: اور آپ ﷺ کے پچھلے سارے گناہ، شکورا: شکر ادا کرنے والا، شکر گزار، حتی قوم: یہ ”قوم“ سے ”تحد“ کی طرح ہے،

یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک سوچ جاتے۔

طویل قیام سے نبی کریم ﷺ کے پاؤں مبارک سوچ جاتے

نبی کریم ﷺ نبی بننے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، ہر ماہ غار حرا میں تشریف لے جاتے، اللہ تعالیٰ

کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر کرتے اور نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ فرائض و واجبات کے ساتھ نفلی عبادات بھی بہت

زیادہ سرانجام دیتے تھے، رات کو نفلی نماز میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ اس سے آپ ﷺ کے پاؤں سوچ جاتے، ان پر درم

آجاتا، امام ترمذی نے یہ تین احادیث ذکر کی ہیں، جن میں اس طرح کی عبادات کا ذکر ہے، صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ

آپ ﷺ کے تو سارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں تو پھر آپ ﷺ اس قدر مشقت کیوں برداشت کر رہے ہیں، پوچھنے

والے کی بظاہر غرض یہ تھی کہ اس قدر عبادت میں مشقت اور مجاہدہ تو وہ شخص کرتا ہے جس کے گناہ زیادہ ہوں، گناہوں کی معافی کی

امید سے وہ ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے، تاکہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جائے، اور جب آپ ﷺ گناہوں سے

معصوم ہیں، آپ ﷺ سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا تو پھر آپ ﷺ کو اس قدر مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ عبادت کی صرف یہی ایک غرض نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جب

اس اللہ نے میرے سارے گناہ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادیئے ہیں، اور مجھے منصب نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے، اپنی

بے انتہا نعمتوں سے نوازا ہے، تو اس کا تقاضا ہے کہ میں اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ عبادت کروں، اس میں

خوب محنت و مشقت اور مجاہدہ برداشت کروں اور اس کا شکر گزار بندہ بنوں۔

”ربیع الابرار“ میں حضرت علیؑ کا ایک بہت ہی حکیمانہ قول منقول ہے:

إِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا رِغْبَةً فَبَلَغُوا عِبَادَةَ الشَّجَارِ، وَإِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا رِغْبَةً فَبَلَغُوا عِبَادَةَ الْعَبِيدِ، وَإِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا شُكْرًا فَبَلَغُوا عِبَادَةَ الْأَخْوَارِ (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کرنے والے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

کچھ لوگ عبادت اس غرض سے کرتے ہیں تاکہ انہیں نعمتیں، جنت اور اجر و ثواب وغیرہ حاصل ہو جائے، یہ تاجروں کی عبادت ہے، اس عبادت سے خریداری مقصود ہے، اس دنیا میں عبادت کے ذریعہ گویا قیمت ادا کی جا رہی ہے، آخرت میں اس کا بدلہ مل جائے گا۔

بعض لوگ اللہ جل شانہ کے ڈر اور جہنم کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، یہ گویا غلاموں کی عبادت ہے، جو سختی اور خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں، جیسے نوکروں کا دستور ہوتا ہے۔

اور ایک وہ عبادت ہے جو کسی غرض اور خوف کے بغیر محض اللہ جل شانہ کی نعمتوں کی شکر کی ادائیگی کے لیے کی جاتی ہے، یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے، عبادت کا یہ مقام سب سے اعلیٰ ہے، اس عبادت کو نبی کریم ﷺ سرانجام دے رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے بھی اس شکر یہ کے بارے میں ایک تفصیلی روایت منقول ہے: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی کوئی عجیب ترین بات بتائیں، انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ کی کوئی بات ایسی تھی، جو عجیب ترین نہ تھی، پھر فرمایا کہ ایک رات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے کے لیے ایک مرتبہ میرے گھر تشریف لائے، میرے ساتھ بستر پر لیٹ گئے، کچھ دیر کے بعد مجھ سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ داتا کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، یہ فرما کر کھڑے ہو گئے، وضو کے بعد نماز پڑھنا شروع کر دی اور رونا شروع کر دیا، اتنا روتے کہ سینہ مبارک تک آنسو بہ کر آنے لگے، اس کے بعد رکوع، سجدے اور سجدے سے اٹھ کر بھی خوب روتے رہے، صبح تک آپ ﷺ کی یہی کیفیت رہی، اتنے میں حضرت بلال فجر کی نماز کے لیے بلانے کے لیے آ گئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ﷺ اس قدر کیوں روتے، آپ ﷺ کے تو اللہ جل شانہ نے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: میں ایسا کیوں کرتا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھ پر سورہ آل عمران کا آخری رکوع نازل فرمایا ہے: اِنْفِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الخ۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) مرقاة المفاتیح ۲/۲۶۷، کتاب الصلاة، باب التحریض علی قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۲۲۰، ربیع الابرار و نصوص الاخبار فی للحاضرات لابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری، ۲/۲۹۹ الباب السادس والعشرون: الدین وما یتعلق بہ، بیروت۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خوب اہتمام اور مجاہدہ کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے گناہوں سے پاک صاف ہونے کے باوجود اس قدر زیادہ عبادت کرتے کہ طویل قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوچ جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی زیادہ عبادت سے کوئی تنگی اور آکٹاہٹ نہیں ہوتی تھی، یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے، اس سے احت کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ وہ بھی اپنی ہمت اور طاقت کے بقدر اللہ جل شانہ کی خوب عبادت کیا کریں، مگر اعتدال کے ساتھ، اس میں افراط و تفریط نہ ہو، چنانچہ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خُذُوا مِنْ الْأَعْمَالِ غَاثَ طَيِّبَتَيْنِ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمْلِكُ خَشْيَتُهُنَّ (تم ایسے اعمال کرو جن کی تمہاری اندر طاقت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اجر و ثواب دینے سے نہیں اکتاتے، تم خود ہی عبادت سے تھک جاؤ گے)۔

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقلی نماز یعنی نیک اعمال سے بھی اللہ کا شکر ادا ہوتا ہے، جس طرح کہ زبان سے شکر ادا کیا جاتا ہے۔ (۱)

کیا انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے

اس حدیث میں ہے: وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقْدُمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ، اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب گناہ معاف فرمادیئے ہیں، حالانکہ انبیاء علیہم السلام تو گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان سے تو گناہ صادر ہی نہیں ہوتا۔ نیز قرآن مجید کی بہت سی آیات میں متعدد انبیاء سے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا اور بعض اوقات عتاب کے بغیر ہی ان سے درگزر کر دیا گیا، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، اور حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ، اگر انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں تو پھر اس قسم کے واقعات کا کیا مطلب ہے؟

اس سوال کے مفسرین اور محدثین نے مختلف انداز سے جواب دیئے ہیں، یہاں پر دو جواب ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ سب سے آسان اور بہتر جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے گناہ اس کے درجہ اور مقام کے مناسب ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جو کوتاہیاں شمار کی گئیں، وہ ایسے امور ہیں، جو حقیقت میں گناہ نہیں، بلکہ عین طاعت ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کے اعتبار سے ان کو گناہ شمار کیا گیا ہے، جس کو یوں تعبیر کیا گیا ہے، حَسَنَاتُ الْأَنْبِيَاءِ سَيِّئَاتُ الْمُفْتَزِينَ (نیک لوگوں کی خوبیاں، مفرقین کے لیے گناہ بن جاتی ہیں) مثلاً ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کافر سرداروں سے گفتگو میں مشغول تھے، یہ توقع تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے، یہ بھی ایک نیک کام تھا، اس دوران ایک نابینا صحابی حضرت

عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوئے، انہوں نے کچھ بات کی، اس موقع کے لحاظ سے آپ ﷺ کو ان کا کلام کرنا گراں ہوا کہ ان کی یہ بات ابھی کوئی ضروری نہیں، کفار کو دعوت دینا اس وقت ضروری امر ہے، مگر اللہ جل شانہ کو آپ ﷺ کی یہ اداسد نہ آئی، اس پر آپ ﷺ کو سورہ عبس میں تنبیہ کی گئی، اسی طرح جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے قیدیوں سے بعض اسباب کی وجہ سے فدیہ لینے کا فیصلہ فرمایا، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا، یہ بھی ایک جائز فیصلہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں فدیہ کے بجائے ان کو قتل کر دینا زیادہ پسند تھا، اس لیے آپ ﷺ کے اس فیصلہ پر قرآن مجید میں تنبیہ نازل ہوئی مگر اس فیصلہ کو برقرار رکھا گیا، اسے ختم نہیں کیا گیا۔

۲۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ایسے واقعات کا حاصل بافاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطا و نسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے، کوئی پیغمبر جان بوجہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا، غلطی اجتہادی ہوتی ہے یا خطا و نسیان کے سبب، قابل معافی ہوتی ہے، جس کو اصطلاح شرع میں گناہ نہیں کہا جاسکتا، اور یہ سہو و نسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی، جن کا تعلق تبلیغ و تعلیم اور تشریح سے ہو، بلکہ ان سے ذاتی افعال اور اعمال میں ایسا سہو و نسیان ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا مقام نہایت بلند ہے، اور بڑوں سے چھوٹی غلطی بھی ہو جائے تو بہت بڑی غلطی سمجھی جاتی ہے، اس لیے قرآن حکیم میں ایسے واقعات کو معصیت اور گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر عتاب بھی کیا گیا ہے، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ گناہ ہی نہیں“ (۱)

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ: كَانَ يَتِمُّ أَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُومُ، فَإِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ أَوْتَرُ، ثُمَّ أَتَى فَرَاشَهُ، فَإِذَا كَانَ لَهُ حَاجَةٌ أَلَمَ بِأَهْلِهِ، فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ وَتَبَّ، فَإِنْ كَانَ جُنْحًا أَقَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ، وَالْأَتَوْضَأُ وَخَوَّجَ إِلَى الصَّلَاةِ. (۲)

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز (یعنی تہجد اور وتر) کے بارے میں دریافت کیا (کہ آپ ﷺ کا کیا معمول تھا) انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) رات کے پہلے حصہ میں سوتے تھے، پھر آپ ﷺ اٹھتے تھے، اور تہجد پڑھتے رہتے (اور جب اخیر رات ہوتی تو آپ ﷺ نماز وتر پڑھتے پھر اپنے بستر پر تشریف لے آتے، پھر اگر آپ ﷺ کو (طبعی) ضرورت ہوتی تو اپنی بیوی کے قریب ہو جاتے (یعنی جماع کرتے) جب فجر کی اذان ہوتی تو آپ ﷺ فوراً اٹھتے، پھر اگر آپ ﷺ جنابت کی حالت میں ہوتے تو اپنے اوپر پانی بہاتے (یعنی غسل فرماتے) درنہ وضو فرماتے اور نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ السحرة: (سین اور حا پر زبر) رات کا اخیر، فجر سے کچھ پہلے کا وقت، فراشہ: اپنے بستر پر، الم

(۱) معارف القرآن ۱/۹۵، مسئلہ غصمت انبیاء۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۴۸۔

باہلہ: یہ المام سے ہے: اپنی بیوی کے قریب ہوتے، یعنی بھستری کرتے، ولب: آپ ﷺ نوراً چشتی سے اٹھتے، افاض علیہ من الماء: اپنے اوپر پانی بہاتے یعنی غسل کرتے۔

نبی کریم ﷺ تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ نبی کریم ﷺ رات کے آخری حصے میں نماز تہجد پڑھا کرتے، اللہ جل شانہ کی یاد میں کافی وقت صرف فرماتے اور آخر میں نماز وتر پڑھتے، پھر اہلیہ کے ساتھ لیٹ جاتے، اگر طبیعت چاہتی تو بھستری فرما لیتے، پھر آپ ﷺ آرام فرماتے، اذان فجر سن کر آپ ﷺ قورا اٹھتے، اگر غسل کرنا ضروری ہوتا تو غسل فرما لیتے ورنہ وضو کر کے نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

✽ اطباء کے نزدیک بیوی کے ساتھ بھستری کرنے کا سب سے بہترین وقت اخیر شب ہے، کیونکہ یہ اعتدال کا وقت ہے، آرام کرنے کی وجہ سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے، اگر رات کے شروع میں جماع کیا جائے تو یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت آدمی کا پیٹ عموماً بھرا ہوتا ہے، یہ سب طبی لحاظ سے فوائد کا بیان ہے، ورنہ شرعی لحاظ سے انسان کسی بھی وقت جماع کر سکتا ہے، نبی کریم ﷺ سے رات کے شروع اور دن کے مختلف اوقات میں بھی جماع کرنا ثابت ہے۔

✽ اگر آدمی پر غسل فرض ہو جائے تو جس قدر جلد ہو سکے، غسل کر لینا چاہیے، اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ جس سے انسان کی نماز قضا ہو جائے، جائز نہیں ہے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَهِيَ خَالِفَةٌ قَالَتْ: فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَوْلِهَا، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَجَلَ يَمْسُحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْفُتُوخَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَيْءٍ مَعْلُومٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قَامَ يَصَلِّي، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى فَقَبَّلَهَا فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ - قَالَ مَعْنَى: سِتَّ مَرَّاتٍ - ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَدِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. (۲)

(۱) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۸۲/۲

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۲۳۲۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کریم راوی کو بتایا کہ انہوں نے (بچپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں ایک رات گزاری، فرماتے ہیں کہ میں نکیہ کی چوڑائی پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ (اور ان کی اہلیہ) نکیہ کی لمبائی والے حصہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے، حضور اقدس ﷺ (اپنی اہلیہ سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد) سو گئے یہاں تک کہ جب آدمی رات ہو گئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور کرنے لگے، اور سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر آپ ﷺ مشکیزہ کی طرف اٹھے جو لٹکا ہوا تھا، اس کے پانی سے آپ ﷺ نے وضو کیا، اور اچھی طرح وضو کیا، پھر نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اقدس ﷺ کے پہلو میں یعنی بائیں جانب کھڑا ہو گیا (مقتدی کی حیثیت سے) حضور اقدس ﷺ نے (اس وجہ سے کہ ایک مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے) میرے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا، پھر میرا دایاں کان پکڑا اور اسے مروڑا، پھر حضور اقدس ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے رہے، حدیث کے راوی معین کہتے ہیں کہ چھ مرتبہ نبی کریم ﷺ نے دو دو رکعت نماز پڑھی، (یوں یہ بارہ رکعات ہو گئیں) پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے اور لیٹ گئے، پھر آپ ﷺ کے موذن آئے تو آپ ﷺ اٹھے، اور مختصر قراءت کے ساتھ دو رکعت سنت پڑھیں، پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بات: رات گزاری، اللہ اعلم: ابن عباسؓ نے کریم کو بتایا، فی عرض الوسادة: (غین پر زبر اور راسا کن) نکیہ کی چوڑائی والی جانب پر، یمنع النوم عن وجهہ: اپنے چہرے سے ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور کرنے لگے، شن: (شین پر زبر) مشکیزہ، معلق: لٹکا ہوا، الی جنبہ: آپ ﷺ کے پہلو میں یعنی آپ ﷺ کی بائیں جانب، ففتلھا: پھر آپ ﷺ نے اس کان کو مروڑا، خواتیم: ختام کی جمع ہے: خاتمہ، آخری آیات۔

حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کے رات کے معمولات دیکھے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، وہاں رات گزاری تاکہ نبی کریم ﷺ کے رات کے معمولات دیکھ سکیں، بعض کے بقول حضرت عباسؓ نے ان کو اس مقصد کے لیے بھیجا تھا، رات کو عشاء کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی اہلیہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کچھ دیر گفتگو کی پھر آپ ﷺ لیٹ گئے، نکیہ کی لمبائی والے حصے پر آپ ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے سر رکھا اور نکیہ کی چوڑائی پر حضرت ابن عباسؓ نے سر رکھا، یوں سب حضرات سو گئے، پھر جب آدمی رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد آپ ﷺ بیدار ہوئے، آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور کرنے لگے، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر سورہ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت فرمایا، پھر مشکیزے سے وضو کر کے نماز تہجد پڑھنی شروع کر

دی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، مسئلہ کی رو سے جب ایک ہی مقتدی ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کے کان کو مروڑا اور انہیں گھما کر دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کر کے بارہ رکعات پڑھیں پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے، پھر حضرت بلالؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو سنتیں مختصر قرأت کے ساتھ پڑھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ✽ امام ابو حنیفہؒ اس حدیث سے استدلال کر کے یہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی بارہ رکعات ہیں۔
- ✽ اپنی بیوی کے ساتھ انسان ایک بستر اور تکیہ پر لیٹ سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ ایک بستر پر سویا کرتے تھے۔
- ✽ نیند سے اٹھنے کے بعد آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر نیند کے اثرات دور کرنا ایک مسنون عمل ہے اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر سورہ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت کرنا چاہیے۔
- ✽ ایک مقتدی ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے۔
- ✽ ہمت کر کے تہجد کی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- ✽ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے معمولات اس لیے معلوم کرنا، تاکہ ان کے مطابق ہم بھی شب و روز گذاریں، جائز ہے۔
- ✽ نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز (وتر سمیت کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

دس رکعت تہجد کا ذکر

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی مختلف رکعات نفل کی گئی ہیں، یہ مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہیں،

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح المناویٰ ۸۳/۲

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۳۴۲

وقت میں گنجائش ہوتی تو آپ ﷺ زیادہ رکعات پڑھ لیتے ورنہ کم پڑھ لیتے، تہجد کی رکعات میں کوئی خاص عدد متعین نہیں ہے کہ جس سے کم و بیش جائز نہ ہو، بسا اوقات نبی کریم ﷺ وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود کم رکعتیں پڑھتے مگر ان میں طویل قیام فرماتے، عام معمول آپ ﷺ کا آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا، ابن عباسؓ کی اس حدیث میں دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، یوں یہ تیرہ رکعات ہو جاتی ہیں، بعض کے نزدیک تیرہ میں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہیں تو پھر آٹھ رکعت تہجد، تین وتر اور دو رکعت فجر کی سنتیں ہوں گی۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يَصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذَلِكَ النَّوْمُ، أَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب رات میں تہجد کی نماز نہ پڑھ سکتے، آپ ﷺ کو تہجد سے نیند روک دیتی تھی یا آپ ﷺ کی آنکھیں آپ ﷺ پر غالب آ جاتی تھیں تو دن میں (قضا کے طور پر) بارہ رکعات پڑھ لیا کرتے تھے۔

تہجد کی قضا بارہ رکعتیں

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ رات کو نیند کے غلبہ یا کسی اور وجہ سے اگر کبھی نماز تہجد نہ پڑھ سکتے تو آپ ﷺ زوال سے پہلے بارہ رکعت نفل، تہجد کی قضا کی نیت سے پڑھ لیا کرتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ نماز تہجد نبی کریم ﷺ پر فرض تھی پھر تو اس کی قضا کرنا ظاہر ہے، اور اگر یہ نماز آپ ﷺ پر فرض نہ ہو، بلکہ نفل ہو، تو پھر اس کی قضا کرنا بیان فضیلت کے لیے ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات کو اپنے وظائف اور معمولات پورے نہ کر سکے یا ان میں سے کچھ رہ جائیں تو اسے چاہیے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے تک اس دوران کسی وقت اسے پورا کر لے، یہ ایسا ہی ہے گویا کہ اس نے رات کو یہ معمولات ادا کر لیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان سے کسی دن رات کو تہجد کی نماز رہ جائے، کسی وجہ سے وہ نہ پڑھ سکے، یا اور کوئی وظائف کے معمولات مکمل نہ کر سکے تو زوال سے پہلے انہیں پورا کر لینا چاہیے، انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے کہ پھر انسان کا نفس اسی کا عادی بن جاتا ہے۔

۲۔ اس حدیث میں تہجد کی بارہ رکعات کا ذکر ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح کی احادیث سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشبائل مع شرح للناوی ۸۷۲

(۲) سنن الترمذی، الصلاة وقیم الحديث: ۳۴۳

أَوْ تَوَلَّى ذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً. (۱)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج میں ضرور غور سے دیکھوں گا، چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کے مکان کی، یا فرمایا: آپ ﷺ کے خیمہ کی چوکھٹ کو تکیہ بنالیا، (اور لیٹ گیا، تاکہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی لمبی یعنی بہت لمبی پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں، یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لا رفقن: میں ضرور غور سے دیکھوں گا، تو صدق: میں نے تکیہ بنالیا، عتبہ: (عین اور تاء پر زبر) آپ ﷺ کے گھر کی چوکھٹ کو، او فسطاطہ: (قا پریش اور سین ساکن) یا آپ ﷺ کے خیمہ کو۔

حضرت زید بن خالد نے نبی کریم ﷺ کی تہجد کی نماز دیکھی

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ مدنی صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوذرعہ یا ابو عبد الرحمن یا ابو طلحہ ہے، صلح حدیبیہ اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا حصہ ان کے پاس تھا، صحیحین وغیرہ میں ان کی احادیث روایت کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک ۸۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۲)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بڑا اہتمام کیا، تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کی تہجد کی نماز کا معائنہ کر سکیں، اس کے لیے وہ آپ ﷺ کے گھر یا خیمہ کی چوکھٹ پر لیٹ گئے، یہاں کسی راوی کو شک ہوا کہ گھر کا لفظ تھا یا خیمہ کا، مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ کسی سفر کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے یہ اہتمام کیا، کیونکہ مدینہ منورہ کے قیام میں نبی کریم ﷺ کا معمول اپنی کسی اہلیہ کے ساتھ آرام کرنے کا تھا، ایسے میں حضرت زید کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ گھر کی چوکھٹ پر لیٹ کر نبی کریم ﷺ کی تہجد کی نماز کا معمول دیکھ سکیں، اس لیے حدیث میں کسی سفر کے خیمہ کا ذکر ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات میں سے کوئی نہیں تھیں، اس موقع پر انہوں نے نبی کریم ﷺ کے خیمہ کی چوکھٹ پر رات گزاری اور آپ ﷺ کے رات کے معمولات دیکھے۔

(۱) الصحيح لمسلم ۳۰۶/۱، کتاب صلاة المسافرين وقدم الحديث: ۷۲۸۔

(۲) الاصابة في تمييز الصحابة ۴۹۹/۲، حرف الز اللقطه، رقم الترجمة: ۲۹۰۲۔

۲۔ اس حدیث میں تیرہ رکعات کا ذکر ہے، جو حضرات وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں، ان کے نزدیک چھ مرتبہ دو دور کعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر کی ہے، اس میں شروع کی دو رکعتیں مختصر قرأت کے ساتھ ہوتیں اور اس کے بعد کی دو رکعتیں خوب طویل اور لمبی ہوتیں، اسی وجہ سے حدیث میں تین مرتبہ طویلین کہا گیا ہے، اور احناف کے نزدیک چونکہ وتر کی تین رکعات ہیں، ان کے نزدیک کل پندرہ رکعتیں ہوں گی، حدیث میں شروع کی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی شمار نہیں کی گئیں، اس لیے تیرہ کا ذکر ہے، ان دو رکعتوں کو شمار کر کے پندرہ رکعتیں ہو جاتی ہیں۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْبِيَّهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْبِيَّهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَتَأْمَامُ قَبْلَ أَنْ تَوْبُو؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ: إِنَّ غَيْبَتِي تَنَامَانٍ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. (۲)

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ رمضان کی راتوں میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ (پہلے) چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی عمدگی اور لمبا ہونے کے بارے میں مت پوچھ، پھر آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے، ان کی بھی عمدگی اور لمبا ہونے کا حال مت پوچھ، پھر آپ ﷺ تین رکعت (وتر) پڑھتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔
عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلَى شِقْوَةِ الْأَيْمَنِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات میں گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے، ان میں سے ایک رکعت کے ذریعہ (نماز کو) وتر بنا لیتے تھے، پھر جب وتر سے فارغ ہو جاتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔
عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ. (۴)

(۱) جمع الوسائل فی شرح المسائل مع شرح للناوی ۸۹۲، ۹۰، اللوالب اللدنیۃ علی الشائل للمجملیۃ: ص: ۳۶۸

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۳۳۹۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۳۳۰۔

(۴) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۳۳۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (بسا اوقات) رات میں نو رکعات پڑھا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد کا تھا

۱۔ نبی کریم ﷺ کی تہجد کی کتنی رکعتیں ہوا کرتی تھیں؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، چنانچہ سنن ابی داؤد میں خود حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن ابی قیس کے سوال پر نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز تہجد کی رکعات اس طرح گنوائی ہیں: چار نفل اور تین وتر، چھ اور تین وتر، آٹھ اور تین، دس اور تین، یوں یہ تیرہ رکعات ہو جاتی ہیں، حضرت ابن عباسؓ، اور زید بن خالد جہنی کی روایات میں بھی تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے، امام ترمذیؒ نے شمائل میں ہی بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ کا بھی ذکر ہے، اوپر حضرت عائشہؓ سے ہی ۹ رکعات یعنی چھ نفل اور تین وتر کا ذکر ہے، یوں بظاہر رکعات کی تعداد میں تعارض پایا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض یا اضطراب نہیں، اس بارے میں سب سے صحیح روایت حضرت عائشہؓ کی مذکورہ گیارہ رکعات والی روایت ہے، جس میں چار اور چار یعنی آٹھ رکعات اور تین وتر کا ذکر ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا، مگر مختلف حالات اور اوقات میں طبیعت میں نشاط اور مرض وغیرہ کے لحاظ سے اس تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی، کم از کم چار رکعت نفل ہوتے تھے۔

۲۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کر کے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز تراویح کی آٹھ رکعات مراد ہیں، مگر یہ بات درست نہیں، اس میں نماز تراویح کا نہیں، بلکہ رات کی نماز یعنی نماز تہجد کا ذکر ہے، واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں عبادات میں خوب زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، اس لیے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کو خیال ہوا کہ شاید تہجد کی رکعات میں بھی آپ ﷺ اضافہ فرماتے ہوں گے، اس وجہ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، حضرت عائشہؓ نے نفی فرمادی کہ نبی کریم ﷺ کا رمضان اور غیر رمضان میں عام معمول آٹھ رکعات تہجد پڑھنے کا تھا، اس پر آپ ﷺ اضافہ نہیں فرماتے تھے، ہاں یہ ہوتا تھا کہ کبھی آپ ﷺ رکعات کے قیام کو خوب لبا فرمایا کرتے تھے، اس لیے یہ کہنا کہ اس حدیث میں آٹھ تراویح کا ذکر ہے، کسی بھی طرح درست نہیں، نماز تراویح میں رکعات ہیں، جن کا ثبوت دیگر روایات سے ہے۔

انتم قبل ان توتر، بعض صحابہؓ کو نبی کریم ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم دیا تھا، جبکہ آپ ﷺ وتر سے پہلے سو جایا کرتے تھے، اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا معاملہ الگ ہے، میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے، اس لیے میں وتر سے پہلے سو جاتا ہوں، لہذا اگر کسی کو اس بات کا خطرہ ہو کہ معلوم نہیں اس کی آنکھ رات کے آخری حصے میں کھلے گی یا نہیں؟ تو ایسے بندے کو سونے سے پہلے ہی نماز وتر پڑھ لینی چاہیے، اور اگر رات کے آخر میں بیدار ہونے کا معمول ہو تو پھر وتر کی نماز رات کے آخری حصے میں

(۱) پڑھنا بہتر ہے۔

۳۔ ”تم یصلی ثلاثاً“ اس سے استدلال کر کے احاطہ کہتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں، جس طرح کہ مغرب کی نماز ہے، جبکہ ختابلہ اور شافعیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں دو سلام کے ساتھ ہیں، یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے اور پھر تیسری رکعت فی تحریمہ کے ساتھ الگ پڑھی جائے گی، اور امام مالک کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

یوتر منها بواحدة اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت کے ذریعہ اس نماز کو وتر بنا لیتے تھے، یعنی پہلے جو دو رکعتوں کی ترتیب چل رہی ہوتی تھی، اس میں آخری دو رکعتوں کے ساتھ حریدہ ایک رکعت ملا کر اسے وتر بنا لیا کرتے تھے، صرف ایک رکعت پڑھنا مراد نہیں کہ اس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں، بلکہ اسے صلاۃ تہیۃ یعنی دم بریدہ نماز کہا گیا ہے۔ (۲)

عَنْ حَدِيثِ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ الْبَقْرَةَ، ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعَهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامَهُ نَحْوًا مِنْ رَكَعِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: لِرَبِّي الْحَمْدُ، لِرَبِّي الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سَجْدَهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ عَاقِبَتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنَ السَّجْدَةِ، وَكَانَ يَقُولُ: رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي حَتَّى قَرَأَ الْبَقْرَةَ وَالْإِسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوْ الْأَنْعَامَ، شُعْبَةُ الْوَدَى شَكَّ فِي الْمَائِدَةِ وَالْأَنْعَامِ (۳)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، فرماتے ہیں: جب آپ ﷺ نماز میں داخل ہو گئے یعنی نماز شروع فرمادی تو یہ پڑھا: اللَّهُ أَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ (اللہ بہت بڑا ہے، جو بڑی بادشاہت والا، بڑے غلبہ والا، بڑائی اور عظمت و بزرگی والا ہے) فرماتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے (سورہ فاتحہ پڑھ کر) سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا، چنانچہ آپ ﷺ کا یہ رکوع آپ ﷺ کے قیام جیسا (سبا) تھا، اور آپ ﷺ رکوع میں سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم، (میں اپنے عظمت والے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں) پڑھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا، چنانچہ آپ ﷺ کا یہ قومہ آپ ﷺ کے رکوع جیسا تھا، اور آپ ﷺ لِرَبِّي الْحَمْدُ (میرے پروردگار کے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں) پڑھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ کا سجدہ بھی

(۱) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۹۰/۲

(۲) اوجز المسالك ۳۵۳/۲ عدد رکعات الوتر ودلائل الثلاث

(۳) سنن الترمذی، العملاق، رقم الحديث: ۲۶۲۲

آپ ﷺ کے کھڑے ہونے کے برابر تھا، اور اس میں آپ ﷺ سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ (میں اپنے بلند و برتر پروردگار کی ہر قسم کے عیب سے پاکی بیان کرتا ہوں) پھر آپ ﷺ نے اپنا سر سجدہ سے اٹھایا (اور جلسہ میں بیٹھ گئے) چنانچہ آپ ﷺ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی سجدوں کے برابر تھا، آپ ﷺ اس نشست میں رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي (اے میرے پروردگار میری مغفرت کر دے) مانگتے رہے (یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی اس نماز میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ یا سورہ انعام یہ چاروں سورتیں پڑھیں، شعبہ راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہو گیا کہ مائدہ اور انعام میں سے کوئی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ملکوت: (بیم اور لام پر زبر) عظیم الشان سلطنت، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے لیے خاص ہے، جبروت: (جیم اور باء پر زبر) قدرت، طاقت، غالب، کبریا، عظمت و بڑائی، حیو امن قیامہ: آپ ﷺ کے قیام کے برابر۔

تہجد کی چار رکعتوں میں تقریباً چھ پاروں کی تلاوت

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز تہجد کی چار رکعت خوب طویل پڑھیں، جن میں چار بڑی سورتیں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا انعام میں سے ایک سورت پڑھی، پہلی رکعت میں سورہ بقرہ سے پہلے اگرچہ فاتحہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں، مگر وہ مراد ہے، اس بات کا چونکہ ہر مسلمان کو معلوم تھا، اس لیے راوی نے اسے ذکر نہیں کیا، لیکن مسلم وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نساء تینوں سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھیں، بظاہر یوں دونوں روایتوں میں تعارض پایا جا رہا ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے دو مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے تین سورتیں یعنی سورہ بقرہ، آل عمران اور سورہ نساء ایک رکعت میں پڑھیں اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے تہجد کی چار رکعات میں چار بڑی سورتیں پڑھیں یعنی سورہ بقرہ، آل عمران، نساء اور سورہ مائدہ یا انعام، اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے مختلف معلومات تھے، کبھی ان سورتوں کو ایک رکعت میں جمع فرما لیتے تھے، اور کبھی الگ الگ کر کے پڑھا کرتے، ان میں سے کوئی بھی عمل کیا جاسکتا ہے، اس لیے ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

فکان رکوعہ نحو امن قیامہ (آپ ﷺ کا رکوع قیام جیسا ہی تھا) اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: رکوع بھی اسی قدر لمبا تھا جتنا کہ قیام طویل تھا۔ عام معمول سے رکوع ذرا طویل تھا، قیام کی طرح لمبا نہیں تھا۔

اِنَّهٗ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا ہے، مگر اس سے

نماز تراویح مراد نہیں، کیونکہ تراویح کی نماز دو درود رکعت کر کے پڑھنا مشروع ہے، چار رکعت ایک سلام سے درست نہیں، اس سے نماز تہجد ہی مراد ہے، اس میں حضرت حذیفہؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ جماعت میں یہ نوافل پڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ باقاعدہ لوگوں کو دعوت دیئے بغیر اگر کچھ لوگ نفل نماز کی جماعت کر لیں تو یہ جائز ہے، باقاعدہ لوگوں کو دعوت دے کر نفل نماز کی جماعت مشروع نہیں، نماز تراویح اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس کی جماعت مسنون ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَيْدِيهِ الْقُرْآنَ لَيْلَةً. (٢)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک رات پوری نماز تہجد میں قرآن مجید کی صرف ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے۔

امت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تہجد کی پوری نماز میں حتیٰ کہ رکوع اور سجود میں بھی سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ۱۱۸ بار بار پڑھتے رہے، وہ آیت یہ ہے: **إِن تَعْلَبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَعْفُرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** (اے اللہ! اگر تو ان سب کو عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو آپ زبردست قدرت والے اور حکمت والے ہیں) اس وقت آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت تھی، آپ ﷺ اللہ جل شانہ کی صفت عدل اور مغفرت میں غور فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن ان دو مقتول کا ظہور ہوگا۔

مسند احمد میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت نماز تہجد میں پڑھتے رہے، یہی آیت یعنی ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم، جب صبح ہوئی تو حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ یہی آیت پڑھتے رہے، رکوع اسی سے اور سجدے بھی اسی سے کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی امت کی شفاعت کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرمادی، اور یہ شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی، جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے، اور کہا: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِکَ الَّذِیْ لَیْسَ لَکَ اِلَیْهِ مَرْجِعُ الْعِبَادِ اور آپ ﷺ نے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے علم کے باد جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ پوچھیں کہ آخر آپ کیوں اس قدر رورہے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی مذکورہ بات بتلائی، جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کو بتایا تو اللہ جل شانہ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا کہ جاؤ اور محمد

(١) جمع الوسائل في شرح الشرائع مع شرح المناوي ٩٣/٢، ٩٤.

(٢) مسنن الترمذی، باب ما جاء فی قراءة اللیل، رقم الحدیث: ٢٢٤٠.

مَنْ لِيْلَيْكُمْ سَمِعَهُ دُونَ اِنَّا نَسْتَرْضِيْكَ فَيُفْعَلُ لَكَ وَلَا تَعْوَدُ لَكَ هُمْ مُقْرَبٌ اِلَيْكَ كَوَاثِبِ امْتِكَ بَارِئٌ مِّنْ خَوْشٍ كَرُوْنِ كَمْ، اَنتَ كَوْنًا
خوش نہ کریں گے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایات میں نبی کریم ﷺ نے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ شاکل اور مسند احمد کی مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان تعذیبہم... والی آیت کو رکوع اور سجود میں پڑھا ہے بلکہ بار بار پڑھتے رہے، بظاہر قول و فعل میں تضاد معلوم ہو رہا ہے۔

بشارتین حدیث نے اس کے دو جواب ذکر کئے ہیں:

- ۱۔ ہو سکتا ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے رکوع و سجود میں یہ آیت پڑھی، بلکہ بار بار پڑھتے رہے، اس وقت تک ممانعت کا حکم نازل ہی نہ ہوا ہو، اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا، جس میں رکوع اور سجود میں قرآنی آیت سے پڑھنے سے روک دیا گیا۔
- ۲۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو یہ بتایا کہ رکوع و سجود میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، اسے معمول نہ بنایا جائے، لہذا ممانعت کا یہ حکم ”نبی تحریر“ کے درجہ میں ہے، حرام کے درجہ میں نہیں۔ (۱)

میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگوں اور نبی کریم ﷺ کو تنہا کھڑا چھوڑ دوں، آپ ﷺ اکیلے نماز پڑھتے رہیں۔
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقلہ (میں بیٹھ جاؤں) کا مطلب یہ ہو کہ ان دور کھٹوں کے بعد میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دوں، آپ ﷺ خود کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہیں، میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوں، اس طرح کا ارادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا، اور اس ارادے کو برا اس لیے کہا ہے کہ اس میں ظاہر اے ادبی کا پہلو ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے نکلنے کا سوچا جا رہا ہے، اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے اس میں نماز سے لاپرواہی بھی ہے۔
 حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب طویل قیام کی وجہ سے تھکاوٹ ہو گئی، تو ان کے دل میں اس طرح کا دوسرا اور خیال آیا، لیکن پھر بھی اس خیال کے مطابق انہوں نے عمل نہیں کیا، وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بدستور اس بابرکت نماز میں شامل رہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي خَالِصًا قَفْرًا وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ وَقَدْ رَمَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَامَ قَفْرًا وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ. (۲)
 ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (زمانہ ضعف میں) نماز تہجد بیٹھ کر پڑھتے تو تلاوت بھی بیٹھ کر فرماتے تھے، پھر جب تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر آپ ﷺ کی قراءت باقی رہ جاتی تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر قراءت فرماتے، پھر آپ ﷺ رکوع اور سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے (یعنی دوسری رکعت بیٹھ کر پڑھتے پھر رکوع سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے)

نفل نماز کو کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کمزوری اور ضعف کے زمانے میں نماز تہجد بھی اس انداز سے پڑھا کرتے تھے کہ اس کا آغاز بیٹھ کر فرماتے، پھر طویل تلاوت فرماتے، جب تلاوت کی تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، اس تلاوت کو مکمل کر کے رکوع و سجود فرماتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح ادا فرماتے۔
- اس سے استدلال کر کے چاروں امام فرماتے ہیں کہ نفل نماز میں ایسا کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا شروع کرے، بعد میں کھڑے ہو کر پڑھنے لگے، اور پھر رکوع و سجود کرے تو یہ جائز ہے، اسی طرح اس کا الٹ بھی جائز ہے کہ جو شخص نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کرے، بعد میں بیٹھ کر اسے پڑھنے لگے، اور بیٹھ کر ہی رکوع و سجود کرے، مگر یہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للنواوی ۹۷۲، لخواہ اللدنیہ علی الشائل للمجمدیہ (ص: ۳۸۰)

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۳۷۴

جواز صرف نوافل میں ہے، فرضوں میں جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، اس پر فرض ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ہی فرض پڑھے، اس کے لیے بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اگر بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے تو یہ ایسا ہے جیسے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوافل پڑھے ہوں، آپ ﷺ کو اس پر پورا اجر و ثواب ملتا ہے، جبکہ ایک مسلمان اگر بیٹھ کر نفل نماز پڑھے گا تو اسے اس نماز کا آدھا ثواب ملتا ہے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ، فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا، وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا، فَإِذَا قَرَأَ هُوَ قَائِمًا رَكَعًا وَسَجَدًا وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِذَا قَرَأَ هُوَ جَالِسٌ رَكَعًا وَسَجَدًا وَهُوَ جَالِسٌ. (۳)

ترجمہ: عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز یعنی آپ ﷺ کے نوافل (کی کیفیت) کے بارے میں دریافت کیا؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ رات کے ایک طویل حصہ تک کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے اور رات کے ایک طویل حصہ تک بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، (یعنی کبھی کھڑے ہو کر تہجد پڑھتے اور کبھی بیٹھ کر) اور آپ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے تو رکوع و سجود بھی آپ ﷺ کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے، اور جب قرآن بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع و سجود بھی آپ ﷺ بیٹھنے کی حالت میں ہی ادا فرمایا کرتے۔

نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں

آپ ﷺ کی نماز تہجد کی رکعتیں جس طرح مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھیں، کوئی مخصوص تعداد حتی طور پر متعین نہیں تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی بھی مختلف کیفیتیں اور حالتیں ہوتی تھیں، طبیعت میں جس قدر تازگی اور نشاط ہوتا، اسی طرح اس نماز کی ادائیگی کی کیفیتیں بھی بدلتی رہتی تھیں۔ (۴)

اتنی بات ضرور ہے کہ آپ ﷺ عموماً انتہائی طویل قراءت فرمایا کرتے تھے، یہاں تین حالتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اللوہب اللندیۃ علی شمائل النحمدیۃ (ص: ۲۸۰) شرح المناوی علی خامش جمع الوسائل فی شرح شمائل ۹۸/۲۔

(۲) فتح الباری ۷/۲ کتاب تقصیر الصلاة، باب اذا صلی قاعدًا ثم صبح، رقم الحدیث: ۱۱۱۹۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۳۷۵۔

(۴) اوجز للمسالک ۳۳۲/۲ صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی البوتر۔

رات کے طویل حصہ میں نوافل پڑھنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رات کے ایک طویل حصہ میں آپ ﷺ کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھتے اور ایک طویل حصہ میں ہی کچھ نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے یعنی ایک ہی رات میں کچھ نماز تہجد کافی دیر کھڑے ہو کر اور کچھ نماز کافی دیر بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے۔

کان یصلی لیلاً طویلاً... کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں مختلف راتوں کے لحاظ سے اس نماز کی کیفیت بیان کی گئی ہے، معنی یہ ہیں کہ بعض راتوں میں نبی کریم ﷺ یہ نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرتے، اور بعض راتوں میں آپ ﷺ طویل نماز تہجد بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، اور جب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو رکوع و سجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے، یعنی قیام سے رکوع میں جاتے اور قیام سے ہی سجدے میں تشریف لے جاتے، اور جب آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع فرماتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر ہی ادا فرماتے۔

دوسرے مطلب میں گدرا ہے کہ ”نبی کریم ﷺ جب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو رکوع و سجود بھی قیام کی حالت میں ادا فرماتے، اور جب آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو پھر رکوع و سجود بھی بیٹھ کر ہی پڑھا کرتے“ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مفہوم پچھلی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ طویل قراءت کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھتے، جب آپ ﷺ کی قراءت سے تیس یا چالیس آیتیں باقی ہوتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور باقی قراءت کر کے قیام سے رکوع میں جاتے اور پھر سجدے میں جاتے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب بیٹھ کر نماز تہجد پڑھتے، تو رکوع و سجود بیٹھ کر ادا نہ فرماتے بلکہ کھڑے ہو کر ادا فرماتے، جبکہ اس دوسرے مطلب میں ہے کہ آپ ﷺ جب بیٹھ کر نماز تہجد پڑھتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر ادا فرماتے، یوں ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں ہیں، کبھی آپ ﷺ اس انداز سے نماز تہجد پڑھتے جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے اور کبھی آپ ﷺ اس انداز سے تہجد پڑھتے، جس کا ذکر اس حدیث کے دوسرے مطلب میں بیان کیا گیا ہے، گویا حضرت عائشہؓ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کی تیسری حالت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز تہجد طویل قراءت کے ساتھ پڑھتے، جب کچھ قراءت تیس یا چالیس آیتیں باقی ہوتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور بقیہ قراءت کے بعد قیام کی حالت میں ہی رکوع و سجود میں تشریف لے جاتے اور پھر اسی طرح دوسری رکعت میں پڑھا کرتے، گویا حدیث عائشہؓ میں تہجد پڑھنے کی تیسری حالت کا بیان ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

نماز تہجد میں طویل قیام اور لمبی قراءت کرنا بہتر ہے۔

”عن تطوع“ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز نبی کریم ﷺ پر فرض نہیں تھی، اگر فرض ہوتی تو پھر تطوع یعنی نفل کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔

قیام پر قدرت کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اس پر اسے آدھا ثواب ملتا ہے، مگر نبی کریم ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، آپ ﷺ کو پورا ثواب ملتا تھا، یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (۱)

عَنْ خَفْصَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي فِي سَبْعِينَ قَاعًا، وَيَقْرَأُ بِالشُّوْرَةِ وَيُرْتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلُ مِنْ أَطْوَلِ مِنْهَا. (۲)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی اہلیہ حضرت خفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی کسی سورت کی تلاوت فرماتے اور اس میں ترتیل فرماتے یعنی تمام الفاظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے، یہاں تک کہ یہ سورت اپنے سے زیادہ لمبی سورت سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔۔۔ صبحتہ: (سین پریش اور باساکن) آپ ﷺ کی نفل نماز، اور نواٹل کو ”صبحہ“ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تسبیحات ہوتی ہیں اور کبھی مطلق نماز کو بھی ”صبحہ“ کہا جاتا ہے خواہ نفل نماز ہو یا فرض نماز، یہ تو تھا: اس سورت کو آپ ﷺ ترتیل سے پڑھتے یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرتے پڑھتے، اطول: (میدہ اسم تفضیل) زیادہ لمبا۔ من أطول منها: اس سے زیادہ لمبی سورت سے بھی۔

نبی کریم ﷺ نماز میں ترتیل سے قراءت فرماتے

حضرت خفصہؓ کی یہ روایت یہاں مختصر ہے، امام ترمذی نے کتاب الصلاة میں پوری روایت ذکر کی ہے، حضرت خفصہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، وفات سے ایک سال پہلے آپ ﷺ بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے تھے، اس میں قرآن مجید کی سورت کی ترتیل کے ساتھ قراءت کرتے یعنی خوب اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے ساتھ قراءت فرماتے کہ یہ سورت ایک طویل سورت سے بھی زیادہ لمبی ہو جاتی، مثلاً آپ ﷺ سورہ انفال ترتیل سے پڑھتے، اس میں بہت زیادہ وقت صرف ہو جاتا کہ یہ سورت، سورہ اعراف سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ بڑی سورت کی تلاوت میں نبی کریم ﷺ کس قدر دیر لگاتے ہوں گے، اسی طویل قیام کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے پاؤں مبارک سو ج جاتے تھے، ﷺ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں بھی خوب اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ (۳)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۹۸۷۲، للواهب اللدنیۃ علی الشائل الحمدیۃ (ص: ۳۸۲)

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۳۷۳۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۸۶۲، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الرجل یطوع جالساً، رقم الحدیث: ۳۷۳، للواهب اللدنیۃ علی

الشائل الحمدیۃ (ص: ۳۸۲)، جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۹۸۷۲

أَنَّ غَائِشَةَ أَخْبَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ حَتَّى كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ. (۱)
ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات تک نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اکثر نماز
(تہجد) بیٹھ کر ہوتی تھی۔

آخری عمر میں آپ ﷺ عموماً بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے

نبی کریم ﷺ آخری عمر میں ضعف اور فاقہ کی وجہ سے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، چونکہ طویل قراہت
آپ ﷺ کا معمول تھا، ایسے میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں مشکل پیش آتی تھی، اس لیے آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے
تھے، مگر ثواب آپ ﷺ کو پورا ہی ملتا تھا، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، البتہ فرض نماز آپ ﷺ کھڑے ہو کر پڑھتے
تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَعْتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَ كَعْتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَ كَعْتَيْنِ
بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَ كَعْتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طہر سے پہلے دو رکعتیں، طہر کے بعد
(مسجد میں) دو رکعتیں، اور مغرب کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں دو رکعتیں اور عشاء کے بعد آپ ﷺ کے گھر
میں دو رکعتیں پڑھیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي خَفْصَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَرَ كَعْتَيْنِ حِينَ يُطْلَعُ
الْفَجْرُ وَيُنَادِي الْمُنَادِي قَالَ أَيُّوبُ: وَأَزْأَقَالُ خَفِيفَتَيْنِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المؤمنین) حضرت خفصہؓ نے بیان کیا کہ حضور
اقدس ﷺ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے جب صبح صادق ہوتی اور مؤذن اذان (فجر) دیتا تھا، ایوب سختیانی کہتے
ہیں کہ میرا خیال ہے کہ نافع نے روایت میں خفیفتین بھی کہا ہے، یعنی فجر کی سنتیں نبی کریم ﷺ مختصر قراہت کے
ساتھ پڑھتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: خَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَالِي وَرَ كَعَاتٍ: وَرَ كَعْتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ،
وَرَ كَعْتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَ كَعْتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَ كَعْتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَحَدَّثَنِي خَفْصَةُ بِرَ كَعَتِي

(۱) صحیح ابن خزيمة، رقم الحديث: ۱۲۳۹۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۳۲۵۔

(۳) مسند الامام احمد، رقم الحديث: ۲۶۳۲۲۔

الْفَدَاةُ وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعتیں (سنت مؤکدہ) یاد کی ہیں: دو رکعتیں ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد، ابن عمرؓ فرماتے ہیں: مجھے میری بہن حفصہؓ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے اور میں نے ان دو رکعتوں کو نبی کریم ﷺ سے نہیں دیکھا تھا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثَلَاثِينَ. (۲)

ترجمہ: عبداللہ بن شقیقؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور اقدس ﷺ کے نوافل (یعنی سنت مؤکدہ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں، اور فجر سے پہلے دو سنتیں پڑھتے تھے۔

بارہ رکعات سنت مؤکدہ

احادیث میں بارہ رکعات سنت مؤکدہ منقول ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں ہیں، امام ترمذی نے شمائل کی مذکورہ احادیث میں ظہر سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دو رکعتیں ذکر کی ہیں، ان سے استدلال کر کے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ظہر سے پہلے دو رکعتیں ہیں، احناف کے نزدیک ایک سلام سے ظہر سے پہلے چار رکعتیں ہیں، ان کا ذکر حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کی روایات میں ہے، اور ان چار رکعات کی بہت فضیلت منقول ہے۔ (۳)

وز رکعتین بعد المغرب فی بیتہ، ور رکعتین بعد العشاء فی بیتہ، ان سے یہ قیاس ثابت ہو رہا ہے کہ مغرب اور عشاء کے بعد کی دو سنتیں نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں پڑھتے تھے، مگر ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے یا مسجد میں، اس میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

بعض حضرات کے نزدیک حدیث میں ”فی بیتہ“ کا تعلق تینوں کے ساتھ ہے یعنی ظہر سے پہلے، ظہر کے بعد اور مغرب کے بعد کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے۔

(۱) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۴۳۳۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۴۳۶۔

(۳) أوجز للمالك ۱۳۸/۲، العمل فی جامع الصلاة۔

ملاطی قارئی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ”فی ینتہ“ کا تعلق صرف مغرب کی سنتوں سے ہے، ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتوں سے اس قید کا تعلق نہیں، وہ عموماً آپ ﷺ مسجد میں پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اگر یہ قید سب کے ساتھ ہوتی تو پھر صرف اخیر میں قید ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ عشاء کی سنتوں سے متعلق بھی فی ینتہ ذکر کیا گیا ہے، اس کی تائید صحیح بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں تصریح ہے کہ مغرب اور عشاء کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھا کرتے تھے۔

ولم اکن أراهما من النبي صلى الله عليه وسلم حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے فجر کی دو سنتیں نبی کریم ﷺ سے نہیں دیکھیں، شارحین نے اس کی تین توجیہات ذکر کی ہیں:

دو سنتیں نبی کریم ﷺ چونکہ گھر میں پڑھتے تھے، اس لیے ابن عمرؓ آپ ﷺ کی فجر کی سنتیں نہ دیکھ سکے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے بتانے سے پہلے یہ سنتیں آپ ﷺ سے نہیں دیکھی تھیں، جب انہوں نے ابن عمرؓ کو بتادیا تو اس کے بعد یہ سنتیں دیکھنے کی نوبت آئی، چنانچہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فجر کی سنتوں کا مشاہدہ آپ ﷺ سے کیا ہے، احادیث میں ان کی بہت فضیلت منقول ہے، اس لیے ان سنتوں کو اہتمام سے پڑھنا چاہیے۔ (۱)

علامہ بخاری نے شبراہی سے نقل کیا ہے کہ جن روایتوں میں ابن عمرؓ نے فجر کی سنتیں آپ ﷺ سے دیکھنے کی نفی ذکر کی ہے، ان کا تعلق حالت اقامت سے ہے، کہ اس حالت میں وہ فجر کی سنتیں نہیں دیکھ سکتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ ان سنتوں کو گھر میں اپنی ازواج کے پاس پڑھا کرتے تھے، اور جن روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ ﷺ سے فجر کی سنتیں دیکھی ہیں، وہ سفر سے متعلق ہے کہ دوران سفر انہوں نے آپ ﷺ کو فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۲)

قال ایوب: إراه قال: خفقتين: إلهاء من "و" أو "قال" کی ضمیر "نافع" کی طرف لوٹ رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایوب راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ نافع نے خفقتین کا لفظ بھی کہا ہے یعنی آپ ﷺ فجر کی سنتیں مختصر قرأت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

عَنْ عَاصِمِ بْنِ صَمْرَةَ يَقُولُ: سَأَلْنَا عَلِيًّا، عَنْ صَلَواتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَلِكَ قَالَ: فَقُلْنَا: مَنْ أَطَاعَ ذَلِكَ مَتَى صَلَّى، فَقَالَ: كَانَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيِّئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى وَكُفَّتَيْنِ، وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَهُنَا كَهَيِّئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَيُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ

(۱) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۱۰۰/۲

(۲) المواهب اللدنیة علی السائل للحمیدی (ص: ۳۸۸)

(۳) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۱۰۰، ۹۹/۲

عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالتَّيِّبِينَ، وَمَنْ قَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ. (۱)

ترجمہ: حضرت عاصم بن ضمرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علیؓ سے حضور اقدس ﷺ کے دن کے نوافل (کی کیفیت) کے بارے میں پوچھا، حضرت علیؓ نے فرمایا: تم لوگ اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو؟ عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: ہم میں سے جو شخص اس کی طاقت رکھ سکتا ہوگا، وہ (یہ نوافل) پڑھ لے گا، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: جب سورج صبح کے وقت یہاں پر ہو (مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب سورج اُتتا اور ہو) جیسا کہ سورج کی شکل ہوتی ہے، یہاں پر عصر کی نماز کے وقت (مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب سورج غروب ہونے سے اُتتا بلند ہو، جتنا کہ عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے) اس وقت حضور اقدس ﷺ دو رکعت (نماز اشراق) پڑھتے تھے، اور جب سورج یہاں پر ہو (مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا) جیسا کہ سورج کی شکل ہوتی ہے یہاں پر (مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا) ظہر کی نماز کے وقت تو اس وقت آپ ﷺ چار رکعت (چاشت) پڑھتے تھے، اور ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور دو رکعتوں کے درمیان تشہد کے ذریعہ مقرب فرشتوں، انبیاء کرام اور ہر اس مسلمان اور ایمان والے پر سلام بھیجتے تھے، جس نے انبیاء کی پیروی کی ہے۔

حضرت علیؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے نوافل سے متعلق سوال

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ان کے شاگرد عاصم بن ضمرہؓ نے نبی کریم ﷺ کے دن کے نوافل کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم حضور اکرم ﷺ کی طرح خشوع و خضوع اور اہتمام سے کہاں یہ نوافل پڑھ سکتے ہو، اس سے دراصل حضرت علیؓ ان کو عمل پر تنبیہ فرما رہے تھے، انہوں نے عرض کیا: جس کے بس میں ہو، وہ یہ نمازیں پڑھ سکے گا، ورنہ اسے کم از کم علم ہو جائے گا، تاکہ وہ دوسروں کو بتا سکے اور خود عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے، پھر حضرت علیؓ نے ان کے سامنے پانچ طرح کے نوافل ذکر کیے، جن میں کچھ سنت مؤکدہ بھی ہیں، ان کا حاصل یہ ہے:

۱۔ صبح کے وقت جب آفتاب یہاں پر ہو مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا، جس طرح کہ عصر کے وقت غروب سے پہلے یہاں پر ہوتا ہے مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا، یعنی صبح کے وقت جب سورج آسمان پر اُتتا بلند ہو جائے، جتنا کہ عصر کی نماز کے وقت سورج بلند ہوتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ دو رکعت نماز اشراق پڑھتے تھے۔

۲۔ اور جب مشرق کی طرف سورج اس قدر بلند ہو جاتا، جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے، تو اس وقت آپ ﷺ چاشت کی چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اس سے استدلال کر کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز اشراق اور نماز چاشت دو الگ الگ

نمازیں ہیں۔ (۱)

۳۔ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے، یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۴۔ ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، یہ بھی سنت مؤکدہ ہیں۔

۵۔ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

بالتسلیم علی الصلاۃ... اس ”تسلیم“ سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تسلیم سے یہاں تشہد مراد ہے، اس سے نماز سے نکلنے والا سلام مراد نہیں ہے، اور تشہد کو تسلیم اس

لیے کہا ہے کہ اس میں سلام کا ذکر ہے مثلاً: اَلسَّلَامُ عَلَیْنا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ، ایک اور حدیث میں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں

کہ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے، تو تشہد میں یہ پڑھتے: اَلسَّلَامُ عَلٰی اللّٰہِ مِنْ عِبَادِہٖ، اَلسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ بَرِیِّ

اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَیُّہَا النَّبِیُّ، اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ...، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھتے، جس میں مقرب

فرشتوں، انبیاء کرام اور مخلص مسلمانوں پر سلام بھیجتے تھے۔

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ”تسلیم“ سے نماز والا سلام مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے

کے نوافل میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے تھے۔

پہلے مفہوم کے لحاظ سے چار رکعتیں ایک سلام سے اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے چار رکعتیں دو سلاموں سے پڑھنے

کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ عصر سے پہلے کے یہ نوافل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح سے

ثابت ہیں، لہذا عصر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں، اور چار رکعت بھی، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ چار رکعتیں دو دو کر کے پڑھی

جائیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ومن تبعہم من المؤمنین والمسلمین، ان میں ایمان اور اسلام دونوں کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ

وہ ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے مکمل اطاعت شعار ہیں۔ (۲)

(۱) اوجز المسالك ۱۲۴۳، صلاة الضحیٰ۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۱۰۳/۲

بَاب صَلَاةِ الضَّحَى

یہ باب چاشت کی نماز کے بیان میں ہے

ضحیٰ کی دو نمازیں

فقہاء اور محدثین کے نزدیک نماز اشراق اور نماز ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز، یہ ایک ہی نماز ہے اگر طلوع آفتاب کے عین منٹ کے بعد اسے پڑھا جائے تو یہ نماز اشراق ہے، اشراق کے معنی ہیں: طلوع آفتاب کے بعد صبح کا وہ وقت جس میں دھوپ زمین پر پھیل گئی ہو، اور اگر سورج طلوع ہونے کے ایک گھنٹہ بعد سے زوال سے پہلے کسی بھی وقت اسے پڑھا جائے تو یہ صلاۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کہلاتی ہے۔

ضحیٰ کے معنی ہیں: دوپہر کا وقت جس میں سورج کی تپش سے زمین گرم ہو جاتی ہے، گو یا فقہاء اور محدثین کے نزدیک صلاۃ الضحیٰ کو نماز اشراق بھی کہا جاتا ہے، اور حدیث میں صلاۃ الضحیٰ کو صلاۃ الاوائین بھی کہا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز کہ وہ اس مصروف وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اگرچہ عرف میں اب مغرب کے بعد کے چھ نوافل کے لیے صلاۃ الاوائین کا نام زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

حضرات محدثین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: صلاۃ الاشراق ہی صلاۃ الضحیٰ (نماز اشراق ہی چاشت کی نماز ہے)

لیکن حضرات صوفیاء کرام، علامہ سیوطی اور علی الحسینی فرماتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، ان کا استدلال گذشتہ باب کی آخری حدیث سے ہے، جس کے راوی حضرت عامر بن ممرہ ہیں، اور اس مفہوم کی دوسری روایات جنہیں امام نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ نمازیں ہیں۔ (۱)

اس نماز کے بارے میں بہت کثرت سے صحیح روایات منقول ہیں، بچپن سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے اس نماز کے بارے میں روایات نقل کی ہیں، محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ تو اتر کی حد تک یہ روایات ہیں، اس لیے اس نماز کے ثبوت سے انکار کرنا کسی بھی طرح درست نہیں جمہور کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے، اس نماز کی بہت سی فضیلتیں ہیں، جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام انبیاء پر یہ نماز لازم تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَانَ مَعًا يُسَبِّحُنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے

(۱) اوجز المسالك ۱۲۴/۳، صلاۃ الضحیٰ، معارف السنن ۲۶۷/۴ باب ما جاء في صلاۃ الضحیٰ، فتح اللہم ۲۳۲/۲، کتاب صلاۃ المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ، رقم الحديث: ۱۶۷۱۔

ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں) اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اشراق کا وجوب ختم کر دیا اور عصر کی نماز کو برقرار رکھا، البتہ اس نماز کا استحباب اب بھی ہے۔ (۱)

۲۔ حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (اور ابراہیم نے احکام کی پوری بجا آوری کی) پھر آپ ﷺ نے ابو امامہ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ”وئی“ کا مطلب کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **وَفِي عَمَلٍ يُؤْمِرُ بِهِ بِأَرْبَعٍ وَكَقَاتٍ فِيهِ أَوَّلُ الْقَهَارِ** یعنی انہوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شروع دن میں چار رکعات (نماز اشراق) پڑھ لیں یہ ”وئی“ کا ایک مطلب ہے، اس کی اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں، اس سے بھی بہر حال نماز اشراق کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (۲)

۳۔ اس نماز سے جسم کے تین سوساٹھ جوڑوں کا صدقہ یعنی شکر ادا ہو جاتا ہے، اس کا ذکر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ (۳)

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَرْبَعٌ وَكَقَاتٍ وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ. (۴)

ترجمہ: حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (کم از کم) چار رکعات پڑھتے تھے، اور اس سے زیادہ بھی، جس قدر اللہ جل شانہ چاہتے تھے، آپ ﷺ پڑھ لیتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الضُّحَى سِتًّا وَكَقَاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أَمَّ هَاتِفِي، فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ فَأَغْتَسَلَ فَسَبَّحَ تَعَالَى وَكَقَاتٍ، مَارَ أَيْتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً قَطُّ أَحْفَ مِنْهَا، فَخَبَّرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الزُّكُوعَ وَالشُّجُودَ. (۵)

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے کسی ایسے شخص نے، جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو یعنی کسی صحابی

(۱) روح المعانی ۱۲/۱۷۴، سورہ ص، الکلام علی صلاة الضحی، معارف السنن ۲/۲۶۷، باب ما جاء فی صلاة الضحی۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۳/۳۵۶، سورہ النجم، آیت: ۳۷، ط: بیروت۔

(۳) الصحيح لمسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة الضحی وان اقلها ركعتان... رقم الحديث: ۱۶۷۱۔

(۴) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۱۶۷۱۔

(۵) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحديث: ۵۷۴۳۔

نے یہ بات نہیں بتلائی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے، سوائے ام ہانی کے، انہوں نے (مجھ سے) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے، غسل کیا اور پھر آٹھ رکعت نفل پڑھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر کبھی کوئی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر (اس کے باوجود) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے مکمل ادا فرما رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشت کی نماز کی رکعتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشت کی نماز کی کتنی رکعات تھیں؟ اس بارے میں احادیث میں مختلف تعداد منقول ہے، دو، چار، چھ، آٹھ اور بارہ رکعات، چنانچہ شمائل کی مذکورہ احادیث میں سے حضرت عائشہ کی روایت میں چار، حضرت انس کی روایت میں چھ اور حضرت ام ہانی کی روایت میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے، یہ تعداد مختلف اوقات اور ایام کے لحاظ سے ہے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو، کبھی چار... اور کبھی بارہ رکعات پڑھ لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر معمول چار یا آٹھ رکعات کا تھا، فتح مکہ کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھیں مگر اختصار کے ساتھ، لیکن رکوع اور سجود اپنے معمول کے مطابق اہتمام سے ادا کرتے رہے۔ (۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز کے تین درجات ہیں:

اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، ان کے پڑھنے سے انسان کے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہوتے ہی تمہارے ہر جوڑے پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے، سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اور لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اور اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، اور ان سب کے بدلے میں چاشت کی دو رکعت پڑھ لینا کافی ہے۔

چاشت کی چار رکعات پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سارا دن اس بندے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

آٹھ رکعات اور بارہ رکعتیں، جب سورج اچھی طرح بلند ہو جائے تو اس وقت انہیں پڑھا جائے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ الضُّحَى؟ قَالَتْ: لَا إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ غَيْبَتِهِ. (۳)

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشائل ۶۰۵/۲۔

(۲) فتح اللہم ۶۳۳/۲، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب استحباب صلاۃ الضحی، رقم الحدیث: ۱۶۷۱۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۲۹۲۔

ترجمہ: عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: (معمول کے طور پر تو) نہیں پڑھتے تھے مگر سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی:۔ من غیبتہ: اپنے سفر سے۔

حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت سے متعلق مختلف روایتیں

نماز چاشت سے متعلق حضرت عائشہؓ سے مختلف روایات منقول ہیں، چنانچہ اس باب کی پہلی روایت جو حضرت معاذہ سے منقول ہے، اس میں حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت کا مطلقاً اثبات ہے، اور عبداللہ بن شقیق کی مذکورہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صرف سفر سے واپسی کے وقت نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عروہ کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: مَا رَأَيْتُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّيَ شَيْئًا مِمَّا كَانَ يَصَلِّيهِ قَطُّ (میں نے آپ ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا) اس میں مطلقاً اس نماز کے دیکھنے کی وہ نفی فرما رہی ہیں، حالانکہ وہ خود بڑے اہتمام سے پڑھا کرتی تھیں، بلکہ ایک روایت میں وہ اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی قبروں سے اٹھ کر آجائیں، تب بھی میں نماز چاشت کو ترک نہیں کروں گی، ان کی خدمت کو موخر کر دوں گی، تو پھر ان متعارض روایات سے کیا مراد ہے؟

شامحن حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی جن احادیث میں چاشت کی نماز کی نفی منقول ہے، اس سے دوام کی نفی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ نماز پابندی کے ساتھ اور ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے، اور جن احادیث میں حضرت عائشہؓ سے چاشت کی نماز کا اثبات ہے، ان میں آپ ﷺ کا اکثر معمول مذکور ہے کہ اکثر اوقات آپ ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا، اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ آپ ﷺ یہ نماز سرے سے پڑھتے ہی نہ تھے، کیونکہ چاشت کے وقت عموماً نبی کریم ﷺ مسجد میں ہوتے، یا کسی اور مقام پر تشریف لے جاتے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے اس وقت آپ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (۱)

۳۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت عروہ عن عائشہؓ کی روایت میں نماز اشراق کی نفی مراد ہے، یہ نماز نبی کریم ﷺ مسجد میں پڑھا کرتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی یہ نماز نہیں دیکھی، اس لیے نفی فرمادی، اور عبداللہ بن شقیق عن عائشہؓ کی روایت میں نفی سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ

(۱) فتح اللہم ۶/۲۶۶، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحی، رقم الحدیث: ۱۶۲۲

ﷺ یہ نماز مسجد میں معمول کے طور پر نہیں پڑھتے تھے البتہ جب سفر سے صبح کے وقت تشریف لاتے تو اس وقت چاشت کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے، اور محاذۃ عن عائشہ کی روایت، جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی چاشت کی نماز کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاشت کے وقت گھر میں موجود ہوتے، تو گھر میں یہ نماز پڑھا کرتے، یوں حضرت عائشہ سے نماز چاشت سے متعلق متعارض روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي الضُّحَى حَتَّى يَقُولَ: لَا يَذْغِبُهَا، وَيَذْغِبُهَا حَتَّى يَقُولَ: لَا يَصْلِيَهَا. (۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز (کبھی تو اس قدر اہتمام سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ آپ ﷺ اس نماز کو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور (پھر کبھی) اسے (ایسا) چھوڑ دیتے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اب کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز نہیں پڑھیں گے۔

نماز چاشت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا معمول

نبی کریم ﷺ کوئی بھی نقلی عمل پابندی سے نہیں کرتے تھے، تاکہ وہ عمل امت پر فرض نہ ہو جائے، یہی معمول آپ ﷺ کا چاشت کی نماز کے بارے میں بھی تھا، بسا اوقات اس قدر اہتمام فرماتے کہ صحابہ کہتے یا دل میں سوچتے کہ اب کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز ترک نہیں کریں گے، اور جب اس نماز کو ترک فرمادیتے تو ایسا لگتا تھا کہ آئندہ کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز نہیں پڑھیں گے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پابندی اس لیے نہیں فرماتے تھے کہ کہیں یہ نماز امت پر لازم نہ ہو جائے، جس سے امت کے لوگ حرج اور تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اس سے آپ امداد نہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ کس قدر شفقت تھی، آپ ﷺ کی یہ کوشش ہوتی کہ میری امت پر کوئی ایسا حکم لازم نہ ہو جائے، جس کی ادائیگی میں ان کو دشواری پیش آئے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ کی پابندی اور التزام کی وجہ سے وہ نقلی کام فرض ہو جاتے تھے، امت کے لوگ اگر کوئی نقلی عمل اہتمام سے کریں تو وہ فرض نہیں ہوگا، اس لیے تمام مسلمانوں کو خوب اہتمام سے نقلی عبادات اور چاشت کی نماز پڑھنی چاہیے، (۳)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَذْغِبُ رُكْعَاتِ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ،

(۱) اوجز للمسالک ۱۳۲/۳ صلاة الضحی۔

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۴۷۷۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للنووی ۱۱۰/۲، باب صلاة الضحی۔

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّكَ لَمَذْمُومٌ هَذِهِ الْأَرْبَعُ لَوْ كَعَابَتْ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ: إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تَفْتُحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُزَيِّجُ حَتَّى يَصْلِيَ الظُّهْرُ فَأَجِبْتُ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِي تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ: أَلَيْ كَلِمَةً قِرَاءَةً؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: هَلْ فِيهِمْ تَسْلِيمٌ فَاصْبِرْ قَالَ: لَا. (۱)

ترجمہ: حضرت ابویوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پابندی سے زوال کے وقت چار رکعات پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ زوال کے وقت ان چار رکعتوں کی بڑی پابندی فرماتے ہیں؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک آسمان کے دروازے زوال آفتاب کے وقت کھول دیئے جاتے ہیں، انہیں بند نہیں کیا جاتا، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھ لی جائے، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا کوئی نیک عمل اس وقت میں آسمان پر پہنچ جائے، میں نے عرض کیا: کیا ان کی ہر رکعت میں قراءت ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (قراءت ہے) میں نے عرض کیا: کیا ان میں دو رکعت پر سلام ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں (بلکہ ایک ہی سلام سے چار رکعتیں پڑھی جائیں)۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ: إِنَّهَا سَاعَةٌ تَفْتُحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَأَجِبْتُ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سائبؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ زوال آفتاب کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت میں میرا کوئی نیک عمل (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) پہنچ جائے۔

عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيَهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَعْدُ فِيهَا. (۳)

ترجمہ: حضرت عاصم بن ضمرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور بتایا کرتے کہ حضور اقدس ﷺ بھی زوال کے وقت ان چار رکعات کو پڑھتے تھے، اور ان میں لمبی قراءت پڑھتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔۔۔ یلمن: یہ ”ادمان“ سے ہے، آپ ﷺ پابندی فرماتے، اہتمام سے کرتے، فلا تزیج: (میں مجھول) آسمان کے دروازوں کو بند نہیں کیا جاتا، ان یصعد لی خیر: میرا کوئی نیک عمل آسمان پر چڑھ جائے یعنی پہنچ جائے، تسلیم فاصل: الگ کرنے والا سلام یعنی دو رکعت پر سلام ہو بعد فیہا: آپ ﷺ ان چار رکعات میں لمبی قراءت پڑھتے تھے۔

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۲۷۰۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۷۸۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۲۳۔

زوال کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کی فضیلت

نبی کریم ﷺ زوال کے فوراً بعد چار رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے، اس نماز کے لیے آپ ﷺ بڑا اہتمام فرماتے تھے، اس پابندی اور اہتمام کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ ان چار رکعت کی بہت مواظبت اور پابندی فرماتے ہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، میں اس وقت یہ نماز اس لیے پڑھتا ہوں، تاکہ میرا یہ عمل آسمان پر پہنچ جائے، اور اللہ کے ہاں قبول ہو جائے۔

بہت سی احادیث میں زوال کے بعد ان چار رکعات کی فضیلت منقول ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات اسے ”صلاة الزوال“ یعنی زوال کی نماز کے نام سے ذکر کرتے ہیں، ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور فرمایا کہ یہ ایسی اہم نماز ہے کہ اسے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی بڑے اہتمام اور پابندی سے پڑھتے تھے۔

ان چار رکعات سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- ۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان چار رکعات سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں مراد ہیں۔
- ۲۔ جبکہ بہت سے حضرات کے نزدیک ان سے چار نوافل مراد ہیں، جنہیں آپ ﷺ زوال کے بعد اہتمام سے پڑھتے تھے، ظہر سے پہلے کی چار سنتیں مراد نہیں، ان کی ماہی جگہ فضیلت ضرور ہے، مگر مذکورہ احادیث میں ان چار رکعات سے زوال کی چار رکعتیں مراد ہیں۔

حَلَّ فِيهِمْ تَسْلِيمٌ فَاصِلٌ قَالَ: لَا. وَنَ الْوَقْلُ فِي چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا بہتر ہے یا دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے؟ اس میں دو نقطہ نظر ہیں:

✽ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ دن کے نوافل میں چار رکعات کو ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ نوافل خواہ رات کے ہوں یا دن کے، انہیں دو دو کر کے پڑھا جائے، کیونکہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں حدیث ہے: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي (رات اور دن کی نفل نماز دو دو رکعت ہے) جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دن اور رات میں چار چار رکعت کر کے نفل پڑھنا بہتر ہے، اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک دن کے نوافل امام صاحب کی طرح چار رکعت کر کے پڑھنا بہتر ہے اور رات میں افضل یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعت کر کے پڑھا جائے۔

نبی کریم ﷺ ان چار رکعات میں لمبی قراءت پڑھتے تھے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس نماز میں طویل قراءت کی جائے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ مذکورہ تین احادیث میں تو صلاۃ الفرضی کا ذکر نہیں، بلکہ زوال کے بعد کی چار رکعات کا ذکر ہے تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان احادیث کو باب صلاۃ الفرضی کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟ شارحین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

✽ اس نماز کا وقت چونکہ چاشت کی نماز کے بعد ہے، کیونکہ زوال تک چاشت کا وقت ہوتا ہے اور زوال کے بعد ان چار رکعات کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس لیے امام ترمذی نے ضمانت میں تین احادیث کو بھی چاشت کی نماز کے باب میں ذکر کر دیا۔ (۱)

✽ علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں یہ تین احادیث ”باب العبادۃ“ میں مذکور ہیں، اصل ان کا مقام وہی باب ہے، کسی کاتب نے غلطی سے باب صلاۃ الفرضی میں انہیں لکھ دیا ہے۔ (۲)

بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

یہ باب اس حدیث کے بیان میں ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا گھر میں نفل نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي بَيْتِي وَالصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ: قَدْ تَرَى مَا أَقْرَبَ بَيْتِي مِنَ الْمَسْجِدِ، فَلَأَنْ أَصَلِّيَ فِي بَيْتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَلَاةً مَكْنُونَةً. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے اپنے گھر اور مسجد میں (نفل) نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا؟ (کہ ان میں بہتر کیا ہے؟) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر کس قدر مسجد کے قریب ہے (لیکن اس کے باوجود) مجھے اپنے گھر میں (نفل) نماز پڑھنا، مسجد میں پڑھنے سے زیادہ پسند ہے الا یہ کہ فرض نماز ہو (تو وہ مسجد میں ہی پڑھتا ہوں)

مشکل الفاظ کے معنی :- ما اقرب: اتم تفضیل فعل تجب ہے: کس قدر قریب ہے، کتنا قریب ہے، لان اصلی فی بیتی: میرا گھر میں نماز پڑھنا، احب الی: (اتم تفضیل) مجھے زیادہ پسند ہے۔

نبی کریم ﷺ نوافل عموماً گھر میں پڑھا کرتے

حضرت عبداللہ بن سعدؓ نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے یہ دریافت کیا کہ نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں؟

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشئائل مع شرح النواوی ۱/۲۲۷۔

(۲) المواہب اللدنیۃ علی الشئائل للحمیدی (ص: ۴۹۷)۔

(۳) شرح معانی الآثار ج: ۱/ص: ۳۳۹/رقم الحدیث: ۱۹۹۳، باب التطوع فی المساجد

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرائض کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے، تم جانتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، مگر اس کے باوجود نوافل یعنی فرائض کے علاوہ باقی نمازیں میں عموماً گھر میں پڑھتا ہوں اور مجھے یہی پسند ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عمل اور آپ ﷺ کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ تطوع یعنی فرائض کے علاوہ سنن اور نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، تاکہ نماز کی برکات سے گھر کے ماحول میں نورانیت پیدا ہو، گھر کے دیگر افراد اور بچے بھی یہ نماز سیکھیں، اور ان میں شوق پیدا ہو، یوں انسان کا یہ عمل ریاکاری اور نام و نمود سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اس میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، گھر میں اس کی وجہ سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور شیطان دور ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان مت بناؤ کہ جس طرح قبرستان میں نماز کا ماحول نہیں ہوتا، تم لوگ گھر میں ایسا ماحول نہ بناؤ، ایک اور حدیث میں فرمایا کہ سب سے افضل وہ نماز ہے، جسے گھر میں پڑھا جائے الا یہ کہ فرض نماز ہو، تو اسے مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے، کیونکہ یہ شعار اسلام میں سے ہے، اسی طرح زکوٰۃ، واجب صدقات اور فرض روزوں میں اظہار مقصود ہوتا ہے، تاکہ دوسرے لوگ بھی ان پر عمل کریں، البتہ فرائض کے ساتھ ساتھ ان نمازوں کو بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے: تحیۃ الوضوء، کعبہ کے طواف کی دو رکعتیں، نماز تراویح اور اسی طرح ہر وہ نماز، جو جماعت سے ادا کی جاتی ہے، جیسے سورج گرہن کی نماز وغیرہ کیونکہ ان نمازوں میں اظہار مقصود ہوتا ہے، ان لیے اس طرح کی نمازوں کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث کے بارے میں ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کے روزوں کا بیان ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صِيَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ يَصُومُ حَتَّى يَقُولَ قَدْ صَامَ، وَيُفْطِرُ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ. قَالَتْ: وَمَا صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كاملاً منذُ قَدِيمِ الْمَدِينَةِ إِلَّا رَمَضَانَ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ (کبھی اس قدر مسلسل) روزے رکھتے تھے کہ ہم کہتے کہ اب آپ ﷺ (ہمیشہ) روزے رکھیں گے، اور (کبھی مسلسل) آپ ﷺ افطار فرماتے تھے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ اب تو آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اور نبی کریم ﷺ جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے، رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے تمام روزے نہیں رکھے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح للناوی ۱۱۵۲ھ

(۲) بسنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۶۸۔

عن أنس بن مالك، أنه سئل عن صوم النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: كان يصوم من الشهر حتى تری أن لا یریذ أن یفطر منه، ویفطر منه حتى تری أن لا یریذ أن یصوم منه شیئا، وكنت لأتشاء أن تراه من اللیل مضطجاً إلا زائفة مضطجاً، ولا نائماً إلا زائفة نائماً.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ (بسا اوقات) کسی مہینے میں اس طرح مسلسل روزے رکھنا شروع فرماتے کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کا اس مہینے میں روزہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے، اور کسی مہینے میں ایسا مسلسل انظار فرماتے تھے، جس سے ہم یہ سمجھتے کہ آپ ﷺ اس مہینے میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے، اور آپ رات کے جس حصے میں نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے، دیکھ سکتے، اور جس حصے میں سوتا ہوا دیکھنا چاہتے، دیکھ سکتے، (یعنی نبی کریم ﷺ نے رات کے ہر حصے میں تہجد کی نماز پڑھی ہے)۔

عن ابن عباس قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصوم حتى نقول ما يريد أن يفطر منه، ويفطر حتى نقول ما يريد أن يصوم منه، وما صام شهرًا كاملاً منذ قدم المدينة إلا رمضان. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) نبی کریم ﷺ (اس طرح مسلسل نقلی) روزہ رکھنا شروع فرماتے کہ ہم سوچتے تھے: اس مہینے میں آپ ﷺ کا ارادہ کوئی روزہ چھوڑنے کا نہیں ہے، اور کسی مہینے میں آپ ﷺ روزہ ہی نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگتے: آپ ﷺ کا اس ماہ میں روزہ رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور جب سے نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں رمضان کے علاوہ آپ ﷺ نے کسی بھی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے۔

نبی کریم ﷺ کے نقلی روزوں کے معمولات

نبی کریم ﷺ رمضان کے روزوں کے علاوہ نقلی روزوں کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے، حالات اور طبیعت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے معمولات بدلتے رہتے تھے، مذکورہ احادیث میں بھی آپ ﷺ کے نقلی روزوں کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ بسا اوقات اس قدر مسلسل اور متواتر نقلی روزے رکھنا شروع فرماتے کہ صحابہؓ یہ سمجھنے لگتے کہ اس مہینہ میں آپ ﷺ روزہ ترک نہیں فرمائیں گے، اور کسی ماہ آپ ﷺ نقلی روزے نہ رکھتے، جس سے صحابہؓ کو یہ گمان ہوتا کہ اب آپ ﷺ اس مہینہ میں بالکل روزے نہیں رکھیں گے، شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

(۱) الصحيح لمسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، رقم الحدیث: ۱۷۴۔

روزہ جس طرح ایمان اور روحانی ترقی کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ جسمانی صحت کے لیے بھی مفید ہوتا ہے، اسے دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اور دوا میں آپ جانتے ہیں کہ اسے کبھی مسلسل استعمال کرنا مفید ہوتا ہے، اور کبھی وقفہ کے ساتھ، اور کبھی اسے ترک کر دیا جاتا ہے، مذکورہ احادیث میں اسی اصول کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے، اور کبھی مسلسل افطار فرماتے تھے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے، اور ایسا بھی نہ ہوتا کہ پورے مہینے میں کسی بھی دن روزہ نہ رکھا ہو، ہر ماہ کچھ روزے بھی رکھا کرتے اور کچھ دن بغیر روزے کے گزرتے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اعتدال اور میانہ روزی کا درس دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خصوصی معمولات تھے مثلاً ہر اورچ جمعرات کا روزہ، ایام بیض کے روزے یعنی اسلامی مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ، ذی الحجہ کے نو روزے وغیرہ، کبھی ایسا ہوتا کہ سفر یا کسی اور عارض کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ روزے نہ رکھ سکتے تو بعد میں اس کی تلاقی فرماتے کہ اتنے ہی دن بعد میں ان روزوں کی قضا کر لیتے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصی عادت تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نقلی عبادت شروع فرماتے، تو اس پر پابندی فرماتے، جس طرح اگر کبھی تہجد کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہ جاتی، تو چاشت کے وقت اسے پڑھ لیا کرتے، چنانچہ یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے روزے معمول کے رہ جاتے تو ان کو بعد میں رکھ لیتے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گانا روزے رکھنے کی نوبت آ جاتی تھی۔

۲۔ حضرت انسؓ کی حدیث میں رات کے نوافل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی انہیں رات کے پہلے حصے میں پڑھتے، کبھی آدمی رات میں اور کبھی رات کے آخری حصے میں، اس لیے جو شخص رات کے جس حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے یا سوتا ہوا دیکھتا چاہتا، تو دیکھ سکتا تھا لہذا اگر کوئی یہ چاہتا کہ میں رات کے پہلے حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن اسے یہ موقع بھی حاصل ہو جاتا اور اگر سوتا ہوا دیکھتا چاہتا تو کبھی وہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتا ہوا بھی دیکھ لیتا، دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کے امور میں اس قدر متفکر رہتے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں کئی بار اٹھ کر نماز پڑھتے، پھر سو جاتے پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور پھر سو جاتے، یوں رات کے مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے، تاکہ رات کے ہر حصہ میں اللہ جل شانہ کی عبادت نامہ اعمال میں لکھی جائے۔ (۱)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: مَرَّ آيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصُومِ شَهْرَيْنِ مُتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ. (۲)
ترجمہ: حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان اور رمضان کے علاوہ دو ماہ مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمْ أَرِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ لِلَّهِ فِي شَعْبَانَ، كَانَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح المناوی ۱۲۰/۲، ۱۲۱، الواهب اللدنی علی الشرائع للمحمدیہ (ص: ۵۰۳)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۳۶۔

يُصُومُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيلًا لَّهِلَّ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے، بلکہ (یوں کہتے کہ گویا) آپ ﷺ پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ شعبان میں اکثر روزے رکھتے تھے

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے علاوہ شعبان کے مہینے میں بہت زیادہ نفل روزے رکھا کرتے تھے، بلکہ حضرت عائشہؓ نے بڑے مبالغہ سے بیان کیا کہ گویا آپ ﷺ شعبان کا پورا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے، اس کی وجہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی کہ اس مہینے میں ایک ایسا دن ہے، جس میں سال کے اعمال اللہ جل شانہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ مگر یہ ذہن میں رہے کہ ایک عام مسلمان کے لیے حکم یہ ہے کہ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھے، تا کہ وہ رمضان کے روزوں کے لیے تیار ہو جائے، البتہ جو شخص پیر اور جمعرات کا روزہ معمول کے طور پر رکھتا ہو، وہ اپنا معمول جاری رکھ سکتا ہے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يَفْطُرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزے رکھا کرتے تھے، اور جمعہ کے دن بہت کم انظار فرماتے تھے۔

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قُلْتُ: مِنْ أَيِّهِ كَانَ يَصُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ لَا يُبَالِي مِنْ أَيِّهِ صَامَ. (۴)

ترجمہ: حضرت معاذہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (رکھتے تھے) میں نے عرض کیا: مہینے کے کون سے دنوں میں آپ ﷺ روزہ رکھتے

(۱) سنن الترمذی، الصوم، رقم الحدیث: ۷۳۷۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۲۱/۲۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۳۲۔

(۴) سنن الترمذی ۱۳۵/۳، رقم الحدیث: ۷۳۳، صوم ثلاثہ ایام من کل شہر، احیاء التراث العربی بیروت۔

تھے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے کے لیے دنوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، (یعنی دن اور تاریخ کی تعیین کے بغیر تین روزے رکھتے تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ غرہ: (غین پر پیش اور راپرز برؤشدید) مہینہ کا شروع، من ایہ کان یصوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس دن روزہ رکھا کرتے، لایالی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرواہ نہ کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اور ہر مہینے میں تین روزہ رکھا کرتے

مذکورہ احادیث میں دو امور کا ذکر ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے تھے، اور مسلمانوں کو بھی ان کی ترغیب دی ہے، اور ہر نیکی چونکہ دس گنا ہوتی ہے، اس سے تین روزے کو یا پورے مہینے کے روزوں کے برابر ہیں، یہ تین روزے مہینے کی کوئی تاریخ میں ہوتے ہیں؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، مگر ان میں کوئی تعارض نہیں، کبھی یہ تین روزے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے شروع میں ہی رکھ لیتے، کبھی ہر پیر اور جمعرات کے دن، کبھی ایام بیض یعنی اسلامی مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ میں، حتیٰ طور پر کوئی تعیین نہیں تھی، حالات اور موقع کی مناسبت سے جب مناسب ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ روزہ رکھ لیا کرتے، اسی وجہ سے دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ نے حضرت معاذہ کے سوال پر دنوں کی تعیین سے انکار کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنوں کی تعیین کی پرواہ نہ فرماتے، جب موقع ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین روزے رکھ لیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جمعہ کے دن روزہ رکھا کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے، مگر اس دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا پسندیدہ نہیں، ایک اور حدیث میں اس شخص سے منع کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس روزے کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَوَّى صَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ۔ (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ فِي شَهْرِ أَكْثَرِ مِنْ صِيَامِهِ فِي شَعْبَانَ۔ (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: تَغْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَأَجِبْتُ أَنْ يَغْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۱/۱۲۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۵

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۷

(۱) ضمیمہ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا اور جمعرات کے دن اللہ جل شانہ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، لہذا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: یعنی حوری: اہتمام فرماتے، قصد فرماتے، تعرض: (میضہ مجہول) پیش کیے جاتے ہیں۔

اللہ کے سامنے تین بار اعمال کی پیشی

مذکورہ احادیث میں ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن انسانوں کے اعمال اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، پیر کے دن کی خاص طور پر اس لیے بھی اہمیت ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے اور اس دن آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال تین بار اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

روزانہ رات دن کے اعمال اللہ جل شانہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

پھر ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

اور پورے سال کے اعمال پندرہ شعبان اور لیلة القدر میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اور اللہ کے سامنے بار بار ان اعمال کو پیش کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کی فضیلت کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ فرشتوں نے حضرت آدم کی پیدائش کے وقت یہاں تک کہا تھا کہ آپ ایک ایسی مخلوق پیدا فرما رہے ہیں، جو دنیا میں جا کر قتل و خونریزی اور فساد برپا کرے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اعمال کے ذریعہ فرشتوں کے سامنے تقاضا فرماتے ہیں کہ یہ میرے نیک بندے ہیں، ورنہ اللہ جل شانہ ہر شخص کے ہر عمل سے ہر وقت واقف ہیں، ان کے سامنے اعمال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۲)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَضُومُ مِنَ الشَّهْرِ: السَّبْتِ وَالْاِخْدَ وَالْاِثْنَيْنِ، وَمِنْ الشَّهْرِ الْاُخَرِ: الْاَثْنَاءَ وَالْاَرْبَعَاءَ وَالْخَمِيسَ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کبھی) ہر مہینے کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کو روزہ رکھ لیتے، اور دوسرے ماہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کو (روزہ رکھ لیتے)

(۱) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۷۴۷

(۲) اللوہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۰۸) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۲۶/۲۔

ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا مسنون طریقہ

نبی کریم ﷺ اہتمام سے ہر مہینہ میں تین روزے رکھا کرتے، اس کے لیے ایام اور تاریخ متعین نہیں تھی، کبھی مہینہ کے شروع میں، کبھی وسط میں اور کبھی مہینہ کے آخر میں روزے رکھ لیتے، اسی طرح ہفتہ کے ایام بھی متعین نہیں تھے، ایک مہینہ میں یہ روزے ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن رکھ لیتے اور پھر اگلے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے، تاکہ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ ہو جائے، اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کے روزے کا ذکر نہیں مگر اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ کبھی آپ ﷺ جمعہ کے دن بھی نفلی روزہ رکھتے تھے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا افْطَرَضَ رَمَضَانَ كَانَ رَمَضَانَ هُوَ الْقَرِيبَةُ وَتُرْبُكُ عَاشُورَاءُ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور حضور اکرم ﷺ بھی (ہجرت سے پہلے تطوعاً) یہ روزہ رکھا لیا کرتے تھے، پھر جب نبی کریم ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے خود بھی یہ روزہ (اہتمام سے) رکھا اور (امت کو بھی) اس روزے کا (وجوباً) حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو رمضان کے روزے ہی فرض ہو گئے اور عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا گیا (یعنی اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، اب وہ ایک مستحب روزہ ہے) لہذا جو چاہے، یہ روزہ رکھ لے اور جو چاہے، اسے نہ رکھے۔

نبی کریم ﷺ دس محرم کا روزہ رکھا کرتے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی ہجرت سے پہلے تطوعاً یہ روزہ رکھتے تھے، اس کے بعد جب مدینہ منورہ کی طرف آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، تو اس کے بعد اس امت پر یہ روزہ فرض ہو گیا، آپ ﷺ بھی بڑے اہتمام سے یہ روزہ رکھا کرتے اور مسلمانوں کو بھی اس روزے کا لازمی طور پر حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے اس امت پر فرض ہو گئے تو دس محرم کے روزے کا وجوب تو منسوخ ہو گیا، مگر اس کا استحباب اب بھی باقی ہے، انسان کی مرضی ہے، چاہے تو یہ روزہ رکھ لے اور چاہے تو روزہ نہ رکھے۔

(۱) اللوہب اللدنیۃ علی الشائل المحمدیۃ (ص: ۵۰۹)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۵۳۔

عاشوراء کے روزے کی فضیلت سے متعلق بہت سی احادیث منقول ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور دس محرم میں روزہ رکھنے سے ایک سال کے (صغیرہ) گناہ معاف ہوتے ہیں، اس دن میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں، مثلاً: حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی، حضرت نوح کی کشتی جو دی پہاڑ پر آئی تو انہوں نے شکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا، اس دن حضرت موسیٰ کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوا تھا، اس دن میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے، اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے، اسی دن حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا گیا، اور اسی دن ان کی امت کا تصور معاف ہوا، اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، غرض یہ کہ یہ بہت عظمت والا دن ہے، کہتے ہیں کہ اس دن میں جانور بھی روزہ رکھتے ہیں،

دیکھیں کس قدر فضیلت والا یہ دن ہے، مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس دن کو رسم و رواج اور فضول چیزوں میں گزار دیتے ہیں، اس کی قدر نہیں کرتے، اسی فضیلت کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں بھی قریش دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، جس کے شکر یہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا، اس لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ حضرت موسیٰ کی اتباع کے تم سے زیادہ حذر ہیں، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے وحی کے ذریعہ یا اپنے اجتہاد سے خود بھی یہ روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا وجوہ حکم دیا، اس وقت دس محرم کا روزہ فرض تھا، پھر رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی، اس کا مستحب ہونا اب بھی باقی ہے، مگر یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ دس محرم کے روزے کے ساتھ نو محرم یا گیارہ محرم کا روزہ رکھا کرو، کیونکہ یہود صرف دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ (۱)

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصُ مِنَ الْأَيَّامِ شَيْئًا؟ قَالَتْ: كَانَ

عَمَلُهُ دِيمَةً، وَأَيْكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيقُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ (نقلی عبادت کے لیے)

ایام میں سے کسی دن کو مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: (کہ نہیں) نبی کریم ﷺ کے اعمال راہی ہوتے

تھے، اور تم میں سے کون اس عمل کی طاقت رکھتا ہے، جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے۔

(۱) فتح الباری ۳/۳۱۰، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، رقم الحدیث: ۲۰۰۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح

لننوی ۱۲۹/۲، اللوہب اللغنی علی الشمائل للحمینی (ص: ۵۱۱)

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۶۰۔

نبی کریم ﷺ نفلی اعمال میں بھی دوام اختیار فرماتے

حضرت عائشہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نفلی عبادات یعنی روزوں کے لیے کسی دن کو متعین فرماتے تھے؟ مثلاً پیر کو روزے کے لیے خاص کر لیتے ہوں کہ اس میں ضرور روزہ رکھتے ہوں، کبھی افطار نہ کرتے ہوں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اس طرح نفلی روزوں کے لیے دنوں کو متعین نہیں فرماتے تھے، البتہ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ جو نفلی کام شروع فرماتے، اس پر اہتمام سے عمل فرماتے، مداومت فرماتے، نہایت خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے، تم لوگ اس قدر مداومت اور اہتمام کی طاقت نہیں رکھتے، جتنا کہ نبی کریم ﷺ اپنے معمولات کو پابندی اور اہتمام سے ادا فرماتے، اور جو معمول رہ جاتا، اسے دوسرے وقت میں ادا فرمالیتے، چنانچہ اسی اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ پیر، جمعرات اور ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال وجواب ان تین روزوں سے متعلق ہے جو آپ ﷺ ہر مہینے میں رکھا کرتے تھے، سائل نے یہ سمجھا کہ یہ ایام بیض کے روزے ہیں، مقصد یہ تھا کہ کیا نبی کریم ﷺ یہ تین روزے ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ میں رکھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اس طرح تعین نہیں تھی، کبھی ان دنوں میں آپ ﷺ یہ تین روزے رکھتے اور کبھی مہینے کے دیگر ایام میں یہ روزے رکھ لیتے، ہاں آپ ﷺ دوام اور اہتمام سے تین روزوں پر عمل پیرا رہتے، جس کی تم لوگوں میں طاقت اور ہمت نہیں، اس میں بھی امت کے لیے آسانی ہے، کہ وہ پورے مہینے میں جب بھی یہ تین روزے رکھنا چاہیں، رکھ سکتے ہیں، اس سے اس سنت پر عمل ہو جائے گا۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: فَلَانَةٌ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَلَّاهُ لَا يَمْلَأُ اللَّهُ حَتَّى يَمْلَأُوا، وَكَانَ أَحَبَّ ذَلِكَ إِلَيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ فلانی عورت ہے، جو رات بھر نہیں سوتی، (نوافل میں مشغول رہتی ہے) اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں ایسے (نفلی) اعمال اختیار کرنے چاہئیں جن کی تم لوگ طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ (اجر و ثواب دینے سے) نہیں اکتاتے یہاں تک کہ تم لوگ (عمل کرنے سے) اکتا جاؤ گے (یعنی ہمت ہار بیٹھو گے) اور نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب

(۱) فتح الباری ۲/۲۹۶، کتاب الصوم، باب هل يخص شيئاً من الأيام، رقم الحديث: ۱۹۸۷

(۲) إشار إليه الترمذی فی مستدرک فی آخر حديث: ۲۸۶۰۔

سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر عمل کرنے والا آدمی دوام اور پابندی کرے۔

عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، وَأُمَّ سَلَمَةَ، أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتَا: مَا دِيمَ عَلَيْهِمْ وَإِنْ قَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابوصالحؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسندیدہ تھا؟ ان دونوں نے فرمایا: وہ عمل جس پر دوام اور پابندی کی جائے، خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- فلائذ: یہ لفظ ”عظم“ سے کنایہ ہے، اس لیے یہ غیر منصرف ہے، دوسری روایت میں ہے کہ یہ قیلہ بنی اسد کی خاتون تھی، جس کا نام حولاء بنت ثویت تھا۔ علیکم: یہ اسم فعل ہے، امر کے معنی میں ہے، یعنی: الزموا: تم پر لازم ہے، یہ خطاب اگرچہ خواتین سے تھا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے عقیقہ کے بجائے علیکم فرمایا، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ حکم پوری امت کے لیے ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، لا یمل: اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے یعنی اجر و ثواب دینے سے نہیں گھبراتے، حتیٰ تملوا: یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ گے یعنی تم ہی ہمت ہار بیٹھو گے، تھک جاؤ گے ما دیم علیہ: وہ عمل جس پر دوام اور پابندی کی جائے۔ (۱)

نقلی عبادات میں اعتدال کا حکم

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک خاتون یعنی حضرت حولاء بنت ثویت بن حبیب بن عبد العزیٰ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، اپنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر و فکر، تلاوت اور نوافل میں مشغول رہتی ہیں، پوری رات نہیں سوتیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نقلی اعمال نماز، روزہ وغیرہ اسی قدر اختیار کرنے چاہئیں، جن کی انسان میں طاقت ہو، اپنی ہمت سے بڑھ کر ساری رات جاگ کر عبادت میں مشغول رہنا، یہ اپنی جان پر زیادتی ہے، یہ شوق اور جذبہ زیادہ عرصہ نہیں رہتا، انسان اکتا جاتا ہے، ہمت ہار بیٹھتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب دینے سے نہیں جھکتے، اس لیے اپنی ہمت سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، اس حدیث سے درج ذیل قواعد ثابت ہوتے ہیں:

نقلی عبادات نماز روزے اور ذکر وغیرہ میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنا چاہیے، اپنی ہمت سے بڑھ کر نقلی عبادات میں مشغول رہنے سے عموماً فرائض و واجبات اور روزمرہ کے کاموں میں حرج واقع ہو جاتا ہے، اس لیے یہ طریقہ اختیار کرنا شریعت میں پسندیدہ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نفل عبادات میں اس عمل کو زیادہ پسند فرماتے تھے، جس پر پابندی، دوام اور اہتمام سے عمل کیا جائے اگرچہ وہ کام تھوڑا ہی ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ بھی نفل عبادات میں مداومت اور اہتمام فرماتے تھے، اللہ جل شانہ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ (۱)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَاسْتَاكَ، ثُمَّ قَوَّضًا، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ مَعَهُ، فَبَدَأَ اسْتَغْفِرَ الْبَقْرَةَ، فَلَا يُمْرُ بِأَيَّةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ، وَلَا يُمْرُ بِأَيَّةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ لِقَعْوَذٍ، ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا يَقْدِرُ قِيَامَهُ، وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ، وَالْمَلَكُوتِ، وَالْكِبْرِيَاءِ، وَالْعِظَمَةِ، ثُمَّ سَجَدَ يَقْدِرُ رُكُوعَهُ، وَيَقُولُ فِي سَجْدِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ، وَالْمَلَكُوتِ، وَالْكِبْرِيَاءِ، وَالْعِظَمَةِ، ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ، ثُمَّ سُورَةَ، يَفْعَلُ وَمِثْلَ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے مسواک کیا، پھر وضو فرمایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہوا (مقتدی کی حیثیت سے) آپ ﷺ نے سورہ بقرہ کی تلاوت شروع فرمائی، آپ ﷺ (تلاوت کے دوران) رحمت کی آیت سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال فرماتے، اور عذاب کی آیت سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور عذاب سے پناہ مانگتے، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، اور اپنے قیام کے بقدر رکوع میں ٹھہرے رہے اور رکوع میں یہ کلمات پڑھتے رہے: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعِظَمَةِ (میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جو قدرت والی، عظیم الشان سلطنت، بڑائی اور عظمت والی ہے) اور پھر آپ ﷺ نے اپنے رکوع کے بقدر سجدہ کیا، اور اپنے سجدے میں بھی وہی سابقہ کلمات پڑھتے رہے، پھر (دوسری رکعت میں) سورہ آل عمران پڑھی پھر (یعنی تیسری اور چوتھی رکعات) میں ایک ایک سورت پڑھی، اسی طرح آپ ﷺ ہر رکعت میں کرتے (یعنی رحمت کا سوال، عذاب سے پناہ، رکوع و سجود کو قیام کی طرح طویل فرماتے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- فاستاک: آپ ﷺ نے مسواک کیا، استغفر البقرہ: سورہ بقرہ کو شروع فرمایا، ذی الجبروت: قدرت والی ذات، الملکوت: (میم اور لام پر زبر) عظیم الشان سلطنت، یہ لفظ صرف اللہ جل شانہ کی سلطنت کے ساتھ مخصوص ہے، الکبریاء: بڑائی ثم سورۃ سورۃ: پھر (تیسری اور چوتھی رکعت میں) ایک ایک سورت پڑھی، يفعل مثل ذلك: آپ ﷺ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے یعنی رحمت کی آیت پر ٹھہر کر رحمت کا سوال کرتے، عذاب کی آیت پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے، اور رکوع و سجود کو قیام کی طرح طویل فرماتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار طویل نوافل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چار رکعت نفل نماز بڑی طویل قراءت، اور لمبے رکوع و سجود کے ساتھ پڑھی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عوف بن مالکؓ بھی تھے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقتدی ہونے کی حیثیت سے شامل ہو گئے، پہلی رکعت میں سورہ بقرہ، دوسری رکعت میں سورہ آل عمران، تیسری رکعت میں سورہ نساء اور چوتھی رکعت میں سورہ مائدہ پڑھی، تلاوت کے دوران جب رحمت کی آیت آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت روک کر اللہ سے اس کی رحمت مانگتے، اور جب عذاب کی آیت آتی تو اللہ سے عذاب کی پناہ مانگتے، پھر قیام کے بعد رملہ رکوع اور طویل سجود کیے، جس میں یہ کلمات پڑھتے رہے: شَفِیْعَانِ ذِی الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْکِبَرِیَّاتِ وَالْعَظَمَةِ (میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جو قدرت والی، عظیم الشان سلطنت بڑائی اور عظمت والی ہے)، اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

کبھی طویل قراءت کے ساتھ نوافل پڑھنے چاہئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عام معمول سے ہٹ کر بہت طویل قراءت کے ساتھ بھی نوافل پڑھا کرتے تھے۔

نوافل میں دوران قراءت اگر رحمت کی آیت آئے تو اس وقت اللہ سے اس کی رحمت مانگنی چاہیے، عذاب سے متعلق کوئی آیت آجائے تو اللہ سے اس کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے، اور جب تسبیح سے متعلق کوئی آیت آجائے تو اس پر اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے، جیسے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ اور جب اللہ کے فضل سے متعلق کوئی آیت آئے تو اس وقت اللہ سے اس کا فضل و کرم مانگنا چاہیے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ (اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت فرماتے، تو یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ (اے اللہ! میں آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں) لیکن فرض نماز کی قراءت کے دوران اس قسم کی کوئی آیت آجائے تو اس وقت قراءت روک کر یہ دعائیں مانگنا درست نہیں، مگر یہ ذہن میں رہے کہ نوافل میں بھی یہ دعائیں عربی زبان میں ہی مانگنا ضروری ہے، عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نماز کے دوران کوئی دعا مانگنا درست نہیں، اس سے نماز قاسد ہو جائے گی۔ (۱)

آخری چار احادیث کو بظاہر باب سے مناسبت نہیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب ما جاء فی صومہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آخری چار احادیث جو ذکر کی ہیں، ان کو بظاہر اس باب سے مناسبت نہیں، ان میں روزے کا ذکر نہیں، بلکہ اعمال میں دوام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلی نماز کا ذکر ہے، اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے تین باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ شمائل کے بعض نسخوں میں باب صلاة الضحیٰ، باب صلاة التطوع، اور باب ما جاء فی صوم رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں، بلکہ یہ ساری احادیث، باب ما جاء فی عبادۃ رسول اللہ ﷺ کے تحت درج ہیں، اگر شمائل کے ان نسخوں کو سامنے رکھا جائے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

۲۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ کسی کاتب نے غلطی سے ان احادیث کو اس باب کے تحت ذکر کر دیا ہے، ان کا اصل مقام باب ما جاء فی عبادۃ رسول اللہ ﷺ ہے۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ ان روایات کو روزے کے باب میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ نقلی عبادات، خواہ وہ نماز ہو یا روزے وغیرہ، ان میں اعتدال اور میزانہ روی اختیار کرنی چاہیے، یوں انسان آسانی کے ساتھ فرائض سمیت تمام مسنون اور نقلی عبادات سرانجام دے سکتا ہے، اور باب کی آخری حدیث میں نبی کریم ﷺ کی چار رکعت طویل نفل نماز ذکر کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ کبھی انسان عام معمول سے ہٹ کر زیادہ دیر تک بھی نقلی عبادت کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کا ذکر ہے

عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلُوكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ، عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ تَنْعَثُ قِرَاءَةً مَفْسُورَةً حَرْفًا حَرْفًا. (۲)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن مملک نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی، تو وہ بیان کرنے لگیں کہ نبی کریم ﷺ کی قراءت کا ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ اور واضح ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۱۔ تنعت: حضرت ام سلمہ بیان کرنے لگیں، مفسورة: (میم پر پیش، قاپر زبر اور شین پر زبر و تشدید) ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ ہوتا، واضح ہوتا،

نبی کریم ﷺ کی قراءت کا ہر حرف واضح ہوتا

ایک مرتبہ یعلیٰ بن مملک نے حضرت ام سلمہ سے نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی کہ وہ کیسے ہوتی؟ تو انہوں نے اس حدیث میں آپ ﷺ کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

فاذا هي تنعت قراءة مفسورة... الخ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) المواهب اللدنیة علی الشمائل للحمیدی (ص: ۵۱۸)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۲۴۔

۱۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا کہ اس کا ہر حرف الگ، الگ اور خوب واضح ہوتا، آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے مطابق تلاوت فرمایا کرتے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے نبی کریم ﷺ کی طرح قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے اور پڑھ کر بتایا کہ آپ علیہ السلام اس طرح واضح اعزاز سے تلاوت فرماتے تھے، اس مطلب کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔ (۱)

عَنْ قُتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَعْدًا (۲)

ترجمہ: حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی؟ تو انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ (مدوالے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ مدوالے حروف میں مد فرماتے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

• نبی کریم ﷺ جب قراءت فرماتے تو مدوالے حروف کو مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھا کرتے۔

• نبی کریم ﷺ المیزان کے ساتھ تلاوت فرماتے، کیونکہ جلدی پڑھنے سے مد کو ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، مگر مد کے ساتھ پڑھنے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، بعض قراء مدوالے حرف کو بہت زیادہ کھینچ کر پڑھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، اس سے فقہاء کرام نے منع کیا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْطَعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ: { الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ }

[الْفَاتِحَةِ]: ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ: { الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ } [الْفَاتِحَةِ]: ثُمَّ يَقِفُ، وَكَانَ يَقْرَأُ (مَلِكٌ يَوْمَ

الْيَوْمِينَ) (۳)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی تلاوت میں ہر آیت کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ پڑھتے (یعنی ہر آیت پر وقف کرتے) آپ ﷺ پڑھتے: الحمد لله رب العالمین پھر آپ ﷺ ٹھہر جاتے (یعنی وقف کرتے) پھر آپ ﷺ پڑھتے: الرحمن الرحيم اور وقف کرتے اور پھر مالک يوم الدين پڑھتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بقطع: بقطع سے ہے: کاٹ کاٹ کر پڑھتے یعنی ہر آیت کو جدا جدا کر کے پڑھتے، وقف کرتے، ثم

(۱) شرح الطیبین ۲/۲۸۲، کتاب فضائل القرآن۔

(۲) الصحيح للبخاری، کتاب فضائل القرآن، باب الترتیل فی القراءۃ۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۲۸۔

یقف: پھر آپ ﷺ ٹھہر جاتے یعنی وقف کرتے۔

نبی کریم ﷺ ہر آیت پر وقف فرماتے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ قرآن مجید کی تلاوت میں ہر آیت پر وقف کرتے تھے، یہی مسنون طریقہ ہے، اور نبی کریم ﷺ ہر آیت پر وقف اس لیے فرمایا کرتے تھے، تاکہ سننے والوں کو ہر آیت کی ابتداء اور انتہا معلوم ہو جائے، اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح ہر آیت پر وقف کرنا منقول ہے، اسی طرح آیتوں کو ملا کر پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَيْبٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَانَ يُسَوِّ بِالقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ، قَدْ كَانَ رِيْمًا أَسْرَ، وَرَبَّمَا جَهَرَ، فَلَقْتُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأُمُورِ مَنَعَةً. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی قتیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی (رات کی) قراءت کی کیفیت کے بارے میں پوچھا؟ کیا آپ ﷺ (رات کے فواصل میں) آہستہ تلاوت فرماتے یا بلند آواز سے پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہر طرح آپ ﷺ کیا کرتے، کبھی آپ ﷺ آہستہ قراءت کرتے اور کبھی بلند آواز سے پڑھا کرتے، میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس معاملے میں وسعت اور گنجائش رکھی ہے۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، قَالَتْ: كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ وَأَنَا عَلَى عَرِيضَتِي. (۳)

ترجمہ: حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی رات کے وقت (تہجد کی نماز میں) قراءت کی آواز سنا کرتی تھی، جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر ہوتی۔

مشکل الفاظ کے معنی: - يسر بالقراءة: آپ ﷺ آہستہ آواز سے قراءت کرتے، سعة: (سین پر زبر) گنجائش، وسعت، کشادگی، علی عریضی: اپنی چھت پر، چھپر پر۔

(۱) العرف الشدی علی جامع الترمذی ۲۰/۲، مرقاة المفاتیح ۸۴/۵، کتاب فضائل القرآن باب اداب التلاوة۔

(۲) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۹۲۵۔

(۳) سنن النسائی ۱۷۸/۲، الصلاة، باب وقع الصوت بالقرآن، رقم الحديث: ۱۰۱۳۔

نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد میں قراءت کی کیفیت

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نماز تہجد میں بھی آہستہ آواز سے قراءت فرماتے اور کبھی بلند آواز سے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہجرت سے پہلے نبی کریم ﷺ مسجد حرام میں تہجد کی نماز میں اس قدر بلند آواز سے تلاوت فرماتے کہ میں اپنے گھر کی چھت پر یہ آواز سن لیتی تھی مگر بلند آواز سے پڑھنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس سے کسی کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے، ورنہ آہستہ انداز سے ہی پڑھنا چاہیے۔

مَثَلُ ذَلِكَ كَمَا كَانَ يُغْفَلُ يَعْنِي نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ كَمَا مَعْمُولٌ دُونِ طَرَحٍ كَاتِمًا، بِلَنْدَا وَازِزٍ بَعْدَ وَازِزٍ بَعْدَ وَازِزٍ، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

✽ ایک رات میں ہی دونوں طرح کا معمول تھا، کبھی آپ ﷺ بلند آواز سے تلاوت فرماتے، اور کبھی آہستہ انداز سے پڑھتے تھے۔

✽ کسی رات میں آپ ﷺ بلند آواز سے قراءت کرتے اور کسی رات میں آہستہ انداز سے پڑھتے، دونوں طرح کا عمل درست ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ: {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ} [الفتح: ۱]. قَالَ: فَقَرَأَ أَوْ رَجَعَ. قَالَ: وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ: لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَأَخَذْتُ لَكُمْ فِي ذَلِكَ الصُّوْبِ أَوْ قَالَ: اللَّخْنِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کو اپنی اونٹنی پر اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے: {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ}، حضرت عبد اللہ بن مغفل فرماتے ہیں: آپ ﷺ حلق میں آواز گھما کر یعنی ترنم اور لب و لہجہ سے پڑھ رہے تھے یا آپ ﷺ (سواری پر بیٹھنے کی وجہ سے) ”آ“ کر کے پڑھ رہے تھے، حدیث کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن قرہ کہتے تھے: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے، تو میں تمہارے سامنے اس آواز میں یا کہا: اسی لب و لہجہ میں پڑھ کر سنا تا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- رجوع: یہ ترجیع سے ہے، اس کے دو ترنم ہیں، ۱۔ آپ ﷺ حلق میں آواز گھما کر پڑھ رہے تھے یعنی ترنم اور انتہائی اچھے لب و لہجہ میں پڑھ رہے تھے، ۲۔ ایک اور حدیث میں اس کی وضاحت خود حضرت عبد اللہ بن مغفل نے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۱۲۰۶۷۔

(۲) سنن ابن داؤد، الصلاة، رقم الحدیث: ۱۲۶۷۔

یوں فرمائی ہے: کہ آپ ﷺ ”آآ“ کر کے پڑھ رہے تھے یعنی سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی وجہ سے ”آآ“ کی آواز نکل رہی تھی، اللہ عن: (لام پرزبر اور حاساکن) لب ولہجہ۔

فتح مکہ کے دن اونٹنی پر تلاوت میں ترجیع

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن اپنی اہلی عشاء اونٹنی پر سوار تھے، اور سورہ فتح کی ابتدائی آیات ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے، معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ مجھے ترجیع کی کیفیت معلوم ہے، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں اسی انداز اور لب ولہجہ میں قرآنی آیات پڑھ کر آپ کو سناتا، اس ترجیع سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کی وجہ سے بہت خوش تھے، اس لیے آپ ﷺ ملحق میں آواز گھما کر یعنی انتہائی اچھے لب ولہجہ سے مذکورہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔

۲۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سواری پر تلاوت کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز میں ”آآ“ کی آواز پیدا ہو رہی تھی، اس کو ترجیع سے ذکر کیا گیا ہے۔ (۱)

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا أَحْسَنَ الْوُجُوهِ حَسَنَ الصُّوْتِ، وَكَانَ يُبَيِّنُكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوُجُوهِ حَسَنَ الصُّوْتِ، وَكَانَ لَا يُرْجِعُ.

ترجمہ: حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا ہے، اور تمہارے نبی ﷺ (بھی) خوبصورت اور خوش آواز تھے، اور حضور اقدس ﷺ قرآن مجید (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے

اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

۱۔ اللہ جل جلالہ نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء کرام بھیجے ہیں، ان سب میں یہ دو صفات تھیں: جسمانی لحاظ سے حسن و جمال کے شاہکار اور آواز انتہائی خوبصورت، دل گداز اور پرسوز، مگر ہمارے نبی کریم ﷺ ان دو صفات میں بھی تمام انبیاء سے اعلیٰ و برتر اور ممتاز ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ وکان لا یرجع حدیث کا یہ جملہ پچھلی حدیث سے متعارض ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن سورہ فتح کی تلاوت میں ترجیع فرما رہے تھے اور اس حدیث میں ہے: وکان لا یرجع، علامہ بخاری نے وکان لا یرجع

کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

بعض اوقات نبی کریم ﷺ ترم اور لب ولہجہ کے بغیر بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی لب ولہجہ اور خوش الحانی کے بغیر بھی تلاوت کرنا جائز ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ناکانے والوں کی طرح آواز نکال کر قرآن مجید کی تلاوت نہیں فرماتے تھے، بلکہ انتہائی عمدہ انداز اور خوبصورت لب ولہجہ میں تلاوت فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو تجوید کے قواعد اور مخارج کے مطابق کسی قاری سے سیکھ کر اس کی تلاوت کرنی چاہیے تاکہ اس کے پڑھنے کا انداز گانے کی طرح نہ ہو، یوں اسے ان شاء اللہ پورا اجر و ثواب حاصل ہوگا، (۱)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْفًا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحَجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پڑھنے کی آواز کو کبھی وہ شخص سن لیتا، جو محن میں ہوتا، جبکہ نبی کریم ﷺ گھر میں تلاوت فرما رہے ہوتے۔

نبی کریم ﷺ درمیانی آواز سے تلاوت فرمایا کرتے

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کمرے میں تلاوت فرماتے تو بسا اوقات حجرہ یعنی محن میں موجود شخص اس آواز کو سن لیتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ درمیانی آواز سے تلاوت فرماتے تھے، موقع و محل کی مناسبت سے کبھی بلند آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے، جبکہ اس سے دوسروں کو ترغیب دینا یا سکھانا پیش نظر ہو اور اگر بلند آواز سے پڑھنے سے کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہو تو پھر اونچی آواز سے پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں آہستہ آواز سے ہی پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح اگر کسی کو بلند آواز سے پڑھنے سے ریا کاری کا خوف ہو تو پھر آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے۔ (۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي بُكَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کے رونے اور گریہ و زاری کا ذکر ہے

عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي

(۱) المواهب اللدنیة علی الشہائل للحمیدیہ (ص: ۵۲۵)

(۲) سنن أبی داؤد، باب رفع الصوت بالقراءة، رقم الحدیث: ۱۳۲۷۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۱۳۲۷

وَلِجَوْفِهِ أَزِيؤُ كَأَزِيؤِ الْمَرْجُلِ مِنَ الْبُكَاءِ. (۱)

حضرت عبداللہ بن ثعیر کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے پیٹ یعنی سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی، جیسے ہڈیا کے اٹلنے کی آواز ہوتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- وَلِجَوْفِهِ اور آپ ﷺ کے پیٹ یعنی سینہ میں، أَزِيؤُ: پیٹ میں گڑ گڑ کی آواز، كَأَزِيؤِ الْمَرْجُلِ: ہڈیا اور دیگ کے اٹلنے کی طرح آواز۔

نبی کریم ﷺ نوافل میں بہت رویا کرتے

نبی کریم ﷺ بسا اوقات نفل نماز میں اللہ کے خوف و خشیت اور آخرت کے امور میں غور و فکر کی وجہ سے بہت روتے تھے، کبھی محبت اور خوشی کی وجہ سے بھی بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن ثعیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں دیکھا کہ آپ ﷺ رورہے ہیں، اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی، جیسے ہڈیا کے جوش اور اٹلنے کی آواز ہوتی ہے۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کبھی اس انداز سے بھی نوافل پڑھ لیا کرے، جس میں وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے سامنے گڑ گڑائے اور گریہ و زاری کرے، یہ ادا اللہ جل شانہ کو بہت پسند ہے، امت کے اولیاء و صلحاء اور نیک لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلْقُرْآنَ عَلَيْكَ، وَعَلَيْكَ أَنْزَلَ قَالَ: إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أَمْتَعَهُ مِنْ غَيْرِي، فَقَرَأْتُ سُورَةَ النَّسَاءِ، حَتَّى بَلَغْتُ {وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا} [النساء]: قَالَ: فَرَأَيْتَ عَيْنِي رَسُولُ اللَّهِ تَهْجُلَانِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے قرآن مجید پڑھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: میں آپ ﷺ کو قرآن مجید سنائوں، حالانکہ یہ قرآن تو آپ ﷺ ہی پر اتارا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں قرآن مجید کو اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں، چنانچہ میں نے سورہ نساء سنانا شروع کی، یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ

(۱) سنن ابی داؤد، الصلاة، ص: ۳۴۰، مرج: ۱، رقم الحدیث: ۹۰۴، باب البكاء فی الصلوة.

(۲) جمع الوسائل مع شرح الشرائع مع شرح المناوی ۱۴۲/۲.

(۳) سنن الترمذی، التفسیر، رقم الحدیث: ۳۰۲۸.

أَفْعَةً بِشَهِيدٍ وَجَنَابِكِ عَلَى مَلَأَ شَهِيدًا (ترجمہ: پھر یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے پیغمبر) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کو دیکھا کہ ان سے آنسو بہ رہے ہیں۔ مشکل الفاظ کے معنی:۔ عینی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں، تھملان: (تا پر زبر اور میم پر پیش اور زیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ سے کبھی تلاوت سنا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کسی صحابی سے فرماتے کہ تم مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے جب یہ فرمایا تو انہیں ذرا تعجب سا ہوا، عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناؤں، حالانکہ قرآن مجید تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے، شاید ابن مسعود کے ذہن میں یہ بات ہو کہ قرآن مجید سنانا تو تبلیغ کے لیے پایاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے، ان میں سے کوئی وجہ یہاں نہیں پائی جارہی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں کسی سے قرآن مجید سنوں، چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورہ نساء سنانا شروع کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ کر یہ تلاوت سن رہے تھے، جب یہ آیت آئی: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا... تو فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس بس ٹھہر جاؤ، میں نے چہرہ انور کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت میں بہت رویا کرتے تھے، امام نووی فرماتے ہیں: الْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ صِفَةُ الْعَارِفِينَ وَشِعَارُ الصَّالِحِينَ (قرآن مجید کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان اور نیک لوگوں کا شعار اور علامت ہے) اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کی تعریف فرمائی ہے اور اسے نیک اور متقی لوگوں کی صفات میں شمار کیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون عارف ہو سکتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تلاوت کے وقت رویا کرتے تھے، تا کہ امت بھی اس کی اتباع کرے۔ (۱)

فَكَيفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ يَهِدِيهَا (ترجمہ: اور اس سے کفار قریش کی توبیخ اور زجر بھی مقصود ہے، کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدانِ حشر میں ہر امت کا نبی اپنی امت کے اچھے اور برے اعمال پر گواہ کے طور پر پیش ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے، اور بطور خاص ان کفار و مشرکین سے متعلق اللہ کی عدالت میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کلمہ کلام معجزات دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کی، آپ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان

نہیں لائے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سن کر نبی کریم ﷺ اس لیے روئے تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے قیامت کا منظر آگیا، اور آپ ﷺ کو اپنی امت کے ان لوگوں کا خیال آیا، جو عمل کرتے ہی نہیں، یا یہ کہ وہ اعمال میں کمزور ہوں گے، جس کی وجہ سے انہیں عذاب ہو سکتا ہے۔ (۲)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

✽ تلاوت قرآن مجید کے وقت اللہ کے خوف اور خشیت کی وجہ سے رونایا اللہ جل شانہ کی نعمتوں کو سوچ کر شکر کے طور پر رونا اور اللہ سے محبت کی وجہ سے رونا ایک مسنون عمل ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

✽ اگر کوئی شخص دوسرے کسی شخص سے قرآن مجید کی تلاوت سنے تو یہ سنت سے ثابت ہے، اگر کوئی شخص تلاوت سنا ہے تو اس پر اسے اجر و ثواب دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان موبائل، ریڈیو، ٹی وی، نیٹ، کیسٹ اور سی ڈی وغیرہ سے پوری توجہ کے ساتھ قرآن سنا ہے، تو اسے اس پر بھی ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔

✽ دیکھئے اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ایک امتی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن مجید سن رہے ہیں، حالانکہ ایک امتی کے مقابلے میں نبی کا مقام اور پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کا مقام یقیناً بہت ہی بلند ہے، اس سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ بڑا آدمی اپنے سے چھوٹے سے، ایک استاد اپنے شاگرد سے، ایک شیخ اپنے کسی متعلق سے اور ایک باپ اپنے کسی بچے سے استفادہ کر سکتا ہے، اس سے بڑے کے مقام میں کمی نہیں، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

✽ تلاوت سننے والا آدمی اگر کسی وجہ سے تلاوت مزید نہ سنا چاہے تو قاری کو کہہ سکتا ہے کہ اب تم تلاوت کرنا بند کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۳)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، حَتَّى لَمْ يَكُنْ يَزْكُغُ ثُمَّ زَكَّغَ، فَلَمْ يَكُنْ يَزْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ زَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكُنْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكُنْ أَنْ يَزْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ زَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكُنْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكُنْ أَنْ يَزْفَعُ رَأْسَهُ، فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَنْبِكِي، وَيَقُولُ: رَبِّ أَلَمْ تُعَذِّبْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَلَّا فِيهِمْ؟ رَبِّ أَلَمْ تُعَذِّبْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ؟ وَنَحْنُ لَمُسْتَغْفِرُونَكَ. فَلَمَّا صَلَّى رَكَعَتَيْنِ انْجَلَبَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَحَمِدَ اللَّهَ تَعَالَى وَأَثْنَى

(۱) معارف القرآن ۲/۴۲۰، سورہ نساء، آیت: ۴۱۔

(۲) فتح الباری ۱۲۲/۹، کتاب فضائل القرآن، باب البكاء عند قراۃ القرآن، رقم الحدیث: ۵۰۵۵۔

(۳) جمع الرسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۱۴۷/۲۔

عَلَيْهِ، لَمْ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتٍ أَوْ حَيَاةٍ، فَإِذَا انْكَسَفَا فَأَنذِرُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک دن سورج گہن ہوا، نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنا شروع کی، اتنا طویل قیام کیا گویا آپ ﷺ کا رکوع کرنے کا ارادہ نہیں ہے، پھر رکوع کیا (وہ اتنا طویل تھا) گویا آپ ﷺ کا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا، (اسی قدر طویل قیام میں کھڑے رہے) گویا آپ ﷺ نے سجدہ کرنا ہی نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا، قریب نہیں تھا کہ آپ ﷺ اپنا سر سجدے سے اٹھائیں (یعنی کافی دیر سجدے میں رہے) پھر آپ ﷺ نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا (اور جلسہ میں بیٹھ گئے) گویا آپ ﷺ نے سجدے سے سر نہیں اٹھانا، پھر آپ ﷺ (سجدے میں ہی) زمین پر پھونک مارنے لگے اور رونے لگے اور کہنے لگے: اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے جبکہ میں ان میں موجود ہوں گا، اے میرے پروردگار: کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے، جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے، اور ہم سب آپ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں، جب نبی کریم ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ بیان کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے اللہ جل جلالہ کی مدح و ثناء اور تعریف کی پھر فرمایا: بیشک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت اور حیات کی وجہ سے ان دونوں کو گہن نہیں لگتا، لہذا جب سورج اور چاند کو گہن ہو جائے تو تم لوگ ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے ذکر کا سہارا لیا کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- انكسفت الشمس: سورج گہن ہو جائے، لم يكذبوكم: قریب نہیں تھا کہ آپ ﷺ رکوع کرتے یعنی آپ ﷺ کا قیام بہت طویل تھا، فجعل ينفخ: آپ ﷺ دوسرے سجدے میں زمین پر پھونک مارنے لگے جیسے شدت غم میں آدمی سانس لیتا ہے، الم تعدلني: کیا آپ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا، انجلت الشمس: سورج روشن ہو چکا، سورج گہن کی کیفیت سے نکل گیا، ظاہر ہو گیا، انكسفا: چاند اور سورج کو گہن ہو جائے، فافزعوا بتم لوگ ذکر کرنا سہارا لو، آہ وزاری کرو۔

سورج گہن کی نماز میں نبی کریم ﷺ کی گریہ وزاری

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ۱۰ ہجری میں صرف ایک مرتبہ ہی سورج گہن ہوا، اتفاق سے اس دن نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کا بھی انتقال ہوا تھا، حضرت ابراہیم بنی کریم ﷺ کے آخری صاحبزادے ہیں، جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، زمانہ جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی

کہ سورج گرہن اس وقت رونما ہوتا ہے، جب کوئی عظیم انسان پیدا ہو یا اس کی وفات ہو جائے، لوگوں نے اس رسم کے مطابق یہ کہنا شروع کر دیا کہ آج سورج گرہن اس لیے پیش آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عظیم صاحبزادے کا انتقال ہوا ہے، اس سلسلے میں مذکورہ حدیث میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے دو رکعت نماز کسوف پڑھائی، جس میں آپ ﷺ نے قراءت، رکوع، قومہ، سجود اور جلسہ کو بہت طویل کر کے ادا کیا، دوسری رکعت کے آخری سجدے میں آپ ﷺ نے زمین پر پھونک ماری یعنی شدت غم سے سانس لیا اور پھر رو کر اللہ جل شانہ سے یہ دعا کرنے لگے: آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں موجود ہوں گا، تو آپ عذاب نہیں اتاریں گے اور یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جب تک لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں گے تو آپ عذاب نہیں دیں گے تو ہم سب آپ کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، آپ ہمیں معاف فرمادیں اور سورج کی تاریکی کو ختم کر کے اس کو پہلے کی طرح روشن اور منور کر دیں، جب نماز سے آپ ﷺ فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے اپنی دعا میں یہ جو فرمایا: رَبِّ اَلَمْ تَعْذِبْنِي اَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيهِمْ رَبِّ: اَلَمْ تَعْذِبْنِي اَلَّا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (اے میرے رب، کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری موجودگی تک امت کو عذاب نہ ہوگا، اے میرے پروردگار آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، ان پر عذاب نہیں ہوگا) اس سے دراصل سورہ انفال کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (اور اے پیغمبر! اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا، ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، جب عذاب آتا ہے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی برکت سے عذاب عام اس امت پر نہیں آئے گا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان استغفار کرتے رہتے ہیں، ان کے استغفار کی برکت سے عذاب رکا ہوا ہے، (۲)

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن تو طبی حالات سے پیش آتے ہیں، موجودہ دور میں، حساب کے ذریعہ پہلے سے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں اس علاقے اور ملک میں سورج گرہن یا چاند گرہن ہوگا تو پھر اس پر گھبرانے اور خوفزدہ ہو کر ذکر واذکار اور نماز کسوف پڑھنے کے کیا معنی ہیں؟

(۱) اللوالب اللدنیۃ علی الشہادۃ للحمدیۃ (ص: ۵۳۰) سیرت اللصطفی ﷺ ۲۵۶/۳ اولاد کرام، حضرت ابراہیم۔

(۲) معارف القرآن ۲۲۳/۴ سورۃ انفال، آیت: ۲۳، آسان ترجمہ قرآن (ص: ۳۱۴، سورۃ انفال، آیت: ۲۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن کو اگرچہ حساب کے ذریعہ ان کا وقت معلوم کر لیا جائے، تب بھی ان کے پیش آنے پر مسلمانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ عام معمول سے ہٹ کر یہ چیز زوفا ہو رہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اسے عذاب کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں، اس میں یہ درس دینا مقصود ہے کہ یہ سارا نظام کائنات ہمارے حکم کے مطابق اس ترتیب سے چل رہا ہے جس سے سارے انسان فائدہ اٹھا رہے ہیں، جب ہم چاہیں گے تو اس نظام کو نہیں کر دیں گے اور یوں قیامت آجائے گی، اس لیے اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے دو رکعت طویل نماز پڑھائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایسے موقع پر ذکر اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہو جائیں، تاکہ یہ گنہگار ہمارے اذ پر عذاب نہ بن جائے۔

۲۔ نماز پڑھا کر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ جل شانہ کی نشانیوں میں سے ہیں، کسی کے پیدا ہونے یا مرنے سے ان پر گہن نہیں آتا، لہذا آج اتفاق سے اگر ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کا گہن سے کوئی تعلق نہیں، اللہ کے علم میں ان کی موت کا بھی وقت لکھا تھا، اس لیے وہ وفات پا گئے، لہذا جب سورج چاند کو گرہن ہو جائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کریں، نماز اور ذکر و استغفار میں مشغول ہو جائیں مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان انہیں طرح کے واقعات کے وقت اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے، میڈیا اس خبر کو یوں نشر کرتا ہے جیسے یہ ایک عام سامعین ذائقہ پیش آیا ہے، چنانچہ محض خبر کے طور پر اسے سنا اور پڑھا جاتا ہے، اس مسنون عمل کی طرف عام طور پر لوگوں کی کوئی توجہ نہیں ہوتی، یہ طرز درست نہیں، اس لیے ایسے موقع پر تمام مسلمانوں کو اللہ جل جلالہ کی عبادت میں مشغول ہو کر توبہ و استغفار کرنا چاہیے تاکہ یہ گرہن درست ہو جائے۔ (۱)

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، اسے جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، اس کی دو رکعتیں ہیں، چاند گرہن کی نماز بھی دو رکعت ہے، مگر اس میں جماعت نہیں ہے، بلکہ ہر شخص الگ الگ ہی یہ نماز پڑھے۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةَ لَهْ تَقْطِصِي، فَاخْتَصَمَتْهَا، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَصَاحَتْ أُمُّ أَيْمَنَ فَقَالَ - يَغْنِي صَلَاتِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَلَيْسَ بَيْنَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ؟ فَقَالَتْ: أَلَسْتُ أَرَاكَ تَبْكِي؟ قَالَ: إِنِّي لَبَسْتُ الْبُكْيَ، إِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلَى كُلِّ حَالٍ، إِنَّ نَفْسَهُ تَنَزَّعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ، وَهُوَ يَحْمَدُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بیٹی (یعنی نواسی) کو لیا، جو قریب الوقات تھی، حضور اکرم ﷺ نے ان کو گود میں لیا اور ان کو اپنے سامنے رکھا، چنانچہ آپ ﷺ کے سامنے ہی ان کی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناری ۱۵۰/۲

(۲) بدائع الصنائع ۱/۲۲۶ کتاب الصلاة فصل فی صلاة الکسوف والخسوف ط: بیروت۔

(۳) سنن النسائی، الجنائز، باب فی البكاء علی المیت۔

وفات ہوگئی، ام ایمن (جو حضور ﷺ کی ایک آزاد کردہ باندی تھیں) چلا کر رونے لگیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے چلا کر رو رہی ہو؟ ام ایمن نے عرض کیا: کیا میں آپ ﷺ کو روتا ہوا نہیں دیکھ رہی (یعنی آپ ﷺ کی آنکھوں سے بھی تو آنسو نکل رہے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں (چلا کر) نہیں رو رہا، آنکھ سے (غیر اختیاری طور پر) نکلنے والے یہ آنسو رحمت ہیں، بیشک مومن ہر حال میں خیر کے ساتھ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس کی سانس اس کے دونوں پہلوؤں سے نکالی جا رہی ہوتی ہے اور وہ (اس وقت بھی) اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہا ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- تقضی: وہ قریب المرگ تھیں، موت کے قریب تھیں، فاختضنها: آپ ﷺ نے ان کو گود میں اٹھالیا، فوضعهما بین یدینہ: اور ان کو اپنے سامنے رکھ لیا، وصاحت: اور چلا کر رونے لگیں، ان نفسہ: (نوں اور قام پر زبر) حتیٰ کہ اس کی سانس، تنزع: (صیغہ مجہول) نکالی جا رہی ہوتی ہے، من بین حبیبہ: اس کے دونوں پہلوؤں سے۔

نواسی کے انتقال پر نبی کریم ﷺ کے آنسو

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ایک بیٹی کا ذکر ہے کہ وہ قریب المرگ تھیں، پھر وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ہی وفات پا گئیں، مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس پر تمام اصحاب سیر کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تمام صاحبزادیوں کی وفات بچپن میں نہیں ہوئی بلکہ بڑے ہو کر ہوئی، تین صاحبزادیوں کا انتقال تو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہوا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا، تو پھر اس حدیث میں ”ابنہ“ (آپ ﷺ کی ایک بیٹی) سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ ”ابنہ“ سے مجازاً نبی کریم ﷺ کی نواسی مراد ہیں، اس کا ذکر مسند احمد کی ایک روایت میں ہے، حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی حضرت امہ سخت بیمار ہو گئیں، ان کی مرنے والی حالت ہوگئی، آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، ان کی حالت دیکھ کر شفقت کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت امہ کی تو وفات نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کی صحت درست ہوگئی تھی، وہ جب بڑی ہو گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان سے شادی کر لی تھی، اس لیے اس روایت میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے، اس لیے اس نے تقضی، اور فمات بین یدینہ ذکر کر دیا ہے، ان جملوں کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضرت امہ کی طبیعت اس قدر شدید خراب ہوگئی تھی، گویا کہ وہ مرنے لگی تھیں، مگر نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ صحت یاب ہوگئی تھیں۔

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس روایت میں اگرچہ ”ابنہ“ کے الفاظ ہیں، مگر اس سے ”ابنہ“ مراد ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے صاحبزادوں حضرت قاسم یا حضرت عبداللہ یا حضرت ابراہیم میں سے کوئی مراد ہے، کیونکہ ان سب کی وفات بچپن میں

ہی ہوئی تھی، اور ان کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو شفقت کی وجہ سے بہ پڑے تھے۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیٹی کا کوئی بیٹا مراد ہو، ان میں سے بھی بعض بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے، ان کی وفات کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ (۱)

بہر حال اکثر حضرات کے نزدیک مذکورہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کی وفات کا ذکر ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفقت کی وجہ سے رو پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا چلا کر رونے لگیں، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کے سامنے اس طرح موت پر چلا کر رو رہی ہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل رہے ہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس پر افسوس نہیں کر رہا بلکہ رحمت اور شفقت کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور فرمایا کہ مومن تو تمام حالات میں خیر پر ہی ہوتا ہے، یہاں تک کہ سانس اور روح نکلنے کے وقت بھی وہ اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء کر رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوئے ہیں:

❁ کسی عزیز کی فوتگی پر اگر طبعی طور پر شفقت کی وجہ سے انسان رو پڑے، تو یہ کوئی گناہ نہیں، یہ رحم دلی کی علامت ہے، جسے اسلام پسند کرتا ہے۔

❁ وفات پر آواز نکال کر، چلا کر رونا اور میت پر لوح کرنا یہ جائز نہیں، اس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کی وعید ہے، مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا کر رونے کی وجہ سے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو منع فرمایا ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

حضرت ام ایمن کا نام برکہ بنت ثعلبہ ہے، یہ حبشہ کی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی باندی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باندی اپنے والد صاحب کی میراث سے ملی تھی، ان کی شادی عبید بن حبشی سے ہوئی تھی، اس سے ان کا بیٹا ہوا، جس کا نام ایمن تھا، اسی وجہ سے ان کو ام ایمن کہا جاتا ہے، حضرت ایمن ایک مخلص صحابی تھے، غزوہ حنین میں اللہ جل جلالہ نے حضرت ایمن کو شہادت کی سعادت عطا فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”هَذِهِ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي“ یہ میری ماں کے بعد ماں ہیں یعنی میری دوسری ماں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس وقت حضرت ام ایمن کو آزاد کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی، اس سے ان کا بیٹا اسامہ بن زید ہے۔

حضرت ام ایمن نے حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں کی طرف ہجرت کی ہے، غزوہ احد میں موجود تھیں، زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور انہیں دوا کھلاتی تھیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک تھیں، حضرت اسامہ کا رنگ کالا، جبکہ ان کے والد حضرت زید کا رنگ سفید تھا، اور حضرت ام ایمن کی رنگت بھی سیاہ تھی، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیس دن کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَلَ عَثْمَانَ بْنَ مَطْعُونٍ وَهُوَ مَيْمَنٌ وَهُوَ يَبْكِي أَوْ قَالَ: عَيْنَاهُ تَهْرَقَانِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے عثمان بن مطعون کی پیشانی پر بوسہ دیا جبکہ وہ مرچکے تھے، آپ ﷺ اس وقت رو رہے تھے یا راوی نے یوں کہا: اس وقت آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: وعیناہ: آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں، تهرقان: (میضہ مجہول) عصام کہتے ہیں کہ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ (تا پر پیش اور ہاء پر زبر) اور یہ ”ہاء“ ہز نے سے بدل کر آئی ہے، اس صورت میں اس کی ماضی ہراق ہو گی۔ ۲۔ (تاء پر پیش اور ہاء ساکن) اس میں ”ہاء“ کا اضافہ کیا گیا ہے، اس صورت میں یہ باب افعال سے ہوگا، جس کی ماضی کا میضہ اھراق ہے، روایت میں اس لفظ کو دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے، ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے: دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ حضرت عثمان بن مطعونؓ کی موت پر رو پڑے

حضرت عثمان بن مطعونؓ قبیلہ قریش کے تھے اور نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں، ابتداء اسلام میں ہی تیرہ بندوں کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، زمانہ جاہلیت میں بھی انہوں نے شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، اور شروع اسلام میں جب شراب پینا جائز تھا، اس وقت بھی حضرت عثمان نے شراب نہیں پی، بڑے ہی عبادت گزار اور زاہدانہ صفات سے آراستہ تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہ صحابی ہیں، جن کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا، ان کی میت پر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کی پیشانی کو چوما اور شفقت اور رحمت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے، کافی دیر آپ ﷺ پر رونے کی کیفیت رہی، اور آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: طُوبَى لَكَ يَا عَثْمَانُ لَمْ تَلْبَسْكَ الدُّنْيَا وَلَمْ تَلْبَسْهَا (اے عثمان: تمہارے لیے خوشخبری ہو، دنیا تیرے ساتھ نہیں لگی اور تو دنیا کے ساتھ نہ لگا، یعنی دنیا نے تیرے اوپر کوئی اثر نہیں کیا اور تو بھی اس سے متاثر نہیں ہوا، اس سے کنارہ کش ہی رہا) اور جنت البقیع میں

(۱) الاصابۃ ۳۵۸/۸، حرف الالف، رقم الترجمة: ۱۱۹۰۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۹۸۹۔

ان کو دفن کیا گیا، ان کے دفن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَقَمَ السَّلَفُ هَوْلَنَا (یہ ہمارے لیے بہترین پیش خیمہ ہیں) (۱) مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

❖ شفقت اور طبعی رحم کی وجہ سے میت پر رونا جائز ہے، یہ ممنوع نہیں۔

❖ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: شَهِدْنَا اِبْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللَّهِ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ،

فَوَأَيْتَ عَيْنَهُ قَدْ مَعَانٍ، فَقَالَ: أَلَيْكُمْ وَجَلْ لَمْ يَقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَلَا، قَالَ: النَّوْلُ فَتَوَلَّى فِي قَبْرِهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی (حضرت ام کلثوم رضی اللہ

عنہا) کی تدفین کے وقت موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر تشریف فرماتے تھے، میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگوں میں ایسا کوئی شخص ہے، جس نے

اس رات میں اپنی بیوی سے ہمستری نہ کی ہو؟ ابو طلحہ نے عرض کیا: میں ہوں (یا رسول اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تم (قبر میں) اترو، چنانچہ وہ حضرت ام کلثومؓ کی قبر میں اترے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- شَهِدْنَا ہم (تدفین کے وقت) موجود تھے، ہم حاضر تھے، لَمْ يَقَارِفِ اللَّيْلَةَ: اس کے تین ترجمے کیے گئے

ہیں: ۱۔ اس نے ہمستری اور جماع نہیں کیا۔ ۲۔ اس نے اس رات میں گناہ نہیں کیا۔ ۳۔ اس نے عشاء کے بعد کوئی بات نہ کی، پہلے

معنی زیادہ مشہور ہیں، اور یہاں اس حدیث میں پہلے معنی ہی مراد ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام کلثومؓ کی تدفین کے وقت رونا

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ شدید بیمار تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم غزوہ بدر میں شرکت کے بجائے ان کی دیکھ بھال کرو، چنانچہ حضرت عثمانؓ ان

کی حیار داری کرتے رہے، اتفاق سے ان کی وفات ہو گئی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے میں مشغول تھے، مدینہ منورہ میں

موجود نہیں تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، اور فرمایا: اس

ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: اگر میری سوبیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے ان کی وفات ہوتی رہتی، تو میں ان

سب کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمانؓ سے کرتا رہتا، یہ جبرائیل مجھے بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ام کلثومؓ کا

نکاح عثمانؓ سے کر دوں، دیکھیے یہ کس قدر فضیلت و برکت والا نکاح ہے، جس کا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔

حضرت ام کلثومؓ بھی اکثر بیمار رہا کرتی تھیں، حضرت عثمانؓ ان کی مکمل دیکھ بھال کرتے، جس طرح کہ ایک شوہر بیمار

ہوی کی خدمت کرتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ ان کی چار داری کر رہے تھے، اللہ کے حکم سے بیماری کے دوران ہی ایک رات حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہو گیا، اتفاق سے اسی رات میں حضرت عثمانؓ نے اپنی ایک باندی سے ہمستری بھی کر لی تھی، جو شری لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ جائز تھا، ان کو اس بات کا بھی اندازہ نہیں تھا کہ حضرت ام کلثومؓ کی اس رات میں ہی وفات ہو جائے گی، بس طبعی تقاضے کی بنیاد پر انہوں نے یہ کام کر لیا، مگر نبی کریم ﷺ کو جب ان کے اس عمل کا پتہ چلا تو آپ ﷺ کو حضرت عثمانؓ کا یہ عمل پسند نہ آیا، آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ کے لیے تدفین کے وقت یہ فرمایا: کیا تم لوگوں میں ایسا کوئی شخص ہے، جس نے اس رات ہمستری نہ کی ہو، حضرت ابو طلحہؓ زید بن ہل انصاریؓ نے عرض کیا کہ میں ہوں، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم قبر میں اترو، چنانچہ وہ حضرت ام کلثومؓ کی تدفین کے لیے قبر میں اتر گئے۔

اس حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

بہتر یہی ہے کہ قبر میں خاتون کو اس کے محرم رشتہ دار اتاریں، لیکن اگر محرم رشتہ دار نہ ہوں یا اور کسی وجہ سے انہیں قبر میں نہ اتارا جاسکتا ہو تو پھر کسی اجنبی سے بھی یہ خدمت لی جاسکتی ہے۔

قبر کے کنارے پر بیٹھ کر میت پر رویا جاسکتا ہے۔

بٹی کی وفات پر شفقت کی وجہ سے اگر آنسو آجائیں تو یہ مقام نبوت کے معافی نہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان روایات میں ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بستر کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ أَدَمَ، حَشْوُهُ لَيْفٌ. (۲)
ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا بستر جس پر نبی کریم ﷺ سوتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں بھجور کے درخت کی چھال اور ریٹے بھرے ہوئے تھے۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ابن الباقر)، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَوَّلَتْ عَائِشَةُ، مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكَ؟ قَالَتْ: مِنْ أَدَمَ، حَشْوُهُ مِنْ لَيْفٍ، وَسَوَّلَتْ خَفْضَةَ: مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكَ؟ قَالَتْ: مِنْ حِجَابِ ثَوْبَيْنِ قَيْنَامَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ: لَوْ تَنِيَتْهُ أَرْبَعُ ثَنِيَّاتٍ لَكَانَ أَوْ طَالَ لَهْ فَتَنِيَتْهُ لَهْ بِأَرْبَعِ ثَنِيَّاتٍ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: مَا فَرَحْتُمْ لِيَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ: قُلْنَا: هُوَ فِرَاشُكَ إِلَّا أَنَا ثَنِيَّاهُ بِأَرْبَعِ ثَنِيَّاتٍ، قُلْنَا: هُوَ أَوْ طَالَكَ قَالَ: رَدُّوهُ لِحَالِهِ الْأُولَى، فَإِنَّهُ مَنَعَنِي وَطَاءَهُ صَلَاحِي اللَّيْلَةَ.

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہائل مع شرح المناوی ۱۵۳/۲، خصائل نبوی (ص: ۳۶۳) مکتبۃ البشیری

(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۸۲، سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۶۱۔

ترجمہ: محمد باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: وہ چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کے ریشے بھرے ہوئے تھے، اور حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا: آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ایک ٹاٹ تھا جس کو ہم دوہرا کر دیتے تھے، اس پر آپ ﷺ سویا کرتے تھے، ایک رات میں نے سوچا: اگر میں اس بستر کو چوہرا کر کے بچھا دوں تو وہ آپ ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ ہوگا، چنانچہ ہم نے اسے چوہرا کر کے بچھا دیا، نبی کریم ﷺ نے جب صبح کی تو دریافت فرمایا: آج رات تم لوگوں نے میرے لیے کیا بچھا دیا تھا؟ حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں: ہم نے عرض کیا: یہ آپ ﷺ کا وہی بستر تھا، مگر ہم نے اس کو چوہرا کر کے بچھا یا تھا، ہم نے سوچا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ ہوگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کی پہلی حالت پر ہی لوٹا دو، کیونکہ اس کی نرمی نے آج رات مجھے نماز (تہجد) پڑھنے سے روک دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لہرائش: (ٹاٹ کے نیچے زیر) بستر، کچھونا، آدم: (چمڑے اور دال پر زیر) آدمۃ یا ایدیم کی جمع ہے: وہ چمڑا جس کو دباغت سے صاف کر لیا گیا ہو، حشوہ: (حاد پر زیر اور شین ساکن) اس بستر کی بھرائی یعنی وہ چیز جس سے بستر کو بھرا جاتا ہے، جیسے ہمارے زمانے میں عموماً روئی سے تلائی اور لحاف کی بھرائی کی جاتی ہے، عہد رسالت میں کھجور کے درخت کی چھال اور ریشے ڈال کر بستروں کی بھرائی کی جاتی تھی، لیف: کھجور کے درخت کی چھال، ریشے، مسبحا: (میم کے نیچے زیر اور سین ساکن) ٹاٹ، کھر در بستر اور کچھونا، تنبیہ: (یہ ثنی سے باب ضرب سے جمع متکلم ہے) ہم اس بستر کو دوہرا کر دیں، ثنبتین: (ٹاٹ کے نیچے زیر، نون ساکن اور یا پر زیر) یہ عید کا تنبیہ ہے: دوہرا کر کے، ڈبل کر کے، لو ثنبتہ: (صیغہ متکلم) اگر میں بستر کو دوہرا کر کے بچھا دوں، أو طالہ: (صیغہ اسم تفضیل) نبی کریم ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ، اربع ثنبات: چوہرا کر کے یعنی چار مرتبہ بستر کو ڈبل کیا جائے، مافرو شتمونی: تم لوگوں نے میرے لیے کیا چیز بچھا دی ہے؟ ردوہ: (صیغہ امر) تم لوگ اس بستر کو لوٹا دو، منعنی: مجھے روک دیا، وطاعہ: (واو پر زیر) بستر کی نرمی۔

نبی کریم ﷺ کا بستر

نبی کریم ﷺ کے بستر کی کیفیت مذکورہ احادیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے بیان فرمائی ہے، حضور اقدس ﷺ کا بستر کبھی چمڑے کا ہوتا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال اور ریشے ڈال کر اسے بھرا جاتا، کبھی آپ ﷺ کا بستر صرف ٹاٹ کا ہوتا، جو کھر در ہوتا، کبھی آپ ﷺ کا بستر صرف بور یا ہوتا تھا، متعدد احادیث میں یہ مضمون منقول ہے کہ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات جب آپ ﷺ کے لیے نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضور اقدس ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے: مجھے دنیا کے آرام اور راحت سے کیا غرض، میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو سفر کے دوران تھوڑی دیر آرام کے لیے کسی

سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہوں اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہوں۔
حضرت حفصہؓ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو چہرا کر کے بچھا دیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ آرام دہ بن جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سو گئے، صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے لیے کیسا بستر بچھایا تھا؟ بتایا گیا کہ ہم نے اس کو زیادہ دہرا کر کے بچھایا ہے، تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ آرام دہ ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میرا بستر اسی طرح دہرا کیے بغیر ہی بچھایا کرو، کیونکہ اس بستر کی نرمی نے مجھے نماز تہجد پڑھنے سے روکا، میری آنکھ ہی نہیں کھلی یادیر سے کھلی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نرم بستر کو پسند نہیں فرمایا۔

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سادہ بستر کو پسند فرماتے جو زیادہ نرم نہ ہوتا، تا کہ اس پر سونے کی وجہ سے ایسی غفلت نہ ہو جائے، جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔

✽ نرم بستر پر سونا شرعاً جائز ہے مگر اس کا اہتمام رہے کہ اس پر سونے کی وجہ سے نمازیں قضا نہ ہونے پائیں اور اللہ جل جلالہ کے احکام پر عمل کرنے میں سستی اور غفلت نہ ہو۔

✽ اپنے آپ کو پریشانی اور ناز و نعمت کی زندگی کا عادی نہیں بنانا چاہیے، ایسے میں انسان عموماً غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے، العیاذ باللہ۔

جعفر بن محمد عن ابیہ قال: سئلت عائشہ۔ جعفر اپنے والد یعنی محمد باقر سے روایت کرتے ہیں، مگر یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ محمد باقر کی ملاقات حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے نہیں ہوئی، محمد باقر کی پیدائش ستاون ہجری میں ہوئی اور حضرت عائشہؓ کی وفات اسی سال ہوئی جبکہ حضرت حفصہؓ کی وفات پینتالیس ہجری میں ہوئی، تاہم ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ انقطاع حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں، یہ حدیث حجت اور قابل استدلال ہے۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان روایات میں ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری اور تواضع کا ذکر ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَطْزُرُونِي كَمَا أَطْزُرُ النَّصَارَى ابْنَ مَرْثَمٍ
إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ حد سے زیادہ میری تعریف نہ کرو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لیے تم لوگ مجھے اللہ کا بندہ

اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی: تواضع: انکساری، منکسر المزاجی، عاجزی اختیار کرنا، مصعب اور مرتبہ سے اپنے آپ کو کم ظاہر کرنا، لا بطور نبی: یہ طراوت سے باب افعال سے نبی کا صیغہ ہے، (تا پر پیش، طابا کن اور را پر پیش): تم لوگ حد سے زیادہ میری تعریف نہ کرو، میری تعریف میں تم لوگ مبالغہ نہ کرو، اطروت النصاری: (منزے پر زبر، طابا سا کن اور را پر زبر) واحد مؤنث ماضی معروف از باب افعال، اصل میں اطروت ہے تعلیل کے بعد اطروت ہو گیا: نصاری نے حد سے زیادہ تعریف کی، تعریف میں خوب مبالغہ کیا، نصاری: نصرائی کی جمع ہے: عیسائی مذہب کا پیروکار، عیسائی، کریم۔

نبی کریم ﷺ کی تواضع و انکساری

نبی کریم ﷺ انتہائی منکسر المزاج اور تواضع تھے، مزاج میں انتہائی نرمی اور بے تکلفی تھی، آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ مکمل مل کر رہتے تھے، امتیازی شان اور نمایاں رہنا آپ ﷺ کو بالکل پسند نہیں تھا، تواضع کی یہ کیفیت انسان کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب دل میں ہر وقت اللہ جل جلالہ کا خوف ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر پائی پائی کا حساب دینے کا منظر پیش نظر ہو، یہ حقیقت جس قدر آدمی کے دل میں جاگزیں ہوگی، اسی قدر اس کے چال چلن، رہن سہن اور گفتار و کردار میں عجز و انکساری اور تواضع کا عنصر نظر آئے گا، اور نبی کریم ﷺ کو اللہ جل جلالہ کے ہاں انتہائی بلند مقام اور خصوصی قرب حاصل تھا، اس لیے آپ ﷺ کو تواضع کا بھی انتہائی بلند مقام حاصل تھا، آپ ﷺ کی ساری زندگی تواضع اور عجز و انکساری کا بہترین نمونہ تھی۔

آپ ﷺ عاجزانہ انداز سے بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا کرتے اور فرماتے کہ میں ایک بندہ ہوں، اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح کہ ایک غلام بیٹھتا ہے، اپنے خادم کو نہ مارتے، اور نہ ڈانٹتے، اور نہ یہ فرماتے کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، مگر میں آتے تو ہنس کھڑے رہتا، موڈ میں نہ رہتا اور اپنے کام خود کیا کرتے، ضرورت کے وقت کبھی گدھے پر سوار ہو جاتے، اور سواری میں اپنے ساتھ دوسرے صحابیؓ کو بٹھا لیتے، ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا، اور اس کا کام آپس میں تقسیم کیا، ایک نے کہا: میں اسے ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا: میں اس کی کھال اتاروں گا، تیسرے نے کہا: میں اسے پکانے کی ذمہ داری لیتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لیے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ یہ کام خود کر لیں گے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ یہ کام کر لو گے، مگر مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں تم سب سے ممتاز رہوں، کیونکہ اللہ جل جلالہ بھی اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ ایک انسان اپنے ساتھیوں کے درمیان نمایاں اور ممتاز رہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ ﷺ خود ہی اسے درست کرنے لگے تو صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسے درست کر دیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امتیازی شان پسند نہیں، آپ ﷺ کے پاس اطراف عالم سے مختلف وفد آتے، آپ ﷺ ان کی ضیافت فرماتے اور خود ہی ان کا بہت اکرام فرماتے۔

یہ چند واقعات ہیں، ورنہ اس طرح کے واقعات کی ایک طویل فہرست ہے بلکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی عجز و انکساری اور تواضع کے واقعات سے بھر پور ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم ﷺ کی تواضع سے متعلق تیرہ احادیث ذکر کی ہیں، (۱)

میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح حد سے مبالغہ نہ کرنا

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح مبالغہ نہ کرو، ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں بہت غلو کیا، اور حد سے تجاوز کر لیا، بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنا معبود اور اللہ بنا لیا جبکہ کچھ نے ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کی مبالغہ آمیز تعریف سے منع فرمایا ہے۔
- ۲۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو، میری مدح و ثناء میں ایسی کوئی بات نہ کہو، جو بندگی کے خلاف اور منافی ہو، اسی طرح میری ایسی کوئی تعریف نہ کرو، جو منصب نبوت اور رسالت کے خلاف ہو، چنانچہ صاحب بردہ کہتے ہیں:

دَغَ مَا ادَّعَاهُ النَّصَارَىٰ فِي نَبِيِّهِمْ وَاحْكُم بِمَا شِئْتَ مَذْحًا فِيهِ وَاحْكُم
ترجمہ: تو اس چیز کو چھوڑ دے جس کا نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں دعویٰ کیا ہے (یعنی خدا کی یا اللہ کے بیٹے ہونے کا)، اور شرعی حدود میں رہ کر جس قدر تو تعریف کرنا چاہے استقامت کے ساتھ کرتا رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ میں عبدیت اور نبوت کے تمام کمال کے اوصاف موجود ہیں، آپ ﷺ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی مدح کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ ﷺ ”محمد“ ہیں، اولین اور آخرین سب ہی آپ ﷺ کی مدح و ثناء کرتے ہیں، آپ ﷺ کے لیے مقام محمود اور حوض کوثر ہوگا، آپ ﷺ کے پاس ایک جہنم ہوگا، جس کے نیچے حضرت آدم سمیت تمام لوگ ہوں گے۔
کسی صاحب حال نے کیا خوب کہا:

مَا اِنْ مَدَحْتَ مُحَمَّدًا بِمَدِيْحَتِي بَلْ اِنْ مَدَحْتَ مَدِيْحَتِي بِمَدْحِكَ
ترجمہ: میں نے اپنی تعریف سے محمد (ﷺ) کی تعریف نہیں کی، بلکہ محمد (ﷺ) کے ذریعہ اپنی تعریف کی مدح کی ہے (یعنی اپنے کلام کو حسن بخشا ہے)

اور ابن الفارض نے آپ ﷺ کی یوں مدح کی:

أَرَى كُلَّ مَذْحٍ فِي النَّبِيِّ مَقْصُورًا. وَإِنْ بَالَعَ الْمُشْفَى عَلَيْهِ وَاسْتَفْرَا إِذَا اللَّهُ أَنْشَى بِالَّذِي هُوَ أَهْلُهُ عَلَيْهِ لَمَاءٌ وَمَقْدَارٌ مِمَّا يَمْدَحُ الْوَزَى

ترجمہ ۱: میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہر قسم کی تعریف کو کم سمجھتا ہوں، اگرچہ تعریف کرنے والا آپ ﷺ کی تعریف میں مبالغہ کرے اور کثرت سے کرے۔

ترجمہ ۲: جب اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کی اس طرح تعریف فرمائی ہے، جس کے آپ ﷺ اہل ہیں، تو پھر مخلوق کی مدح و ثناء اور تعریف کی کیا مقدار اور حیثیت ہے۔ (۱)

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی انتہائی کامل درجہ کی توضیح ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دیگر تمام صفات اور کمالات کے باوجود یہاں پر اپنی عبدیت اور بندگی کی صفت کو ذکر کیا ہے، اور تمام مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَالَ: اجْلِسِي فِي أَيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ شِغْتَ أَجْلِسُ إِلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ سے عرض کیا: مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت ہے (جسے علیحدگی میں عرض کرنا ہے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تو مدینہ کے کسی راستہ پر بیٹھ جا، میں بھی وہاں تیری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاؤں گا (اور تمہاری بات سن لوں گا)

نبی کریم ﷺ ہر شخص کی بات پوری توجہ سے سنا کرتے

نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو شخص بھی گفتگو کرتا، آپ ﷺ اسے پوری توجہ سے سنتے تھے، بات کہہ کر دالامرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام اور باندی، کسی سے بھی بے رخی کا اعتراف نہ ہوتا، سب کی بات پوری توجہ سے سنا کرتے اور پھر اس کے مطابق اس کی رہنمائی فرماتے، کوئی شخص کبھی علیحدگی میں بات کرنا چاہتا تو آپ ﷺ اسے بھی موقع دے دیتے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں ایک خاتون نے گزارش کی کہ مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت اور ضرورت ہے، اس کا تذکرہ میں آپ ﷺ سے سب کے سامنے نہیں کر سکتی، صرف آپ ﷺ کے سامنے ہی اسے ذکر کرنا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کے مطالبہ کو رد نہیں کیا، بلکہ اسے یہ فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے کسی راستہ اور گلی کے کنارے پر بیٹھ جاؤ، میں بھی وہاں آ کر بیٹھ جاؤں گا، اور تمہاری بات پوری توجہ سے سن لوں گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں الگ ہو کر اس کی بات سننے کا فرمایا، ایسا کیوں؟ اس کی دو وجہیں ہیں:

✽ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ خاتون کچھ بے عقل سی تھی، گھر میں بات سننے کی صورت میں ازدواجِ مطہرات کے لیے کوئی دقت اور مشکل ہو سکتی تھی، چنانچہ بعض نے لکھا ہے کہ اس کی عقل میں کچھ توڑ تھا، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں تشریف لے جا کر بات سننے کا ارشاد فرمایا۔ (۱)

✽ راستہ میں بیٹھنے کا ارشاد اس لیے تھا، تاکہ اجمعیہ عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت نہ ہو، یہاں سب کے سامنے راستہ کی ایک جانب میں الگ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کی بات سن کر اس کی حاجت کو پورا کیا۔

اس خاتون کا نام کیا تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے نام پر مطلع نہ ہو سکا، البتہ کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس کا نام ”ام زفر“ ہے، یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کٹھنی کیا کرتی تھی (۲)، مگر اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ”ام زفر“ تو انصاری خاتون نہیں تھی جبکہ بخاری کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ وہ انصاری خاتون تھی (۳) ظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہو رہا ہے، اس لیے شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں: ۱۔ بعض نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ مسلم کی روایت اور بخاری کی روایت میں دو الگ الگ عورتوں کا ذکر ہے۔ ۲۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں روایات میں ایک ہی خاتون کا قصہ ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ اجمعیہ خاتون کے ساتھ تنہائی اور خلوت میں بیٹھنا جائز نہیں۔
- ۲۔ ضرورت کے وقت راستہ کی ایک جانب بیٹھا جاسکتا ہے مگر اس میں یہ اہتمام رہے کہ اس سے کسی گزرنے والے کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔

۳۔ حاکم، سرپرست اور ذمہ دار آدمی کو اپنے ماتحت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ (۴)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغُذُّ الْمَرِيضَ، وَيَشْفِي الْجَنَائِزَ، وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيَجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَكَانَ يَوْمَئِذٍ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ، مَخْطُومٍ، بِخَبَلٍ مِنْ لِفْ، وَعَلَيْهِ إِكْفَافٌ

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۴۰/۳ کتاب الفضائل، باب قرب النبی علیہ السلام من الناس وتبرکهم به، رقم الحديث: ۵۹۹۹، بذل

للجهود ۳۷۱/۹ کتاب الادب، باب فی الجلووس فی الطرقات، رقم الحديث: ۳۸۱۸

(۲) کتاب الشفاء للقاضی عیاض (ص: ۸۹) الباب الثانی فی تکمیل الله له للمحاسن خلقاً وخلقاً، فصل: واما تواضعه ﷺ ط:

بیروت

(۳) فتح الباری ۱۳۳/۷ کتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار من الا بیان، رقم الحديث: ۳۷۸۶، وایضاً ۱۱/۱۳۳ کتاب

الایان والنذور، رقم الحديث: ۶۶۳۵

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للباوی ۱۶۳/۲، المواهب اللدنیة علی الشمائل للحمیدی (ص: ۵۴۲)

(۱) من لیف:

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار کی عیادت فرماتے، جنازہ میں حاضر ہوتے، گدھے پر سوار ہوتے اور غلام کی دعوت (بھی) قبول فرما لیتے تھے، اور غورقہ کی لڑائی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام بھجور کی چھال کی رسی سے بنی ہوتی تھی، اور اس پر بھجور کی چھال کا پالان تھا۔ مشکل الفاظ کے معنی: یعود: بیمار پرسی کرتے، یجیب: قبول فرماتے، معطلوم: لگام دیا ہوا، یخبل من لیف: بھجور کے چھال کی رسی سے، الکاف: (ہمزے کے نیچے زیر) پالان، لیف: بھجور کی چھال، ریشہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر بھی سوار ہوا کرتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار سنتوں کا ذکر ہے:

۱۔ جب کوئی بیمار ہو جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیمار پرسی کے لیے اس کے گھر تشریف لے جاتے، اس کے سر کے پاس بیٹھ کر اسے دعا میں دیتے، وہ بیمار خواہ مسلمان ہو یا کافر، بڑا شخص ہوتا یا معمولی، آزاد ہوتا یا غلام، چنانچہ ایک یہودی لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا، وہ سخت بیمار ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے، اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا: أطلع أبا القاسم: ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو، اس یہودی لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، پھر اس کی وفات ہو گئی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے ذریعہ ایک شخص کو جہنم کی آگ سے بچا دیا، بیمار پرسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کو بھی اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر موقع پر اذیت ہی پہنچاتا رہا، ان تمام واقعات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے۔ (۲)

احادیث میں عیادت اور بیمار پرسی کے بہت فضائل منقول ہیں، اس لیے تمام مسلمانوں کو اس سنت پر اہتمام سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ اور دفن میں شرکت فرمایا کرتے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک مخصوص کیفیت طاری ہوتی، نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اس میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ یہ مرحوم کا زندوں پر ایک حق ہے، جسے ادا کرنا

(۱) سنن الترمذی، باب الجنائز، رقم الحدیث: ۱۰۱۷۔

(۲) فتح الباری ۲۸۰/۳ کتاب الجنائز، باب اللحد والشق فی القبر، رقم الحدیث: ۱۳۵۶، جمع الوسائل فی شرح الشماکل مع شرح المناوی ۱/۲۳۲۔

چاہیے۔

۳۔ جب کوئی شخص آزاد یا غلام نبی کریم ﷺ کی دعوت کرتا، آپ ﷺ اس کی دعوت کو بخوشی قبول فرماتے، اس کی دعوت سے انکار نہ فرماتے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ تواضع کی وجہ سے گدھے پر بھی سوار ہو جاتے، حالانکہ آپ ﷺ کے پاس دوسری عمدہ سواری کا بندوبست ہوتا پھر بھی گدھے پر سواری کرتے، چنانچہ غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ میں آپ ﷺ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام بھجور کے درخت کی چھال کی بنی ہوئی تھی، اور اس پر پالان بھی بھجور کی چھال کا بندھا ہوا تھا، صحابہ کرامؓ اور اس کے بعد بھی بہت سے لوگ سنت پر عمل کرنے کی نیت سے گدھے پر سواری کیا کرتے تھے، اور اب بھی کرتے ہیں۔

ان تمام امور سے نبی کریم ﷺ کا تواضع مزاج ثابت ہوتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعِي إِلَى خَيْرِ الشَّعِيرِ وَالْإِهَالَةِ الشَّنِخَةِ فَيَجِيبُ، وَلَقَدْ كَانَ لَدَوْلُغٌ عِنْدَهُ يَدِي، فَمَا وَجَدْنَا يَفْكُهَا حَتَّى مَاتَ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ (بينا اوقات) رسول اللہ ﷺ جو کی روٹی اور باسی چربی کی دعوت دیے جاتے تھے تو آپ ﷺ اسے قبول کر لیتے اور آپ ﷺ کی ایک ذرہ ایک یہودی کے پاس (گروی) تھی، آپ ﷺ نے ایسی کوئی چیز نہیں پائی جس کے ذریعہ آپ ﷺ اس ذرہ کو چھڑا لیتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- يدعى: (صیغہ مجہول) آپ ﷺ کو دعوت دی جاتی، خیر الشعیر: جو کی روٹی، اہالہ: (ہزے کے نیچے زیر) چربی، تیل ہر وہ چیز جو سالن کے طور پر استعمال کی جائے، شَنِخَة: (سین پر زبر، نون کے نیچے زیر اور خاء پر زبر) باسی، خراب، سڑی ہوئی بدبودار، دوع: (دال کے نیچے زیر اور زاء ساکن) ذرہ، ما یفکھا: اس میں ”حَا“ ضمیر ”دوع“ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ”دوع“ مؤنث ہے کیونکہ یہ ”لَا تُحْمَدُ“ (ذرہ) کے معنی میں ہے، اس لیے دوع کا استعمال بھی مؤنث ہوتا ہے، وہ چیز یعنی رقم وغیرہ جس سے آپ ﷺ اس ذرہ کو چھڑا لیتے۔

نبی کریم ﷺ ہر طرح کے کھانے کی دعوت قبول فرما لیتے

مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے، جن سے نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے: نبی کریم ﷺ کھانے کی ہر دعوت کو قبول فرما لیتے تھے، اس میں کھانے کا عمدہ ہونا، بلکہ تازہ ہونا بھی کوئی ضروری نہیں

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۱۶۴/۲۔

(۲) سنن الترمذی، البیوع، رقم الحدیث: ۱۲۱۵۔

تھا، بسا اوقات کھانے کی دعوت دینے والا بتا دیتا کہ میرے گھرباسی چربی یا گوشت اور جو کی روٹی ہے، یا نبی کریم ﷺ اس کی تنگدستی سے سمجھ جاتے کہ یہ دعوت باسی کھانے کی ہے، کیونکہ اس زمانے میں کھانے کی اشیاء کو باسی ہونے سے بچانے کے لیے کوئی فرج وغیرہ تو تھا نہیں، یا آپ ﷺ حالات اور قرآن سے سمجھ جاتے کہ یہ کھانا باسی ہوگا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ اس صحابی کی دلداری اور دلجوئی کے لیے اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے، سوچئے کہ آج اگر کوئی ہماری دعوت کرے اور اس میں بدبودار اور باسی کھانے ہوں تو ہمارے دل پر کیا گذرتی ہے، ہم اس سے ہمیشہ کے لیے بہت سخت ناراض ہو جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی عاجزی اور تواضع دیکھئے کہ آپ ﷺ بخوشی اس دعوت کو قبول فرما لیتے، اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ کبھی کسی دعوت میں کسی وجہ سے باسی یا آپ کے مزاج کے خلاف کھانا پیش کر دیا جائے، تو سخت پر عمل کرنے کی نیت سے اسے برداشت کر لیا جائے، اسے لڑائی جھگڑے اور ناراضگی کا سبب نہ بنایا جائے۔

✽ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی ابواکثم یا ابوحمہ بن اوس سے تیس صاع ”جو“ قرض کے طور پر لیے تھے یا اس سے خریدے تھے، رقم ادا کرنے کی اس وقت کوئی صورت نہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھوا دی، اس معاملے کی مدت ایک سال تھی، مگر اس سے پہلے ہی نبی کریم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ معاملہ کسی صحابی کے ساتھ کیوں نہ کیا، یہودی کے ساتھ کس وجہ سے کیا؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

✽ یہودی کے ساتھ یہ معاملہ کر کے امت کو یہ بتانا ہے کہ ضرورت کے موقع پر ایک یہودی کے ساتھ بھی لین دین کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

✽ صحابہ کرامؓ کے پاس کھانے کا راشن وغیرہ زائد نہیں ہوتا تھا، جبکہ یہودی لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے یہ معاملہ یہودی سے کیا۔

✽ نبی کریم ﷺ عموماً اپنے فقر و فاقہ کی حالت صحابہؓ سے پوشیدہ رکھتے تھے، ورنہ صحابہؓ تو آپ ﷺ پر ہر چیز قربان کر دیتے تھے، اگر انہیں محسوس ہو جاتا کہ یہ چیز مثلاً نبی کریم ﷺ کو ضرورت ہے تو وہ بغیر کسی معاوضہ، قیمت اور گروی رکھوانے کے، اس چیز کو خدمت اقدس میں پیش کر دیتے، اور ہدیہ قبول کر لینے کو بجا طور پر اپنی بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے، ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت صحابہ کرامؓ پر بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

✽ قریبی کے بجائے دور کے بندے سے قرض لینا زیادہ اچھا ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے یہودی سے یہ قرض لیا تھا۔

✽ نبی کریم ﷺ نے زرہ گروی رکھوائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آلات حرب و ضرب، جنگ اور جہاد کے ہتھیاروں کو بھی گروی رکھوایا جاسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی قیمت ادا کر کے اپنی زرہ نہ چھڑا سکے، بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ نے قرض ادا کر کے اس زرہ کو واپس لیا تھا، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر شدید تنگدستی اور فقر و فاقہ تھا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت بھی تواضع کی وجہ سے تھی، اور فقر و فاقہ کے تمام حالات اور کیفیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیاری تھیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ عبدیت اور بندگی کے ساتھ رسول بننا چاہتے ہیں یا سلطنت اور بادشاہت کے ساتھ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی صورت کو پسند فرمایا، غناء و مالداری اور بادشاہت کا راستہ اختیار نہیں فرمایا، اس سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، عجز و انکساری اور منکسر المزاجی ثابت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يَقْضَى عَنْهُ (مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے وہ قرض ادا کر دیا جائے) مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ حدیث انبیاء کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس شخص کے بارے میں ہے جو ترکہ میں قرض کی ادائیگی کی چیز نہ چھوڑے، اگر کوئی آدمی قرض تو ادا نہ کر سکا، مگر اس کا ترکہ موجود ہے، جس سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہو، تو پھر وہ حدیث کی اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: حَجَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَحْلِ رَثٍّ، وَعَلَيْهِ قُطِيفَةٌ لَا تُسَاوِي أَرْبَعَةَ دَرَاهِمٍ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا، لَا رِيَاءَ فِيهِ، وَلَا شَفْعَةً. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوے پر (پیٹھ کر) حج کیا، اس کجاوے پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ایک ایسا کبل یا چادر تھی، جس کی قیمت چار درہم کے برابر بھی نہیں ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے کہ: یا اللہ اس حج کو ایسا حج بنا دیجئے، جس میں نہ تو کوئی زیا کاری اور دکھلاوا ہو، اور نہ ہی شہرت ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: - رحل: (راپر زبر اور حاء ساکن) کجاوہ عرت: (راپر زبر اور ثاء پر تشدید) پرانا، بوسیدہ، قطیفہ: کبل، جھالدار چادر، کپڑا، علیہ قطیفہ: اس میں ”علیہ“ کی ضمیر ”ہ“ کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ۱۔ یہ ضمیر ”رحل“ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس کجاوے پر، ۲۔ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر، قطیفہ: جھال دار چادر، سمعة: (سین پر پیش اور میم ساکن) شہرت، مشہوری، ریاء: دکھلاوا، لوگوں کو دکھانے کے لیے کام کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے کجاوے پر حج کیا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اعمال کا ذکر ہے:

(۱) شرح الشمائل للمناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۶۶۲، اللوہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ (ص: ۵۲۵)

(۲) سنن ابن ماجہ مرج: ۲/ص: ۹۶۵، مؤرقم الحدیث: ۲۸۹۰، باب الحج علی الرحل۔

۱۔ حج کے مناسک کی ادائیگی کے وقت نبی کریم ﷺ ایک ایسے اونٹ پر سوار تھے، جس پر ایک پرانا کجاوہ تھا، اس کجاوے یا نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر ایک معمولی سا کبیل یا چادر تھی، جس کی قیمت چار درہم کے برابر بھی نہ تھی، اس سے نبی کریم ﷺ کی تواضع اور دنیا سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو عمدہ سواری اور اعلیٰ لباس کا انتظام کر سکتے تھے، مگر آپ ﷺ کو سادہ طرز زندگی پسند تھا، اس لیے سادہ لباس پہننے کا ہی معمول تھا، البتہ کسی غرض کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ نے قیمتی لباس بھی پہنا ہے، لہذا یہ بھی جائز ہے۔

۲۔ سفر حج میں آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيْهِ وَلَا مَشَقَّةَ (اے اللہ: میرے حج کو ایسا حج بنا دے، جس میں نہ تو کوئی ریا کاری اور دکھلاوا ہو اور نہ ہی اس میں شہرت ہو) اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کسی عمل میں نہ ریا کا کوئی شائبہ تھا اور نہ ہی شہرت کا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے یہ دعا اہتمام سے فرمائی، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

✽ اس سے دراصل امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں ریا و نمود اور شہرت سے دور رہیں، اور خاص طور پر سفر حج ہو تو یہ عبادت چونکہ دیگر تمام عبادات سے ذرا مشکل اور محنت طلب ہے، اس لیے حج کی ادائیگی میں اس دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ انسان کا حج ریا کاری اور شہرت سے محفوظ رہ سکے۔

✽ نبی کریم ﷺ نے محض تواضع اور عاجزی کی وجہ سے اللہ جل جلالہ سے حج کی یہ دعا مانگی، ورنہ آپ ﷺ کے تو تمام اعمال ہی صرف اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے ہی تھے، ان میں نام و نمود اور ریا کاری بالکل نہیں تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُولُوا: لِمَا يَفْلَحُونَ مِنْ كَرَامَتِهِ وَلِلَّهِ الْكَرَامَةُ (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا، اس کے باوجود وہ لوگ جب حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسے پسند نہیں فرماتے۔

دوسرے انسان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان بیٹھا ہو اور دوسرا کوئی اس کے پاس آ جائے تو اس کے لیے کھڑا ہونا پسندیدہ نہیں، نبی کریم ﷺ اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہ بھی نبی کریم ﷺ کی انتہائی عاجزی اور متواضع ہونے کی دلیل ہے کہ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود اپنے لیے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا آپ ﷺ کو پسند نہیں تھا، اور

صحابہ کرامؓ اپنے کسی عمل سے حضور اکرم ﷺ کو ناراض نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ کو کھڑا ہونا چونکہ پسند نہیں تھا، اس لیے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ کے بعد پھر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، کیونکہ عموماً اس موقع پر تعظیماً کھڑے ہونے کو تکبر اور عجمی لوگ پسند کرتے ہیں، جو بلاشبہ درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل بہت سی ایسی احادیث اور نبی کریم ﷺ کا عمل ہے کہ جس سے تعظیماً کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، چند روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جب حضرت سعد کے فیصلے پر متفق ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد کو بلایا، جب وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آگئے تو نبی کریم ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا: قوموا الیٰ منید کم (تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ)

۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس کی وجہ سے اللہ جل شانہ اور نبی کریم ﷺ ان سے ناراض ہو گئے، جب ان کی توبہ اللہ کے ہاں قبول ہوئی، تو وہ مسجد نبوی ﷺ میں آئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، مصافحہ کیا اور ان کو مبارک باد دی۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ جب نبی کریم ﷺ کے ہاں تشریف لے جاتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے۔

۴۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔

۵۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ بائیں کرتے رہتے تھے، اور جب حضور اقدس ﷺ کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے، اور ہم اس وقت تک آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے رہتے، جب تک حضور اقدس ﷺ گھر تشریف نہ لے جاتے۔

۶۔ حضرت عکرمہ بن ابی جہل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہو گئے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ کے پاس عدی بن حاتم جب بھی آتے تو آپ ﷺ ان کی دل جوئی کے لیے کھڑے ہو جاتے، تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں، ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کا پورا قبیلہ طی اسلام قبول کر لے گا، کیونکہ یہ اس قبیلہ کے سردار تھے۔

۸۔ نایبنا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب بھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ان کے لیے چادر بچھواتے اور فرمایا کرتے کہ یہ وہ صحابی ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ محسن میں میرے اوپر عتاب نازل فرمایا ہے۔

مذکورہ روایات سے تعظیماً کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ شمال کی مذکورہ روایت اور اس مفہوم کی دیگر روایات میں ممانعت کا ذکر ہے، اس لیے اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا تعظیماً کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں، اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ کھڑے ہونے کی مختلف وجہیں، مقاصد اور اسباب ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے اس قیام کا حکم ہوگا، چنانچہ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں ابوالولید بن رشد سے کھڑے ہونے کی چار قسمیں ذکر کی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ممنوع: اس شخص کے لیے کھڑا ہونا ممنوع ہے، جو محض تکبر و سرکشی کی وجہ سے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوا کریں۔

۲۔ مکروہ: جس شخص کے بارے میں یہ خطرہ ہو کہ اگر لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے ہوتے رہے، تو اس میں تکبر، بڑائی اور عجب پیدا ہو جائے گا، تو ایسے بندے کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے، نیز اس طرح کھڑے ہونے میں متکبرین کے ساتھ مشابہت بھی لازم آتی ہے، اس لحاظ سے بھی کھڑے ہونے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

۳۔ جائز: ادب و اکرام اور حسن سلوک کی وجہ سے اس شخص کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے، جو متکبر نہ ہو۔

۴۔ مستحب: تعظیماً کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہوتا ہے جب کوئی سفر سے واپس آئے تاکہ اس سے ملاقات اور اسے سلام کیا جائے، یا کسی کو کوئی خوشی حاصل ہوئی تاکہ اسے مبارک باد دی جائے، یا جو بڑے مصیبت ہے تو اسے تسلی دی جائے یا حاکم کے لیے اس کے دفتر میں کھڑا ہونا، اس قسم کے تمام مواقع پر کھڑا ہونا پسندیدہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان صاحب علم و فضل ہو اور اہل اشراف میں سے ہو، اس کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قیام کی ممانعت ہے کہ جس میں بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، چنانچہ ممانعت کی احادیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ اس طرح نہ کھڑے ہوا کریں، جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس کے بعد اولیاء کرام، مشائخ عظام اور ہمارے اسلاف کا بھی یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ (۱)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هَنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَضَافًا عَنْ جَلِيلَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخِّمًا،

(۱) فتح الباری ۵۸/۱، کتاب الاستئذان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قوموا الی سیدکم، رقم الحدیث: ۶۲۶۲، عمدة القاری ۲۵۲/۲۲، ط: کوئٹہ، تکملة فتح اللهم ۱۲۶/۳، کتاب الجہاد والسير، مسألة القيام للقادم رقم الحدیث: ۳۳۵۹، تحفة الاحوذی ۲۹/۸، کتاب الاداب، باب ما جاء فی کراهية قيام الرجل للرجل، رقم الحدیث: ۲۷۵۴، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۱۶۸/۲، الواهب اللدنی علی الشیائل للحمیدی (ص: ۵۳۷)

يَتَلَاوُ وَجْهَهُ تَلَاوُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ قَالَ الْحَسَنُ: فَكُتِمَتْهَا الْحُسَيْنُ زَعْنَاءُ، ثُمَّ حَدَّثَتْهُ فَوَجَدَتْهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ. فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتَهُ عَنْهُ، وَوَجَدَتْهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخُلِهِ، وَمَخْرَجِهِ، وَشَكْلِهِ، فَلَمْ يَدْعُ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم ﷺ کی شکل و صورت اور حلیہ مبارک کے بارے میں دریافت کیا، اور وہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت زیادہ اور خوب اچھی طرح بیان کیا کرتے تھے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی بیان کر دیں، چنانچہ حضرت ہند نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ اپنی ذات کے لحاظ سے عظیم الشان اور صفات میں بھی بلند رتبہ تھے، آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، پھر حضرت حسن نے اپنی لمبی حدیث کو ذکر کیا (جو اس کتاب کے پہلے باب کی ساتویں حدیث ہے)۔

حضرت حسنؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حلیہ کو یا اس روایت کو حضرت حسینؑ سے ایک عرصہ تک چھپائے رکھا (یعنی ذکر نہیں کیا) پھر میں نے ان کو یہ حدیث بتائی، تو میں نے ان کو اس طرح پایا کہ وہ مجھ سے ماموں سے پوچھنے میں سبقت کر چکے تھے، (یعنی یہ حدیث حضرت حسینؑ نے پہلے سے اپنے ماموں حضرت ہند سے سن لی تھی) چنانچہ حضرت حسینؑ نے حضرت ہند سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، جسے میں نے حضرت ہند سے پوچھا تھا اور (مزید) میں نے حضرت حسینؑ کو اس طرح پایا کہ وہ اپنے والد حضرت علیؑ سے نبی کریم ﷺ کے اپنے گھر میں تشریف لے جانے اور گھر سے باہر تشریف لانے اور (صحابہ کرامؓ وغیرہ کے ساتھ) آپ ﷺ کے طور طریقے کے بارے میں (یا آپ ﷺ کی شکل و صورت اور حلیہ مبارک کے بارے میں) پوچھ چکے تھے، چنانچہ حضرت علیؑ نے پوچھے گئے سوال سے متعلق کوئی بات نہیں چھوڑی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- و صافا: بہت زیادہ بیان کرنے والے، حلیۃ: (حاک کے نیچے زیر اور لام ساکن) شکل و صورت، حلیہ مبارک، الا اشتہی: میں نے چاہا، مجھے یہ خواہش ہوئی، ففخما: (قا پر زبر اور خاء ساکن) اپنی ذات کے لحاظ سے عظیم الشان اور شاندار، مفخما: تفخیم سے صیغہ اسم مفعول، اوصاف اور خوبیوں کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی بلند رتبہ، باوقار، يتلأ و جہہ: آپ ﷺ کا چہرہ چمکتا تھا، ذکر الحدیث: حضرت حسنؑ نے حدیث کو ذکر کیا، فکتمتها: (صیغہ متکلم) اس میں ”ہاء“ ضمیر: روایت یا حلیہ کی طرف لوٹ رہی ہے، چنانچہ میں نے اس روایت کو چھپایا یعنی میں نے ذکر نہیں کیا، عن مدخلہ: (میم پر زبر اور دال ساکن) نبی کریم ﷺ کے گھر میں داخل ہونے اور تشریف لانے کے بارے میں، کہ آپ ﷺ کا طریقہ گھر میں کیسا تھا، مخرجہ: (میم پر زبر اور خاء ساکن) آپ ﷺ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں کہ گھر سے باہر آپ ﷺ کا طرز زندگی کیسا تھا، وشکلہ: (شین پر زبر اور کاف ساکن) اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں: ۱۔ نبی کریم ﷺ کا صحابہؓ

وغیرہ کے ساتھ طور طریقہ، طرز زندگی، نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت، ظلم بدع فعل کی ”سو“ ضمیر کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر حضرت علیؓ کی طرف لوٹ رہا ہے، ترجمہ: حضرت علیؓ نے نہیں چھوڑا، ۲۔ یہ حضرت حسینؓ کی طرف راجع ہے، ترجمہ: حضرت حسینؓ نے اپنے سوال میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی، منہ شیعہ اس سوال میں پوچھی گئی چیزوں میں سے کوئی چیز۔

حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اوصاف دریافت کیے

حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں حضرت خند بن ابی خالدؓ سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اوصاف دریافت کیے، کیونکہ حضرت خند رضی اللہ عنہ بہت کثرت سے اور خوب اچھی طرح نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے، ان کے ماموں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اپنی ذات اور حسب و نسب کے اعتبار سے بھی عظیم الشان، باوقار اور اونچی شان والے تھے اور مقم بھی تھے، یعنی اوصاف و صفات اور خوبیوں کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی بلند مرتبہ والے تھے، آپ ﷺ کی شان جیسی کسی انسان کی شان نہیں تھی، دشمن بھی آپ ﷺ کی امانت و دیانت، عمدہ کردار اور حسن اخلاق کے معترف تھے، آپ ﷺ کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، پھر حضرت حسنؓ نے مکمل حدیث کو ذکر کیا، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو شمال کے پہلے باب میں نمبر سات پر ذکر کیا ہے، اس کی مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسینؓ کا شوق علم دیکھنے کے لیے کچھ عرصہ یہ حدیث ان کو نہیں بتائی، پھر میں نے ان کو یہ حدیث بتائی، تو اس وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ تو یہ حدیث اپنے ماموں سے حاصل کر چکے تھے، اور مزید یہ کہ انہوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم ﷺ کے گھر میں تشریف لانے، گھر سے باہر نکلنے، اور آپ ﷺ کی شکل کے بارے میں بھی دریافت کر چکے تھے، شکل کے دو مطلب ہیں:

❖ نبی کریم ﷺ کا صحابہ وغیرہ کے ساتھ کیسا رویہ، برتاؤ اور سلوک تھا، اس طور طریقے کے بارے میں بھی وہ پوچھ چکے تھے۔

❖ اس سے نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت اور حلیہ مبارک مراد ہے۔

حضرت حسینؓ نے حضرت علیؓ سے جو کچھ پوچھا، انہوں نے پوری تفصیل سے انہیں بتا دیا، حضرت علیؓ نے اس سوال سے متعلق کوئی بات نہیں چھوڑی، اس سے ال بیت رسول ﷺ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق اور والہانہ محبت معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کو وہ حضرات بڑی چاہت اور عقیدت کے ساتھ مخصوص انداز سے بیان کیا کرتے تھے۔ (۱)

قَالَ الْخَسَنُ: فَسَأَلْتُ أَبِي، عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى مَنْزِلِهِ جَزَأَ دُخُولَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، جُزْءٌ لِلَّهِ، وَجُزْءٌ لِأَهْلِهِ، وَجُزْءٌ لِنَفْسِهِ، ثُمَّ جُزْءٌ أَجْزَاءُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، فَيُؤَدُّ ذَلِكَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمال مع شرح النواوی ۱/۲، اللوہب اللندیۃ علی الشمال للحمیدیۃ (ص: ۵۴۹)

بِالْغَاثَةِ عَلَى الْعَامَّةِ، وَلَا يَدْخُرُ عَنْهُمْ شَيْئًا۔

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت علیؑ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لے جانے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں پناہ لیتے یعنی تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں رہنے کے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ جل جلالہ (کی عبادت) کے لیے، دوسرا حصہ گھروالوں (کے حقوق کی ادائیگی) کے لیے، اور تیسرا حصہ اپنی ذات کے لیے، پھر اپنے والے (تیسرے) حصے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تیسرے حصے کو خاص صحابہ کے ذریعہ عام لوگوں پر لوٹاتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہ رکھتے (یا صحابہ کرامؓ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رکھتے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اَوْعَدَ پناہ لیتے، گھر میں تشریف لاتے، دُخُولُ: ای زمن دُخُولُ: گھر میں داخل ہونے کے وقت کو جزاء: (جیم پر زبر اور راء پر زبر و تشدید) تقسیم فرماتے، فَبَرَزَ دَلَّکَ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے حصے کو لوٹاتے یعنی اسے تقسیم فرماتے، لَا يَدْخُرُ عَنْهُمْ: اس کے دو ترجمے ہیں :- ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے کسی چیز کو ذخیرہ نہ کرتے، جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میسر ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی خاطر تواضع فرماتے، ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت اور ہدایت سے متعلق جوابات صحابہ کرامؓ کے لیے مفید ہوتی، وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخفی نہ رکھتے، اسے پوشیدہ نہ رکھتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے:

❖ وقت کا ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کی عبادت کے لیے مختص کیا ہوا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، تلاوت، ذکر و اذکار اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔

❖ وقت کے دوسرے حصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروالوں کے حقوق ادا فرماتے تھے، ان کے ساتھ ہنس کربات چیت کرتے، ان کی خبر گیری فرماتے اور حالات معلوم کر کے ان کی ضروریات کو پورا فرماتے، اور گھر کے کام کاج میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے، غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ایک مثالی شوہر کے طور پر اپنے اہل خانہ کے ساتھ معاملہ فرماتے، چنانچہ امت کے مرد حضرات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی بھی ایک بہترین نمونہ ہے، جس کی روشنی میں گھر کی زندگی کو خوشگوار اور پرسکون بنایا جا سکتا ہے۔

❖ وقت کا تیسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کر رکھا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات کو پورا

فرماتے اور آرام و راحت فرماتے، مگر وقت کے اس تیسرے حصے کو نبی کریم ﷺ نے دو حصوں میں تقسیم فرما رکھا تھا، ایک اپنی ذات کے لیے اور دوسرا مخصوص جلیل القدر صحابہ کرام کے لیے، اس وقت میں خواص صحابہ کرام تشریف لاتے اور نبی کریم ﷺ سے فیض حاصل کر کے عوام تک اسے پہنچاتے، اور آپ علیہ السلام صحابہ کرام سے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے، یعنی کھانے کی جو چیز بھی اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس دستیاب ہوتی، ان سے آپ ﷺ صحابہ کرام کی خاطر تواضع فرماتے اور وعظ و نصیحت اور ہدایت سے متعلق بھی جو بات صحابہ کرام کے لیے آپ ﷺ مناسب سمجھتے، ارشاد فرما دیتے، پھر خواص صحابہ کرام خلفاء اربعہ وغیرہ جو بکثرت نبی کریم ﷺ کے پاس استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، ان تعلیمات کو ان صحابہ کرام تک پہنچا دیتے، جو اس مجلس میں موجود نہ ہوتے، یوں نبی کریم ﷺ نے گھر میں اپنے اوقات کو تقسیم کیا ہوا تھا۔ (۱)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ انسان کو اپنے شب و روز کا ایک نظام الاوقات بنانا چاہیے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے اوقات کو مختلف امور کے لیے تقسیم کیا ہوا تھا، نظام الاوقات کی وجہ سے تمام امور آسانی کے ساتھ اپنے اوقات پر ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔
- ۲۔ اپنے گھر والوں اور اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا اور گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرنا، مسنون عمل ہے۔
- ۳۔ وقت کا کچھ حصہ اللہ جل جلالہ کی عبادت اور راز و نیاز کے لیے مخصوص کرنا چاہیے، جس میں انسان پوری یکسوئی کے ساتھ یاد الہی میں مشغول رہے، چنانچہ انہی تعلیمات کی روشنی میں حضرات صحابہ کرام اور اولیاء کرام کا اس طرح کا ہی معمول تھا، اللہ جل شانہ ہمیں بھی صحیح طرح اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔
- ۴۔ ایک عالم، مفتی اور صاحب علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک وقت لوگوں کے لیے ایسا ضرور رکھے، جس میں وہ اس کے پاس حاضر ہو کر دین کا استفادہ کر سکیں، فقہی مسائل اور دین سے متعلق کوئی بات معلوم کر سکیں، مذکورہ حدیث سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وَكَانَ مِنْ سِيرَتِهِ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ يُفَارِزُ أَهْلَ الْفَضْلِ بِأَذْنِهِ وَقَسَمَهُ عَلَى قَلْبِهِ فَضْلَهُمْ فِي الدِّينِ، فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ، فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْفُلُهُمْ فِيمَا يَضِلُّهُمْ وَالْأُمَّةُ مِنْ مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُوَ اخْتِبَارُهُمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ وَيَقُولُ: لِيَبْلُغَ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْغَائِبَ۔

ترجمہ: اور امت کے جزء یعنی تیسرے حصے کے آدمی وقت میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ اہل فضل و کمال کو اپنے پاس آنے کی اجازت دینے میں ترجیح دیتے اور اس وقت کو ان کے ذریعہ دینی فضیلت کے بقدر

تقسیم فرماتے تھے، ان میں سے بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے، اور بعض دو دو حاجتیں لے کر آتے، اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر خدمت میں حاضر ہوتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے، اور ان کو (بھی) ایسے امور میں مشغول فرما دیتے، جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید ہوتے یعنی ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور سے متعلق دریافت کرنا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں ایسی باتیں بتلانا، جو ان کے لیے مناسب ہوتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ ان باتوں کو غائبین یعنی ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ایشارہ ترجیح دینا، بادلہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے، قسمہ: اس میں ”ہ“ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: ۱۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو تقسیم فرماتے، اس صورت میں ”قسم“ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے، ۲۔ ”ہ“ ضمیر ”جزء“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جزء کو تقسیم کرنا، اس صورت میں ”قسم“ کی اضافت مفعول کی طرف ہے، علی قدر فضلیہم: ان کی فضیلت کے بقدر، یشاغل بہم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے یعنی ان کی حاجتیں پوری فرماتے، یشغلہم: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ یہ اشغال سے ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مشغول کر دیتے، ۲۔ (یا اور غن پر زبر) مجرد سے، مایصلحہم والامۃ: اس میں ”الامۃ“ کا عطف ”ہم“ ضمیر پر ہے، ترجمہ: جو امتوں کے اور امت کی اصلاح میں مفید ہوتے، من مسئلتہم عنہ: ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا، و اخبارہم: اس کا عطف مسئلتہم پر ہے، ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خبر دینا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل علم و فضل اور اکابر صحابہؓ کو حاضری میں ترجیح دیتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں جو وقت اپنی ضروریات اور آرام و راحت کے لیے مخصوص کیا تھا، اس میں بھی آدھا وقت اہل علم اور فضیلت والے اکابر صحابہ کرامؓ سے ملاقات میں صرف فرماتے، ان صحابہ کرام کو حاضری کی اجازت دینے میں ترجیح دیتے، ان میں خلفاء اربعہ سرفہرست تھے، یہ حضرات خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنی ضروریات، حاجتیں اور پیش آنے والے مسائل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دینی مسائل کی تفہیم اور ضروریات کو پورا فرماتے، ان کے ساتھ ہی مشغول ہو جاتے اور ان صحابہ کرامؓ کو بھی ایسے امور میں مشغول فرما دیتے، جو ان کی ذات کے لیے اور پوری امت کی اصلاح کے لیے کارآمد اور مفید ہوتے، اور وعظ و نصیحت اور تعلیمات میں سے جو چیز ان کے حال کے مناسب ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان کے سامنے بیان فرما دیتے۔

چنانچہ مختلف صحابہ کرامؓ کو ان کے حالات سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف وصیتیں فرمائی ہیں، ایک صحابیؓ نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! مجھ کو وصیت فرمادیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ جل شانہ سے شرم و حیا کیا کرو، ایک اور صحابی کو وصیت فرمائی کہ: تم غصہ نہ کیا کرو، حضرت بلالؓ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم خرچ کیا کرو، فقر و فاقہ سے نہ ڈرا کرو، عرش والا تمہاری مدد کرے گا، ایک اور صحابی سے فرمایا: کہ تم سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، وارثوں کے لیے بھی کچھ چھوڑو، تم وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر وفات پاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور نبی کریم ﷺ مجلس میں موجود اکابر صحابہ کو تاکید سے فرماتے کہ جو امور تم لوگ مجھ سے اس مجلس میں سیکھ رہے ہو، انہیں ضرور ان لوگوں تک پہنچا دینا، جو اس ملاقات میں ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں (۱)۔ اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ✽ اہل علم اور فضیلت والے حضرات کو ملاقات میں ترجیح دینا جائز ہے۔
- ✽ جو شخص کسی ادارے کا ذمہ دار اور سربراہ ہو، اسے وسیع ظرفی کے ساتھ اپنے ماتحتوں کے مسائل اور ان کی مشکلات کو سننا چاہیے، اور پھر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے ان مشکلات کے حل اور ازالے کی مصلحتانہ کوشش کرنی چاہیے۔
- ✽ جو شخص اپنے استاذ سے دینی علم حاصل کر لے، اسے چاہیے کہ اب وہ اسے دوسروں تک پہنچائے، نبی کریم ﷺ نے اس تبلیغ کی بہت تاکید فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وَأَبْلَغُونِي حَاجَةً مِّنْ لَا يَسْتَطِيعُ ابْلَاغُهَا، فَإِنَّهُ مِّنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةً مِّنْ لَا يَسْتَطِيعُ ابْلَاغُهَا، ثَبَتَ اللَّهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَذْكُرُ عَنْهُ إِلَّا ذَلِكَ، وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرِهِ، يَدْخُلُونَ زَوَاكِرَ لَا يَفْتَرِقُونَ إِلَّا عَنْ ذَوَائِقِ، وَيَخْرُجُونَ أَدْلَةً يُعْنِي عَلَى الْخَيْرِ.

(اور نبی کریم ﷺ فرماتے) اور جو لوگ (کسی عذر مثلاً پردہ، دوری، شرم و حیا اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے) مجھ تک اپنی ضرورتوں کو نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو، کیونکہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی ضرورت پہنچائے، جو خود اسے نہیں پہنچا سکتا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے، (لہذا تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو) اور نبی کریم ﷺ کے پاس ضروری اور مفید باتوں کا ہی تذکرہ ہوتا تھا، اور نبی کریم ﷺ لوگوں کی ضرورت و حاجت کے علاوہ کسی سے کوئی کلام قبول نہ فرماتے یعنی نہ سنتے، صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر آتے تھے، اور کچھ نہ کچھ چکھے بغیر آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتے تھے، صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور علم کے رہنما بن کر نکلتے تھے (پھر وہ ان علوم کو دوسروں تک پہنچاتے تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ابلغونی: (صیغہ امر) مجھ تک پہنچایا کرو، ثبت اللہ: یہ تثبیت سے ہے: اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے، الا ذلک: مگر اسی چیز کا یعنی لوگوں کی ضروریات اور حاجتوں سے متعلق، لا يقبل: قبول نہ فرماتے یعنی نہ سنتے، غیرہ: ای غیر ما

بتعلق بحاجۃ اجد: اس بات کے علاوہ جو کسی انسان کی حاجت سے متعلق ہو، رواد: (راپرٹش، واؤپر زبرد تشدید) رائد کی جمع ہے: طلب کرنے والے، اور رائد دراصل اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے آگے جاتا ہے، تاکہ وہ قافلہ کو پانی اور گھاس کی جگہ بتائے، یہاں حدیث میں اکابر صحابہؓ مراد ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے پاس بکثرت آتے تھے، لایفترون: جدا نہ ہوتے، ذواق: چکھنا، أدلۃ: دلیل کی جمع ہے: رہنما، رہبر، دین کے دہائی۔

ضرورت مندوں کی ضرورت کو بادشاہ یعنی ذمہ دار تک پہنچانے کی فضیلت

حدیث کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ نے گھر کی مخصوص مجلس میں حاضر ہونے والے اکابر صحابہؓ سے بڑی تاکید سے فرمایا کہ تم لوگ مجھ تک ان لوگوں کی ضروریات پہنچایا کرو، جو مجھ تک اپنی ضرورت کو پہنچا نہیں سکتے، علاوہ خواتین، غلام، بیمار یا جو مجھ سے دور ہیں، ان کے مسائل مجھ تک پہنچایا کرو، کیونکہ جو شخص بادشاہ یعنی ذمہ دار اور حاکم تک ایسے لوگوں کی ضروریات پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے پاؤں ثابت رکھیں گے، قیامت کی ذلت و رسوائی سے وہ محفوظ رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا یا ذمہ دار تک ان کی بات پہنچا دینا، تاکہ ان کی وہ مشکل حل ہو جائے، بہت اجر و ثواب والا عمل ہے، ان کی یہ حاجت دینی ہو یا دنیوی، ہر صورت میں مذکورہ فضیلت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں ضروری اور مفید باتوں کا ہی تذکرہ ہوتا تھا، لایعنی اور فضول باتوں کا وہاں تصور ہی نہیں تھا، اور نبی کریم ﷺ لوگوں کی ضرورت سے متعلق ہی بات سنتے تھے، اس کے علاوہ اور کسی کی کوئی بات نہیں سنتے تھے۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ ضروری اور کام کی باتوں کے علاوہ غیر ضروری اور فضول گپ شپ سے احتراز کرنا چاہیے، اس سے انسان بہت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

۳۔ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دینی امور اور علم کے طالب بن کر حاضر ہوتے اور آپ ﷺ سے کچھ نہ کچھ چکھ کر ہی نکلتے تھے ”الا عن ذوق“ کے دو مطلب ہیں:

✽ اس سے کھانے کی چیزوں کا چکھنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کھانے کی جو چیز دستیاب ہوتی، اس سے نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کی مہمان نوازی فرماتے، اور صحابہ کرامؓ اس چیز کو کھا کر جایا کرتے تھے۔

✽ اس سے روحانی طور پر چکھنا مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ سے دینی علوم و معارف کے زیور سے آراستہ ہوتے، آپ ﷺ سے دینی استفادہ کرتے، یہ مفہوم صحابہ کرامؓ کے بلند مقام کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ان پر دنیا کا نہیں بلکہ آخرت کی فکر ہی غالب تھی، ان کا ہر قدم آخرت کے لیے ہی اٹھتا تھا، دنیا اور اس کی چمک دمک ان کا مقصود نہیں تھا اس مطلب کو رائج قرار دیا گیا ہے۔

ویخرجون أدلة یعنی علی الخیر: صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کر کے دوسروں کے لیے رہنما اور ہادی بن کر نکلتے، ”خیر“ ہے علم مراد ہے، اور علم نافع کی یہ علامت ہے کہ اس سے عاجزی اور تواضع پیدا ہوتی ہے، صحابہ کرامؓ بھی عجز و انکساری اور تواضع کے بلند مقام پر فائز تھے، (۱) ویلی نے ”مسند فردوس“ میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

مَنْ إِذَا دَعَلْنَاوَلَمْ يَزِدْ فِي الدُّنْيَا هَذَا، لَمْ يَزِدْ مِنْ اللَّهِ إِلَّا بَعْدًا (۲)

(جو شخص علم میں بڑھ جائے مگر اسے دنیا سے بے رغبتی کا ملک حاصل نہ ہو، تو وہ اللہ جل شانہ سے مزید دور ہوتا چلا جاتا ہے)

اور ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا:

إِذَا لَمْ يَزِدْ عِلْمُ الْقَلْبِ هَدًى وَسَيَرَةً عَدْلًا وَأَخْلَاقَهُ حُسْنًا
فَيَسِّرُهُ أَنَّ اللَّهَ أَوْلَاهُ نِعْمَةً تَغْنِيهِ خِزْمَاتُهُ وَ تُوْرُهُ خَزْنًا

ترجمہ: ۱۔ جب نوجوان کا علم اس کے دل میں ہدایت کو، اس کی سیرت میں عدل و انصاف کو اور اس کے اخلاق میں اچھائی میں اضافہ نہ کرے۔

۲۔ تو تم اسے یہ بشارت بنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسی سزا تیار کر رکھی ہے، جو اس کو محرومی سے ڈھانپ لے گی اور اسے ذلت و ربوائی سے دوچار کر دے گی۔ (۳)

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَنْ خَرَجَ كَيْفَ يَصْنَعُ فِيهِ؟ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَغْنِيهِ، وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يَنْفِرُهُمْ، وَيَكْرِهُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُؤَلِّفُهُ عَلَيْهِمْ، وَيَحْذَرُ النَّاسَ وَيَخْتَارُ مِنْهُمْ مَنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ بَشْرَةً وَخُلُقَهُ، وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيَحْسِنُ الْحَسَنَ وَيُقْوِيهِ، وَيَقْبِضُ الْقَبِيحَ وَيَرْفِيهِ

ترجمہ: حضرت حسینؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہونے کی حالت میں کیا کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (غیر ضروری باتوں سے) اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، مگر ان باتوں میں جو اہم اور مفید ہوتیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کو ہی ارشاد فرماتے تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (آنے والے) لوگوں کو مانوس فرماتے، ان کو ڈرا کر دور

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۱/۲۵۷، للواهب اللدنی علی الشرائع للمحمدیہ (ص: ۵۵۳)

(۲) مسند الفردوس للذہبی ۲/۶۰۲ حرف اللیم، رقم الحدیث: ۵۸۸۷، ط: بیروت، کتب العمال ۸۲/۲۰ کتاب العلم، قسم الاثوال، رقم الترجمة: ۲۹۰۱۲، ط: بیروت

(۳) لخواہ اللدنی علی الشرائع للمحمدیہ (ص: ۵۵۵)

نہ کرتے، آپ ﷺ ہر قوم کے مہربان اور معزز آدمی کا اکرام کرتے اور اس کو (اپنی طرف سے بھی) اس قوم کا سردار مقرر فرمادیتے، آپ ﷺ لوگوں کو تنبیہ کرتے رہتے (یا عذاب الہی سے ڈراتے رہتے) اور خود بھی آپ ﷺ لوگوں (کے شر) سے محفوظ اور محتاط رہتے تھے، اس کے باوجود ان میں سے کسی سے بھی نبی کریم ﷺ اپنی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی نہ لپیٹتے (یعنی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے) نبی کریم ﷺ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے، ان کے حالات کا جائزہ لیتے تھے، اور نبی کریم ﷺ مخصوص صحابہ کرام سے ان خوبیوں اور برائیوں کے بارے میں پوچھا کرتے، جو لوگوں میں موجود ہوتیں (تاکہ برائیوں کی اصلاح کی جاسکے) آپ ﷺ اچھی بات کی اچھائی کو بیان فرماتے، اور (دلائل سے) اس کی قوت ظاہر فرماتے، اور برائی کی قباحت اور برا ہونا بیان فرماتے، اور برائی کو کمزور کر دیتے (اس سے منع کر کے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- عن معوجہ: رسول اللہ ﷺ کے باہر تشریف لانے کے بارے میں، یخزن: (زا پر پیش اور زیر) آپ ﷺ زبان کو محفوظ رکھتے تھے، غیر ضروری باتوں سے زبان کو روک رکھتے تھے، فیما بینہ: ان باتوں میں جو اہم اور مفید ہوتیں، یؤلفہم: تالیف سے ہے: آپ ﷺ آنے والے لوگوں کو مانوس فرماتے تھے، تالیف قلب فرماتے تھے، ولا یفروہم: آپ ﷺ ان لوگوں کو ڈرا کر دور نہیں کرتے تھے، متنفر نہیں کرتے تھے، ویولہ علیہم: آپ ﷺ اس کریم شخص کو ان لوگوں پر اپنی طرف سے والی اور سردار بنا دیتے تھے، ویحلون الناس: تھذیر سے ہے۔ ۱۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کو تنبیہ کرتے رہتے، محتاط رہنے کا حکم دیتے۔ ۲۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کے عذاب اور فتنوں سے ڈراتے رہتے تھے، یحترس منهم: نبی کریم ﷺ لوگوں کے شر سے محفوظ اور محتاط رہتے تھے، یطوی: لپیٹتے یعنی نہ روکتے، بشوہ: (باکے نیچے زیر اور شین ساکن) اپنی خندہ پیشانی کو، ولا خلقہ: (خا اور لام پر پیش کے ساتھ) اور نہ اپنی خوش اخلاقی کو بتفقہ خبر گیری فرماتے، ان کے حالات معلوم کرتے، ان کے احوال کا جائزہ لیتے، عما فی الناس: ان برائیوں اور خوبیوں کے بارے میں، جو لوگوں میں موجود تھیں، یحسن: تحسین سے ہے: تحسین فرماتے، اچھا ہونا بیان فرماتے، یفصح: یہ صحیح سے ہے: قباحت بیان فرماتے ویوہیہ: یہ ”توصیہ“ سے ہے: اور آپ ﷺ اس برائی کو کمزور اور ساقط فرمادیتے (یعنی لوگوں کو اس سے منع کر کے اسے کمزور فرمادیتے)۔

گھر سے باہر نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور معاملات

حدیث کے مذکورہ حصے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؑ سے نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے ساتھ وہ رویہ، برتاؤ، طریقہ کار اور معاملات کے بارے میں پوچھا، جو گھر سے باہر آپ ﷺ کا لوگوں کے ساتھ تھا، اس سوال کے جواب میں حضرت علیؑ نے نبی کریم ﷺ کے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ غیر ضروری بات سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، کیونکہ بلا وجہ زیادہ بولنے اور فضول گپ شپ سے

وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور بسا اوقات اس میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے، فیست، جھوٹ، الزام تراشی، بہتان اور بیہودہ گفتگو کی وجہ سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے، آپ ﷺ جب بھی بولتے تو کسی ضروری، اہم اور مفید بات کا ہی ارشاد فرماتے تھے، ورنہ آپ ﷺ خاموش رہتے تھے، لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ جل جلالہ کی عطا کردہ زبان کی اس عظیم نعمت کی قدر کرے، اس زبان کو ناجائز، بیہودہ اور فضول گفتگو میں استعمال نہ کرے، ضروری کلام، عبادت قرآن مجید اور ذکر و اذکار میں ہی اسے مشغول رکھے، اس نعمت کے شکر ادا کرنے کا بھی سب سے اہم طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کو صحیح طرح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں جو حضرات آتے، آپ ﷺ ان کو اپنے سے مانوس فرماتے، بات چیت اور سمجھانے وغیرہ میں ان کے ساتھ سختی نہ فرماتے، اور انہیں کسی ایسی چیز کا حکم نہ دیتے کہ جس سے وہ متغیر ہو جائیں، ایسا کوئی رویہ آپ ﷺ اختیار نہ فرماتے کہ جس سے ان کو آپ ﷺ سے وحشت ہونے لگے، اس میں باپ، استاد، شیخ، ذمہ دار اور حاکم کے لیے درس عبرت ہے، لہذا باپ کو ایسا کوئی برتاؤ نہیں کرنا چاہیے، جس سے اس کی اولاد اور بیوی وغیرہ کو اذیت ہو، انہیں اپنے اخلاق سے قریب کرے، استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے ساتھ پیار و محبت اور حسن اخلاق سے پیش آئے، تاکہ وہ اس سے آسانی سے علمی استفادہ کر سکیں، شیخ کو ایسا نرم رویہ رکھنا چاہیے کہ جس سے ان کے متعلقین اور مریدین خوب اچھی طرح بغیر کسی تکلیف کے اپنی اصلاح کرا سکیں، ذمہ دار اور حاکم کو اپنے دروازے ہر ضرورت مند کے لیے کھلے رکھنے چاہئیں، تاکہ وہ لوگوں کی مشکلات سن کر ان کے حل کی کوشش کرے، آج بہت سے لوگ اپنے ماتحتوں کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اختیار کرتے ہیں، اور بلا وجہ ان پر ضابطے کی سختی جاری کرتے رہتے ہیں، انصاف پسندی اور بڑی وسیع طرفی سے اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے، تاکہ وہ خوش رہیں، یوں وہ اپنے ذمہ کا کام انتہائی خوش اسلوبی سے سر انجام دیں گے۔

۳۔ کسی قبیلہ کا سردار آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ اس کا اعزاز و اکرام کرتے، ایک اور حدیث میں ارشاد گرامی ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كَرِّمِ قَوْمَ فَاتِكِرْ مَوْءَا:** جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز و محترم شخص آجائے تو اس کا اکرام کیا کرو، اور پھر اس کی دلجوئی کے لیے نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے بھی اسے اس قوم پر سردار نامزد فرما دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بلند حسب و نسب یا علم و عمل اور فضل و شرف والا ہو تو اس کا اکرام کرنا ایک مسنون عمل ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کو طاعت اور نیکی کے کاموں پر ابھارا کرتے، ان کو جہنم کے عذاب اور طرح طرح کے فتنوں سے ڈرایا کرتے تھے، معزز اور نقصان دہ امور سے بچنے کی تاکید فرماتے، اور ایک دوسرے سے محتاط رہنے کی تاکید فرماتے، تاکہ ہر شخص سکون سے زندگی گزار سکے، کسی کو دوسرے سے کوئی تکلیف اور ایذا نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ لوگوں سے محتاط ہو کر زندگی بسر کرتے، اس سبب کے باوجود آپ ﷺ سب ہی کے ساتھ ہنس مکھ اور خندہ پیشانی سے ملتے، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، کیونکہ لوگوں کے ساتھ بد اخلاقی اور بے رخی کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کو بھی اچھے اخلاق

اور اعلیٰ صفات سے آراستہ ہونا چاہیے، حسن اخلاق کے سبب ایک مسلمان آخرت میں بہت بلند مقام حاصل کر سکتا ہے، اللہ جل شانہ ہمارے اخلاق کی اصلاح فرمائے۔

۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کی خبر گیری فرمایا کرتے، ان کی عدم موجودگی میں ان کے بارے میں دریافت فرماتے، چنانچہ اگر کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نیام پرسی فرماتے، جو سفر پر ہوتا، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمادیتے اور جو وفات پاچکا ہوتا، اس کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا فرماتے۔

مخصوص صحابہ کرامؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرے کے احوال کے بارے میں دریافت فرماتے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ لوگوں میں کیا کیا خرابیاں اور کوئی کوئی اچھی باتیں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں، تاکہ برائیوں کی اصلاح کی جاسکے، مظلوم کی مدد اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکا جائے، اور جو اچھی چیزیں ان میں پائی جاتی ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، (۱) اس سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

✽ ادارے اور ملک کے سربراہ کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحت رعایا کے حالات دریافت کرتے رہا کرے، تاکہ ان میں جو نریا دس ہو، تو اس کی مدد و نصرت کی جاسکے۔

✽ اپنے ماتحت لوگوں کے دلوں کا خوش کرنا سنت ہے، پول و دھاس ادارے کے ساتھ مزید اخلاص اور محبت کے ساتھ پیش آئیں گے، اور ادارہ اپنے مشن میں بہت زیادہ ترقی کرے گا۔

✽ اصلاح کی غرض سے معاشرے میں پھیلی برائیوں کو معلوم کیا جائے، اور پھر اپنی ہمت کے بقدر ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ ایک رہنما کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچھی بات کی حوصلہ افزائی فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی اچھی بات یا کوئی اچھا کام دیکھتے تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے، اس کی تحسین فرماتے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس اچھائی کو اختیار کر لیں، اور برائی کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کرتے اور اسے کمزور کر دیتے یعنی لوگوں کو اس برائی سے منع کر دیتے، اور جو کوئی برائی کا ارتکاب کرتا تو اس کو زبردستی اور تنبیہ فرماتے، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ جو اچھی اور جائز بات ہو، اسے ہی اچھا کہا جائے، اور جو شخص کوئی اچھا کام کر لے، تو اس کی حوصلہ شکنی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، اس سے اس کا دل خوش ہوگا تو اس کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوگا، اور اسے نیکی کے کاموں پر مزید ہمت اور شوق پیدا ہوگا۔

۲۔ برائی کو برا ہی کہا جائے، اس کی اصلاح اور درستگی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کوئی

برائی دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قوت سے اس برائی سے روکے، اگر ہاتھ سے اسے نہیں روک سکتا، تو زبان سے منع کرے، یہ بھی نہیں کر سکتا یا قادر نہیں تو دل ہی دل میں اس برائی کو برا سمجھے، یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے، لہذا ہر مسلمان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا چاہیے، اللہ کربے امت مسلمہ اس حکم پر عمل کرے، تو اس کی برکت سے پورا عالم اسلام امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔ (۱)

مُعْتَدِلُ الْأُمُور غَيْرُ مُخْتَلِفٍ۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر (مباح) امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف یعنی متلون مزاج نہ تھے (کمزگی کچھ فرما دیا اور کبھی کچھ)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ معتدل الامور: معتدل امور والے، میانہ روی اختیار فرمانے والے، غیر مختلف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم متلون مزاج نہ تھے کہ کبھی کچھ کر دیا یا فرما دیا اور کبھی کچھ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر امر میں اعتدال کا راستہ اختیار فرماتے

اسلام نے جن چیزوں کا بجالانا ضروری قرار دیا ہے ان تمام امور کو بجالانا ہر مسلمان پر لازم ہے، اور جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے بچنا ضروری ہے، عبادات اور معاملات میں سے ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، ان میں ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے انسان مشکل کا شکار ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے، صحابہ کرام کو بھی اسی چیز کا درس دیتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین صحابہ کرامؓ ازواج مطہرات کے پاس آئے، ان سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کتنی عبادت کرتے ہیں؟ ان کو بتایا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک نے یہ ابرادہ کیا کہ میں ساری رات عبادت کیا کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں مسلسل روزے رکھوں گا، کبھی ناغہ نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ تھلک رہوں گا، کسی عورت سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کی ہے، اللہ کی قسم: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، مگر میں فطری روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا، میں رات کو اللہ جل جلالہ کی عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے شادی بھی ہے، یہ نکاح میری سنت ہے اور جو شخص میرے اس طریقے سے اعراض کرے، تو وہ مجھ سے یعنی میرے پیروکاروں میں سے نہیں۔ (۲)

اس حدیث سے اعتدال کا درس دیا جا رہا ہے، اس لیے عبادات اور معاملات میں افراط و تفریط سے کنارہ کش ہو کر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۱۷۷۲

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۱۷۸۲، اللوالب اللدنیۃ علی الشیائل المحمدیۃ (ص: ۵۵۸)

اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اپنانا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَجِيلُوا لِكُلِّ خَالٍ عِنْدَهُ عِتَادٌ لَا يَقْصُرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يَجَاوِزُهُ.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم (لوگوں کی اصلاح و تعلیم سے) غفلت نہ فرماتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں وہ (دین سے) غافل نہ ہو جائیں یا (کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے) وہ اکتانہ جائیں، (اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر حال کا ایک تیار کیا ہوا سامان (یعنی انتظام) تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امر حق میں کوتاہی نہ کرتے تھے اور نہ ہی ان سے تجاوز فرماتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا: اس خوف سے کہ صحابہ کرام و بیانی استفادے سے غافل نہ ہو جائیں، وَيَجِيلُوا: اور اکتانہ جائیں، عِتَادٌ: (عین پر زبر) تیار کیا ہوا سامان یعنی انتظام، لَا يَقْصُرُ: یہ تقصیر سے ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوتاہی نہ فرماتے، لَا يَجَاوِزُهُ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حق سے تجاوز نہ فرماتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی تربیت پر خاص نظر رکھتے

حدیث کے مذکورہ حصہ میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی تعلیم اور تربیت سے غافل نہ ہوتے، بلکہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ اور نظر تھی، اس کی وجہ سے صحابہ کرام بھی مستعد اور چست رہتے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہتمام نہ ہوتا تو پھر صحابہ کرام بھی دینی معلومات حاصل کرنے اور تعلیم و تربیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے میں سست روی کا شکار ہو جاتے، اس لیے ایسا نہ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ والد کو اپنی اولاد کی، استاد کو اپنے شاگرد کی اور شیخ و مربی کو اپنے متعلقین کی اصلاح و تربیت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، حکمت و پیار سے ان پر کڑی نظر رکھنی چاہیے، تاکہ یہ لوگ اپنی اصلاح میں سست نہ ہو جائیں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر حال کا ایک تیار سامان موجود تھا، مطلب یہ ہے کہ ہر امر کا حکم اور اس کی دلیل موجود تھی، ایسا نہیں تھا کہ کسی چیز کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امر حق میں نہ کوتاہی فرماتے اور نہ اس سے تجاوز فرماتے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین میں استقامت ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدود سے تجاوز نہیں فرماتے تھے، لہذا ایک مسلمان کو دینی تعلیمات کے مطابق اس طرح زندگی گزارنی چاہیے کہ دینی امور میں نہ کوتاہی کی جائے اور نہ حدود سے تجاوز ہو، اعتدال کے ساتھ سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (۱)

الَّذِينَ يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ، أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَغْمَهُمْ نَصِيحَةُ، وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنَازِلُهُ أَحْسَنُهُمْ مَوَاسِدُهُ

وَمَوْازَرَةٌ:

ترجمہ: جو لوگ نبی کریم ﷺ کے قریب ہوتے (دینی استفادے کے لیے) وہ لوگوں میں سب سے بہترین لوگ تھے، آپ ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ افضل وہ لوگ تھے جن کی خیر خواہی اور نصیحت عام تھی، (یعنی جن کی خیر خواہی زیادہ عام تھی) اور آپ ﷺ کے نزدیک لوگوں میں بڑے مرتبہ والا وہ تھا جو ان میں لوگوں کی غم گساری اور ان کی مدد و نصرت کرنے میں زیادہ اچھا ہوتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ب۔ الدین بلونہ: وہ صحابہ جو آپ ﷺ کے قریب ہوتے، اکثر حاضر باش رہتے تاکہ دینی تعلیم حاصل کر سکیں، مواصاة: غم گساری، مَوَازَرَةٌ: مدد و نصرت، معاونت۔

لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کی غم گساری کی فضیلت

مذکورہ حدیث میں تین قسم کے لوگوں کی فضیلت کا بیان ہے:

❁ وہ صحابہ تمام لوگوں سے بہتر ہیں، جو دینی امور سیکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے قریب رہتے تھے، شب و روز ان کا یہی مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا تھا، اس مقصد کے لیے انہوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہ امت کے بہترین افراد ہیں، ان کے واسطے سے علوم نبوت لوگوں تک پہنچے، قرآن و سنت کے مستفی اور تفسیر میں انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کسی بھی علم اور فن میں اس وقت تک کمال حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اس پر توجہ نہ دے اور استاذ کے قریب نہ ہو، یعنی پابندی کے ساتھ حاضری اور اہتمام سے اس میں مشغول ہو جائے۔

❁ نبی کریم ﷺ کے نزدیک وہ صحابہ کرام زیادہ فضیلت والے تھے جن کی خیر خواہی زیادہ عام تھی، جو لوگوں کی مدد و نصرت اور خدمت کرتے تھے، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الذِّیْنُ النَّصِیْحَةُ، دین تو خیر خواہی کا نام ہے، کسی کے بارے میں دل میں کینہ، بغض اور حسد نہ ہو، بلکہ ہر ایک کے بارے میں اچھے خیالات اور خیر خواہی کے جذبات سے دل سرشار ہو اور کسی کے بارے میں پرانہ سوچا جائے۔

❁ جو صحابہ کرام دوسروں کی مدد و نصرت اور غم گساری کرتے، نبی کریم ﷺ کے ہاں ان کا مرتبہ اور مقام زیادہ تھا، چنانچہ ہر صحابی کی ایسی تربیت آپ ﷺ نے کی تھی کہ وہ اپنی جان اور مال پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، اس بارے میں احادیث میں بہت سے واقعات منقول ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی یعنی حضرت ابوطلیحہؓ کے پاس ایک مہمان آیا، ان کے پاس گھر میں صرف اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے بقدر ضرورت کھانا تھا، انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا: تم بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور جو کھانا تمہارے پاس ہے، اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کر دیا، اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَوْ تَوَزَّوْا عَلَىٰ انْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اور وہ ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں چاہے

ان پر تنگ دہتی کی حالت ہی گذر رہی ہو (۱)

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَّا عَلَى ذِكْرِ، وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْتِي بِذَلِكَ، يُعْطِي كُلَّ جُلُوسَانِهِ بِتَصْنِيفِهِ، لَا يَحْسِبُ جُلُوسَهُ أَنْ أَحَدًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْهُ.

حضرت حسینؑ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ سے نبی کریم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو حضرت علیؑ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ اللہ جل جلالہ کے ذکر پر ہی مجلس سے اٹھتے اور بیٹھتے (یعنی اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر فرماتے تھے) اور جب آپ ﷺ کسی قوم کی مجلس میں پہنچتے تو اس جگہ پر ہی بیٹھ جاتے، جہاں تک مجلس پہنچی ہوتی اور آپ ﷺ لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے (کہ مجلس میں جہاں جگہ مل جائے، وہیں پر بیٹھ جایا کریں) اور آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے تھے، آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے مقابلے میں اور کوئی شخص حضور ﷺ کے نزدیک زیادہ معزز اور اکرام والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ: ”وہ“ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے: جس جگہ تک مجلس میں نبی کریم ﷺ پہنچتے، جلساء مجلس کی جمع ہے: ہم نشین، ساتھ بیٹھنے والا، اکرم علیہ منہ: علیہ میں ”وہ“ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف اور ”منہ“ کی ضمیر ”جلس“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ یوں ہوگا: حضور اکرم ﷺ کے نزدیک اس ہم نشین سے زیادہ معزز و اکرم۔

نبی کریم ﷺ اہل مجلس میں سے ہر شخص پر پوری توجہ فرمایا کرتے

نبی کریم ﷺ کی مجلس کیسی ہوتی، اس کی کیفیت کیا ہوتی، اس بارے میں مذکورہ حدیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ مجلس سے اٹھتے اور بیٹھتے وقت غرض ہر حال میں اللہ جل جلالہ کے ذکر میں مشغول رہتے، کوئی وقت ذکر اللہ اور یاد الہی سے غافل نہ تھا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ كَرَّمَ اللَّهُ الْكِبْرَ (اور اللہ جل جلالہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے) اور نیک لوگوں کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ يَلْمُوكَ رَبَّكَ فَيَكْتُمُونَ اللَّهُ فَيَمَازُوا فَعُوْذًا وَعَلَىٰ حُتُوْبِهِمْ (جو لوگ اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں یعنی ہر حال میں یاد کرتے ہیں)، اور ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا تَرَالِ لِبَسَائِكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ (تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے)، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو ہر وقت اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھے، گناہ کی بات اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرے، اور چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے

(۱) فتح الباری ۱/۱۵۰، کتاب مناقب الانصاف باب قول الله عز وجل: وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ انْفُسِهِمْ، رقم الحديث: ۲۷۹۸۔

ذکر اللہ میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ کیفیت عطا فرمائے کہ ہمارا کوئی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔
 ۲۔ نبی کریم ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تو گردنیں پھلانگ کر آگے نہ جاتے، بلکہ مجلس میں جہاں جگہ خالی ہوتی، وہاں بیٹھ جاتے، اور صحابہ کرام کو بھی اسی بات کا حکم دیتے کہ مجلس میں خالی جگہ پر ہی بیٹھ جایا کریں، کیونکہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر آگے جانا جائز نہیں ہے، اور پھر وہ جگہ جہاں نبی کریم ﷺ تشریف رکھ لیتے، وہی جگہ صدر مجلس بن جاتی، سارے لوگ آپ ﷺ کی طرف ہی متوجہ ہو جاتے، اس سے مجلس کا یہ ادب معلوم ہوا کہ جب انسان کسی مجلس اور اجتماع گاہ میں جائے تو جہاں جگہ خالی ہو کہ اس تک پہنچنے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچتی ہو تو وہاں جا کر بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جانا جائز نہیں ہے۔
 ۳۔ حضور اقدس ﷺ کی مجلس مبارک کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کی طرف پوری توجہ فرماتے، اس سے خندہ پیشانی اور بشارت سے گفتگو فرماتے، اس کے حال کے مطابق ایسی تعلیمات اور ارشادات فرماتے کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میں ہی نبی کریم ﷺ کی نظر میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوں، ہر صحابی کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ فرماتے، یہ آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا بہت بڑا کرشمہ تھا کہ مجلس میں موجود ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ میں ہی نبی کریم ﷺ کے ہاں زیادہ مقرب اور محبوب ہوں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک کامیاب حاکم و رہنما، باکمال، استاذ، شیخ کامل، شفیق والد، اور ادارے کے ہر ذل عزیز سربراہ کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر ایک کی طرف کامل توجہ دے، اس کی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، یہی ایمان کامل کی علامت ہے، مگر افسوس ہے کہ بعض سرکاری اداروں میں ذاتی رابطوں اور رشوت کا راج ہے، جب کہ بعض دینی اداروں میں ایک مہتمم کا رویہ اپنے بعض مدرسین کے ساتھ انتہائی نامناسب بلکہ متکبرانہ ہوتا ہے، جو شخص اس سربراہ کی خوشامد کرتا پھرے، اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کو ماننا رہے، کوئی روک ٹوک نہ کرتا ہو تو اس کی اہمیت ہوتی ہے، اور جو مدرس اپنے وقار اور خود اعتمادی سے استغناء کے ساتھ اپنے مفوضہ امور سرانجام دے رہا ہو، اس کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہوتی، یہ رویہ درست نہیں ہے، یہ حدیث ہمیں بتلا رہی ہے کہ ہر ماتحت کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اس کا دل اس طرح خوش کیا جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس ذمہ دار کی نظر میں میرا بہت مقام اور اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

مَنْ جَالَسَهُ أَوْ قَارَضَهُ فِي حَاجَةٍ ضَائِرَةٍ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ، وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَزِدْهُ إِلَّا بَهَاؤُ
 بِعَيْنِهِ مِنَ الْقَوْلِ، قَدْ وَسَّعَ النَّاسُ بِسَطْوَةِ خُلُقِهِ، لَفَضَارَ لَهُمْ أَبَاوُ صَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً۔

جو شخص نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھتا یا آپ ﷺ سے کسی ضرورت اور مسئلہ کے بارے میں بات چیت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے ساتھ مہذب سے بیٹھ رہتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی آپ ﷺ سے پھرنے (یعنی اٹھنے) کی ابتدا کرتا، اور جو شخص آپ ﷺ سے کوئی حاجت یعنی کوئی چیز مانگتا تو آپ ﷺ اس کو حاجت پوری کیے بغیر واپس

نہ لوٹاتے یا کوئی آسان اور اچھی بات فرما کر لوٹاتے تھے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی، بشارت اور آپ ﷺ کی خوش اخلاقی سب لوگوں کے لیے عام تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ (شفقت و رحمت میں) سب لوگوں کے باپ تھے، اور تمام لوگ حقوق میں نبی کریم ﷺ کے نزدیک برابر تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- من جالسہ: جو شخص آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھا، طارحہ: وہ آپ ﷺ سے گفتگو اور بات چیت کرتا، صابرہ: آپ ﷺ اس کے ساتھ صبر سے بیٹھے رہتے، رکے رہتے، هو المنصرف عنہ: ”عنه“ کی ”و“ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے: وہ شخص خود ہی نبی کریم ﷺ سے پھرنے یعنی اٹھنے میں ابتدا کرتا، بہا: اس حاجت کے ساتھ، ميسور من القول: اچھی بات سے، آسان اور نرم گفتگو، بسطہ: اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور بشارت۔ ۲۔ آپ ﷺ کی سخاوت، آپ ﷺ کا جو دو کرم، وسع الناس: لوگوں پر وسیع اور عام تھی، خلقہ: (خاء اور لام پر پیش) آپ ﷺ کے اچھے اخلاق۔

نبی کریم ﷺ ملاقات کرنے والے سے اٹھنے میں پہل نہ کرتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کی حیرت سے متعلق چار امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، آپ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتا تو نبی کریم ﷺ اس کے ساتھ بیٹھے رہتے، اٹھنے میں آپ ﷺ پہل نہ کرتے بلکہ وہ شخص خود ہی اٹھنے میں ابتداء کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی سے کوئی شخص ملنے کے لیے آئے تو ملاقات کے لیے ٹائم دینا چاہیے، اس سے نہ ملنا یا نہایت مختصر وقت دینا کہ جس سے وہ اپنی گفتگو بھی مکمل نہ کر سکے، درست نہیں ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی اپنی ضرورت لے کر آتا کہ یا رسول اللہ میری فلاں حاجت پوری فرمادیں، آپ ﷺ کے پاس اس ضرورت کو پورا کرنے کا سامان دستیاب ہوتا تو آپ ﷺ اس وقت فوراً اسے وہ چیز مہیا کر دیتے، اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت گنجائش نہ ہوتی تو اس سے وعدہ فرما دیتے کہ کسی اور وقت آ جانا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ اعلان فرمایا تھا: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عِدَّةٌ فَلْيَأْتِنَا (جس شخص کو نبی کریم ﷺ نے کوئی چیز دینے کا وعدہ کیا تھا تو وہ ہمارے پاس آ کر وصول کر لے) کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے، انہوں نے وعدے کے مطابق وہ چیزیں حضرت صدیق اکبرؓ سے وصول کر لیں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ ہر کسی سے خندہ پیشانی اور گفتگو سے پیش آتے، خواہ وہ کافر اور منافق ہوتا، تب بھی آپ ﷺ ان سے حسن اخلاق سے ملتے، یہ آپ ﷺ کے بلند مقام اور ادلوا العزم ہونے کی واضح دلیل ہے، حسن اخلاق ایک ایسا عمل ہے جس کے احادیث میں بہت سے فضائل منقول ہیں، آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی اس صفت سے آراستہ کرنے کی ترغیب دی ہے، ایک

حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اعمال نامے میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں حسن اخلاق کے زیور سے مزین فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

۴۔ نبی کریم ﷺ امت کے حق میں اس قدر شفیق، مہربان اور رحیم تھے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے، بلکہ باپ سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ امت کے لیے شفیق ہیں، کیونکہ باپ عموماً صرف ظاہر کی اصلاح کرتا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی نظر میں تمام لوگ حقوق کے اعتبار سے مساوی تھے، جو شخص جس مقام اور درجے کے لائق ہوتا، آپ ﷺ اس کے ساتھ اسی انداز سے معاملہ فرماتے، کسی پر ظلم اور بے رخی کا کوئی تصور بھی نہ تھا، مجلس میں شریک ہر شخص کو اس کا حق عنایت فرماتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)

مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَأَمَانَةٍ وَصَبْرٍ، لَا تَرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْنِسُ فِيهِ الْخُزْمُ، وَلَا تُنْقَسُ فَلَتَاتُهُ، مُتَعَادِلِينَ، بَلْ كَانُوا يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالْفَقْوَى، مُتَوَاضِعِينَ يُوَفُّونَ فِيهِ الْكِبَرَ، وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ، وَيُؤْتُونَ ذَا الْحَاجَةِ، وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی مجلس: علم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس تھی، اس مجلس میں نہ آوازیں بلند کی جاتیں، اور نہ اس میں لوگوں کی عزتوں پر عیب لگایا جاتا (یعنی نہ کسی کی آبروزیری کی جاتی) اور نہ ہی اس مجلس کی لغزشوں کو پھیلایا جاتا اور شہرت دی جاتی، سب لوگ (آپ ﷺ کی مجلس میں) آپس میں ایک دوسرے کے برابر اور موافق ہوتے تھے، (کوئی کسی پر تکبر نہیں کرتا تھا) بلکہ وہ لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے ذریعہ ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری رکھتے تھے، وہ لوگ (آپ ﷺ کی مجلس میں) ایک دوسرے سے تواضع اور عاجزی سے پیش آتے تھے، آپ ﷺ کی مجلس میں وہ لوگ بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے، اور وہ حضرات حاجت مند کو (نبی کریم ﷺ کے قریب کرنے میں) ترجیح دیتے تھے، اور مسافر کی حفاظت یعنی خبرگیری کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لا ترفع فیہ: (صیغہ مجہول) اس مجلس میں بلند نہ کی جاتیں، الاصوات: بصوت کی جمع ہے: آوازیں، لا تؤنس فیہ: ”أبن“ ہے صیغہ مجہول، (تاء پر پیش، ہمزہ ساکن اور با پر زبر)، عیب نہ لگایا جاتا، فیہ: مجلس میں، حرم: (حار پر پیش اور را پر زبر) حرمت کی جمع ہے: عزتیں، لا تنقس فیہ: (تاء پر پیش، نون ساکن اور ثا پر زبر اور تشبیہ سے بھی ہو سکتا ہے) صیغہ مجہول: شہرت نہ دی جاتی، پھیلا یا نہ جاتا، انہیں عام نہ کیا جاتا، فلتناتہ: (فا اور لام پر زبر) فتنہ کی جمع ہے: اس مجلس کی لغزشیں، متعادلین: یہاں کا نوا کا لفظ محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہوگی کَانُوا يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ: وہ سب حضرات مجلس نبوی میں آپس میں ایک دوسرے کے موافق اور برابر تھے، يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ: اس مجلس میں ایک دوسرے سے فضیلت اور برتری رکھتے، متواضعین: یہ لفظ یا تو يَتَفَاضَلُونَ کی ضمیر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للنوازی ۱۸۰/۲، للواهب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۵۶۱)

سے حال ہے یا کانوا مخذوف کی خبر ہے: وہ لوگ ہر ایک سے تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، یوقرون: وہ ادب و احترام اور تعظیم کرتے تھے، یوقرون: وہ لوگ ترجیح دیتے تھے، ذالالحاجۃ: حاجت مند، ضرورت مند، یحفظون: وہ لوگ حفاظت یعنی خبر گیری کرتے، الغریب: اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ مسافر، پروریسی، ۲۔ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ۔

نبی کریم ﷺ کی مجلس کی دس خصوصیات

- ۱۔ حدیث کی اس عبارت میں نبی کریم ﷺ کی مجلس کی دس خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:
آپ ﷺ کی مجلس میں علم و حلم، بردباری، حیا اور ادب و احترام کا ماحول ہوتا، ہر شخص نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے علوم نبوت سے مستفید ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: **وَيَعْلَمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** (اور نبی کریم ﷺ ان کو قرآن اور حکمت سکھاتا ہے) اور صحابہ کرام آپ ﷺ کی مجلس میں نہایت ادب سے بیٹھا کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ جس مجلس میں علم سیکھا جا رہا ہو، وہاں خاص طور پر ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔
- ۲۔ وہ صبر اور امانت والی مجلس ہوتی، آپ ﷺ کو لوگوں کے سخت رویے اور ان کی بد اخلاقی پر صبر کرتے، ان کو امانت و دیانت اور دنیا سے بے رغبتی کا درس دیتے، آپ ﷺ کی پر نور نشست سے صحابہ کرام کے دل نرم پڑ جاتے، اس سے دینی رہنما کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ لوگوں کو آزمائش پر صبر اور امانت و دیانت کا درس دیا کرے، اس سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر میں اضافہ ہوتا ہے۔
- ۳۔ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں شور و شغب اور آوازیں بلند نہ کی جاتیں، اللہ جل جلالہ نے فرمایا: **لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ**، نبی کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کرو، اس حکم کے بعد صحابہ کرام نے بہت زیادہ احتیاط شروع کر دی چنانچہ مجلس میں ہر شخص ضرورت کے وقت صرف اسی قدر آواز بلند کرتا، جس قدر ضرورت ہوتی، جس سے نبی کریم ﷺ کو اذیت اور تکلیف نہ ہوتی، یہ حکم عام حالات کے اعتبار سے تھا، مگر مخصوص حالات کے پیش نظر بعض اوقات صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے سامنے آواز بلند بھی کیا کرتے، جیسے کسی سرکش کے ساتھ بحث، مباحثہ یا کہیں دشمن پر دہشت طاری کرنے کے لیے آواز بلند کرنا، غزوہ جنین میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بلند آواز سے بلائیں، حضرت عباسؓ کی آواز بہت زیادہ بلند تھی، اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ علم و دانش کی درس گاہ اور اصلاح و تزکیہ کی محفل میں بلند آواز سے اجتناب کرنا چاہیے، اس میں ادب کا ماحول ہونا چاہیے، بے ادبی سے انسان ہر قسم کی خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

۴۔ آپ ﷺ کی مجلس میں کسی انسان کی عزت و آبرو پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا، ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا، غیبت، الزام تراشی اور طعن و تشنیع کا وہاں کوئی تصور نہیں تھا، ہر طرح کی برائی سے آپ ﷺ کی مجلس محفوظ تھی، آج اگر ہم اپنی مجالس پر نظر ڈالیں تو بعض دفعہ ہم حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، دوسروں کی عیب جوئی، طعن و تشنیع اور الزام تراشی

عموما ہر مجلس میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں اور غیبت سے تو شاید ہی کوئی مجلس خالی ہو، لہذا ہمیں بھی اپنی مجالس کو ان اوصاف سے آراستہ کرنا چاہیے، جن صفات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس حریں و منور ہو کر تھیں۔

۵۔ اس مجلس میں اول تو کسی سے کوئی لغزش ہوتی ہی نہیں تھی، اور اگر بالفرض کسی سے کوئی فرد گذاشت، غلطی اور لغزش ہو جاتی تو اسے پیار و محبت سے سمجھا دیا جاتا، جس سے وہ اپنی غلطی کی اصلاح کر لیتا، پھر اس مجلس کے علاوہ کسی کے سامنے کوئی شخص اس لغزش کا تذکرہ نہ کرتا، کیونکہ مجلس کی بات اور ہر عمل ایک امانت ہوتا ہے، اس کو ہر جگہ بتانے اور پھیلانے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اسے پھیلا یا نہیں جاتا تھا، اس سے مجلس سے متعلق ایک بہت اہم یہ ادب معلوم ہوا کہ جب کسی مجلس میں حاضرین میں سے کسی سے متعلق کوئی خاص بات وغیرہ کی جائے تو اسے راز میں ہی رکھا جائے، اسے مجلس کے علاوہ کسی سے ذکر نہ کیا جائے، کیونکہ اس بات کو پھیلانے سے بعض دفعہ بہت سے مسائل اور فتنے پیدا ہو جاتے ہیں، اللہ جل شانہ ہماری اصلاح فرمائے۔

۶۔ اس مجلس میں تمام لوگ برابر ہوتے، کوئی شخص اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اور نہ ہی کسی کو کمتر اور حقیر سمجھتا، حسب و نسب کا وہ لوگ اعتبار تو کرتے، مگر اس کی وجہ سے کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرتا، صرف تعارف کی حد تک حسب و نسب اور خاندان کا تذکرہ کیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور خاندان کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرنا درست نہیں ہے۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حسب و نسب کی وجہ سے نہیں، بلکہ تقویٰ کی وجہ سے فضیلت اور برتری حاصل ہوتی، جو شخص جس قدر اللہ سے خوف اور تقویٰ کے بلند مقام پر ہوتا، اسی لحاظ سے اسے شرف و فضیلت حاصل ہوتی، ہر صحابی عاجز اور متواضع تھا، یہ عاجزی اور تواضع ہی انسان کی بلندی کا زینہ ہوتا ہے۔

۸۔ اس مجلس میں وہ لوگ بڑے کا ادب و احترام کرتے، خواہ وہ عمر کے لحاظ سے بڑا ہو یا مقام و مرتبہ کے اعتبار سے فضیلت والا ہو، اور بچوں پر رحم کرتے، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں چل رہا، اس لیے اسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے کہ ایک مسلمان کو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر رحم کرنا چاہیے۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں جب کوئی ضرورت مند آتا تو صحابہ کرامؓ اپنے مقابلے میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کرنے میں ترجیح دیتے تاکہ وہ جلد ہی اپنی بات اور ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر سکے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حاجت کو پورا فرمادیں، اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں جب کوئی ضرورت مند آ جائے تو اسے متعلقہ ذمہ دار سے فوراً ملاقات کر ادینی چاہیے تاکہ وہ اس کی امداد کر سکے، یوں اس آدمی کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

۱۰۔ وبمحفظون الغریب اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

اس مجلس میں جب کوئی پردیسی اور مسافر آ جاتا تو حاضرین مجلس اس کے حقوق کا لحاظ کرتے، اس کا اکرام اور رہنمائی

کرتے، اس کی رہائش اور کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست کرتے، اس کو خوش کرتے، یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت کا اثر تھا، اس میں مہمان کا اکرام اور خدمت کا ثبوت ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں مہمان کے اکرام کی ترغیب دی ہے۔

❖ دوسرا قول یہ ہے کہ ”غریب“ سے مشکل اور پیچیدہ مسائل مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بیان ہوتا تو صحابہ کرام اس مسئلہ کو محفوظ کر لیتے، تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور پھر وہ ان کو دوسروں تک پہنچاتے۔ (۱)
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَهْدَيْتُ إِلَى كَوَاخِ لَقَبْلَتْ، وَلَوْ ذُعِيتْ عَلَيَّ لَأَجَبْتُ. (۲)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے ہدیہ میں بکری کے پائے دیئے جائیں تو میں ان کو (بھی) قبول کروں گا اور اگر بکری کے پائے سے میری دعوت کی جائے تو میں اس کو (بھی) قبول کر لوں گا۔
مشکل الفاظ کے معنی: - اُھدی الی: (میں نے مجھ کو ہدیہ میں دیئے جائیں، کواخ: (کاف پر پیش اور رابرزبر): گائے اور بکری کے کم گوشت پنڈلی کا پتلا حصہ، بکری، گائے کے پائے، دعیت علیہ یعنی الیہ: (میں نے مجھ کو ہدیہ میں دیئے جائے سے میری دعوت کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمولی کھانے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے پائے کا ہدیہ اور دعوت دونوں قبول فرما لیتے، کوئی غلام اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت بھی قبول فرما لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اصل مقصود دعوت دینے والے اور ہدیہ کرنے والے کی دلجوئی اور اسے خوش کرنا ہوتا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پروا نہ فرماتے کہ کھانا کس قسم کا ہوگا اور دعوت دینے والا مسلمان آزاد آدمی ہے یا غلام، پس جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے، اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

❖ کھانے کی دعوت قبول کرنے میں صرف سنت پر عمل کرنا اور دعوت دینے والے کے دل کو خوش کرنا مقصود ہونا چاہیے، کھانا جس قسم کا بھی ہو، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

❖ اگر کوئی غریب آدمی اپنی کسی قریب میں شرکت کی دعوت دے، تو اسے بھی خوش دلی سے قبول کر لینا چاہیے، اس سے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح النواوی ۱/۱۸۱، ۱۸۲، اللواہب اللدنیۃ علی الشرائع للمحمدیۃ (ص: ۵۲۳)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۳۸۔

اس شخص کا دل خوش ہوگا، جو بلاشبہ بہت بڑی عسکری ہے۔ (۱)

عن جابر قال: جاءني رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس بواكب بعل ولا يوذون.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس (میری عیادت کے لیے) تشریف

لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو خمر پر سوار تھے اور نہ کسی غیر عربی گھوڑے پر (بلکہ پیدل ہی تشریف لائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- واكب بعل: خمر پر سوار، یوذون: (ہا کے نیچے زیر، راساکن اور ڈال پر زبر) غیر عربی گھوڑا، طبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے ترکی گھوڑا مراد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کی بیمار پرسی کے لیے پیدل تشریف لے گئے

ایک مرتبہ حضرت جابرؓ سخت بیمار ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ پیدل چل کر حضرت جابرؓ کی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خمر اور غیر عربی گھوڑے پر سوار ہو کر نہ آئے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو گھٹیا سواری پر سوار تھے اور نہ عمدہ سواری پر، جس طرح کہ دنیا کے حکمرانوں کا دستور ہوتا ہے، بلکہ پیدل چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔

صحیح بخاری میں اس واقعہ کی مزید تفصیل ہے، وہ یہ کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں حضرات پیدل چل کر میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، اس وقت میں بے ہوش پڑا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور پھر وضو کا پانی میرے اوپر چھڑکا، جس سے مجھے بے ہوشی سے افاقہ ہو گیا، تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مال کے بارے میں پوچھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا، خاموش رہے، اتنے میں میراث کی آیت اللہ جل جلالہ نے نازل فرمادی۔ (۲)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر عیادت کے لیے تشریف لائے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور تواضع ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو کسی سواری کا بندوبست ہو جاتا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا، پیدل تشریف لے گئے، تاکہ امت کو اپنے عمل سے بتادیں کہ ایسا بھی کیا جاسکتا ہے۔
- ۲۔ جب کوئی چھوٹا آدمی بیمار ہو جائے تو بڑے آدمی کو اس کی عیادت کے لیے جانا چاہیے، اس سے معاشرے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، یہ ایک مستون عمل ہے، اور احادیث میں بیمار پرسی کے بہت زیادہ فضائل منقول ہیں اس لحاظ سے بھی اس سنت پر اہتمام

(۱) المواہب اللدنیۃ علی الشہادۃ للمحمدیۃ (ص: ۵۶۳)

(۲) فتح الباری ۱۰/۱۳، کتاب المرضی، باب عیادۃ اللغمی علیہ، رقم الحدیث: ۵۶۵۱۔

سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ (۱)

عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: سَمَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوسُفَ وَأَقْعَدَنِي فِي حُجْرِهِ وَمَسَّخَ عَلَيَّ زَأْسِي.

ترجمہ: یوسف بن عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، اور مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دست مبارک پھیرا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- سماعتی: میرا نام رکھا، اقعدنہ: مجھے بٹھایا، حجرة: (حاجر پر اور زیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود، اور لفظ ”حجر“ کے بہت سے معانی ہیں، جیسا کہ اس شعر میں ہے:

رَكِبْتُ حَجْرًا وَطَفْتُ الْبَيْتَ خَلْفَ الْحَجَرِ وَخَوْتُ حَجْرًا عَظِيمًا مَا دَخَلْتُ الْحَجَرَ
لِلَّهِ حَجْرٌ مَنَعَنِي مِنْ دُخُولِ الْحَجَرِ مَا قُلْتُ حَجْرًا وَلَوْ أُعْطِيتُ بِلَاءَ الْحَجَرِ
ان اشعار میں آٹھ مرتبہ لفظ ”حجر“ استعمال ہوا ہے، بالترتیب اس کے معانی یہ ہیں:

۱۔ گھوڑی۔ ۲۔ حطیم۔ ۳۔ سونا، چاندی۔ ۴۔ حرام کام۔ ۵۔ تصرف سے روکنا اور منع کرنا۔ ۶۔ حجر خمود ہے۔ سونا، چاندی۔ ۸۔ گود، یہاں حدیث میں گود کے معنی مراد ہیں۔

اشعار کا ترجمہ: ۱۔ میں گھوڑی پر سوار ہوا اور حطیم کے پیچھے سے طواف کیا، اور میں نے سونے چاندی یعنی مال و دولت کو بہت جمع کیا مگر میں نے حرام کام کا ارتکاب نہیں کیا۔

۲۔ اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے منع کا حکم ہے، اس نے مجھے حجر خمود یعنی قوم خمودی بستیوں میں جانے سے منع کیا ہے، میں نے سونے چاندی کا نہیں کہا اگرچہ مجھے گود بھرنے کے بقدر عطا کیا جائے۔ (۲)

حضرت یوسف بن عبد اللہ: ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت یوسف بن عبد اللہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا تھا، اسی وجہ سے امام بخاری اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بھی صغار صحابہ میں شامل ہیں، البتہ ابوحاتم کا کہنا یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں، مگر صحابی نہیں ہیں۔ (۳)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح النواوی ۱۸۳/۲

(۲) اللواہب اللدنیۃ علی الشیائل للحمیدی (ص: ۵۶۷)

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل، مع شرح النواوی ۱۸۳/۲

نبی کریم ﷺ بچہ کا نام رکھتے اور اس کے سر پر دست مبارک بھی پھیرا کرتے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا جب پڑا ہوا تو وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آپ ﷺ سے نام رکھنے کی درخواست کی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا نام یوسف رکھا، اسے اپنی گود میں بٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا، اس سے معلوم ہوا کہ بچے کا نام کسی نیک آدمی سے رکھوایا جائے، نیز بچے کو گود میں بٹھانا اور اس کے سر پر شفقت کی وجہ سے ہاتھ پھیرنا ایک مسنون عمل ہے۔

✽ اس سے نبی کریم ﷺ کی تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے چھوٹے بچہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

✽ بچوں کے نام اچھے رکھنے چاہئیں، اور انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنا پسندیدہ ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کا نام یوسف رکھا، کیونکہ نام کا انسان کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے، اس لیے اہتمام سے بچوں کے اچھے نام رکھنے چاہئیں۔

✽ ظہرائی میں اس حدیث کے اندر یہ اضافہ بھی ہے: ”وَدَعَا نِي بِالْبِرَّةِ (۱) حضرت یوسف فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے لیے برکت کی دعا کی، اس سے یہ سنت معلوم ہوئی کہ چھوٹے بچے کی عمر میں برکت کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ (۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَجَّ عَلَى رَحْلِ وَثٍ وَقَطِيفَةٍ، كُنَّا نَرَى ثَمَنَهَا أَرْبَعَةَ دَرَاهِمٍ، فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَالَ: لَيْتَكُمْ بِحَبْجَةٍ لَا سَبْعَةَ لِيَهَا وَلَا رِبَاءَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر (بیٹھ کر) حج کیا، جس پر ایک ایسی جھالردار چادر تھی، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہی ہوگی اور جب آپ ﷺ کی اونٹنی سیدھی یعنی کھڑی ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں بار بار حاضر ہوں ایسے حج کے لیے، جس میں نہ تو کوئی ریاکاری اور دکھلاوا ہو، اور نہ ہی شہرت ہو (مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا ہی بنا دینا)

نوٹ: یہ حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گزر چکی ہے، اس کی تفصیل اس عنوان کے تحت دیکھی جاسکتی ہے: ”نبی کریم ﷺ نے پرانے کجاوے پر حج کیا۔“

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا خَطَا طَارِدًا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَوَزَّيْتُ مِنْهُ فَرِيدًا، عَلَيْهِ ذُبَابٌ، قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الذُّبَابَ وَكُنَّا يَنْحُبُ الذُّبَابَ. قَالَ ثَابِتٌ: فَسَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ:

(۱) المعجم الكبير الطبرانی ۲۸۵/۲۲، رقم الحديث: ۷۳۱، ط: مكتبة ابن تيمية، القاهرة، مصر۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۱۸۴۱/۲، اللوالب اللدنیة علی الشائل المحمدیة (ص: ۵۶۷)

لَمَّا صَبَغَ لِي طَعَامًا أَقْدَرُ عَلَى أَنْ يَصْنَعَ لِيهِ دُبَاءً الْأَصْبَغَ. (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک درزی نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی، اس نے آپ ﷺ کے سامنے (کھانے کے لیے) ایسا ٹرید تیار کیا، جس پر کدو تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کدو لیتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے، ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (اس کے بعد) میرے لیے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں اس بات پر میں قادر ہوتا کہ اس کھانے میں کدو بھی ڈالا جائے مگر یہ کہ اس میں کدو ڈالا جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خیاط: درزی، ٹرید: وہ کھانا جس میں روٹی چور کر کے شوربے میں ڈالی جاتی ہے، اور پھر اسے کھایا جاتا ہے، دباء: (دال پر پیش اور با پر زبرد و تشدید) کدو، ماصع لی: (میخ مجھول) نہیں بتایا گیا، نہیں تیار کیا گیا، اقدرو: (میخہ شکم): مجھے قدرت ہوئی، میں قادر ہوتا، علی ان یصنع فیہ دباء: (میخہ مجھول) اس بات پر کہ اس کھانے میں کدو ڈالا جائے۔

نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا

اس حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سبزیوں میں نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند تھے، جس کھانے میں کدو ہوتے آپ ﷺ اسے بہت پسند فرماتے، یہاں اس درزی نے آپ ﷺ کے لیے ٹرید کا کھانا تیار کیا تھا، آپ ﷺ اس میں سے کدو بڑے شوق سے تناول فرما رہے تھے۔

۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند ہیں، اس کے بعد سے میں اپنے ہر کھانے میں کدو ڈالوانے کا اہتمام کرتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ ہر اس چیز کو پسند کرتے تھے، جس کو نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے، اپنی چاہت کو نبی کریم ﷺ کی چاہت پر قربان کر دیتے تھے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کو چونکہ کدو پسند تھا، اس لیے اس درزی نے آپ ﷺ کی پسند کا کھانا تیار کیا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جس شخص کی دعوت کی جارہی ہو، اس کی پسند کا کھانا دعوت میں تیار کرنا چاہیے، تاکہ وہ اچھی طرح کھانا کھا سکے۔ (۲)

یہ حدیث باب ما جاء فی صفة اداء رسول اللہ ﷺ میں بھی گزر چکی ہے، اس کی مزید تفصیل کو وہاں دیکھ لیا جائے۔
عن غمرة، قالت: قيل لعائشة: ماذا كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيته؟ قالت: كان يشموا من البشر، فيفلي ثوبه، ويخلب شاته، ويتخذ من نفسه.

(۱) سنن الترمذی، الألفية، رقم الحديث: ۱۸۵۱۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۵/۲

ترجمہ: حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: حضور اقدس ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے، اور خود ہی اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے، اور اپنی خدمت خود ہی کرتے تھے (یعنی اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بشر: (باور شہین پر زبر) انسان، آدمی، بھلی: جوں تلاش کرتے، یحلب: دودھ دوہتے، دودھ نکالتے، یخدم نفسه: اپنے نفس کی خدمت خود ہی کرتے یعنی اپنے کام خود ہی کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے اکثر کام خود ہی کر لیتے

اس حدیث کو روایت کرنے والی حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہا ہیں، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں تھیں، اس لیے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات بیان فرمائی ہیں۔

حضرت عمرہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ جب گھر تشریف لاتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے اصل جواب سے پہلے تمہید کے طور پر فرمایا کہ کان بشر آمن البشر کہ وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں، اس سے دو اصل وہ کفار کے اس نظریے پر رد و گری ہیں کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کے حکمرانوں کی طرح گھر کے کام کاج بھی نبی کی شان کے خلاف ہیں، اس کا ذکر اللہ جل جلالہ نے سورہ فرقان کی اس آیت میں کیا: وَقَالُوا إِنَّمَا هَذَا الزُّنُزُولُ يَأْتِيهِمُ الطَّعَامُ وَيَشْفِيهِمُ الْأَشْوَاقُ، اس رسول کا کیا حال ہے کہ جو کھانا کھاتا ہے اور بازار میں چلتا ہے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے، مطلب یہ ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کے اکثر کام آپ ﷺ خود ہی کر لیتے تھے، اپنی ضروریات اور گھر کے کام کاج کرنے میں نبی کریم ﷺ کو کوئی ناگواری یا تکبر نہیں ہوتا تھا، اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے صرف تین چیزوں کا ذکر کیا: آپ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوں تلاش کرتے، بکری کا دودھ نکالتے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے، دوسری روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، جوتے سی لیتے، غرض جو کام اور لوگ گھروں میں کرتے، وہ حضور اقدس ﷺ بھی کر لیا کرتے تھے۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن، کپڑوں یا بالوں میں جوں نہیں پڑتی تھی، کیونکہ جوں بدن کی میل سے پیدا ہوتی ہے، اور پسینہ سے بڑھتی ہے، اور حضور اقدس ﷺ تو سراپا نور تھے، وہاں تو میل پچیل کا تصور ہی نہیں تھا، اسی طرح آپ ﷺ کے پسینہ سے خوشبو آتی تھی اور اسے خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا، تو پھر اس معطر پسینہ میں جوں کیسے پیدا ہو سکتی تھی، اب سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے جسم اور کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی تو پھر اس جملے و بھلی ثوبہ کے کیا معنی ہیں؟ اس

کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

- ❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس احتمال کی وجہ سے جوں تلاش کرتے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں نہ چڑھ گئی ہو۔
- ❖ اس سے درحقیقت دوسروں کو تعلیم دینا پیش نظر تھا، تاکہ دوسرے لوگ اپنے کپڑوں اور جسم سے جوں تلاش کر لیا کریں، اس سے ان کی نظر میں اہتمام ہوگا اور اپنے کپڑوں اور جسم کو وہ اچھی طرح صاف کریں گے۔
- اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معسر الموائی، تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اور گھر کے کام کاج کرنا مسنون عمل ہے، اس سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے۔

خلق کے معنی اور انسانی مزاج میں اس کا اثر

- خلق: (خاء اور لام پر پیش اور لام پر سکون بھی پڑھ سکتے ہیں) عادت، خصلت، اس کی جمع اخلاق ہے۔
- خلق کی تعریف: امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: **إِنَّ اللَّهَ هَيَّأَ لِلنَّفْسِ يَهْلُو عَنْهُ الْأَفْعَالُ بِشَهْوَةٍ** یعنی خلق اس صلاحیت اور قوت و ہمت کا نام ہے، جس سے اعمال و افعال آسانی سے صادر ہوتے ہیں، پھر اگر یہ افعال اچھے ہوں، تو ان کو ”اخلاق حسنہ“ کہا جاتا ہے، اور برے افعال صادر ہوں تو وہ ”برے اخلاق“ کہلاتے ہیں۔ (۲)
- ”اخلاق حسنہ“ انسان کی طبیعت میں اللہ جل جلالہ نے فطری اور قدرتی طور پر پیدا کیے ہیں یا وہ کسی ہیں یعنی محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں؟ اس بارے میں شارحین کے تین قول ہیں:
- ۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اخلاق حسنہ ہر آدمی میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر پیدا کیے ہیں، ان کا استدلال امام بخاری کی اس روایت سے ہے: **إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ أَرْزَاقَكُمْ** (اللہ جل جلالہ نے تمہارے درمیان اخلاق کو اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں)۔
- ۲۔ بعض عادتیں قدرتی ہوتی ہیں اور کچھ اخلاق کسی ہیں، جن کے لیے انسان کو تنگ و دو اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

ان کا استدلال حضرت منذر بن عاذر رضی اللہ عنہ، جن کا لقب ”الح“ تھا، کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: **إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يَحِبُّهُمَا اللَّهُ الْجِلْمُ وَالْأَنَانَةُ** تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں: بردباری اور دانائی، جن کو اللہ جل جلالہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۱۸۶/۲ للواهب اللدنی علی الشیائل للحمیدی (ص: ۵۷۰)

(۲) احیاء العلوم للغزالی ۳/۳، بیان فضیلة حسن الخلق و مذممة سوء الخلق، ط: رشیدیہ کوئٹہ۔

پسند فرماتے ہیں، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ خصلتیں میرے اندر پیدا نہی ہیں یا میں نے کسب یعنی محنت سے حاصل کی ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پیدا نہی ہیں، اس پر اس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ عَلٰی خُلُقَیْہِمْ یُحِبُّہُمَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہُ (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا، جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ انسان میں کچھ خصلتیں فطری اور قدرتی طور پر ہوتی ہیں، اور کچھ کسی ہیں، جو محنت و کوشش اور ذرا مجاہدے سے حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تمام ”اخلاق حسنہ“ قدرتی ہیں، انہیں اللہ جل جلالہ نے ہی پیدا فرمایا ہے، البتہ اخلاق حسنہ کے مختلف مراتب اور درجات ہیں، ان میں حالات کے اعتبار سے کی بیشی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اچھے اخلاق کو مکمل کرنے اور انہیں مزید اچھا کرنے کی دعا کی ہے، ذیل میں چند احادیث پیش خدمت ہیں، جن سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے:

❁ بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ أَوْ قَالَ: مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس لیے نبی بنا کر بھیجا گیا، تاکہ میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں۔

❁ اَللّٰہُمَّ اِهْدِنِیْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا یَهْدِیْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، اے اللہ! میری عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کی طرف رہنمائی فرما دے، کیونکہ تو ہی عمدہ اخلاق کی ہدایت دے سکتا ہے۔

❁ اَللّٰہُمَّ کَمَا عَسَسْتَ خَلْقَیْ فَحَسِّنْ خَلْقَیْ اے اللہ جس طرح تو نے مجھے حسین پیدا کیا، اسی طرح میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے۔

❁ حَسِّنِ الْخُلُقَیْ نِصْفَ الدِّیْنِ۔ اچھے اخلاق تو آدھا دین ہے۔

❁ اِنَّ مِنْ اَحْسَنِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا مجھے تم میں سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے، جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔

ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”اخلاق حسنہ“ گو کہ فطری ہیں مگر ان میں محنت و مجاہدے اور اچھی مجلس سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اخلاق کو مزید اچھا اور عمدہ کرنے کی دعا مانگا کرتے تھے، اور امت کو بھی یہ دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے۔ (۱)

عَنْ خَارِجَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: دَخَلَ نَفَرٌ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، فَقَالُوا لَهُ: حَدِّثْنَا أَحَادِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَاذَا أُحَدِّثُكُمْ؟ كُنْتُ جَارَهُ، فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوُحْيُ، بُعِثَ إِلَيَّ فَكَتَبْتُهُ لَهُ، فَكُنَّا إِذَا ذَكَّرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَّرْنَا الْآخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَّرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهُ مَعَنَا، فَكُلُّ هَذَا

أَحَدُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے حضرت خارجہؓ کہتے ہیں: کچھ لوگ حضرت زیدؓ کے پاس آئے، انہوں نے حضرت زیدؓ سے عرض کیا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کچھ حدیثیں سنا دیں؟ حضرت زیدؓ نے فرمایا: میں آپ لوگوں سے کیا حدیثیں بیان کروں، (تمام احادیث کا احاطہ تو ہو نہیں سکتا) میں آپ ﷺ کا پڑوسی تھا، جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ میرے پاس کسی آدمی کو بھیجتے تو میں (حاضر خدمت ہو جاتا اور) اس کو آپ ﷺ کے لیے لکھ لیتا، (حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے رہتے تھے) چنانچہ جب ہم دنیا کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو نبی کریم ﷺ بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر فرماتے، اور جب ہم کھانے کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے، یہ سب کچھ میں تم لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ہی تذکرہ کر رہا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- نفر: تین سے دس افراد یا جماعت کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حدثنا: (صیغہ امر اور ناصمیر مفعول) آپ ہمارے سامنے بیان کریں، ماذا أحدثکم: (صیغہ محکم) کون سی حدیث تمہیں سناؤں، نبی کریم ﷺ کے کیا کیا حالات بتاؤں، بعث الی: نبی کریم ﷺ میری طرف کسی بندے کو بھیج دیتے، رکل هذا أحدکم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یہ سب کچھ میں تمہارے سامنے نبی کریم ﷺ کے حالات اور احادیث ہی بیان کر رہا ہوں۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق و شمائل سے متعلق سوال

حضرت زید بن ثابتؓ کے صاحبزادے حضرت خارجہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ حضرات نے حضرت زید بن ثابتؓ سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور اخلاق و عادات کے بارے میں دریافت کیا، حضرت زیدؓ نے فرمایا: ماذا أحدثکم؟ میں تم لوگوں سے نبی کریم ﷺ کے کیا کیا حالات اور اخلاق ذکر کروں؟ کیونکہ آپ ﷺ کے حالات اور اخلاق و کردار کو بیان کرنا انسانی دسترس میں نہیں، ان کا احاطہ تو ممکن ہی نہیں، کچھ میں ذکر کر دیتا ہوں، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ میں نبی کریم ﷺ کے پڑوس میں رہتا تھا، آپ ﷺ پر جب کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ میری طرف کسی بندے کو بھیجتے، میں حاضر خدمت ہو جاتا، اور میں اس وحی کو نبی کریم ﷺ کے لیے لکھ لیتا، یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے، کیونکہ حضرت زیدؓ قریب رہتے تھے، ورنہ ان کے علاوہ وحی لکھنے والے یہ حضرات صحابہ بھی تھے: حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ، حضرت علاء بن حضریؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ، ان صحابہ کرام کی تعداد نو (۹) ہے، جو کاتبین وحی تھے۔

حضرت زید بن ثابتؓ اس موقع پر کتابت وحی کو ذکر فرما کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی وحی اور احادیث

کو اچھی طرح ضبط اور محفوظ کرتا تھا۔ (۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے اگر ہم دنیا کے کسی امر کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے سامنے اسی قسم کا تذکرہ کرتے، ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ ہر وقت ہمارے ساتھ صرف آخرت کا ہی تذکرہ کرتے ہوں اور دنیا کی کوئی بات سننا بھی گوارا نہ کریں، دنیا سے متعلق یہ گفتگو بھی کسی خاص مقصد کے لیے ہی ہوتی تھی، مثلاً جہادی امور، آلات اور اسلحہ کے بارے میں یا زراعت اور کاشت وغیرہ کے بارے میں، اس کلام سے بھی آپ ﷺ صحابہ کرام کو شرعی حکم بیان فرمایا کرتے، تاکہ کوئی بات پوشیدہ نہ رہ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ رزق خلال کے حصول کے لیے دنیاوی گفتگو کرنا یا دینی نقطہ نظر کی وجہ سے دنیاوی امور کا تذکرہ کرنا مذموم نہیں، بلکہ اگر جائز مقصد کی نیت سے یہ کام کیا جائے، تو اس پر ان شاء اللہ اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

۳۔ اور جب ہم لوگ آپ ﷺ کے سامنے آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے، آخرت کے امور، واقعات اور ایسی باتیں ذکر فرماتے، جن سے انسان کا رجحان دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف ہو جاتا، اور دنیا کی بے رغبتی اس کے دل میں پیوست ہو جاتی، اس لیے اپنی مجالس میں آخرت کے امور کا وقتاً فوقتاً تذکرہ کرتے رہنا چاہیے، تاکہ اعمال میں غفلت اور سستی پیدا نہ ہو۔

۴۔ اور جب ہم کسی کھانے کی بات کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس گفتگو میں شامل ہو جاتے، آپ ﷺ کھانے کی انواع و اقسام، ان کے احکام، آداب، فائدے اور نقصانات ذکر فرماتے، کون سا کھانا انسانی صحت کے لیے مفید ہے اور کون سا نقصان دہ ہے، یہ سب امور زیر بحث آتے اور ان کا شرعی حکم ہمیں بتایا جاتا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کبھی اپنی اولاد، طلبہ اور متعلقین کے سامنے جائز کھانوں کا ذکر، ان کے آداب، فوائد اور نقصان بتانے چاہئیں، تاکہ انہیں اس بارے میں آگاہی حاصل ہو جائے، خاص کر اس زمانے میں تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے، آج بعض باریکٹوں اور ہوٹلوں میں بعض ایسے کھانے اور چیزیں بھی کھلائی پلائی جاتی ہیں جو شرعی لحاظ سے یا تو خلال ہی نہیں یا ان کا کھانا شرعاً مکروہ ہے، اس لیے اس بارے میں ضرور معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔

حدیث کے آخر میں حضرت زید فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کچھ باتوں کا آپ کے سامنے ذکر کیا ہے، یہ بھی میں آپ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے حالات اور اخلاق ہی سن رہا ہوں، ان تمام باتوں سے نبی کریم ﷺ کی تواضع، عاجزی اور نرمی ثابت ہوتی ہے کہ ہر صحابی آپ ﷺ کے سامنے بغیر کسی تکلف کے اپنی بات کر کے اس کا شرعی حکم معلوم کر لیتا تھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

(۱) للواہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدیۃ (ص: ۵۷۲)

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح المناوی ۱۸۸۲، مرقاة المفاتیح ۹۱/۱۰، کتاب الفضائل والشائل، باب فی أخلاقہ و شائلہ، رقم الحدیث: ۵۸۲۳

عَنْ عُمَرَو بْنِ الْغَاصِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثُهُ عَلَى أَشْرَ الْقَوْمِ، يَتَأَلَّفُهُمْ بِذَلِكَ فَكَانَ يَقْبَلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثُهُ عَلَى خَفَى ظَنَنْتُ أَنِّي غَيْرُ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا غَيْرُ أَوْ أَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا غَيْرُ أَوْ عُمَرُ؟ فَقَالَ: عُمَرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا غَيْرُ أَوْ عُثْمَانُ؟ قَالَ: عُثْمَانُ، فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَّقَنِي فَلَوْ دُثُّ أَتَيْ لَمْ أَكُنْ مَسْأَلُهُ. (۱)

ترجمہ: حضرت عمرو بن غاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ اپنے چہرے سے متوجہ ہوتے اور اپنی گفتگو میں خصوصی توجہ فرماتے، آپ ﷺ اس خصوصی توجہ سے لوگوں کو مانوس کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ اپنے چہرے سے میری طرف متوجہ ہوتے اور اپنی گفتگو میں بھی میری طرف خصوصی توجہ فرماتے، یہاں تک کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں (اس وجہ سے کہ آپ ﷺ میری طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے) اسی خیال کی وجہ سے ایک دن میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میں افضل ہوں یا ابوبکر؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر، پھر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں افضل ہوں یا عمر؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: عمر، پھر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں افضل ہوں یا عثمان؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: عثمان، جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے (کسی کا لحاظ کیے بغیر) مجھے صحیح صحیح جواب ارشاد فرمایا، پھر تو میں تمنا کرنے لگا کہ اے کاش: میں نبی کریم ﷺ سے یہ سوال ہی نہ کرتا (کیونکہ میرا خیال غلط ثابت ہو گیا)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یقبل: (اقبال سے) آپ ﷺ متوجہ ہوتے، اشر القوم: قوم کا بدترین آدمی، يتألفهم: آپ ﷺ ان کو مانوس کرتے، ان کو اپنی طرف مائل کرتے، ”حم“ ضمیر کے مرجع میں دخول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر ”اشر“ کی طرف لوٹ رہی ہے، جو لفظاً تو مفرد ہے، مگر معنی کے اعتبار سے ”اشر“ جمع ہے، ۲۔ یہ ضمیر لفظ قوم کی طرف لوٹ رہی ہے، فصداً فنی: تو آپ ﷺ نے مجھے صحیح صحیح جواب دیا، میرے سامنے حق بات ہی ارشاد فرمائی، اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا، لوددت: (صیغہ متکلم) میں تمنا کرنے لگا۔

قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی آپ ﷺ خصوصی توجہ فرماتے

اس حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جو شخص بھی حاضر ہوتا، خواہ وہ مسلمان ہوتا یا کافر، اچھا آدمی ہوتا یا بدترین، آپ ﷺ

اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے، اس کی گفتگو مکمل یکسوئی سے سنتے اور اس کی رہنمائی فرماتے، یہ خصوصی توجہ یا تو اس وجہ سے ہوتی کہ یہ مسلمان تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر ہوتا، امت میں اس کی افضلیت کی وجہ سے اس کی طرف خصوصی عنایت فرماتے جیسے خلفاء اربعہ ہیں... اور یا اس سے تالیف قلب پیش نظر ہوتا کہ اس سے یہ آدمی اسلام نے مزید مانوس ہوگا، اگر وہ اب تک مسلمان نہیں ہوا تو اس طرز عمل سے وہ اور اس کا خاندان اسلام کی روشنی سے منور ہو جائیں گے، یا اگر وہ نو مسلم ہے تو اس توجہ سے اسے اسلام کے ساتھ مزید محبت و الفت پیدا ہو جائے گی، یوں وہ احکام پر عمل کرنے میں مزید دلچسپی سے کام لے گا۔

اس میں نبی کریم ﷺ کے عمدہ اخلاق کی ایک بہترین مثال ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا آپ ﷺ اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے، یوں وہ آپ ﷺ کے اخلاق سے بہت زیادہ متاثر ہوتا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ ایک داعی حق، مبلغ درہنما، استاذ اور شیخ کو چاہیے کہ اس کے پاس جو بھی ملاقات اور استفادے کے لیے حاضر ہو، اس سے اعراض اور بے رخی نہ کرے بلکہ اس کو کچھ وقت دے، اس سے ملاقات کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرے، دینی امور میں اس کی رہنمائی کرے تاکہ وہ بھی اپنی اصلاح کے بعد لوگوں کی صحیح طرح اصلاح کر سکے۔

۲۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، فتح مکہ سے ایک یا دو سال پہلے اپنی خوشی سے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد اکثر آپ ﷺ کے ساتھ رہتے، آپ ﷺ بھی ان کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، تاکہ وہ مانوس ہو جائیں، اور اس سے پہلے جو انہوں نے اسلام کے خلاف کاروائیاں کی تھیں، ان کو وہ بھول جائیں، اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو غزوہ ذات السلاسل کا امیر بھی مقرر کیا تھا، اور پھر ان کی عدد و نصرت کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھی بھیجا تھا۔

شمال کی مذکورہ حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میری طرف اس قدر توجہ فرماتے کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ گویا آپ ﷺ کی نظر میں سب صحابہ سے میں افضل ہوں، اسی خیال کی تصدیق کے لیے ایک دن انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ابوبکر، پھر پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عمرؓ پھر پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمانؓ، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحیح صحیح جواب دیا، اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا، جواب سن کر مجھے اپنے سوال پر اس قدر رندامت اور شرمندگی ہوئی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال ہی نہ کیا ہوتا۔

نبی کریم ﷺ حضرت عمرو بن عاص کی طرف جو خصوصی توجہ فرما رہے تھے، وہ ان کی تالیف قلب اور مانوس کرنے کے لیے تھا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ دیگر تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، مگر حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس سے یہ سمجھا کہ میں گویا افضل ہوں، اس لیے انہوں نے سوالات کیے، لیکن آپ ﷺ نے وہی جواب ارشاد فرمائے جو حقیقت پر مبنی تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی ان تین صحابہ کرام کی افضلیت بالترتیب تمام صحابہ کرامؓ کے ہاں واضح تھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے

ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ابو بکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، ان کے بعد سب سے افضل عمرؓ کو، ان کے بعد عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہؓ میں کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے، اسی طرح کا قول حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔

۳۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر، اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمانؓ ہیں، یہی امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ مِثْقِينَ، لَمَّا قَالَ لِي أَفْ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِي شَيْءٌ وَصَنَعْتُه: لَمْ صَنَعْتُهُ وَلَا لِي شَيْءٌ لَمْ تَرَكْتُهُ: وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسْنُوتَ عَزًّا وَلَا أَحْرِيًّا وَلَا شَيْئًا كَانَ الْكَيْنُ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمَمْتُ مِنْكَ قَطُّ وَلَا عَطُرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس نبی کریم ﷺ کی خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے مجھے کبھی کسی بات پر اف تک بھی نہیں فرمایا، اور نہ اس کام پر جس کو میں نے کر لیا، یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ اس کام پر جس کو میں نے چھوڑ دیا یعنی نہیں کیا، یہ فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں ترک کیا؟ اور نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے، (اور انتہائی زیادہ خوبصورت بھی تھے) چنانچہ میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا اور کوئی نرم چیز ایسی نہیں چھوئی، جو رسول اللہ ﷺ کی پتلی سے زیادہ نرم ہو، اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی خوشبو اور عطر، حضور اکرم ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اف: (ہمزے پر پیش اور فا پر تشدید و زیر) یہ ایسا لفظ ہے جو ناگواری اور اکتاہٹ کے وقت بولا جاتا ہے، صنعتہ: (صیغہ متکلم) جس کام کو میں نے کیا، لا مسمت: میں نے نہیں چھویا، عز: ۱۔ اون اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا، ۲۔ خالص ریشم کا بنا ہوا کپڑا، ریشم، حویو: خالص ریشمی کپڑا، البین: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ نرم و ملائم، لا شمم: میں نے نہیں سونگھا، مسکا: (میم کے نیچے زیر) مشک، اطیب: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ اچھی، زیادہ خوشبودار، عرق: (عین اور را پر زبر) پسینہ۔

نبی کریم ﷺ کا اپنے خادم کے ساتھ بے مثال برتاؤ

حضرت انسؓ نے اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی ہے، اس دوران کبھی بھی مجھے

(۱) فتح الباری ۹۳/۸ کتاب المغازی، باب غزوة ذات السلاسل، رقم الحديث: ۴۳۵۸

(۲) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۱۶۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹا نہیں، میرے کسی کام پر اف تک نہیں فرمایا، جو کام میں کر لیتا یا صحیح طرح سے نہ کرتا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ یہ کام تم نے کیوں کیا ہے، اور جو کام میں نے نہ کیا ہوتا یا اس میں سستی کی ہوتی، کبھی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گرفت نہیں فرمائی، غرض یہ کہ آداب خدمت کی خلاف ورزی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کبھی مواخذہ نہیں فرمایا، نرمی اور حسن سلوک سے ہی پیش آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ من جانب اللہ سمجھتے تھے، اس لیے اس پر راضی رہتے، چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا، اس لیے ہم اس پر راضی ہیں، اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، یہ مقام کس اور کوا حاصل نہ تھا۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ اگر کسی خادم، اور ملازم وغیرہ سے کوئی بات ادب کے خلاف ہو جائے تو اس پر سخت ہونے کے بجائے صبر و تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیے، اس کی وجہ سے اس سے جھگڑنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا کسی بھی طرح سے درست نہیں ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے اور نہ باز پرس فرماتے، اسی وجہ سے حضرت انسؓ سے خدمت میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی کی رہ جاتی تو اس پر گرفت نہ فرماتے، بلکہ معاف فرما دیتے، لیکن شرعی احکام میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ شدید ہوتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ ضرور لیتے، اس سے حضرت انسؓ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے خدمت کے دوران کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کیا، جسکی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مواخذہ فرماتے، صرف خدمت میں کبھی کوئی لاپرواہی یا سستی ہو جاتی، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی روک ٹوک نہ فرماتے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی ایک اہم مثال ہے۔

”عشرین“ اس روایت میں دس سالوں کا ذکر ہے، جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں نو سال کا ذکر ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی خدمت کی اصل مدت نو سال اور کچھ ماہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا، اور حضرت انسؓ پہلے سال کے درمیان میں حاضر خدمت ہوئے تھے، اس لیے جس روایت میں نو سال کا ذکر ہے، اس میں کسر کو حذف کر دیا گیا یعنی ان مہینوں کو شمار نہیں کیا گیا، اور جس روایت میں دس سال کا ذکر ہے، اس میں ان چند ماہ کو شمار کر کے تغلیباً دس سال ذکر کیا ہے۔ (۱)

۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھیلی مبارک مضبوطی کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ نرم تھی، فرماتے ہیں کہ خالص ریشم یا ریشمی کپڑے یا کسی بھی نرم چیز سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھیلی نرم تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۵۲۷، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه صلى الله عليه وسلم۔ مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۷۸ کتاب

الفضائل، باب فی اخلاقه وشمائله، رقم الحدیث: ۵۸۰۶

اعتبار سے بھی بہت زیادہ خوبصورت تھے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو محک اور عطر سے بھی بڑھ کر خوشبودار تھی، بعض ازواج مطہرات آپ ﷺ کے پسینہ کو کسی بوتل وغیرہ میں جمع کر لیتی تھیں، اور پھر اس مبارک پسینہ کو خوشبو کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جو شخص نبی کریم ﷺ سے ایک دفعہ مصافحہ کر لیتا، سارا دن اس کے ہاتھ سے خوشبو مہکتی رہتی تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ ﷺ خوشبو کس وجہ سے استعمال فرماتے تھے، آپ ﷺ کے جسم مبارک سے تو ویسے ہی خوشبو آتی تھی؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہ ذکر کی ہیں:

۱۔ آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو خود آپ ﷺ کو محسوس نہیں ہوتی تھی، اس لیے آپ ﷺ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

۲۔ پسینہ چونکہ ہر وقت نہیں آتا تھا، جب پسینہ آتا اس وقت آپ ﷺ خوشبو استعمال فرماتے تھے، اور جب پسینہ آتا تو اس وقت اس کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

۳۔ آپ ﷺ خوشبو اس لیے استعمال فرماتے، تاکہ مسلمان اس سنت پر عمل کریں، اور اپنے نبی کی اس سنت میں بھی پیروی کریں۔

۴۔ دنیا میں جتنے بھی حضرات انبیاء و کرام تشریف لائے ہیں، وہ سب ہی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے، ان کے ساتھ موافقت کے طور پر آپ علیہ السلام بھی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

۵۔ گوکہ آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو بہت تھی، ہر ملنے والے اور قریب والے آدمی کو محسوس ہوتی تھی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی ملاقات فرشتوں سے ہوتی تھی، اس لیے مبالغہ آپ ﷺ مزید خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے

نبی کریم ﷺ ہر عمل کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے سمجھتے تھے، طبیعت کے موافق ہوتا تو شکر بجالاتے اور طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو اس پر صبر کرتے، پریشان نہیں ہوتے تھے، حضرت انسؓ سے بھی جب خدمت میں کوئی چوک ہو جاتی تو آپ ﷺ اسے بھی تلقین کا نوشتہ ہی قرار دیتے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس وقت زبان مبارک سے یہ کلمات ارشاد فرماتے:

قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، وَلَوْ قَدَّرَ اللَّهُ كَانَ، وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَكَانَ۔

(۱) الکوکب الدری ۶۸/۳، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۲۰۱۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: معارف ترمذی جلد اول، باب ما جاء فی خلق النبی ﷺ، آپ ﷺ کے حسن اخلاق۔

ترجمہ: اللہ نے تقدیر میں یہی لکھا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، اور اللہ نے جو مقدر کیا ہو وہی ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ جو چاہیں، اسی طرح ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام، تابعین، اولیاء کرام اور امت کے نیک لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہوتے ہیں، اسی کو ”رضا بالقضا“ کہا جاتا ہے کہ انسان اللہ کے ہر فیصلے پر دل و جان سے راضی ہو، بلکہ نیک لوگ تو سخت حالات، مشکلات اور آزمائشوں سے بھی نہیں گھبراتے، اس سے ان کا اللہ کے ساتھ تعلق میں مزید اضافہ ہوتا ہے، رابعہ بصریہ کا ایک مشہور مقولہ ہے: لَوْ قَطَعْنِي أَوْ بَاأَرْبَا لَمْ أَرْكَدْ فِيكَ الْإِحْتِاجُ (ترجمہ: اے اللہ! اگر تو میرے گلے سے گلے بھی کر ڈالے تو تیرے ساتھ میری محبت میں اس سے اضافہ ہی ہوگا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس پر انسان راضی رہے، اسے اپنے لیے مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مطمئن رہے، کیونکہ انسان کے بارے میں اللہ جل جلالہ کا ہر فیصلہ سو فیصد حکمت اور مصلحت کے موافق ہوتا ہے، خواہ اس کی مصلحت انسان کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر انسان اس فکر کا اہتمام کرے تو پھر ان شاء اللہ اسے کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے فیصلوں پر ہمیں راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادِيُو أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ، فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ: لَوْ قَلْتُمْ لَهُ يَدُ غَدَاةِ الصُّفْرَةِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، جس پر زرد رنگ (کی خوشبو یا زعفران) کا اثر تھا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی کو منہ پر ایسی کوئی بات نہ کہتے، جو اس کو ناگوار ہو، پھر جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: کاش تم لوگ اس سے کہتے کہ وہ یہ زرد رنگ چھوڑ دے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- صفرة: (صار پریش اور فاساکن) زرد رنگ، لا یکا دیو احدہ: قریب نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی سے منہ پر کوئی بات کہتے، یعنی آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ آپ ﷺ کسی سے اس کے منہ پر کوئی بات نہ کہتے، بکریہ: ایسی کوئی بات جو اسے ناگوار اور ناپسندیدہ ہو، لو قلتم لہ: ترکبھی لحاظ سے اسے شرط بھی بنا سکتے ہیں اور تمہنی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اگر شرط مراد ہو تو اس کی جزاء مخدوف ہوگی یعنی لکان احسن: یعنی اگر تم لوگ اس سے کہتے تو اچھا ہوتا، اور تمہنی کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: کاش تم لوگ اس سے کہتے، ید غدا: وہ چھوڑ دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً کسی کو منہ پر منع نہ فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ جب کسی سے کوئی خلافِ اولیٰ امر دیکھ لیتے تو اسے منہ پر نہ ٹوکتے، اور اس شخص سے براہِ راست ایسی کوئی بات نہ فرماتے، جو اسے ناگوار ہوتی، مبادا وہ انکار کر بیٹھے یا اس امر سے اعراض کر لے، جس کی وجہ سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی، کیونکہ نبی کی بات سے انکار یا اعراض سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اس مصلحت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً خلافِ اولیٰ امر پر منہ پر ہی منع نہ فرماتے تھے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے کپڑوں پر خوشبو یا زعفران کا کچھ زرد رنگ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کے منہ پر ہی اسے منع نہیں فرمایا، بلکہ جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اسے زرد رنگ سے منع کرو تو بہت اچھا ہوگا، یہ طریقہ کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافِ اولیٰ امر سے متعلق تھا، اگر حرام کام کا کوئی ارتکاب کرنا اور اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں تجاوز کر جاتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غصہ آتا، منہ پر ہی اسے منع فرماتے اور اس کا انتقام لیتے تھے۔

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معمول کا ذکر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ناگوار بات پر منہ پر ہی منع نہ فرماتے، لیکن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر بھی منع فرمادیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوتا کہ یہ شخص اس بات سے انکار یا اعراض نہیں کرے گا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حارث رضی اللہ عنہم نے ثوب معصر یعنی کسم سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کپڑے کو پہننے سے منع فرمادیا، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عام معمول نہیں تھا، اس حدیث سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی انسان سے کوئی غلطی ہو جائے تو حکمت کے ساتھ اسے سمجھایا جائے، اس کی ہلک حرمت کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا ضَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِيءُ بِالسَّيْفَةِ السَّيْفَةَ، وَلَكِنْ تَغْفُو وَيُغْفَقُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ فحش گوئی کی عادت تھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم متفحش اور بالقصد فحش بات فرماتے تھے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں چیخنے والے اور شور مچانے والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دل سے معاف فرمادیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- فاحش: وہ شخص جو بری بات یا برے کام کا عادی ہو، متفحش: (میم پر پیش، تا پر زبر اور حاء کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح النواوی ۱۹۳/۲

(۲) سنن الترمذی، البیہ، رقم الحدیث: ۲۰۱۶۔

بچے زیر و تشدید) بحکمت اور ارادے سے بری بات کرنے والا، صخاب: (صاد پرزیر اور خاں پرزیر و تشدید) بہت چپختے اور شور مچانے والا، لایعجزی: بدلہ نہ دیتے، یعفو: وہ باطلان و گدھر فرما دیتے یعنی دل سے اسے معاف فرما دیتے، یصفح: آپ ﷺ ظاہراً بھی وہ معاف فرما دیتے یعنی اس برائی کا پھر کسی مجلس وغیرہ میں تذکرہ بھی نہ کرتے۔

نبی کریم ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے

نبی کریم ﷺ حسن اخلاق کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس بات کا ذکر اللہ جل جلالہ نے اس آیت میں کیا ہے: **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ** (ترجمہ: اور بے شک آپ اخلاق (حسن) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے امت کو بھی اچھے اخلاق سے آراستہ ہونے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کے حسن اخلاق کے پانچ اوصاف کا تذکرہ ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا مزاج اور طبیعت ہی ایسی تھی کہ آپ ﷺ فحش اور بے حیائی کی بات نہیں فرماتے تھے، اور نہ ہی آپ ﷺ کو اس قسم کی گفتگو پسند تھی، لہذا ایک مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی زبان سے کوئی بری اور نامناسب بات نہ نکلے، کیونکہ انسان کا حسن اس کی زبان میں ہے، اگر زبان سے کوئی برا بول بولے گا تو اس سے خود اس کی اپنی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے، اور دوسرے کے دل میں بھی اس کے بارے میں برا تاثر قائم ہو جاتا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ بحکمت بھی فحش بات نہیں فرتے تھے، جیسے بعض لوگ مجلس کو گرم کرنے اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے بحکمت فحش گوئی کیا کرتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔ بازار میں شور و غل، جھج و پکار اور شور و شغب کرنا و قار کے خلاف ہے، ضرورت کی وجہ سے بازار میں انسان جاسکتا ہے، مگر شور نہ کیا جائے، آرام و سکون کے ساتھ اپنا کام پورا کر کے گھر واپس آ جانا چاہیے، نبی کریم ﷺ بازار اور مارکیٹ میں بالکل شور نہیں فرماتے تھے، بازار میں شور کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور جگہ نبی کریم ﷺ شور و شغب کرتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں عموماً شور و غل ہوتا ہے جو جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہے تو وہ اور مقامات پر بطریق اولیٰ پر سکون اور شور و شغب کے بغیر رہتا ہوگا۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اگر کوئی شخص برے طریقے سے پیش آتا تو آپ ﷺ اس کے ساتھ بدتمیزی کا معاملہ نہ فرماتے، آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، آپ ﷺ کی ساری زندگی اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کو کفار اور منافقین نے کیا کیا اذیتیں پہنچائیں، مگر آپ ﷺ نے ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا، چند واقعات کی تفصیل درج ذیل ہے:

⑤ غزوہ احد میں کفار کی طرف سے کس قدر آپ ﷺ کو تنگ کیا گیا، عتبہ نے پتھر پھینکا، جس سے دندان مبارک ٹوٹ

مجھے، بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ ان کے خلاف بدو عافرادیں؟ نبی کریم ﷺ نے اس وقت بھی یہ دعا فرمائی: یا اللہ میری قوم کو ہدایت عنایت فرما، کیونکہ یہ جاہل اور نادان تھے ہیں، جہالت کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔

حضرت زید بن سعہ پہلے ایک یہودی عالم تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی تمام علامتیں میں نے رسول اللہ ﷺ میں دیکھ لی تھیں سوائے دو علامتوں کے، جن کو میں نے اب تک نہیں دیکھا: ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم اور بردباری آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگی، دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا، اسی قدر آپ ﷺ کا تحمل اور برداشت زیادہ ہوگی، کہتے ہیں کہ میں ان کو دیکھنے کی جستجو میں مسلسل لگا رہا، اس کے لیے میں آپ ﷺ کی مجلس میں آتا جاتا رہا، ایک دن آپ ﷺ حجرے سے باہر تشریف لائے، حضرت علیؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اتنے میں ایک دیہاتی شخص آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم اگر مسلمان ہو جاؤ گے تو تمہیں بھرپور رزق ملے گا، اور اب حالت یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں قتل پڑ گیا ہے، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ اسلام سے ہی نہ نکل جائیں، اگر آپ ﷺ مناسب سمجھیں تو کچھ مدد فرمادیں، حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کی طرف دیکھا، جو غالباً حضرت علیؓ تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔

زید بن سعہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے، کہنے لگے: اے محمد (ﷺ) اگر آپ ﷺ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں معین وقت پر مجھے دیدیں، تو میں ان کی قیمت بٹنگلی ابھی دے دیتا ہوں اور معین وقت پر وہ کھجوریں میں لے لوں گا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا، البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں، زید بن سعہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مقدار سونا ڈے دیا (ایک مقدار مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے وہ سونا اس دیہاتی کے حوالہ کر دیا، اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا، اس سے ان لوگوں کی ضروریات پوری کر لو، زید بن سعہ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضور اقدس ﷺ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ، جن میں ابو بکر و عمر اور عثمانؓ بھی تھے، کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے کناروں کو پکڑ کر نہایت سخت انداز سے کہا کہ اے محمد! تو میرا قرضہ ادا نہیں کرتا، خدا کی قسم! میں تم سب عبدالمطلب کی اولاد کو خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہو۔

زید بن سعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے حضور اقدس ﷺ کا ذرہ ہوتا تو میں اس بات پر تیری گردن اڑا دیتا، مگر حضور اقدس ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے

تھے، اور مسکرانے کے لہجہ میں عمر سے فرمایا کہ: عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے یہ کہتے کہ میں اس کا حق اچھے طریقے سے ادا کرتا اور اسے یہ نصیحت کرتے کہ وہ اپنے حق کے مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ اختیار کرتا، بہر حال اسے لے جاؤ اور اس کا حق ادا کرو اور تم نے زید کو جو ڈانٹا ہے، اس کے بدلے میں مزید بیس صاع یعنی تقریباً دو من بھجوریں بھی اسے دے دینا۔ (۱)

زید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے، میرا قرض اور مزید بیس صاع بھجوریں مجھے دے دیں، میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہی حکم ہے؟ زید نے کہا کہ عمرؓ مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: میں زید بن سہل ہوں، انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، میں وہی ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا کہ میں نبوت کی دو علامتیں دیکھنا چاہتا تھا، جن کو اب تک میں نے نہیں دیکھا تھا، ایک یہ کہ آپ ﷺ کا علم اور بردباری آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگی دوسری یہ کہ ان کے ساتھ جتنا سخت جہالت کا رویہ برتنا جائے، تو اس سے ان کے علم اور بردباری میں مزید اضافہ ہوگا، اب میں نے یہ رویہ اختیار کر کے ان دو علامتوں کو بھی دیکھ لیا، لو میں تمہیں گواہ بنا کر اسلام قبول کرتا ہوں، اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ میرا آدھا مال امت محمدیہ کے لیے صدقہ ہے، اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، پھر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، بالآخر غزوہ تبوک میں شہید ہو گئے۔ (۲)

۵۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو شخص جتنا بھی برابر رویہ اختیار کرتا، آپ ﷺ اسے معاف فرما دیتے، اور پھر اس بات کا کسی کے سامنے کسی مجلس میں بھی ذکر نہ فرماتے، اس سے ایک تو یہ آداب معلوم ہوا کہ جب انسان کے ساتھ کوئی شخص نامناسب رویہ اختیار کرے تو اسے معاف کر دینا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ پھر اس برائی کا دوبارہ کسی کے سامنے تذکرہ تک نہ کیا جائے، اسے ذہن سے نکال دیا جائے، ان آداب کا اگر اہتمام کیا جائے تو معاشرے میں پھیلے بہت سے اختلافات اور جھگڑے ختم ہو جائیں، اللہ جل شانہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا صَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلَا صَرَفَ خَادِمًا أَوْ امْرَأَةً. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت (بیوی اور باندی) کو۔

(۱) السنن الكبرى للبيهقي ۸/۶، كتاب التعليل، باب ما جاء في التقاضي، رقم الحديث: ۱۱۲۸۳۔

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح للناوي ۱/۲، ۹۹۵۔

(۳) سنن ابن ماجه، النكاح، رقم الحديث: ۱۹۸۴۔

نبی کریم ﷺ نے جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا

نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا، کسی خادم، اہلیہ اور باغی کو نہیں مارا، حالانکہ بسا اوقات ان میں سے کسی کو مارنے کی نوبت آ جاتی ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ صبر فرماتے اور درگزر فرمادیتے، ہاں اللہ کے راستہ میں جہاد میں نبی کریم ﷺ مارتے تھے، چنانچہ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے ہاتھوں سے ابی بن خلف قتل ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس کافر کے علاوہ اپنے ہاتھ سے اور کسی کو قتل نہیں کیا، وہ شخص بہت بڑا بدنعت ہوتا ہے جو کسی نبی کو شہید کر دے یا نبی کے ہاتھوں سے وہ مارا جائے، ہاں یہ بات احادیث میں موجود ہے کہ بسا اوقات نبی کریم ﷺ کسی کمزور جانور کو تھوڑا مارتے تو اس سے وہ جانور درست ہو جاتا اور تیز چلنے لگتا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جابر کے اونٹ کو آپ ﷺ نے کچوکا دیا، اور حضرت طفیل اشجعی کے گھوڑے کو تھوڑا مارا، تو وہ تیز رفتار ہو گئے، یوں نبی کریم ﷺ کے مجھڑے کا ٹھوڑا ہوا۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ❖ ادب سکھانے کے لیے اپنے خادم، بیوی، شاگرد اور اولاد کو مناسب سزا دی جاسکتی ہے، بلکہ اولاد کی تربیت کے لیے ان پر سختی کرنا اور تھوڑا بہت مارنے کو مستحب لکھا ہے۔
- ❖ تربیت میں اصل طریقہ یہ اختیار کرنا چاہیے کہ ان کی ذہن سازی کی جائے، پیار و محبت اور حکمت سے ان کو نصیحتیں کرنی چاہئیں۔

❖ قاضی، حج اور حاکم کے لیے بہتر یہ ہے کہ مجرم کو خود سزا نہ دیا کریں بلکہ کسی اور بندے سے یہ کام کرایا جائے۔ (۱)
 عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظَلَمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يَنْتَهِكْ مِنْ مَخَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْئًا، فَإِذَا انْتَهَكَ مِنْ مَخَارِمِ اللَّهِ شَيْئًا كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِي ذَلِكَ غَضَبًا، وَمَا خَيْرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْتِلًا. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس ظلم کا بدلہ لیا ہو، جو ظلم آپ ﷺ کے ساتھ کیا گیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا جاتا تو اس میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ غصہ آتا اور جب بھی نبی کریم ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے

(۱) مرقاة المفاتیح ۴۸۸/۱۰ کتاب الفضائل، باب فی أخلاقہ و شمائلہ ﷺ، رقم الحدیث: ۵۸۱۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۹۶/۲، المواہب اللدنیة علی الشمائل للحمیدی (ص: ۵۸۲)

(۲) سنن أبی داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۴۷۸۵۔

جب تک کہ وہ گناہ نہ دے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- منصرفا: بدلہ لیتے ہوئے، مظلومہ: (لام کے نیچے زیر) ظلم، زیادتی، ظلمہا: (ظا پر پیش، لام کے نیچے زیر، صیغہ مجہول) اس میں "عو" ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے جو ظلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا، مالم بسترک: (میضہ مجہول) جب تک ارتکاب نہ کیا جائے، جب تک پردہ دہی نہ کی جائے، محارم: محرم کی جمع ہے: حرام کردہ چیزیں، ماخیز: (میضہ مجہول) نہیں اختیار دینے لگے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا جاتا، مالمنا: گناہ، معصیت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جائز امور میں آسان امر کو اختیار فرماتے

مذکورہ حدیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر کوئی ظلم و زیادتی کرتا، نامناسب رویہ اختیار کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کوئی انتقام اور بدلہ نہ لیتے، بلکہ اسے دل سے معاف فرما دیتے، اور اس کی اصلاح اور ہدایت کے لیے دعا فرماتے، ایک مرتبہ ایک دیہاتی آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر اس قدر اسے سختی سے کھینچا کہ اس سے گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، اور کہنے لگا کہ میرے اونٹوں پر غلہ سوار کرادیں، کیونکہ تم مجھے اپنا یا اپنے باپ کا مال نہیں دیتے ہو (گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے، تمہارا نہیں ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ مجھے نہیں دے گا، میں تجھے غلہ نہیں دوں گا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم! بدلہ نہیں دیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اونٹوں پر غلہ سوار کرادیا، ایک غزوہ میں مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص کی زبان سے یہ نکلا کہ "یہ ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا"۔ اس طرح اور بیسیوں واقعات ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کو معاف فرما دیا، ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، اس میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے، جو طبیعت کے خلاف ذرا سی بات سن کر ناراض ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کا انتقام لیتے ہیں، اتباع نبوی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں پر انتقام اور ڈانٹنے کے بجائے صبر کیا جائے، اس سے انسان کے وقار اور عزت و مرتبہ میں کمی نہیں، اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی غلطیوں پر اس وقت تک درگزر فرماتے، ان پر گرفت نہ فرماتے، جب تک کسی حرام کام کا ارتکاب نہ کیا جاتا، جب کوئی شخص حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر لیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر شدید غصہ آتا، اور اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق اس سے انتقام لیتے، یعنی اللہ کا حکم اس پر نافذ فرماتے، اس شخص کو سزا دیے بغیر معاف نہ فرماتے، جیسے اصحاب عربین نے اللہ کی حدود کے خلاف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شرعی سزا جاری فرمانے کا حکم دیا، فتح مکہ کے موقع پر عبد اللہ بن خطل اور بعض دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، ان لوگوں نے اللہ کی حرمت کا ارتکاب کیا تھا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا معاملہ کرے تو اس نے بھی تو ایک

حرام چیز کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانا گویا اللہ جل شانہ کو تکلیف پہنچانا ہے، اس بات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس شخص کو سزا کے بغیر معاف نہیں کرنا چاہیے، تو پھر نبی کریم ﷺ ایسے شخص کو کیوں معاف فرمادیتے تھے؟

شارحین حدیث نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا بلاشبہ بہت بڑا گناہ ہے، مگر اس سے علی الاطلاق انسان کا فرہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ ایذا کبھی تو ایک مسلمان صحابی سے اس کے مخصوص مزاج کی وجہ سے ہو جاتی، آپ ﷺ اسے درگزر فرمادیتے، اس پر کفر کا حکم نہ لگاتے، اگر منافقین کی طرف سے کوئی ایذا رسانی ہوتی تو آپ ﷺ انہیں معاف فرمادیتے تاکہ لوگ یہ کہنا نہ شروع کر دیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے، کیونکہ بظاہر یہ منافقین غلط مسلمانوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر رہتے، اور اگر کوئی ایسا کافر شرارت کے طور پر کرتا، جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا کوئی معاہدہ ہوتا تو اسے آپ ﷺ معاف فرمادیتے، تاکہ وہ اسلام سے قریب اور حرید مالوس ہو جائے، اور اگر اس کافر کے ساتھ آپ ﷺ کا کوئی معاہدہ نہ ہوتا بلکہ حربی کافر آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تو اس سے بھی درگزر فرمادیتے، کیونکہ حربی کافر نے احکام کا التزام نہیں کیا تھا۔

۳۔ حدیث میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب اللہ جل جلالہ کی طرف سے بالخصوص امت کے حق میں دو امور میں اختیار دیا جاتا، تو آپ ﷺ اس امر کو اختیار فرماتے جو امت کے لیے آسان ہوتا، اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دورائے ہوتے، ان میں سے آپ ﷺ اس رائے کو اختیار فرماتے، جو امت کے لیے بہتر اور آسان ہوتی، جب تک کہ اس امر میں کسی قسم کی شرعی قباحت اور نقصان نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ اختیاری امور میں انسان کو وہ امر اختیار کرنا چاہیے، جس میں سہولت اور آسانی ہو، جبکہ وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: بِشْنِ ابْنِ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ، ثُمَّ أَدْنَى لَهُ، فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: قُلْتُ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهَا الْقَوْلَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَزَكَّى النَّاسُ أَوْ دَعَا النَّاسَ إِلَى الْإِقَاءِ فَخُشِيَهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی، میں اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خاندان کا برائیٹا یا (فرمایا) برا بھائی ہے، پھر آپ ﷺ نے (اسے آنے کی) اجازت دے دی، اور اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی، پھر جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پہلے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا جو کچھ کہ فرمایا (یعنی اسے برا آدمی

(۱) جمع البوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۹۸، ۱۹۷۲

(۲) سنن الترمذی، الباب رقم الحدیث: ۱۹۹۷۔

فرمایا: پھر آپ ﷺ نے اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی؟ اس پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! بیشک لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی خشن گفتگو یا اس کے شر سے بچنے کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ہنس: برا ہے، الان لہ: اس کے لیے نرمی کی نرمی سے گفتگو کی، ودعه الناس: لوگ اس کو چھوڑ دیں، انقاء فحشہ: اس کی خشن گفتگو یا شر سے بچنے کی وجہ سے، العشیوۃ قبیلہ، خاندان۔

نبی کریم ﷺ ہر ایک سے نرمی سے گفتگو فرماتے

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص نے آنے کی اجازت طلب کی، اس وقت حضرت عائشہؓ بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ خاندان کا ایک برا آدمی ہے، آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی، اور اس سے نرمی سے گفتگو فرماتے رہے، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے تو اس کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ خاندان کا ایک برا آدمی ہے، اور پھر اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو بھی فرماتے رہے، برا ہونے کا قضا تو یہ تھا کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے، نرمی کا برتاؤ اس سے نہ فرماتے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی بات سن کر فرمایا: اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَ النَّاسَ اِنْقَاءَ فُحْشِهِ (بدترین وہ شخص ہے، جس کو لوگ اس کی خشن کلامی کے خوف سے چھوڑ دیں) حدیث کے اس جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی خشن گفتگو اور شر سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی، اور خوش اخلاقی اور خاطر مدارات کا معاملہ فرمایا، تاکہ اس کے قبیلہ کے لوگ مانوس ہو کر اسلام قبول کر لیں اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں، اس کے شر کو دیکھ کر اگر آپ ﷺ اس سے سختی کا برتاؤ کرتے تو اس وقت مسلمانوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں، اور ویسے بھی نبی کریم ﷺ کا معمول تو سب کے ساتھ نرم گفتگو کرنے کا ہی تھا۔

۲۔ یا اس جملے کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ اس کے آنے کے بعد ترش چہرے اور سختی سے گفتگو کرتا تو پھر وہ مجھے اس گفتگو کی وجہ سے چھوڑ دیتا، ایسے میں لوگوں میں سب سے بدترین شخص میں قرار پاتا کیونکہ وہ شخص سب سے بدترین اور شریر ترین ہوتا ہے، جس کی خشن گفتگو کی وجہ سے لوگ اس سے دور ہو جائیں، میں کسی کو اپنے سے دور نہیں، قریب کرتا ہوں، اس بات کی تائید صحیح بخاری کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: متی عہدتنی فحاشاء ان شر الناس.... تم نے مجھے خشن گو کہ دیکھا تھا کہ اس شخص کے آنے کے بعد تمہیں اس کا انتظار تھا کہ میں اس کے ساتھ خشن گفتگو کروں گا، یہ نبی کریم ﷺ کے حسن اخلاق کا ایک اہم باب ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ اسلام

کے دشمنوں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی اور خاطر مدارات کا معاملہ فرماتے تھے۔ (۱)
نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے آنے سے پہلے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کے براہوں کا تذکرہ کیوں فرمایا؟ اس میں درج ذیل امور پیش نظر تھے:

✽ تاکہ نبی کریم ﷺ کا اس شخص کے ساتھ اچھا رویہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ اور صحابہ کرامؓ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مخلص مسلمان ہے، وہ اس وقت یکا منافی تھا، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اس کا برا ہونا واضح فرمایا۔
✽ یہ بتانا مقصود تھا کہ اس کے سامنے راز کی ایسی کوئی بات نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، کیونکہ منافقین باتیں معلوم کرنے کے لیے اہم موضوعات پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں، جس سے ان کا مقصد درست نہیں ہوتا، بلکہ فساد پھیلانے کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں۔

✽ یہ واضح کرنا تھا کہ اصلاح کی نیت سے اور دوسروں لوگوں کو شر سے بچانے کے لیے اگر کسی فساد کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کر دی جائے تو شرعاً یہ غیبت کی تعریف میں داخل نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات اس چیز کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے۔ (۲)
اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

✽ ایک مسلمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے، غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کا حکم ہے، جبکہ ان کے ضرر سے بچنا مقصود ہو یا انہیں اسلام کی تعلیمات سے مانوس کرنا پیش نظر ہو۔
✽ کافر اور فاسق مہمان کے ساتھ بھی نرمی اور یہار کا معاملہ کرنا چاہیے۔

✽ جب کوئی شخص برا، فساد اور فاسق و فاجر ہو، لوگوں کو دھوکہ دیتا ہو تو اس کی اصل حالت کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے، تاکہ لوگ اس کی شرارتوں سے ہوشیار رہیں، ایسی صورت میں اس کے عیوب کا تذکرہ کرنا غیبت نہیں ہے۔

حدیث میں ”رجل“ سے کون مراد ہے

”رجل“ کی تعین سے متعلق رد قول ہیں:

- ۱۔ اس سے حضرت عمرؓ بن نوفل مراد ہیں۔
- ۲۔ راجح یہ ہے کہ اس ”رجل“ سے حضرت عیینہ بن حصن فزاری مراد ہیں، یہ اس وقت مخلص مسلمان نہیں تھے بلکہ منافقانہ انداز سے صرف ظاہراً مسلمان بنے ہوئے تھے، اور نبی کریم ﷺ چونکہ ہر ایک سے حسن اخلاق سے پیش آتے، اس لیے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا، تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ اپنے قبیلہ کا مانا ہوا سردار تھا، اس کے ساتھ سخت رویہ سے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح النواوی ۲۰۰۶

(۲) اللوہب اللدنیۃ علی الشرائع للمحمدیۃ (ص: ۵۸۲)

مسلمانوں کو ضرور پہنچ سکتا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد جب ارتداد کا شور ہوا تو یہ بھی مرتد ہو گیا تھا، اور اپنے پیچھے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا تھا، اس سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک علامت اور معجزہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے جو ”برا“ فرمایا تھا، وہ درست تھا، ارتداد کی وجہ سے اسے حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا، راستے میں مدینہ منورہ کے نو عمر لڑکوں نے اس پر آوازیں کنا شروع کر دیں کہ یہ مرتد ہو گیا ہے، عینہ نے جواب میں کہا: میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا کہ جو مرتد ہو جاتا، اس کے بعد یہ مخلص مسلمان ہو گئے تھے، اور حضرت عمر کے زمانے میں بعض فتوحات میں یہ شریک بھی ہوئے۔

مدارات اور مدامت میں فرق

نبی کریم ﷺ نے عیینہ بن حصن کے ساتھ مدارات کا معاملہ فرمایا تھا، مدارات مستحب ہے جبکہ مدامت حرام ہے، مدارات یہ ہے کہ دنیا کی بہتری یا دین کی صلاح یا دین و دنیا دونوں کی بہتری کے لیے دنیا کو خرچ کیا جائے، اور مدارات نرم رویہ، خوش اخلاقی اور حسن سلوک کو کہتے ہیں، اور دنیا کی خاطر دین چھوڑ دینے کو مدامت کہتے ہیں، اور یہ بھی مدامت ہے کہ کسی ایسے شخص سے ملنا جلنا رکھا جائے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے، اور یہ شخص قدرت کے باوجود اس کے گناہ پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا، خاموشی اختیار کرتا ہے، اور اس قدر صرف نظر کرتا ہے کہ دل سے بھی اس کے گناہ کو برا نہیں سمجھتا، اور اگر دل سے برا سمجھے تو یہ مدامت نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ الْخَسَنُ: سَأَلْتُ أَبِي، عَنْ سِيرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَلَسَاتِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمًا الْمَيْسِرَ، سَهْلَ الْخُلُقِ، لَيِّنَ الْجَانِبِ، لَيْسَ بِقَطْرٍ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا صَخَابٍ وَلَا فُحَاشٍ، وَلَا عِتَابٍ وَلَا مَشَاحٍ، يَتَعَاقَلُ عَقْلًا لَا يَشْتَهِي، وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يَجْنِبُ فِيهِ۔
ترجمہ: حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں کہ (میرے چھوٹے بھائی) حسین بن علی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی سے حضور اقدس ﷺ کا اپنے ہم نشینوں کے ساتھ طرز، سیرت اور طور طریقہ پوچھا (کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے) تو حضرت علیؑ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی والے اور انس مکھ رہتے تھے، آپ ﷺ نرم مزاج تھے، آپ ﷺ نرم پہلو والے یعنی خوش اخلاق تھے، آپ ﷺ اکھڑ مزاج یعنی سخت کلام آدمی نہ تھے، اور نہ سخت دل تھے، آپ ﷺ نہ تو چلا کر بولتے تھے، نہ ہی خشن گفتگو فرماتے اور نہ ہی لوگوں کے عیب نکالتے تھے (آپ ﷺ نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے اور نہ زیادہ مذاق کرتے تھے) اور نہ ہی آپ ﷺ بخیل تھے، آپ ﷺ اس بات کی طرف توجہ ہی نہ فرماتے جو آپ ﷺ کو پسند نہ ہوتی، اور آپ ﷺ دوسرے کو اس خواہش سے مایوس بھی نہ فرماتے، جو آپ ﷺ کو پسند نہ ہوتی، اور اس کا جواب بھی نہ

دیتے تھے (بلکہ آپ ﷺ خاموش رہتے)

مشکل الفاظ کے معنی :- بشور: (باکے پیچے زبرد اور شین ساکن) خندہ پیشانی، فس کھ چہرے والے، سهل الخلق: (سین پر زبرد اور ہاء ساکن، خاء اور لام پر پیش) نرم مزاج، لین: نرم، الجالب: پہلو، لین الجالب: نرم پہلو والے یعنی اچھے اخلاق والے، فظ: (فا پر زبرد اور ظاء کے نیچے زبرد شدید) اکثر حراج آدمی، سخت کلام کرنے والا، غلیظ القلب: سخت دل آدمی، صخاب: چیخنے والا، چلا کر بات کرنے والا، فحاش: فحش گفتگو کرنے والا، عیاب: دوسروں کے عیب نکالنے والا، مشاخ: (میم پر پیش، شین پر زبرد اور حاء پر شدید) باب مفاعلہ سے فتح سے اسم فاعل ہے: بخل کرنے والا، يعافل: آپ ﷺ توجہ نہ فرماتے، تکلف غفلت کا معاملہ فرماتے، عما لا یشئہی: جو آپ ﷺ نہ چاہتے، جو بات آپ ﷺ کو پسند نہ آتی، لا یؤیس منہ: اس میں ”منہ“ کی ضمیر ”مالا یشئہی“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم ﷺ اس خواہش سے مایوس اور ناامید بھی نہ کرتے، ولا یجیب فیہ: ۱۔ آپ ﷺ ناپسند بات کا جواب ہی نہ دیتے۔ ۲۔ آپ ﷺ اس کھانے کی دعوت قبول نہ فرماتے، جو آپ ﷺ کو پسند نہ ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کسی کو مایوس نہ فرماتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کے چند اخلاق حسنہ کا ذکر ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے اس برتاؤ کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ اہل مجلس کے ساتھ فرماتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے:

❁ نبی کریم ﷺ اگر چہ آخرت کے امور اور احوال کے اعتبار سے یہ سوچ کر ٹھیک اور پریشان رہتے تھے کہ میری امت کا کیا بنے گا، دل ہی دل میں آپ ﷺ یہ سوچتے رہتے، مگر دنیا میں ہر ایک سے مسکراتے چہرے اور خندہ پیشانی سے ملتے، آپ ﷺ دنیاوی امور پر کبھی پریشان نہ ہوتے، کوئی ناگوار بات پیش آ جاتی یا کوئی مقصد حاصل نہ ہوتا، اس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا تبسم اور مسکراہٹ ختم نہ ہوتی، بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ فس کھ رہتے، چہرہ الور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر موقع پر انسان کو خندہ پیشانی سے رہنا چاہیے، منہ بنا کر رہنا پسندیدہ طریقہ نہیں، سخت کے خلاف ہے، اس کا انتہائی برا اثر دوسروں پر پڑتا ہے، اس لیے اس انداز سے پرہیز کرنا چاہیے۔

❁ نبی کریم ﷺ نرم مزاج والے تھے، ہر شخص بڑی آسانی سے اپنی بات نبی کریم ﷺ سے کر لیتا تھا، کسی کو کوئی کچکاہٹ نہ تھی، نیز آپ ﷺ نرم پہلو والے تھے، کسی بات میں اگر لوگوں کو آپ ﷺ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ سہولت سے ان کے موافق ہو جاتے، اس سے نرم مزاجی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

❁ آپ ﷺ بول چال اور گفتگو میں سخت نہ تھے اور نہ ہی آپ ﷺ سخت دل تھے، حسن اخلاق اور خوش اخلاقی کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے غزوہ احد کے واقعہ میں فرمایا: (لَوْ كُنْتُمْ فِظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقُضُوا

مِنْ خَوْلِكَ) (اگر آپ اکھڑ مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ محابہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) آپ ﷺ کے نرم رویہ کی وجہ سے وہ سارے حضرات دوبارہ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ چلا کر نہ بولتے، درمیانی آواز سے آپ ﷺ گفتگو فرماتے، جس سے آسانی سے بات کو سمجھ لیا جاتا، چیخ و پکار سے بولنے کی عادت بنالینا و قار کے خلاف ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، جس سے احتراز کرنا چاہیے۔

حضور اقدس ﷺ خش اور بے حیائی والی گفتگو نہ فرماتے، اور نہ ہی آپ ﷺ دوسروں کے عیوب تلاش کرتے، بلکہ آپ ﷺ ان میں اصلاح کی بات ہی ارشاد فرماتے، ایسے ہی نبی کریم ﷺ کسی کھانے میں کوئی عیب نہ نکالتے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ کھانے میں کوئی عیب نہ نکالا جائے کہ مثلاً یہ کچا ہے، اس میں نمک زیادہ ہے یا کم ہے، یہ ایسا ہے اور یہ ایسا، البتہ پکانے والے کو ایسی صورت میں سمجھایا جاسکتا ہے تاکہ وہ آئندہ اس طرح کھانا نہ بنائے جس کو کھانے والے پسند ہی نہ کریں، یوں وہ ساری چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، جو اس کھانے اور سالن وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ بخیل نہیں تھے، اہل خانہ اور متعلقین پر تنگی نہ فرماتے، بلکہ خوب خرچ کرتے تھے، گھر میں جو چیز بھی ہوتی، آپ ﷺ اسے صدقہ فرما دیتے، آپ ﷺ خود بھی سخی تھے اور سخاوت کو پسند فرماتے تھے، اور یہی آپ ﷺ نے امت کو بھی تعلیم دی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو جو بات پسند نہ آتی، اس کی طرف آپ ﷺ توجہ ہی نہ فرماتے بتکلف آپ ﷺ اس سے اعراض فرماتے، گویا کہ آپ ﷺ نے وہ بات سنی ہی نہیں، دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ ﷺ کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے، اس بات کا کوئی جواب بھی نہ دیتے بلکہ خاموش رہتے، اس کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، ایسا نہ تھا کہ اگر مرضی کے خلاف کوئی شخص کوئی بات کرتا تو آپ ﷺ اس پر غصہ ہو جاتے ہوں یا اس سے ناراض ہو جاتے ہوں، جیسے آج کل ہمارے معاشرے میں اس طرح کے رویے رائج ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان طبیعت کے خلاف کوئی بات کر دے تو اس سے بھی حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

ولا یجیب فیہ: اس کے دو مطلب ہیں: ۱۔ جو بات آپ ﷺ کو پسند نہ آتی تو اس کا جواب آپ ﷺ نہ دیتے۔ ۲۔ جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ کو کسی ایسے کھانے پر دعوت دیتا، جو کھانا آپ ﷺ کی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس دعوت کو قبول نہ فرماتے، بلکہ عمدہ انداز سے آپ ﷺ اس کی دعوت کو رد فرما دیتے۔ (۱)

قَدْ تَوَكَّ نَفْسُهُ مِنْ ثَلَاثٍ: الْجَوَاءُ وَالْإِكْبَارُ وَمَا لَا يَغْنِيهِ، وَتَوَكَّ النَّاسُ مِنْ ثَلَاثٍ: كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا وَلَا يَعْيبُهُ، وَلَا يَطْلُبُ غَوْرَةً۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے تین باتوں کو اپنے آپ سے منع کر رکھا تھا: لڑائی جھگڑے سے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے

سے یعنی تکبر سے اور اس کام یا بات سے جو لایعنی یعنی نے فائدہ اور بیکار ہو، اور تین خصلتوں میں لوگوں کا تذکرہ چھوڑ رکھا تھا: آپ ﷺ کسی کی مذمت نہ فرماتے، اور نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ ہی کسی کا عیب تلاش فرماتے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی: ترک نفسہ: اپنے نفس سے چھوڑ رکھا تھا، المراء: (میم کے نیچے زیر) لڑائی جھگڑا، اکبار: اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، تکبر کرنا، لایعنیہ: وہ کام یا بات جو مفید نہ ہو، ولایعنیہ: اور نہ اس پر آپ ﷺ عیب لگاتے، عورۃ: عیب، خرابی، فساد۔

نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رکھا تھا

مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رکھا تھا، ان میں سے تین کا تعلق آپ ﷺ کی اپنی ذات سے ہے، اور تین کا تعلق لوگوں سے ہے، پہلی تین چیزوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ حق پر ہونے کے باوجود بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑا بالکل نہ فرماتے تھے، ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود لڑائی جھگڑے کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے درمیان ایک گھر بنا دیتے ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ منکسر المزاج اور عاجز طبع تھے، تکبر نام کی کوئی چیز آپ ﷺ میں نہ تھی، بعض نسخوں میں ”اکتار“ کا لفظ ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ زیادہ بولتے نہیں تھے، ضرورت کی گفتگو فرما کر خاموش رہتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ مال و متاع اور دولت کے درپے نہ رہتے تھے۔

۳۔ لایعنی اور بے مقصد کاموں یا باتوں سے آپ ﷺ اجتناب فرماتے تھے، ایسا کام جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی آخرت میں، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ انسان لایعنی کاموں کو چھوڑ دے، اور قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے نیک لوگوں کی صفات میں فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (جو بے ہودہ کام سے اعراض کرتے ہیں)۔

ان تین چیزوں کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہے، اور جن تین خصلتوں کا تعلق لوگوں سے تھا، ان کی تفصیل یہ ہے:

- ❖ نبی کریم ﷺ کسی انسان کی مذمت اور برائی نہ فرماتے۔
- ❖ آپ ﷺ پیچھے پیچھے کسی کا عیب نہ لگاتے۔
- ❖ آپ ﷺ کسی کے عیب تلاش نہ فرماتے، کیونکہ اسلام نے دوسروں کے عیوب کے تجسس اور ٹوہ لگانے سے منع فرمایا ہے، اللہ جل شانہ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (۱)

وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِي مَآزٍ جَائِزَاتِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلُوسُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُغُومِهِمُ الْعَيْنُ، فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ، وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ انْصَرَفَ لَهُ حَتَّى يَفْرُغَ، حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوْلِيهِمْ، يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ، وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ، وَيَضِيرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَمَسَائِلِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ وَيَقُولُ: إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَأَرْفُدُوهُ، وَلَا يَقْبَلِ الْقَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِيٍّ وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ حَدِيثَهُ حَتَّى يَجُوزَ فَيَقْطَعَهُ بِنَهْيِ أَوْ قِيَامِ.

ترجمہ: اور آپ ﷺ صرف وہی کلام فرماتے جس میں آپ ﷺ کو اجر و ثواب کی امید ہوتی، اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم نشین یعنی حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے گویا کہ ان کے سرور پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے، تب وہ حضرات کلام کرتے، اہل مجلس آپ ﷺ کے سامنے کسی بات میں جھگڑتے نہیں تھے، اور جب آپ ﷺ کے سامنے کوئی گفتگو کرتا، تو سب لوگ اس کی بات کو توجہ سے سنا کرتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا، آپ ﷺ کے سامنے اہل مجلس کی گفتگو (توجہ سے سنتے ہیں) ایسی ہوتی جیسے ان میں سے پہلے شخص کی گفتگو ہو، آپ ﷺ ہر اس بات سے ہنستے، جس سے اہل مجلس ہنستے، اور آپ ﷺ ہر اس بات پر تعجب کرتے، جس سے لوگ تعجب کرتے، اور آپ ﷺ اجنبی مسافر کی آپ ﷺ سے گفتگو اور سوال میں سخت رویہ پر مبر فرماتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بعض صحابہ مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس اقدس تک تلاش کر کے لاتے تھے، اور نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے: جب تم لوگ کسی حاجت مند کو دیکھو، جو اپنی حاجت طلب کر رہا ہے تو اس کی امداد کیا کرو، اور آپ ﷺ تعریف قبول نہیں فرماتے تھے سوائے اس شخص کے جو احسان کا بدلہ دینے والا ہو (اور وہ تعریف کر دیتا تو آپ ﷺ خاموش ہو جاتے) اور نبی کریم ﷺ کسی کی بات کو کانتے نہیں تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگتا تو پھر آپ ﷺ اس کی بات منہ کر کے کاٹ دیتے یا آپ ﷺ مجلس سے کھڑے ہو جاتے (تاکہ وہ خود ہی رک جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:- أطرق: گردن جھکا لیتے، جلساء: جلس کی جمع ہے: آپ ﷺ کے ہم نشین، حاضرین مجلس، لا يتنازعون: وہ لوگ جھگڑا نہ کرتے، انصوا له: وہ حضرات اس شخص کی بات توجہ سے سنتے، غریب: اجنبی، پردیسی، مسافر، الجفوة: (جیم پر زبر اور زیر) اکثر پن، سختی، بداخلاقی، بے رخی کا رویہ، يستجلبونهم: صحابہ کرام مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لاتے، أرفدوه: ار فاد سے صیغہ امر جمع ہے: تم لوگ اس کی امداد کرو، اسے مضبوط کرو، مكافي: احسان کا بدلہ دینے والا، لا يقطع: آپ ﷺ بات کو نہ توڑتے، حتی یجوز: یہاں تک کہ وہ شخص حد سے تجاوز کرنے لگتا۔

شکریہ میں تعریفی کلمات پر آپ ﷺ سکوت فرماتے

- حدیث کی مذکورہ عبارت میں نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی مجلس کی چند صفات کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:
- ۱۔ نبی کریم ﷺ صرف وہی کلام فرماتے، جس میں آپ ﷺ کو اجر و ثواب کی امید ہوتی، ایسی بات جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، آپ ﷺ اس سے اعراض فرماتے، امت کو بھی اسی کی تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنی زبان پر کنٹرول رکھیں، کیونکہ زبان کو ناجائز اور بیہودہ گفتگو میں استعمال کرنا ناجائز نہیں ہے، اس کی قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔
 - ۲۔ نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس صحابہ کرامؓ پوری توجہ سے آپ ﷺ کا کلام سنا کرتے، وہ اپنی گردنیں جھکا کر اس طرح آرام و سکون سے بیٹھ جاتے، گویا کہ ان کے سروں پر پرندہ ہو، یہ محاورہ ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ مکمل توجہ سے وہ حضرات نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنا کرتے تھے، کَمَا تَعَالَى رُؤْسُهُم الطَّبَقُ (گویا کہ ان کے سروں پر پرندہ ہو) اس محاورے کا آغاز کب ہوا؟ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس میں رد و قول ذکر کیے ہیں:
- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ میرے صحابہ پر سایہ کریں، تو ان لوگوں نے اپنی نظریں نیچے کر لیں، کوئی گفتگو نہ کی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو وہ حضرات توجہ سے سنتے گئے۔
- جوہری کہتے ہیں کہ اس کی اصل یہ واقعہ ہے کہ کوا اونٹ کے سر پر بیٹھ کر اس کے سر سے کیڑے نکالتا ہے، جس سے اس اونٹ کو بہت سکون اور راحت ملتی ہے، وہ اپنا سر اس وجہ سے نہیں ہلاتا کہ کہیں یہ کوا اڑ نہ جائے، کیونکہ وہ اونٹ کو بے کام سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی حالت کی اونٹ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح وہ اونٹ کو بے عمل سے سکون محسوس کرتا ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتا تا کہ کوا اڑ نہ جائے، اسی طرح صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ سے اس قدر ایمانی لذت محسوس کرتے کہ ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کے کلام کے درمیان کوئی جنبش اور حرکت نہ کرتا، تا کہ نور نبوت سے کامل طریقے سے روشنی حاصل کی جائے، اس بات کو بیان کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے یہ عربی محاورہ ذکر کیا ہے۔
- ۳۔ آپ ﷺ جب خاموش ہو جاتے، اس وقت صحابہ کرامؓ گفتگو کرتے، اور بات چیت میں بھی پورے آداب کا لحاظ رکھتے، آپس میں بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑا نہ کرتے، یہ صحابہ کرامؓ کا کمال ادب ہے کہ مجلس نبوی ﷺ میں اپنی آواز تک بلند نہیں کرتے تھے۔
 - ۴۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کوئی شخص بات کرتا تو تمام حاضرین مجلس اسے توجہ سے سنتے تھے، اس کی گفتگو کے درمیان کوئی بھی نہ بولتا تھا، جب وہ شخص اپنی بات پوری کر لیتا پھر دوسرا کوئی بات کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں جب کوئی شخص اپنی بات شروع کر دے تو اس کی بات کو پوری توجہ سے سنا جائے، درمیان میں اس کی بات کو کاٹنا درست نہیں ہے۔

۴۔ حَدَّثَنَا عَنْهُ حَدِيثُ اَوْلَاهُمْ (آپ ﷺ کے سامنے ان کی گفتگو ان میں سے پہلے کی گفتگو کی طرح ہے)، اس جملے کا مطلب کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ حدیث اَوْلَاهُمْ سے مراد ہے کہ حدیث اَوْلَاهُمْ یعنی نبی کریم ﷺ ہر شخص کی بات پوری توجہ اور بشاشت سے سنتے، جس طرح کہ پہلے شخص کی گفتگو آپ ﷺ سنا کرتے، ایسا نہ ہوتا کہ ابتداء میں تو آپ ﷺ توجہ سے سنتے اور آخر میں اکتاہٹ آ جاتی، غرض یہ کہ شروع سے آخر تک ہر آدمی کی بات بڑے اہتمام اور توجہ سے آپ ﷺ سنتے تھے۔

✽ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر ایک سے ترحیب سے گفتگو فرماتے، جو پہلے آتا آپ ﷺ پہلے اس سے کلام فرماتے پھر یوں ترتیب وار ہر ایک سے پوری توجہ سے کلام فرماتے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ اہل مجلس کے ساتھ بات چیت میں شریک ہوتے، حاضرین مجلس جتنے تھے تو نبی کریم ﷺ بھی مسکراتے، اور جس بات سے سب لوگ تعجب کرتے، اس سے نبی کریم ﷺ بھی تعجب کرتے، خوش طبعی میں آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے، ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ چپ چاپ بیٹھے ہیں بلکہ طرز کلام میں اہل مجلس کے ساتھ شریک رہتے تھے۔

۶۔ کوئی اجنبی دیہاتی مسافر آ جاتا تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کے بولنے اور سوال کرنے میں انداز انتہائی کراخت اور سخت ہوتا، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ اس کے رویے پر صبر فرماتے اور صحابہ کرامؓ اس طرح کے دیہاتی سائل کو آپ ﷺ کی مجلس میں لاتے، وہ آزادانہ طریقے سے کھل کر مختلف امور کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کرتا، جس سے صحابہ کرامؓ کو بھی بہت فائدہ ہوتا، اس لیے اجنبی مسافر کے آنے سے صحابہ کرامؓ خوش ہوا کرتے تھے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو تاکید فرماتے کہ جب تمہارے پاس کوئی حاجت مندا آئے تو تم لوگ اس کی امداد کیا کرو، کیونکہ کسی مسلمان کی ضرورت کو پورا کرنا بہت ہی فضیلت اور اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

۸۔ اگر کوئی شخص بطور شکریہ اور احسان کے بدلے میں آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو آپ ﷺ اس پر سکوت اختیار فرماتے کہ احسان کا بدلہ اسے دینا چاہیے۔

یہ ذہن میں رہے کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنے کو پسند نہیں کیا گیا، اور نہ ہی کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا درست ہے، کیونکہ اس سے وہ بندہ عجب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے اس کی عملی زندگی میں حرید کمزوریاں آ جاتی ہیں، البتہ اگر کسی شخص کی اعترافِ حقیقت کے طور پر ایسی تعریف کی جائے، جس کا وہ مستحق ہے، اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ اس تعریف سے خود پسندی اور عجب میں مبتلا نہیں ہوگا تو ایسی تعریف جائز ہے، ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَخْلَوْا التَّعْرِافَ بَيْنَ وَجْهَةِ الْمَذَاحِیْنِ (تعریف کرنے والے کے چہرے پر مٹی پھینکو) لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو غلط اور جھوٹی تعریفیں کرتے ہوں، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کی اشعار اور خطبوں میں تعریف کی گئی اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اس بارے میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زحیر کے قصائد مشہور ہیں۔

۹۔ جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے سامنے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ اس کے کلام کو توجہ سے سنتے، اس کی بات کو درمیان سے نہ کاٹتے، البتہ اگر وہ اپنی گفتگو میں حد سے تجاوز کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ یا اسے منع فرمادیتے جبکہ منع کرنا مفید ہوتا، یا اس مجلس سے آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، اسی طرز پر ہمارے اسلاف کا عمل چلا آرہا ہے کہ جب کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت شروع کر دیتا ہے تو وہ اسے منع کر دیتے ہیں جبکہ منع کرنا مفید ہو یا اس مجلس کا رخ تبدیل کر دیتے ہیں یعنی کسی اور موضوع پر گفتگو کا رخ پھیر دیتے ہیں یا اس مجلس سے ہی چلے جاتے ہیں۔ (۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ لَقَالَ: لَا. (۲)
ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی بھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا

نبی کریم ﷺ سے جب کوئی شخص دنیا کی کسی چیز کا سوال کرتا، اگر وہ چیز اس وقت آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتی تو آپ ﷺ اسے وہ عطا فرمادیتے، ورنہ اس سے وعدہ فرما لیتے کہ فلاں وقت میں آجائیں تو وہ چیز تمہیں ان شاء اللہ دے دیں گے، یا اس کے لیے دعا فرمادیتے کہ اللہ جل شانہ کسی اور ذریعہ سے تمہاری ضرورت کو پورا فرمادیں، نبی کریم ﷺ سائل کے سامنے صراحت سے انکار نہ فرماتے کہ وہ بالکل مایوس ہو جاتے، ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا:

مَا قَالَ: لَا قَطُّ إِلَّا بِي تَشْهَدُهُ لَوْلَا التَّشْهَدُ كَانَتْ لِأَوَّلِهِ نَعْمُ

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے تشہد کے علاوہ کبھی ”لا“ نہیں کہا، اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ ﷺ کا ”لا“ بھی نعم یعنی جی ہاں ہوتا۔

یہ درست ہے کہ بعض احادیث میں آپ ﷺ سے نفی منقول ہے جیسے اشعری صحابہ کے واقعات میں جب انہوں نے آپ ﷺ سے سواری کا مطالبہ کیا، مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ نفی یا تو ادب سکھانے کے لیے تھی یا معذرت کے لیے تھی، ایسا نہیں تھا کہ ایک چیز آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتی پھر بھی آپ ﷺ انکار فرماتے۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سائل کو سخت اور کرخت لہجہ میں رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہو سکے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ اچھے انداز سے اس سے معذرت کر لی جائے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۰۶۲۔

(۲) الصحيح للبخاری، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما يكره من البخل، رقم الحديث: ۲۰۳۳۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲۰۸۷۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، حَتَّى يَنْسَلِخَ فَيَأْتِيَهُ جَبْرِيلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهِ جَبْرِيلُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمَغْرِبَةِ (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مال و دولت کے خرچ کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان کے مہینہ میں تو آپ ﷺ اور زیادہ سخی ہو جاتے تھے، چنانچہ (سارے مہینے میں آپ ﷺ کی سخاوت کا دریا بہتا رہتا) یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو جاتا، آپ ﷺ کے پاس جبرائیل امین آتے اور آپ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے، (یا جبرائیل امین نبی کریم ﷺ کو قرآن سناتے) جب نبی کریم ﷺ سے حضرت جبرائیل کی ملاقات ہوتی تو اس وقت آپ ﷺ مال خرچ کرنے میں اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے جس ہوا کو (بارش کے لیے) چھوڑا گیا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اجود الناس: (جو دے میخا اسم تفضیل) لوگوں میں سب سے زیادہ سخی، الخیر: مال و دولت، علم و اخلاق اور خیر کے تمام کام، کان اجود ما یكون: اس میں "کان" کے اسم کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۔ ہو ضمیر اس کا اسم ہے، جو نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۲۔ اجود... اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، حتیٰ ینسلخ: یہاں تک کہ وہ مہینہ پورا گذر جاتا، رمضان کا مہینہ ختم ہو جاتا، یعرض علیہ القرآن: اس کے دو ترجمہ ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ عرض کی ضمیر نبی کریم ﷺ اور علیہ کی ضمیر "ہ" حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم ﷺ جبرائیل امین کو سنارہے تھے۔ ۲۔ پہلے کے برعکس یعنی فعل کی ضمیر جبرائیل امین کی طرف اور علیہ کی "ہ" ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے، ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید سنارہے تھے، الویج المرسلۃ: چھوڑی ہوئی ہوا۔

رمضان میں نبی کریم ﷺ کی سخاوت

یوں تو نبی کریم ﷺ کی سخاوت رمضان کے علاوہ باقی دنوں میں بھی جاری رہتی مگر رمضان میں آپ ﷺ کی سخاوت کو مزید چار چاند لگ جاتے، اس ایک مہینہ میں آپ ﷺ اتنی سخاوت فرماتے جو سال کے باقی مہینوں سے بڑھ جاتی، اس مہینہ میں اللہ جل جلالہ کے فضل و احسان اور نوازشات کی بارشیں ہوتی ہیں، اور نبی کریم ﷺ چونکہ اللہ جل شانہ کے اخلاق سے متصف تھے، اس لیے آپ ﷺ بھی اس مبارک مہینہ میں خوب سخاوت فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اللہ جل جلالہ بھی سخی انسان کو پسند فرماتے ہیں، آپ ﷺ کی سخاوت رمضان میں اس ہوا سے بھی زیادہ تھی، جو بارش کے لیے چھوڑی گئی ہو، یہ عربی زبان میں بطور محاورے کے ہے، مطلب یہ

ہے کہ مون سون ہوا کا فائدہ صرف ظاہری حد تک ہے کہ اس سے بارش ہوتی ہے، ہر طرف ہریالی اور سبز چھا جاتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا فائدہ ظاہر اور باطن دونوں میں ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اخلاق کی برکت سے لوگوں کے دلوں کی کایا بدل جاتی تھی، یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت زیادہ تھی، احادیث میں بیسیوں واقعات ایسے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک چیز کی بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی اشد ضرورت ہوتی، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز دوسروں کو دے دیتے، ذیل میں چند واقعات کی تفصیل:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بہت زیادہ بکریاں دیں، اس نے واپس جا کر اپنی قوم کو بتایا تو وہ سارے مسلمان ہو گئے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے نوے ہزار درہم آ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک چٹائی پر ڈلوادیا اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، کسی بھی سائل کو واپس نہیں کیا، اسی میں وہ سارے ختم ہو گئے، ایک درہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بچا کر نہیں رکھا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اقرع بن حابس، حضرت عیینہ بن حصن اور حضرت عباس بن مرداس اور دیگر بہت سے حضرات کو سو سو بکریاں عطا فرمائیں۔

۴۔ ایک مرتبہ شدید ٹنگی کے حالات میں ایک خاتون نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زیب تن کیا، اتنے میں ایک شخص بنے وہ چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اسے عنایت فرمادی۔

حاصل یہ کہ کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، خود فقیرانہ اور انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو دینے میں دریادل تھے، اس قدر دیتے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کے سامنے ہچکتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے درۃً علی امور ثابت ہوتے ہیں:

✽ اس سے ہر وقت سخاوت کی ترغیب ثابت ہوتی ہے، خاص کر اس وقت جب نیک لوگ موجود ہوں تو پھر اور زیادہ سخاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

✽ رمضان میں حافظ حضرات کو آپس میں قرآن مجید کا دور کرنا چاہیے، کیونکہ ایک دوسرے کو ستانے سے منزل پہنچتے ہو جاتی ہیں۔

✽ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس لیے جب رمضان آجائے تو اس میں صدقات اور

لوگوں پر خرچ کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

نیک لوگوں کی محبت انسان کے دین میں اثر انداز ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: لِقَاءُ أَهْلِ الْخَيْرِ عِمَارَةُ الْقُلُوبِ (نیک لوگوں کی ملاقات سے دلوں کی تعمیر ہوتی ہے) اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں نیک لوگوں کی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَذْخِرُ شَيْئًا لِنَفْسِهِ (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اگلے دن کے لیے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کسی چیز کو آئندہ کے لیے ذخیرہ نہ کرتے

نبی کریم ﷺ کے پاس کھانے کی جو چیز بھی ہوتی، اسے آپ ﷺ لوگوں کو کھلا پلا دیتے، اپنی ذات کے لیے اگلے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھتے، یہ آپ ﷺ کا اعلیٰ توکل تھا کہ جو ذات آج کھلا رہی ہے، وہ ان شاء اللہ ضرور کل بھی عطا کرے گی، البتہ ازدواج مطہرات کو آپ ﷺ ایک سال کا راشن ایک ساتھ عطا فرمادیتے، جس میں کھجوریں اور جو ہوتے، مگر پھر بھی جب کوئی ضرورت مند آجاتا تو آپ ﷺ اس میں سے بھی خرچ فرمادیتے، اور ازدواج مطہرات اس راشن میں سے خود بھی صدقہ کیا کرتی تھیں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے توکل کا ذکر ہے، اور توکل کی صفت اخلاق حسنہ میں سے ہے، اس مناسبت سے امام ترمذی نے اس حدیث کو باب خلق النبی ﷺ میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلَكِنْ ابْتَغِ عَلَيَّ، فَإِذَا جَاعَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: قَدْ أُعْطِيَتْهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللَّهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَكُورَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُ عُمَرَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْفَقَ وَلَا تَخْفَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا، فَجَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغُرِفَ فِي وَجْهِهِ الْبُشْرُ لِقَوْلِ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ قَالَ: بِهِذَا أُمِرْتُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے آپ ﷺ سے کچھ

(۱) فتح الباری ۱/۲۶۱، کتاب بیلہ الوحی، رقم الحدیث: ۶، اللواہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدی (ص: ۵۹۶)۔

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۲۳۔

(۳) اللواہب اللدنیۃ علی الشائل للحمیدی (ص: ۵۹۷)۔

دینے کا سوال کیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے، البتہ تم میرے نام پر خرید لو، پھر جب میرے پاس کچھ آجائے گا تو وہ قرض لدا کر دوں گا، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کو (مال) دے دیا ہے، اور جو چیز آپ ﷺ کی قدرت میں نہیں ہے، اس کا اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو مکلف نہیں بنایا ہے، حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات ناگوار گذری، تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس قدر آپ ﷺ کا جی چاہے خرچ کیجئے، عرش والے سے کسی بھی کمی کا اندیشہ نہ کیجئے، اس بات سے نبی کریم ﷺ مسکرائے، اور انصاری کی بات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمایاں تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۱۔ اذیع علی: میرے نام پر تم خرید لو، قد اعطیتہ: ۲۔ ضمیر میں تین احتمال ہیں: ۱۔ یہ ضمیر سائل کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ ﷺ نے سائل کو اس سے پہلے دے دیا ہے، ۲۔ یہ ضمیر ”ما عندی شیء“ کے قول کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ ﷺ نے عمدہ بات کے ذریعہ اس کو جواب دے دیا ہے، ۳۔ یہ ضمیر ”مال“ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ ﷺ نے مال تو عطا کر دیا ہے، اس سے پہلے سائل کو دے دیا ہے، اقلالا: کی کا، البشو: (با کے نیچے زیر اور شین ساکن) بشارت، خوشی کے آثار، عرف البشرفی وجہہ: آپ ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں اور ظاہر تھے۔

نبی کریم ﷺ ضرورت مندوں کے لیے قرض لے کر بھی خرچ کیا کرتے

۱۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ مانگا، مگر اس وقت آپ ﷺ کے پاس دینے کی کوئی چیز موجود نہ تھی، آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا ما عندی شیء، میرے پاس تو اس وقت کچھ ہے نہیں مگر تم فلاں شخص سے یہ چیز خرید لو، میرے پاس جب مال آئے گا تو میں اسے قرض دے دوں گا، حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابھی آپ ﷺ کے پاس جو مال موجود تھا، آپ ﷺ نے اس سائل کو یا اس سے پہلے کسی سائل کو دے دیا ہے، جو چیز آپ ﷺ کے بس میں نہیں، اس کا اللہ نے آپ ﷺ کو مکلف نہیں بنایا، آپ ﷺ کیوں اس کا قرض دینے کا وعدہ فرما رہے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی بات کو کہ شرعی لحاظ سے درست تھی، مگر آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی، کیونکہ اس سے وہ ضرورت مند محروم ہو جاتا، وہاں پر موجود ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ بے دریغ خرچ کرتے رہیں، عرش والے سے فخر و تکبر کی کا خوف نہ فرمائیں، آپ ﷺ کو یہ بات بہت اچھی لگی، خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھل اٹھا، اور فرمایا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کی طرف سے خرچ کرنے کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ احادیث میں نبی کریم ﷺ کے خرچ کرنے کے بہت سے واقعات ہیں، آپ ﷺ کی سخاوت کے واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو قرض لے کر ضرورت

مندوں پر خرچ کرنے کا آپ ﷺ کا عام معمول تھا، یہی تعلیم آپ ﷺ اپنے صحابہ کو بھی دیتے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس مجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ اسے آئندہ کی ضروریات کے لیے بچا کر رکھا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تجھے اس کا ڈر نہیں کہ اس کی وجہ سے کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَتَقِي بِلَالٌ وَلَا تَخْشَى مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ (۱)

چنانچہ صحابہ کرام بھی اللہ کے راستہ میں دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے، تاکہ اللہ کے ہاں تقرب اور خوشنودی حاصل ہو، رضی اللہ عنہم۔

۳۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے، حضرت عبداللہ ہوزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری شام کے شہر ”حلب“ میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن حضرت بلالؓ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟ انہوں نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا، اس چیز کا انتظام آپ ﷺ کی وفات تک میرے پاس ہی تھا، آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتا، آپ ﷺ اسے نکاد دیکھتے تو مجھے حکم دیتے کہ اس کے لیے کوئی انتظام کر لو، میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بخواتا اور اس کے لیے کھانے کا انتظام کرتا، ایک دن ایک مشرک آ کر مجھے کہنے لگا کہ مجھے بڑی مالی وسعت حاصل ہے، تم نے جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو، اور کسی سے تمہیں قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس سے حسب ضرورت قرض لینے لگا۔

ایک دن میں نے اذان دینے کے لیے وضو کیا اور اذان کہنے لگا تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لے آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ او جشی! میں نے کہا: میں حاضر ہوں، وہ نہایت سخت لب و لہجہ سے مجھے برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینہ میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم کے قریب ہے، وہ مشرک کہنے لگا کہ صرف چار ہی دن باقی ہیں، اگر تم نے اس وقت تک قرض ادا نہ کیا تو میں تجھے اس قرضہ میں غلام بنالوں گا، اور جیسے تو پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی، حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اس مشرک کی سخت باتیں سن کر میرے دل پر وہی گزری، جو عموماً اس طرح کی صورتحال میں اور لوگوں کے دلوں پر گزرتی ہے، خیر میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، یہ سارا واقعہ سنا کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اتنی جلدی کیا انتظام ہو سکتا ہے، قرض کی ادائیگی کے لیے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے اور نہ میرے پاس ہے، لہذا میں روپوش ہو جاتا ہوں، جب آپ ﷺ ادائیگی فرمادیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا، ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا، فرماتے ہیں کہ اس کے لیے میں نے تیاری شروع کر دی، تاکہ میں صبح صادق سے پہلے کہیں چلا جاؤں۔

اتنے میں صبح کی نماز سے پہلے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اقدس ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں، میں خدمت اقدس میں

حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہ نے میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا ہے، یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی ہیں، نذک کے حاکم نے یہ میری طرف ہدیہ میں بھیجی ہیں، چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ سارا قرض میں نے ادا کر دیا، اور حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل جلالہ نے قرضہ سے آپ ﷺ کو سبکدوش کر دیا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں؟ میں نے بتایا کہ جی ہاں کچھ بچ گیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: اسے بھی تقسیم کر دو تا کہ مجھے راحت ملے، فرماتے ہیں: شام ہو گئی مگر اس بقیہ سامان کی تقسیم کی کوئی صورت نہ بن سکی، عشا کے بعد نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا: کوئی مستحق آیا ہی نہیں، اس لیے وہ سامان موجود ہے، حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں ہی گزاری، گھر میں تشریف نہیں لے گئے، دوسرے دن عشاء کے بعد پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اس کے بارے میں آپ ﷺ کو راحت پہنچا دی ہے، اس سے آپ ﷺ کا ذمہ سبکدوش ہو چکا ہے، وہ سب مال تقسیم ہو گیا، تب حضور اقدس ﷺ نے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا، اور اپنے مکالموں پر تشریف لے گئے۔ (۱)

عَنِ الزُّبَيْعِ بْنِ مَعْرُوفٍ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ زُطْبٍ وَأَجْرٍ زُغَبٍ فَأَعْطَانِي مِلءًا كَفَّهُ حَلِيًّا وَذَهَبًا.

ترجمہ: حضرت زبیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تازہ پختہ کجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئی دار گکڑیوں کی ایک ٹرے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی ہتھیلی بھر کر زیور اور سونا عطا فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ فَيَقْرَأُ بِهَا. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔
مشکل الفاظ کے معنی: - قناع: (قاف کے نیچے زیر) بڑی پلیٹ، ٹرے، طبق جس پر کجوریں اور پھل کھائے جاتے تھے، رطب: (را پر پیش اور طا پر زیر) تازہ پختہ کجوریں، أجور: (اھزے پر زیر، جیم ساکن اور را کے نیچے زیر و ثوین) یہ لفظ اصل میں اجرو ہے جیسے فلس، اس داؤ کو یاہ سے بدل دیا، اور پھر اس سے پہلے یاہ کی مناسبت سے زیر وے دی، پھر قاضی والے قانون سے تعلیل کر کے داؤ کو حذف کر دیا تو أجور ہو گیا، أجور: یہ جرو (جیم کے نیچے زیر اور را ساکن) کی جمع ہے: ابتداءً نکلا ہوا پھل، خواہ وہ کوئی بھی پھل ہو، یہاں حدیث میں اس سے چھوٹی چھوٹی گکڑیاں مراد ہیں، زغب: (زا پر پیش اور ثین ساکن) ازغب کی جمع ہے: روئیں دار، چھوٹے بالوں کی طرح باریک باریک ذرے اور روئیاں جو گکڑی کے اوپر ہوتی ہیں، حلاکفہ: (میم کے نیچے زیر اور لام ساکن) اپنی ہتھیلی بھر کر، حلیا: (حا پر پیش، لام کے نیچے زیر اور یا پر تشدید) حلی (حاء پر زیر اور لام ساکن) کی جمع ہے:

(۱) سنن ابی داؤد ۲۳۰/۳، کتاب الخراج والنفی والامارة، باب فی الامام یقبل ہدایا للشرکین، رقم الحدیث: ۳۰۵۵، ط: بیروت

(۲) سنن ابی داؤد، البیوع، رقم الحدیث: ۳۵۳۶۔

زیورات، حلیا و ذہبا، یہ الفاظ باب الفواکھ میں ”او“ کے ساتھ آئے ہیں یعنی حلیا و ذہبا یعنی زیورات یا سونا، یشب علیہا: اس ہدیہ کا آپ ﷺ بدلہ دیا کرتے۔

نبی کریم ﷺ ہدیہ کا بدلہ بھی دیا کرتے

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے، پہلی حدیث میں حضرت رقیہ بنتہ معوذ قرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ تازہ پختہ کھجوریں اور چھوٹی گڑیاں لائی، آپ ﷺ نے انہیں قبول فرمایا، اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ کا بدلہ اسی طرح یا اس سے بہتر عنایت فرماتے، چنانچہ اس مجاہد کو آپ ﷺ نے مٹھی بھر کر زیورات عطا فرمائے، اس روایت میں حلیا و ذہبا ہے، اس میں ”او“ تفسیر کے لیے ہے، اس کی تائید باب الفواکھ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، اس میں حلیا و ذہبا ہے اس میں لفظ ”او“ کے ساتھ ہے، لہذا جس طرح ہدیہ قبول کرنا سنت ہے، اسی طرح اس کا بدلہ دینا بھی سنت ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کا کمال اخلاق ثابت ہوتا ہے کہ ہدیہ دینے والے کو ضرور بدلہ دیتے، چنانچہ آپ ﷺ جب بدلہ میں ہدیہ عنایت فرماتے تو وہ شخص بہت خوش ہو جاتا، اور اسے اپنے لیے بجا طور پر سعادت سمجھتا تھا۔
 - ۲۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرنے کے لیے کوئی چیز ہدیہ کرے، اس کا رزق اور ذریعہ آمدن حلال ہو، ہدیہ دینے کا مقصد غلط اور ناجائز نہ ہو، اور نہ ہی اپنی برتری اور احسان جنکا نامائش نظر ہو، تو ایسی صورت میں اس کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے، اور اپنی وسعت اور گنجائش کے بقدر اس کے بدلہ میں کوئی چیز ہدیہ میں دینی چاہیے، بدلہ دینے میں یہ کوشش کرے کہ اس کے ہدیہ سے بڑھ کر بدلہ دے، زیادہ کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم اس کے ہدیہ کے بقدر ہی کوئی چیز ہدیہ دے دے تو بہتر ہے۔ (۱)
- حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے ظاہر سے استدلال کر کے حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہدیہ کا بدلہ دینا واجب ہے، جبکہ حنفیہ، شوافع اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بدلہ کی نیت سے ہدیہ دینا درست نہیں ہے، شرعاً یہ ہدیہ نہیں، بلکہ مجہول قیمت کے بدلے ایک بیج (خرید و فروخت) ہے، کیونکہ یہ بیج اور بیج میں شرعاً اور عرفاً فرق ہے، جس معاملہ میں عوض اور بدلہ ہو تو وہ ”بیج“ ہے اور جس میں بدلہ اور عوض کی نیت نہ ہو، محض تبرع اور احسان کرنا مقصود ہو تو یہ ہدیہ اور ہبہ ہے۔ (۲)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۲/۲۱۵۔

(۲) فتح الباری ۵/۲۶۳، کتاب الہبۃ، باب الکفاۃ فی الہبۃ۔ وقم الحدیث: ۲۵۸۵۔

بَاب مَا جَاءَ فِي حَيَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے شرم و حیا کا ذکر ہے

حیا کے معنی اور اس کی اقسام

حیا کے لغوی معنی: لغت میں حیا کے معنی: شلنگی، انکسار اور رکنے کے ہیں۔

حیا کی اصطلاحی تعریف کی مختلف تعبیرات ہیں، مقصود ان سب کا ایک ہی ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام راغب نے یوں تعریف کی: الْحَيَاءُ انْقِبَاضُ النَّفْسِ عَنِ الْقَبَائِحِ وَتَرْكُهَا لِذَلِكَ (۱)

(برائیوں سے نفس کا رک جانا اور برائیوں کو چھوڑ دینا حیا ہے)

۲۔ علامہ طبری نے اس طرح تعریف کی: خُلُقٌ يَنْبَغِي عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيحِ وَيَنْتَعِزُ عَنِ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ (۲) (حیا

ایک ایسی خصلت ہے جو انسان کو برے کام سے روکنے پر آمادہ کرتی ہے، اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے)

۳۔ بعض علماء سے یہ تعریف منقول ہے: الْحَيَاءُ خَالَةُ تَقْوَى لَكُمْ مِنْ رُؤْيَةِ النِّعَمِ وَرُؤْيَةِ التَّقْصِيرِ (۳) (حیا اس حالت اور کیفیت

کا نام ہے جو اللہ جل جلالہ کی بے شمار نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے)

علامہ مناوی رحمہ اللہ نے حیا کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حَيَاءُ الْكُفْرِ: طبعی طور پر کرم اور مہربانی کی وجہ سے کوئی بات کہنے سے حیا کرنا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہو کر چند صحابہ کرامؓ وہیں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے، ان کا وہاں بیٹھنا

آپ ﷺ کے لیے گراں اور بھاری تھا، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کبھی باہر تشریف لاتے اور کبھی اندر، تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں

اور اٹھ جائیں، مگر شرم و حیا کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں دیا، قرآن مجید کی سورہ احزاب میں اس قصہ کا ذکر

ہے۔

۲۔ حَيَاءُ الْمُحِبِّ مِنْ مَخْذُوبِهِ: ایک عاشق کو اپنے محبوب سے اس قدر شرم آتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے سامنے بول بھی نہیں

سکتا، بولنا اسے انتہائی دشوار معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ حَيَاءُ الْعَبْدِ دِيَّةَ (بندگی کی شرم و حیا) اپنی عبادت اور بندگی کتر سمجھے اور اللہ جل جلالہ سے اس کی وجہ سے اسے شرم و حیا

(۱) المفردات فی غرائب القرآن: ص: ۱۲۰۔

(۲) شرح الطبری ۱/۱۱۳، کتاب الایمان، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۵۔

(۳) عمدة القاری ۱/۱۲۹، کتاب الایمان، باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام۔

آئے۔

۴۔ حیاء المؤمن من نفسه (اپنے آپ سے انسان شرم کرے) جب انسان بڑے اہتمام سے کوئی کام کر لے، مگر اس میں پھر بھی کوئی نقص رہ جائے، تو خود اپنے آپ سے شرم آنے لگتی ہے کہ یہ کام بھی مجھ سے اچھے طریقے سے نہ ہو سکا، یہ شرم و حیاء کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ جو شخص خود اپنے آپ سے شرماتا ہے، تو وہ دوسرے لوگوں سے بطریق ادبی شرمایا کرتا ہے، اور اللہ جل جلالہ سے بھی شرم کرتا ہے اور اس کی نافرمانی چھوڑ کر طاعت میں مشغول رہتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي حُذْرِهَا، وَكَانَ إِذَا مَكَرَهُ شَيْئًا عَزَّ لَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم و حیاء والے تھے، جو لڑکی اپنے پردہ میں ہوتی اور حضور اقدس ﷺ جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے اس ناگواری کو پہچان لیتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اشد حیاء: بہت زیادہ شرم و حیاء والے، عذراء: (عین پر زبر) کنواری لڑکی، دوشیزہ، خلدو: (خاء کے نیچے زیر اور دال ساکن) پردہ، گھر کے ایک گوشہ میں عورت کے لیے لگا ہوا پردہ، خاتون کی خلوت گاہ، عوفناہ: ”و“ کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ۱۔ امر مکروہ یعنی ناپسندیدہ بات۔ ۲۔ اس چیز کی ناگواری ترجمہ ہم اس ناپسندیدہ امر کو یا اس چیز کی ناگواری کو پہچان لیتے۔

نبی کریم ﷺ کی شرم و حیاء

نبی کریم ﷺ بہت زیادہ شرمیلے اور شرم و حیاء والے تھے، مذکورہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی شرم و حیاء اس کنواری لڑکی اور دوشیزہ سے بھی زیادہ تھی، جو لڑکی پردے میں پرورش پائے، وہ انتہائی شرم والی ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ عورتوں سے بھی شرم محسوس کرتی ہے، نبی کریم ﷺ کا شرم و حیاء اس کنواری کے شرم سے کہیں زیادہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شرم و حیاء کی کثرت کی وجہ سے آپ ﷺ گفتگو کے دوران کسی شخص کے چہرے پر نگاہ نہ ڈالتے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ فرماتے تھے۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بات نبی کریم ﷺ کو طبعی طور پر ناپسند ہوتی یا وہ شرعی لحاظ سے مکروہ تزیہی کے درجہ میں ہوتی، تو اس بات کی ناگواری ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور سے پہچان لیتے، آپ ﷺ کے خوبصورت چہرے سے وہ

(۱) شرح للنواوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۱۷۲۔

(۲) سنن ابن ماجہ، الزہد، رقم الحدیث: ۴۱۸۰۔

ناگواری ہمیں معلوم ہو جاتی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا کی وجہ سے زبان سے کچھ بھی ارشاد نہ فرماتے، اور نہ غصہ ہوتے، لیکن جو بات ناجائز اور حرام ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے تھے۔ (۱)

اس حدیث سے شرم و حیا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حیا ایمان کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے بغیر مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، اسلام اس صفت کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی اور قدر کرتا ہے، کیونکہ جس قدر مسلمان میں یہ صفت زیادہ ہوگی، اسی قدر وہ اللہ کی نافرمانی سے کنارہ کش ہو کر اللہ جل جلالہ کی عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اس صفت سے آراستہ فرما دے، آمین یا رب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ: مَا نَظَرْتُ إِلَى فَرَجِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَتْ: مَا زَايْتُ فَرَجَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محل ستر کسی بیوی نے کبھی بھی نہیں دیکھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شرم و حیا والے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محل شرم کو دیکھنے کی کبھی ہمت نہیں پڑی اور نہ کبھی دیکھا، کیونکہ یہ اصولی بات ہے کہ شریعہ آدمی کے سامنے دوسرے کو مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے، اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرے ستر کو دیکھا ہے اور نہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو دیکھا ہے، جب حضرت عائشہؓ کا یہ حال ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں سب سے بے تکلف تھیں اور سب سے زیادہ محبوب بھی تھیں، تو اور بیویوں کا کیا ذکر، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحبت کرنے لگتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے تھے، کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو نہیں دیکھا، نبوت سے قبل جب بیت اللہ کی تعمیر ہو رہی تھی، لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، عرب کے دستور و رواج کے مطابق ستر چھپانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کندھے پر پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ بیٹا اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو، تاکہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچا کے کہنے سے تہبند کھولا، کھولتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر گئے، اسی طرح کا واقعہ بزم مزم کے لیے پتھر لاتے وقت بھی پیش آیا، اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے تو حضرت ابوطالبؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱) جمع البوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲/۲۱۶، للواہب اللدنی علی الشرائع المجمعۃ (ص: ۲۰۲)

(۲) سنن ابن ماجہ، الطہارۃ، رقم الحدیث: ۶۶۶۲

پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ایک سفید کپڑوں والا شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ اپنا ستر ڈھانپ لیجیے، یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ نبی نہیں بنے تھے، اور شرعی احکام بھی اس وقت تک نازل نہیں ہوئے تھے، اس زمانے میں بھی آپ ﷺ کا ہتر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بہتری میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے محل ستر اور شرمگاہ کو نہ دیکھیں، یہ چیز شرم و حیاء کے زیادہ قریب ہے، شرعاً اگرچہ دیکھنا جائز ہے، مگر نہ دیکھنا بہتر ہے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي حُجَامَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بچنے لگوانے کا ذکر ہے۔

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحُجَّامِ، لَقَالَ: اخْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجْمَةَ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ عَزَاجِهِ وَقَالَ: إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدْرُونَ بَدَأَ الْحُجَّامَةُ، أَوْ إِنْ مِنْ أَمَلٍ دَوَّائِكُمُ الْحُجَّامَةُ. (۳)

ترجمہ: حمید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک سے بچنے لگانے والے کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بچنے لگوائے، آپ ﷺ کو ابو طیبہ نے بچنے لگائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو غلہ کے دو صاع دینے کا حکم دیا، اور (اس کی درخواست پر) آپ ﷺ نے اس کے آقاؤں سے بات کی اور آپ ﷺ نے اس کا ٹیکس کم کرایا، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سب سے بہتر وہ چیز جس سے تم علاج کرنا سکتے ہو، وہ بچنے لگوانا ہے، یا یوں فرمایا: تمہاری بہترین دوا بچنے لگانا ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ وَأَمَرَنِي فَأَعْطَيْتُ الْحُجَّامَ أَجْرَهُ. (۴)

ترجمہ: حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بچنے لگوائے، اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، تو میں نے بچنے لگانے والے کو اس کی مزدوری دے دی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ فِي الْأَعْدَعَيْنِ وَنَيْنِ الْكَتِفَيْنِ، وَأَعْطَى الْحُجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ خَزَاقًا لَمْ يَغْفُلُوهُ. (۵)

(۱) مجمع الزوائد للهيثمی ۴/۷۸، ۴/۷۹، رقم الحديث: ۵۷۲۹، ۵۷۳۰، ط: بیروت

(۲) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح للناوی ۲/۱۸۷

(۳) سنن الترمذی، البيوع، رقم الحديث: ۲۲۷۸۔

(۴) سنن ابن ماجه، التجارات، رقم الحديث: ۲۱۶۳۔

(۵) سنن ابی داود، البيوع، رقم الحديث: ۳۴۲۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے گردن کی دونوں جانب دو پوشیدہ رگوں میں اور دونوں کندھوں کے درمیان پچھنے لگوائے، اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت بھی عطا فرمائی، اور اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو نبی کریم ﷺ اسے اجرت عطا نہ فرماتے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا خَدَّيْهِمَا فَبَجَعَهُمَا وَمَسَّاهُ: كَمْ عَزَّاجُكَ؟ لَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي أَصْبَغُ، لَوَضَعْتُ عَنْهُ صَاعًا وَاعْطَاهُ أَجْرَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک پچھنے لگانے والے کو بلایا، اس نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے، حضور اقدس ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا روزانہ کا محصول اور ٹیکس کتنا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ تین صاع ہیں، حضور اکرم ﷺ نے ان کا ایک صاع کم کرایا، اور آپ ﷺ نے اسے پچھنے لگانے کی اجرت عطا فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- الحجامۃ: (حاک کے نیچے زیر) پچھنے لگانے کا پیشہ، پچھنے لگانا، تحسب الحجام: پچھنے لگانے والے کی اجرت، احتجم: پچھنے لگوائے، وضعا عنه: انہوں نے اس کا خراج کم کر دیا، خراجہ: اس کا روزانہ کا محصول جو وہ اپنے آقا کو دیتے تھے، ٹیکس، مالداو یعم بہ: وہ چیز جس سے تم علاج کرا سکو، امثل: زیادہ بہتر، افضل، اخذ عین: اخذ کا مشابہ ہے: گردن کی دونوں جانب دو پوشیدہ رگیں، اصبع: صاع کی جمع ہے: چند صاع، صاع ایک پیانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے۔

پچھنے کا استعمال مقام نبوت کے منافی نہیں

مذکورہ احادیث میں چند امور کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع میں پچھنے لگوائے ہیں، جسم کے مختلف حصوں میں بیماری اور تکلیف کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس کا استعمال فرمایا ہے، آپ ﷺ کو جب خیبر کے یہودیوں نے کھانے کی دعوت میں زہری تھی، آپ ﷺ نے وہ زہریہ القمہ صرف زبان پر رکھا تھا، اس سے بھی اس زہر کا اثر آپ ﷺ کے جسم مبارک میں چلا گیا تھا، اس کے اثر کو ختم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے تین مرتبہ کندھے پر پچھنے لگوائے، مگر پھر بھی اس زہر کا پورا اثر ختم نہیں ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بیماری میں پچھنے اور دوا کا استعمال کرنا مقام نبوت اور توکل کے منافی نہیں، نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کون متوکل ہو سکتا ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے علاج معالجہ فرمایا ہے، توکل کے یہ معنی نہیں کہ بیماری کا علاج نہ کرایا جائے اور کسی جائز کام کے اسباب اختیار نہ کیے جائیں، بلکہ توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کر کے اور علاج کی سنت پر عمل کر کے اس کے نتیجہ اور شفا کو اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم پر چھوڑ دیا جائے، وہ اگر مناسب سمجھیں گے تو اس طرح کر دیں گے، ان پر کوئی جبر کرنے والا نہیں۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پچھنے لگانا ایک بہترین علاج ہے، اس سے جسم سے فاسد خون نکل جاتا ہے، مگر یہ

طریقہ علاج گرم مزاج لوگوں کے لیے مفید ہوتا ہے، آپ ﷺ نے یہ ارشاد براہ راست اہل عرب سے فرمایا، جس میں شدید گرمی پڑتی ہے، لہذا ہر وہ علاقہ جس میں سخت گرمی پڑتی ہو، وہاں کے لوگوں کا خون گرم ہونے کی وجہ سے جسم کی ظاہری سطح کی طرف آ جاتا ہے، اس لیے یہ علاج ان کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔

مگر یہ ذہن میں رہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں ٹھنڈک زیادہ ہو، حرارت نہ ہو، ان کے لیے پچھنے لگوانا زیادہ مفید نہیں ہوتا، چنانچہ طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے: إِذَا بَلَغَ الرَّجُلُ أَوْ بَعِيْنٌ مَبْنَةً لَمْ يَخْتَجِمْ (جب آدمی چالیس سال کا ہو جائے تو پھر وہ پچھنے نہ لگوائے) طبرانی نے اس کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ اس عمر میں انسان میں عموماً کمزوری آ جاتی ہے، اگر وہ پچھنے لگوائے گا تو پھر اس کمزوری کا ازالہ نہیں ہو سکے گا، نیز فرماتے ہیں کہ یہ حتیٰ بات نہیں، ہر آدمی کی ضرورت مختلف ہوتی ہے، اگر کوئی شخص چالیس سال سے زیادہ عمر کا ہے، مگر پچھنے لگوانے کی اسے ضرورت پڑ رہی ہے تو وہ اگر پچھنے لگوائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت لینا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ابو طیبہ کو پچھنے لگانے کی اجرت عطا فرمائی ہے، ابو طیبہ کا نام صحیح قول کے مطابق نافع ہے، یہ قبیلہ بنی حارثہ میں سے تھے، ان کو محیصہ بن مسعود انصاری نے آزاد کیا تھا۔

ان روایات سے پچھنے لگانے کی اجرت کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض روایات میں ہے: كَسَبَ الْحَجَّامُ خَيْثُ كَ پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس بارے میں تین توجیہات ذکر کی ہیں:

❁ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ پچھنے لگانے والا اگر آزاد آدمی ہے تو اس کے لیے پچھنے کی اجرت لینا درست نہیں ہے جبکہ غلام کے لیے اس کا لینا مطلقاً جائز ہے اور ابو طیبہ بھی آزاد کردہ غلام تھے، اس لیے ان کو نبی کریم ﷺ نے اجرت عطا فرمائی ہے۔

❁ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس اجرت کو جو خبیث کہا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پچھنے لگانے میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، بغیر ضرورت کے اجرت لینا مناسب نہیں ہے۔

❁ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر اجرت آپس میں طے کر لی جائے تو پھر اس کا لینا جائز ہے، اور اگر اسے طے نہ کیا جائے بلکہ وہ مجہول ہو تو اس پر شریعت نے زجر و توبیخ کی ہے، اور اسے خبیث کہا ہے۔ (۱)

۴۔ حدیث میں ”خراج“ سے محصول اور ٹیکس مراد ہے، غلام کو عہد رسالت میں اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ اتنی مقدار میں دراہم یا کھجوریں روزانہ ہمیں دیا کرو، یا قی دن میں جو تم کمالو، وہ سارا تمہارا ہوگا، اس طرح کے غلام کو ”عبد مأذون“ کہا جاتا ہے،

(۱) فتح الباری: ۱۸۶/۱۰ کتاب الطب: باب الحجامة من الداء، رقم الحدیث: ۵۶۹۶، شرح الزرقانی علی الموطأ للامام مالک

۵۶۰/۲ کتاب الاستئذان: باب ما جاء فی الحجامة واجزة الحجامة، رقم الحدیث: ۱۸۸۷، ط: بیروت، جمع الوسائل ۲۲۱/۲۔

حضرت ابو طیہ کا روزانہ کا محصول تین صاع مقرر تھے، حضور اکرم ﷺ کی سفارش سے ان کے آقائے ایک صاع کم کر دیا، دو صاع ان کے ذمے روزانہ دینے لازم تھے، آپ ﷺ نے ایک مقروض کے ذمہ قرض میں کمی کرائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ میں کچھ لازم کر دیا جائے، اور اس کے لیے اس ساری چیز کا بندوبست کرنا مشکل ہو تو اس کے بوجھ کو کم کرنے کی سفارش کرنا ایک مستنون عمل ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَخْتَجِمُ لِسَبْعِ عَشْرَةَ وَنِسْفِ عَشْرَةَ وَوَاحِدَى وَعَشْرِينَ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی گردن کی دونوں جانب کی رگوں اور شانوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے، اور آپ ﷺ سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگواتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ وَهُوَ مُخْرِمٌ بِمِلَلٍ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ. ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ”مِلل“ کے مقام پر پاؤں کی پشت پر پچھنے لگوائے، اس وقت آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: کاهل: کندھے، یہاں اس سے ہر دو کندھوں کے درمیان کی جگہ مراد ہے، ملل: (میم اور لام پر زبر) یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، ظہر القدم: قدم کی پشت، پاؤں کے اوپر کا حصہ۔

سترہ، انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگانا مفید ہے

۱۔ یوں تو شدید ضرورت کے وقت کسی بھی دن اور تاریخ میں پچھنے لگوائے جاسکتے ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے رات کے وقت اور روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوانا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی وقت پچھنے لگوائے جاسکتے ہیں، تاہم مذکورہ حدیث میں اسلامی مہینہ کی سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ کو پچھنے لگوانے کا بہترین وقت قرار دیا ہے، نبی کریم ﷺ عموماً ان تاریخوں کا لحاظ کر کے پچھنے لگواتے تھے، اسی طرح دوسری احادیث میں ہے کہ جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن پچھنے لگوانے چاہئیں، بدھ کے دن اور ایک روایت میں منگل کے دن میں اس کی ممانعت آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: منگل کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جاری ہونے والا خون بند نہیں ہوتا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں منگل کے دن پچھنے نہیں لگوانے چاہئیں، لیکن اگر کسی وجہ سے منگل کو پچھنے لگوانا ضروری ہو جائے تو پھر حرامہ کرایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی کراہت

(۱) للواهب اللدنیۃ علی الشیائل للمحمدیۃ (ص: ۲۰۷)

(۲) سنن الترمذی، الطب، رقم الحدیث: ۲۰۵۵۔

(۱)۔ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اطباء کے ہاں دن کے دوسرے تیسرے حصہ میں بچے لگانا زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہوتا ہے، غسل اور بہتری کے بعد بچے لگانا درست نہیں، ایسے ہی زیادہ بھوک یا زیادہ شکم سیری کی حالت میں بھی ٹھیک نہیں، مہینہ کے آخری پندرہ دنوں میں یہ لگائے جائیں، چودہ تاریخ سے ۲۳ تاریخ تک کے ایام سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں، کیونکہ جسم کے اخلاط (خون، سودا، صفرا اور بلغم) میں مہینے کی ابتداء میں بھجان اور جوش ہوتا ہے، جبکہ مہینہ کے آخر میں یہ پرسکون ہوتے ہیں، اس لیے درمیان کا عرصہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ اخلاط کے اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے۔ (۲)

۲۔ نبی کریم ﷺ نے احرام کی حالت میں پاؤں کی پشت پر بچے لگوائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حالت احرام میں بھی بچے لگوائے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اس سے اس آدمی کو کمزوری کا اندیشہ نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بعض اسماء کا ذکر ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَبْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا النَّجَاحِيُّ الَّذِي يَمْخُورُ اللَّهُ فِي الْكَفْرِ، وَأَنَا الْخَاشِعُ الَّذِي يَخْشَوُ النَّاسَ عَلَيَّ قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ. (۳)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میرے بہت سے نام ہیں: میں محمد ہوں، اور میں احمد (بھی) ہوں، میں ناجی یعنی مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ کفر کو مٹایا ہے، اور میں حاشر یعنی جمع کرنے والا ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا (یعنی میں میدان حشر میں سب سے پہلے آؤں گا، اور لوگ میرے پیچھے ہوں گے) اور میں عاقب ہوں یعنی سب کے آخر میں آنے والا ہوں کہ اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲/۲۲۴، بذل اللہ جہود فی حل ابی داؤد ۱۶/۱۰۳، کتاب الطب، باب منی

تستحب الحجامۃ، رقم الحدیث: ۳۸۶۲

(۲) فتح الباری ۱۰/۱۸۳، کتاب الطب، باب ای ساعة یحتجم، رقم الحدیث: ۵۳۶۹۔

(۳) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۴۲۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ مخصوص اسماء مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں تو بہت سے نام مبارک ہیں، چنانچہ ابن العربی نے شرح ترمذی میں ایک ہزار نام نقل کیے ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے متعلق ایک رسالہ ”الہیجة السنية“ لکھا ہے، جس میں تقریباً پانچ سو نام ذکر کیے ہیں، احادیث میں خاص خاص مواقع کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نام ذکر کیے گئے ہیں، کسی ایک حدیث میں تمام ناموں کا احاطہ نہیں ہے، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید میں میرے سات نام ہیں: محمد، احمد، یسین، طہ، منزل، مدثر اور عبد اللہ۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اہل جنت کے ہاں عبد البکریم ہے، اہل جہنم کے ہاں عبد البجار ہے، عرش والوں کے ہاں عبد الحمید اور فرشتوں کے ہاں عبد المجید ہے، انبیاء کے ہاں عبد الوہاب اور شیطان کے ہاں عبد القہار ہے، جنات کے ہاں عبد الرحیم، پہاڑوں میں عبد الخالق، جنگلات و صحراء میں عبد القادر، سمندروں میں عبد الصمیم، مچھلیوں کے ہاں عبد القدوس اور حشرات کے ہاں عبد الغیاث ہے، حتیٰ کہ جانوروں کے ہاں عبد الرزاق، درندوں کے ہاں عبد السلام اور جانوروں کے ہاں عبد المؤمن اور پرندوں کے ہاں عبد الغفار ہے، تورات میں موزی، مؤذ، انجیل میں طاب طاب، صحیفوں میں عاقب، زبور میں فاروق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں طہ اور یسین ہے، اور مومنین کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ (۱)

لیکن شمائل کی مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف پانچ ایسے ناموں کا ذکر ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان میں سے کوئی نام کسی کا نہیں رکھا گیا، اور پہلی امتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ نام معروف و مشہور بھی تھے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے اس حدیث میں صرف انہی ناموں کا ذکر ہے، اور اصول ہے کہ جس قدر نام زیادہ ہوں، تو وہ اس شخص کی شرافت اور زیادہ معزز ہونے کی علامت ہوتے ہیں، اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو ناموں کا ذکر ہے، ان پانچ ناموں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محمد، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ترین نام ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا مکرر ذکر ہے، اس کے معنی ہیں: وہ ذات جس کی بار بار تعریف کی جائے یا وہ شخص جس میں تمام قابل تعریف خصلتیں جمع ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس بچہ کا نام ”محمد“ کیوں رکھا، جبکہ تمہارے آباء و اجداد میں تو یہ نام کسی کا نہیں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے جواب دیا: ز جؤث ان یُحمد فی السماء والارض مجھے امید ہے کہ آسمان و زمین میں اس بچہ کی تعریف کی جائے گی، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے ان کی امید کو پورا فرمایا، اللہ تعالیٰ، فرشتوں، انبیاء و اولیاء اور اولین و آخرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں، کعب بن احبار سے

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۳: ۶۲، القول البدیع للسخاوی (ص: ۱۸۲) المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ (ص: ۶۱۰)

روایت ہے کہ محمد ﷺ کا نام عرش پر، ساتوں آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوروں کے سینوں پر، درخت طوبی کے پتوں پر، سدرة المنتہی پر، پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی شخص کا نام محمد نہیں رکھا گیا البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دنیا میں نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جب لوگوں کو اپنے علماء اور کانہوں کے ذریعہ یہ پتہ چلا کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے، جس کا نام محمد ہو گا، تو کچھ لوگوں نے اپنے نومولود بچوں کا نام بھی محمد رکھنا شروع کر دیا، جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ تک تھی، تاہم اس سے اس نام کی خصوصیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ آپ ﷺ کا نام ”احمد“ بھی ہے، احمد کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعریف کرنے والا، نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن کچھ ایسے کلمات القاء کیے جائیں گے کہ آپ ﷺ سے پہلے ان کلمات کے ذریعہ کسی نے بھی اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء نہیں کی ہوگی، تمام انبیاء میں آپ ﷺ سب سے زیادہ اللہ جل جلالہ کی تعریف کرنے والے ہیں، اس وجہ سے آپ ﷺ کو سورہ الحمد یعنی سورہ فاتحہ، لواء الحمد یعنی قیامت کے دن حمد و ثناء کا جھنڈا اور ”مقام محمود“ عطا کیا گیا ہے، اس نام کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی ہوگا، جس کا نام احمد ہوگا، ایک حدیث قدسی میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر یہ قسم کھا رکھی ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا، جس کا نام محمد ہوگا اور نہ اس کو، جس کا نام احمد ہوگا، بہر حال ان تمام خصوصیات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا نام احمد رکھا گیا۔

۳۔ الماحی (مٹانے والا) آپ ﷺ کی برکت سے اللہ جل جلالہ کفر کو مٹائیں گے، اس کفر کے مٹانے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین کے اقوال درج ذیل ہیں:

✽ حریم شریفین اور پورے جزیرہ عرب سے کفر کو مٹانا مراد ہے۔

✽ اس سے دلائل کے اعتبار سے اسلام کا غلبہ اور شان و شوکت مراد ہے۔

✽ جو شخص اسلام قبول کر لے گا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور جو آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کرے گا تو آپ ﷺ کی برکت سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا۔

۴۔ الحاشر (جمع کرنے والا) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضور ﷺ کو جمع کریں گے یعنی آپ ﷺ کو اٹھائیں گے اور پھر دوسرے لوگ آپ ﷺ کے پیچھے ہوں گے، گویا لوگوں کے حشر کا سبب حضور اقدس ﷺ کا حشر ہوگا۔

العاقب: سب انبیاء سے آخر میں آنے والا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ خاتم الانبیاء

(۱)۔

عَنْ خَدِيجَةَ قَالَتْ: لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا نَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَأَنَا الْمُقْفَى، وَأَنَا الْحَاضِرُ، وَنَبِيُّ الْمَلَأِ حَمٍ.

ترجمہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے مدینہ منورہ کی کسی گلی میں ملا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد (بھی) ہوں، میں نبی الرحمة یعنی رحمت والا نبی ہوں، میں نبی التوبہ یعنی توبہ والا نبی ہوں اور میں مقفی (صیغہ اسم فاعل) ہوں یعنی میں (سابقہ انبیاء کی توحید اور مکارم اخلاق میں) اتباع کرنے والا ہوں، میں حاضر ہوں یعنی جمع کرنے والا ہوں، اور میں گھسان کی جنگوں والا نبی ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ طرق: طریق کی جمع ہے: راستے یہاں مدینہ کی کوئی گلی مراد ہے، انا المقفی: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ ۱۔ صیغہ اسم فاعل باب تفعیل سے، ترجمہ: ۱۔ میں تمام انبیاء سے پیچھے آنے والا ہوں، میں سابقہ انبیاء کی توحید اور عمدہ اخلاق میں پیروی کرنے والا ہوں۔ ۲۔ (صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جس کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ الملاحم: ملحمہ کی جمع ہے: گھسان کی لڑائیاں اور جنگیں، خنزیر لڑائیاں۔

نبی رحمت، نبی توبہ اور نبی ملاحم

مذکورہ حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ کے سات مشہور ناموں کا ذکر ہے، ان میں سے تین اسماء کی تفصیل تو گذر چکی ہے، باقی چار اسماء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ نبی الرحمة: رحمت والا نبی، اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کی ذات و صفات کو مسلمان اور کافر سب کے لیے باعث رحمت بنایا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) کفار کے لیے رحمت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے پوری امت پر عام عذاب نازل نہیں ہوا، جس طرح کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا، آپ ﷺ کا رحم و کرم سب کے لیے عام تھا، آپ ﷺ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں، دین اسلام سراسر رحمت ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ کو نبی الرحمة کہا گیا ہے۔

۲۔ نبی التوبہ (توبہ والا نبی) اس کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں:

آپ ﷺ کی برکت سے اس امت کے لوگ اگر پختہ یقین کے ساتھ دعا کے آداب و شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ربانی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں جبکہ بعض پہلی امتوں میں صرف زبان سے توبہ قبول نہ

(۱) فتح الباری ۶/۲۸۸، کتاب المناقب باب ما جاء في اسماء رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۳۵۳۶، جمع الوبائل في شرح الشمائل

مع شرح المناری ۲/۲۲۶۔

ہوتی بلکہ ان کو اس جرم کی سزا قتل وغیرہ کی صورت میں دی جاتی تب ان کی توبہ قبول ہوتی، اس امت کے ساتھ اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ زبان سے مانگی ہوئی توبہ کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

✽ آپ ﷺ کو نبی التوبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ اللہ جل جلالہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کیا کریں۔

✽ یا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ خود بہت زیادہ توبہ واستغفار کرتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔

۳۔ المقفی (صیغہ اسم فاعل) اس کے دو مطلب ہیں: ✽ میں تمام انبیاء سے پیچھے آنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ✽ میں پہلے انبیاء کا اتباع کرنے والا ہوں، یعنی اصل توحید اور اصول دین میں تمام انبیاء کے موافق ہوں، کیونکہ تمام انبیاء بنیادی امور توحید، اصول دین اور عمدہ اخلاق میں متفق تھے، ان میں ان کا کوئی اختلاف نہیں تھا، البتہ فروعات یعنی جزوی مسائل میں اختلاف ضرور رہا ہے، وہ اللہ جل جلالہ کے ہاں اسی طرح طے تھا۔ (۱)

۴۔ نبی الملاحم (گھمسان کی جنگوں والا نبی) شارحین حدیث نے اس کے تین مطلب بیان کیے ہیں: ✽ ملحمہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ قتل و قتل اور خونریزی ہو، اس سے جہاد کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کفار کے ساتھ بہت زیادہ جہاد کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کفار کے ساتھ اتنے زیادہ معرکہ کیے کہ اس قدر کسی نبی نے جہاد نہیں کیا، حتیٰ کہ اسی میں آپ ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے، اس راستہ میں آپ ﷺ نے بہت زیادہ مشقتیں اور آزمائشیں برداشت کیں، نیز اس امت میں قیامت تک مختلف صورتوں میں جہاد جاری رہے گا، یہاں تک کہ قرب قیامت میں اس امت کے لوگ دجال کے ساتھ قتال کریں گے۔

✽ ملحمہ کے ایک معنی جمع ہونے اور اجتماعیت کے بھی ہیں، اس معنی کے لحاظ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی الملاحم کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں اختلافات کے باوجود ہر زمانے میں اجتماعیت برقرار رہے گی، یہ نبی گویا لوگوں کو جمع کرنے والا اور اجتماعیت والا ہے، یہ صفت کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

✽ ملحمہ کے ایک معنی ”فتنہ عظیم“ کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ کا یہ نام نبی الملاحم درست ہے، کیونکہ قیامت کے قریب دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ ایسے بڑے بڑے فتنے رونما ہوں گے، جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں گذری، اللہم احفظنا منہا بعتک وفصلک وجاه نیک وحبیبک صلی اللہ علیہ وسلم، آمین یرب العالمین۔ (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۵۷، کتاب الفضائل والشمال، باب أسماء النبی ﷺ و صفاته، رقم الحدیث: ۵۷۷۷

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمال مع شرح النواوی ۲۲۹/۲

باب: مَا جَاءَ فِي عَيْشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گزراوقات کا ذکر ہے

نوٹ: یہ ذہن میں رہے کہ امام ترمذی نے یہ باب مرکوز کر لیا ہے، شروع کتاب میں بھی یہ باب اسی عنوان سے آیا ہے، ہاں اس میں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے نو حدیثیں ذکر کی ہیں، اس تکرار کا سبب اور ذاعیہ کیا پیش آیا اور اس بارے میں اور بہت کچھ تفصیل کے لیے اس کتاب کے شروع میں باب ماجاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت شرح دیکھے لیجئے، وہاں پر یہ ساری بحث ذکر کر دی گئی ہے۔

عَنْ سَمَاقِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ الثَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَكْشَمْتُ لِي طَعَامٌ وَشَرِبْتُ مَاءً هَشِيمًا؟ لَقَدْ زَأَيْتُ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ. (۱)

ترجمہ: سنا کہ بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا تم لوگ کھانے پینے کی چیزوں میں فراوانی کے ساتھ نہیں ہو کہ جس قدر چاہو کھاؤ، پو، تحقیق میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ردی کجور بھی اتنی نہ پاتے تھے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیٹ کو بھر سکیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنْ كُنَّا أَلْ مَبْحَمَةَ نَمَكْتُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْ قَدْ بَنَارَ إِنْ هُوَ إِلَّا التَّغْرِوُ الْمَاءُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور اہل و عیال ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے، ہم آگ نہیں جلاتے تھے کیونکہ پکانے کی کوئی چیز ہی نہ ہوتی تھی، صرف کجور اور پانی پر ہی گزارا تھا۔
مشکل الفاظ کے معنی: - ما شتم: جس قدر تم لوگ چاہو، دقل: (دال اور قاف پر زبر) ردی کجور، نمکت شہر: ہم ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے، ما نستو قد بنار: ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تنگدستی اور فقر و فاقہ کا حال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں عموماً تنگدستی اور فقر و فاقہ رہتا تھا، ایسے ہی دن آ جاتے کہ ردی کجور بھی اس قدر مہیا نہ ہوتی کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ بھر سکیں، حضرت نعمان بن بشیر اپنے شاگردوں سے یہی فرما رہے ہیں کہ آج تم لوگ خوب فراوانی کے ساتھ جو چیز چاہتے ہو، کھا سکتے ہو اور پی بھی سکتے ہو، عہد رسالت میں اس قدر وسعت نہ تھی، وسعت تو کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گھر میں پکانے کی کوئی چیز ہی نہ ہوتی، دو دو ماہ اس طرح گزر جاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کے ہاں چولہا بھی نہ جلتا،

(۱) الصحيح لمسلم، الزهد، رقم الحديث: ۱۹۷۷، سنن الترمذی، الزهد، رقم الحديث: ۲۲۷۳

(۲) الصحيح لمسلم، الزهد، رقم الحديث: ۲۹۷۲

بلکہ تیسرا ہیبتہ بھی اسی طرح شروع ہو جاتا، صرف کچھ اور پانی پر ہی گزارا ہوتا تھا، اس بارے میں مزید چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عروہ بن زبیر نے پوچھا کہ خالہ جان! پھر کس چیز پر آپ حضرات گزارا کرتے؟ تو فرمایا کہ کچھ اور پانی پر البتہ نبی کریم ﷺ کے کچھ انصاری صحابہ پڑوسی ایسے تھے، جن کے یہاں دودھ والے جانور تھے، ان میں سے کوئی ہدیہ کے طور پر دودھ پیش کر دیتا تو اس میں سے ہمیں بھی پلایا جاتا تھا، اس حدیث کی تشریح میں علامہ میرک رحمہ اللہ نے ان پڑوسیوں کے نام یہ لکھے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام، حضرت ابوالیوب خالد بن زید، اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۱)

۲۔ مسند حارث میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روٹی کے کچھ ٹکڑے لے کر آئیں تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: یہ خشک روٹی کے ذرے ہیں، میں کھا نہیں سکتی، انہیں آپ ﷺ کے پاس لائی ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیٹی! تین دن سے تمہارے ابو کے منہ میں تو یہی کھانا جا رہا ہے۔ (۲)

۳۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہؓ اندھیرے میں ہی اس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے؟ فرمانے لگیں: اگر گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں استعمال نہ کرتے۔ (۳)

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا، گھر میں اگر کوئی چیز ہوتی، اہل خانہ آپ ﷺ کو پیش کر دیتے تو آپ ﷺ کھا لیتے اور جو چیز گھر والے پلانے کے لیے پیش کرتے تو آپ ﷺ اسے پی لیتے تھے۔ (۴)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھر میں عموماً فقر و فاقہ اور تنگدستی رہتی تھی، مگر یہ ذہن میں رہے کہ آپ ﷺ نے اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے خود اس حالت کو پسند فرمایا ہے، حالانکہ خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ کو پیش کی گئیں، مگر آپ ﷺ نے مالداروں کے بجائے غربت اور تنگدستی کی کیفیت کو اختیار فرمایا، آپ ﷺ کو یہی حالت پسند تھی۔

(۱) مسند الامام احمد ۱۵/۱۰۴، رقم الحدیث: ۹۲۳۹، جمع الوسائل فی شرح الشانل ۲/۲۳۲

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشانل ۲/۲۳۲

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۲۵۸، رقم الحدیث: ۷۵۰

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشانل مع شرح المناوی ۱/۲۳۲

اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اس قدر پیٹ بھر کر اور سیر ہو کر کھائے کہ طبیعت پر غفلت اور سستی سوار ہو جائے، شرعی احکام اور گھریلو امور کو بجالانا مشکل ہو جائے، اس طرح کی شکم سیری کی احادیث میں بہت مذمت منقول ہے، چند احادیث کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ طبرانی میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سیر ہو کر کھانے والے آخرت میں اسی قدر بھوکے ہوں گے۔ (۱)
- ۲۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کو پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے، اتنا کھانا اس کے لیے کافی ہے، جو اس کی پشت کو سیدھا رکھ سکے، اگر کچھ زیادہ کھانا چاہتا ہے تو پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرے، ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے خالی چھوڑ دے۔
- ۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو معدہ ہر وقت بھرا رہتا ہو، اس میں حکمت اور دانائی کی بات داخل نہیں ہوتی، جس کا کھانا، پینا اور نیند ضرورت کے بقدر ہی ہو تو اس کی عمر میں برکتیں ظاہر ہوتی ہیں، اور جو شخص زیادہ کھاتا ہے تو اس میں غور و فکر کی صلاحیت کم اور دل سخت ہو جاتا ہے۔
- تاہم اگر انسان ضرورت کے بقدر اس نیت سے کھائے کہ اس سے مجھے قوت حاصل ہو جائے، اور میری صحت درست رہے، تاکہ میں اللہ جل جلالہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت اور دین کی خدمات کر سکوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس نیت سے کھانا سارا عبادت بن جاتا ہے۔ (۲)

حضور ﷺ کے بعد لوگوں کی چار قسمیں

- علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد لوگ چار حصوں میں منقسم ہو گئے:
- ۱۔ ایک جماعت ان لوگوں کی تھی، جنہوں نے نہ تو خود دنیا کی طرف رخ کیا اور نہ ہی دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ صدیق اکبرؓ۔
 - ۲۔ دوسری وہ جماعت تھی، جنہوں نے دنیا کا رخ نہ کیا، لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ۔
 - ۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا جیسے خوامیہ کے بادشاہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے علاوہ۔
 - ۴۔ چوتھے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ان کا رخ نہ کیا، جیسے وہ لوگ جن کو اللہ جل جلالہ نے فقیر بنایا۔

(۱) للمعجم الكبير للطبرانی ۲۹۷/۱۱، رقم الحديث: ۱۱۶۹۳

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۳۱

اور دنیا کی محبت سے ان کو آزار پایا۔ (۱)

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ: شَكَرْنَا لِلَّهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُحُوعَ وَزَلَفْنَا عَنْ بَطُونِنَا عَنْ حَجَرِ حَجَرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرِ بْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمَغْنَى قَوْلِهِ: وَزَلَفْنَا عَنْ بَطُونِنَا عَنْ حَجَرِ حَجَرٍ، كَانَ أَخَذَهُمْ يَشْدُو بَطْنَهُ الْحَجَرِ مِنَ الْجَهْدِ وَالضَّغْبِ الَّذِي بِهِ مِنَ الْبُحُوعِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھا کر ایک ایک پتھر دکھایا (جو خالی پیٹ پر بھوک کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک نے باندھا ہوا تھا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک پر (بھوک کی وجہ سے) دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ زَلَفْنَا عَنْ بَطْنِنَا عَنْ حَجَرِ حَجَرٍ کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اس مشقت اور کمزوری کی وجہ سے، جو بھوک کی وجہ سے ان کو ہو جاتی تھی۔

بھوک کی بے تابی سے بچنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ لیے جاتے

ایک مرتبہ شدت بھوک سے بے تاب ہو کر کچھ صحابہ کرام نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک سے لاچار ہیں، کھانے کو کچھ نہیں، پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے دکھائے، غزوہ خندق کی خندق کی کھدائی کے وقت بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔

اس سے آپؐ اندازہ لگائیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کرامؓ پر کس قدر فقر و فاقہ اور تنگدستی کے حالات رہتے تھے، مگر وہ پھر بھی اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتے تھے، اور اللہ جل جلالہ کے احکام پر سو فیصد عمل پیرا تھے۔

بھوک کی بے چینی کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھے جاتے تھے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

- ۱۔ اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت بھوک کے وقت جب عاجز و لاچار ہو جاتے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تاکہ انتڑیاں اتر نہ جائیں، کیونکہ خالی پیٹ ہونے کی صورت میں انتڑیوں کے اتر جانے کا خدشہ ہوتا ہے، بالخصوص چلنے پھرنے میں، نیز کمر کے جھک جانے اور کپڑا ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، جبکہ پیٹ پر پتھر باندھ لینے کی صورت میں یہ خدشات نہیں ہوتے، جیسے اس

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمال ۲/۲۳۳، بحوالہ نبوی شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ (ص: ۲۳۳)

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۷۲۔

رمانے میں اس مقصد کے لیے پیٹ پر کپڑا باندھ لیا جاتا ہے۔

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک خاص جسم کا پتھر تھا، جس کا نام ”نمشہہ“ تھا، اس پتھر میں اللہ جل جلالہ نے ایسی خاص قسم کی ٹھنڈک رکھی تھی، جسے پیٹ پر باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی تھی۔ (۱)

لیکن یہاں اس حدیث پر ایک مضبوط اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ صوم وصال یعنی کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے، اور جب صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس ﷺ کی اتباع میں مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے انہیں اس سے منع فرما دیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ میں مسلسل کئی دن کا روزہ رکھ سکتا ہوں، اس لیے کہ اللہ جل شانہ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، جب یہ صورتحال ہے تو پھر آپ ﷺ شدت بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھا کرتے تھے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہو رہا ہے، اس کے حل کے لیے شارحین حدیث سے مختلف اقوال منقول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

✽ نبی کریم ﷺ ابتداء میں شدت بھوک کے وقت تسکین کے لیے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، پھر اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو خصوصی مقام قرب عطا فرمایا کہ معنوی طور پر آپ ﷺ کو کھلایا پلایا جاتا تھا کہ مسلسل روزے رکھنے سے بھی آپ ﷺ پر کمزوری کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا تھا۔

✽ اللہ جل جلالہ نبی کریم ﷺ کو اس وقت کھلاتے اور پلاتے تھے جب آپ ﷺ روزے میں ہوتے، اس وقت آپ ﷺ کو بھوک کا احساس نہ ہوتا، اور جب آپ ﷺ روزے میں نہ ہوتے، تو بھوک کا احساس ہوتا اور کھانے کی چیز نہ ہوتی تو آپ ﷺ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، چنانچہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ روزے میں بھوک اور پیاس کا احساس اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ اس آدمی کو بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے، جس کا روزہ نہ ہو۔

✽ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف حالتیں ہوں، کبھی اللہ جل شانہ آپ ﷺ کو کھلاتے پلاتے اور کبھی یہ کیفیت نہ ہوتی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

✽ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے اس قدر طاقت و قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ ﷺ کو شدت بھوک کا احساس اگرچہ نہ ہوتا تھا، مگر فقراء اور مساکین صحابہ کی دلجوئی کے لیے آپ ﷺ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ قَالَ: خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْظُرَ فِي وَجْهِهِ

(۱) مرقاة المفاتیح ۲۴۰/۹ کتاب الوقایع، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۵۲۵۳

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح للناوی ۲۳۴/۲، خصائل نبوی (ص: ۳۲۶)

وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّ يَلْتَبِثُ أَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ؟ قَالَ: الْخَوْفُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ فَأَنْطَلِقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيْهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ التَّحَلِّيِ وَالشَّعَاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ عِلْمٌ، فَلَمَّ يَجْلُوهُ، فَقَالُوا لِأُمَوَاتِهِ: أَيْنَ صَاحِبُكَ؟ فَقَالَتْ: الطَّلُقُ يَسْتَعْدِدُ لَنَا الْمَاءَ، فَلَمَّ يَلْتَبِثُ أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ يَقْرَأُ بِأُذُنِهَا، فَوَضَعَهَا لَمْ يَجَاءْ يَلْتَرَمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْدِيهِ بِأَبِيهِ وَأُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایسے وقت میں (گھر سے) باہر تشریف لائے کہ آپ ﷺ (عموماً اس وقت میں) باہر تشریف نہیں لاتے تھے، اور نہ ہی کوئی اس وقت آپ ﷺ سے ملاقات کرتا تھا، اتنے میں حضرت صدیق اکبر آپ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے ابو بکر! اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نکلا ہوں تاکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں، آپ ﷺ کے چہرہ انور کا دیدار کروں اور آپ ﷺ کو سلام عرض کروں، ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ آگئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بھوک کی وجہ سے آیا ہوں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں بھی بھوک محسوس کر رہا ہوں، چنانچہ تینوں حضرات حضرت ابو الہیثم بن تیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے، اور وہ کھجور کے زیادہ درختوں اور کثیر بکریوں کے مالک تھے، ان کا کوئی خادم نہ تھا، اس لیے ان حضرات نے انہیں گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ بیوی نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، ابھی کچھ دیر بھی یہ حضرات نہیں ٹھہرے تھے کہ اتنے میں ابو الہیثم پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آگئے، (آپ ﷺ کو دیکھ کر) اسے (فورا) رکھ دیا، اور آکر حضور ﷺ سے لپٹ گئے، اور آپ ﷺ پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کا کہنے لگے (یعنی یہ کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں)

ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ، فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَحْلَةٍ فَجَاءَ بِقَنْوَرٍ فَوَضَعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا تَنْقُتُ لَنَا مِنْ زُطْبِهِ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا، أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ زُطْبِهِ وَبُسْرِهِ، فَأَكْلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ. فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ التَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ظِلٌّ بَارِدٌ، وَزُطْبٌ طَلِيبٌ، وَمَاءٌ بَارِدٌ. فَأَنْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ ذَرٍّ، فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَذَلًا، فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوا.

پھر حضرت ابو الہیثم ان حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے اور ان کے لیے ایک بھونٹا بچھایا، پھر کھجور کے ایک درخت کے پاس گئے اور کھجوروں کا ایک گچھا لائے اور آپ ﷺ کے سامنے اسے رکھ دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم

ہمارے لیے تازہ کھجور چن کر کیوں نہ لائے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات خود پسند فرمائیں یا یوں کہا: آپ حضرات مکی اور مکی کھجوروں میں سے چھ چاہیں، پسند فرمائیں، چنانچہ سب نے (کھجوریں) تناول فرمائیں اور اس پانی سے (جو وہ مشکیزے میں لائے تھے) پیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، یہ ٹھنڈا سایہ، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے (کہ انہیں تم نے کیسے استعمال کیا ہے؟) پھر ابو الہیثم چلے تاکہ ان حضرات کے لیے کھانا تیار کرائیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دو روپیے والے جانور کو ہرگز ذبح نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے بھیڑ یا بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، پھر وہ (اسے بھون کر) ان حضرات کے پاس لائے تو سب نے کھایا۔

فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكُمْ خَادِمٌ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَإِذَا أَنَا سَنِي فَأَيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْتَرْ وَلَهُمَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اخْتَرْ لِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هَذَا فَإِنِّي زَأْنِيَهُ يَصْلِي، وَاسْتَوْصِي بِهِ مَغْرُوقًا.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی خادم ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آجائیں تو اس وقت ہمارے پاس آ جانا (میں تمہیں ایک خادم دے دوں گا) اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو ہی غلام لائے گئے، جن کے ساتھ تیسرا تھا، ابو الہیثم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے ایک پسند کر لو، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میرے لیے پسند فرما دیجئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے، تم یہ غلام لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرِئِهِ، فَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ: مَا أَلَيْتَ بِبَالِغٍ حَقِّ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا بِأَنْ تَغِيظَهُ قَالَ: فَهُوَ عَتِيقٌ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بَطَانَتَانِ: بَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبَطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَلًا، وَمَنْ يُوقِ بَطَانَةَ الشُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ.

پھر ابو الہیثم اپنی بیوی کے پاس چلے گئے، اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا تو ان کی بیوی نے کہا: تم اس بات تک نہیں پہنچ سکتے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مگر یہ کہ تم اسے آزاد کرو، حضرت ابو الہیثم نے (نورا) کہا: یہ آزاد ہے، (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزاد کرنے کا پتہ چلا تو) ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی نبی یا خلیفہ کو نہیں بھیجتے مگر یہ کہ اس کے دو گہرے دوست ہوتے ہیں، ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے (یعنی اچھا

مشورہ دیتا ہے) اور دوسرا اس کے فساد اور بگاڑ میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا اور جو شخص برے دوست سے بچا لیا گیا تو وہ (گو یا ہر قسم کے شرور و آفات سے) محفوظ کر دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: نہ ما جاء بك: کیا چیز آپ کو لائی، الشاء: شاة کی جمع ہے بکریاں، خدم: (خاء اور وال پر زبر) خادم کی جمع ہے، خدمت گار: يستعذب لنا الماء: ہمارے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں، ولم يلبثوا ان جاء: اور وہ نہیں ٹھہرے کہ وہ آگئے یعنی جلدی ہی اسی وقت آگئے، قربة: (قاف کے نیچے زیر اور ساکن) مشکیزہ، يزعبها: بھرے ہوئے مشکیزے کو اٹھائے ہوئے، يلتزم: لپٹ گئے، چٹ گئے، يهديه: ابوالہشتم آپ ﷺ پر قربان کرنے لگے یعنی یہ کہنے لگے کہ خدا کا ابی و امی: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، بسط: بچھایا، بساط: (ہا کے نیچے زیر) بچھونا، چٹائی، قبو: (قاف کے نیچے زیر اور نون ساکن) پختہ کجوروں سے بھرا ہوا کچھا، الامانة: تونے کیوں نہ چن لیا، وطب: (را پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کجور، بسو: (با پر پیش اور سین ساکن) نیم پختہ کجور، گدر کجور، لا تدب عن: تم ہرگز ذبح نہ کرنا، ذات در: (دال پر زبر اور را پر تشدید) دودھ والا جانور، دودھ والی بکری، عناق: ایک سال تک کا بھیڑ بکری کا بچہ، جدی: (جیم پر زبر اور ذال ساکن) بکری کا بچہ، صبی: (سین پر زبر اور ہا ساکن) قیدی، المستشار: (صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے، بطلان: بطلان کا تشبیہ ہے: دوسرا دوست، دو گہرے دوست، لا تالوہ: اس شخص کو بطلان نہیں روکنا، اس میں کی اور کوتاہی نہیں چھوڑنا، خبالی: فساد، تباہی، بربادی، من يوق: (یا پر پیش، صیغہ مجہول) جو شخص بچا لیا گیا، بطلان السوء: برا ہمارا دوست، استوص به معروفا: تم اس غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اچھے انداز سے پیش آنا، خليفه: اس کی جمع خلفاء ہے، اس سے اہل علم، حکمران، قاضی، جج اور گورنر مراد ہیں۔

حضرت ابوالہشتم کے گھر میں نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین کی آمد

حضرت ابوالہشتم بن تیمان رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی ہیں، ان کا نام مالک تھا، ہجرت کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور یہ صاحب ثروت صحابہ میں سے تھے، ان کے پاس کجوروں کے بہت سے باغات اور بکریاں وغیرہ تھیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کو شدید بھوک لگی، کھانے کا ان کے پاس کچھ نہ تھا، تینوں حضرات حضرت ابوالہشتم کے گھر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہوئے ہیں، ان کے پاس کوئی خادم نہ تھا، اس لیے گھر کے سارے امور وہ خود ہی سرانجام دیا کرتے تھے، ان کی اہلیہ نے ان حضرات کو مہمان خانہ میں بٹھایا، تو اتنے میں حضرت ابوالہشتم بھی پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اٹھائے ہوئے پہنچ گئے، جیسے ہی ان کی نظر نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر پڑی تو فوراً وہ مشکیزہ وہیں پر رکھ دیا، اور خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ چٹ گئے اور کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔

پھر حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ اپنے باغ سے کھجور کا ایک گچھا لے آئے، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھائی ربطب یعنی تازہ پختہ کھجور ہی لے آئے گدھر کھجور نہ لاتے، عرض کیا کہ میں نے یہ اس لیے لایا ہے تا کہ آپ حضرات ان میں سے جو چاہیں منتخب کر لیں، چنانچہ انہوں نے کھایا اور پیا، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں: ٹھنڈا سائبہ، عمدہ کھجور اور میٹھا ٹھنڈا پانی، ان کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت ابو الہیثم اٹھے تاکہ کسی جانور کو ذبح کر کے کھانا تیار کر لیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی دودھ والے جانور یعنی بکری وغیرہ کو ذبح نہ کرنا، انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، ان حضرات نے اسے تناول فرمایا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے پاس جب کوئی غلام آجائے تو ہم آپ کو دیں گے، کچھ ہی دنوں میں آپ ﷺ کے پاس صرف دو غلام آئے وہ حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے ایک غلام پسند کر لو، عرض کیا یا رسول اللہ! میری کیا پسند ہے، بس آپ ﷺ ہی میرے لیے پسند فرمادیں، ان کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہوتا ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ تم یہ غلام لے لو، اسے میں نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس کے ساتھ تم حسن سلوک کرنا۔

اب حضرت ابو الہیثم خوش خوش یہ غلام لے کر گھر پہنچے، بیوی کو یہ ساری بات بتائی، اس سمجھدار خاتون نے اپنی مشکلات کو نہیں دیکھا بلکہ اپنے شوہر سے کہنے لگیں کہ حضور ﷺ کی بات کا مقصد یہ لگتا ہے کہ تم اسے آزاد کر دو، چنانچہ حضرت ابو الہیثم نے فوراً اسے آزاد کر دیا، اور پھر یہ سارا واقعہ آکر حضور اکرم ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے خلیفہ کو دراز دار دوست عطا فرماتے ہیں، ایک اسے نیکی کا جبکہ دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص برے دوست سے بچا لیا گیا تو وہ ہر قسم کی ضرورت و آفات سے محفوظ رہا۔

مذکورہ حدیث سے بہت سے امور ثابت ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کی تفصیل درج ذیل ہے:

✽ اگر کوئی با اعتماد اور بے تکلف دوست ہو تو اس سے ضرورت کی چیز مانگی جاسکتی ہے، اور اس کے گھر جا کر کھانا وغیرہ بھی کھایا جاسکتا ہے، جبکہ وہ اس سے ناراض نہ ہوتا ہو، اور نہ ہی وہ اسے اپنے اوپر بوجھ محسوس کرے، جس طرح نبی کریم ﷺ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لے گئے، کیونکہ آپ ﷺ کو یقین تھا کہ وہ آپ ﷺ کے وہاں جانے سے ناراض نہیں ہونگے، بلکہ بجا طور پر یقیناً خوش ہونگے اور واقعہ وہ خوش ہوئے تھے۔

✽ حضرت ابو الہیثم کی اہلیہ نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ ان کے شوہر میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اس نے آپ ﷺ اور حضرات شیخین کو مہمان خانہ میں بٹھایا، اس سے معلوم ہوا کہ پردے میں رہتے ہوئے ضرورت کی گفتگو اجنبیہ خاتون کے ساتھ کی جاسکتی ہے جبکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور شوہر کی غیر موجودگی میں بھی معزز اور با اعتماد مہمانوں کو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی گھر میں بٹھایا جاسکتا ہے، جب یہ معلوم ہو کہ شوہر ناراض نہیں ہوگا۔

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کجور کا تازہ کچھا پیش کیا اور بیٹھ پانی اور باغ میں ایک ٹھنڈی جگہ پر بٹھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھائی یہ ساری نعمتیں ہیں: ٹھنڈا میٹھا پانی، عمدہ کجوریں اور ٹھنڈا سایہ، ان کے بارے میں ہم سے باز پرس ہوگی کہ انہیں کیسے حاصل کیا اور پھر آگے انہیں کسی طرح اور کہاں پر صرف کیا، قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے اس آیت میں فرمایا: ثُمَّ لَنَنْبَأَنَّكَ بِوَعْدِنا عَنِ النَّعِيمِ، (تم سے ضرور قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا) ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خَلَّالُهَا حَسَنَاتٌ، وَخَوَائِهَا عِقَابٌ (حلال نعمتوں کا حساب ہوگا اور حرام چیزوں پر سزا ہوگی) اس سے یہ درس دینا مقصود ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہر انسان کو محض اپنے فضل و کرم سے جو بے شمار طرح طرح کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان پر تدبیر سے شکر ادا کیا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرنے سے بچا جائے۔

اپنی حیثیت کے مطابق مہمان کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ: وَاشْتَغِصْ بِهٖ مَخْضُوفًا كِهٖ اس غلام سے حسن سلوک کرنا، ان کی بیوی نے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ تم اسے آزاد کرو، چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کی یہ بات سن کر فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا، اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی بیوی ایک سمجھدار خاتون تھیں اور دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی بیوی کو بہترین ہر از دوست قرار دیا کہ جو اپنے شوہر کو نیکی کا حکم دیتی ہے، اور تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ بیوی کی درست بات پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

بطاننان سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ دو بطلانہ ہوتے ہیں: ایک فرشتہ جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا جن یعنی شیطان جو اسے برائی اور فساد کا حکم دیتا ہے۔

۲۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ بطلانتین سے نفس امارہ (نرکش نفس) اور نفس لوامہ (ملا مت کرنے والا نفس) مراد ہو، نفس لوامہ خیر اور نیکی کا حکم دیتا ہے جبکہ نفس امارہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بطلانتین سے دو ہر از دوست مراد ہیں، ایک نیک دوست ہے جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے، اور دوسرا برا دوست ہے، جو اسے برائی کا حکم دیتا ہے جیسے اس حدیث میں حضرت ابوالہیثم کی اہلیہ بطلانۃ الخیر ہیں کہ انہوں نے اپنے شوہر کو غلام آزاد کرنے کا مشورہ دیا ہے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برے دوست سے محفوظ رہا تو وہ ہر قسم کی شر و رذائل سے محفوظ رہے گا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے ایک ایسا بطلانہ ہے، جو

(۱) شرح الزرقانی علی اللوطا لکلام مالک ۲۲۱/۲ کتاب صفۃ النبی ﷺ، باب جامع ما جاء فی الطعام والشراب، رقم الحدیث:

۱۷۹۸، تکملة نصح للملہم ۳۱۶/۲، کتاب الاطعمۃ، باب جواز استبعاہ غیرہ الی دار من یشق برضاہ بذلك، رقم الحدیث: ۵۲۷۲

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برائی کی ترغیب دینا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؟ شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطانہ سود یعنی شیطان سے محفوظ ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ قَالَ مَعْشَرُكُمْ مِنْ عَصَمَةِ اللَّهِ (وہ شخص محفوظ رہتا ہے، جسے اللہ جل جلالہ بچالے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے برے دوست سے محفوظ رکھا ہے، ایک اور روایت میں اس کی تصریح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ لَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى نِيَّ مِيرَى اس کے خلاف مدد فرمائی، اس لیے میں اس سے سالم اور محفوظ ہوں۔ (۱)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ: إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دِمَافِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْرَوْتُ فِي الْعَصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَمَا نَأْكُلُ إِلَّا زَرْقَ الشَّجَرِ وَالْخَبْلَةَ حَتَّى تَقْرَحَ أَشْدَاقُنَا، وَإِنْ أَحَدًا لَيَطْعُ كَمَا تَطْعُ الشَّاءُ وَالْبَيْضُ، وَأَصْبَحْتُ بَنُو أَسَدٍ يَغْزِرُونَنِي فِي الدِّينِ، لَقَدْ جِئْتُ وَخَسِرْتُ إِذَا وَضِلَّ عَمَلِي. (۲)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بے شک میں سب سے پہلا آدمی ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں (کافرا) خون بہایا ہے، اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (پہلا) تیر چلایا ہے، اور مجھے یاد ہے کہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کرتا (اور غربت کی وجہ سے ہمارے پاس کھانے کا کچھ بھی نہ ہوتا) ہم لوگ درختوں کے پتے اور ٹیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ہمارے منہ کے جڑے زخمی ہو گئے، اور ہم میں سے ہر ایک یوں قضاء حاجت کرتا جس طرح بکری اور اونٹ کرتے ہیں (یعنی میٹگنیوں کی طرح) اور (اب) قبیلہ بنو اسد کے لوگ مجھے دین سکھانے لگے ہیں، (یعنی میری نماز پر اعتراض کر رہے ہیں کہ میں صحیح نہیں پڑھتا) پھر تو میں ناکام ہو گیا، اور میرے عمل (جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد اور نماز وغیرہ پڑھی) رائیگاں اور ضائع ہو گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اهرق: اس نے بہایا، اس میں ”جا“ خلاف قیاس ہزے سے بدل کر آئی ہے، عصابة: (عین کے نیچے زیر) جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، اس کا مفرد نہیں ہے، حبلۃ: (حار پر پیش اور با کے سکون کے ساتھ) بول یعنی ٹیکر کے درخت کا پھل جو لوبیہ کی پھلی کے مشابہ ہوتا ہے، بعض کے نزدیک ہر خار دار درخت کے پھل کو حبلہ کہتے ہیں، نفروحت: زخمی ہو گئے، أشد اقنا: شدق کی جمع ہے: ہمارے منہ کے جڑے، لیضع: وہ قضاء حاجت کرتا ہے، یعزروننی فی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح المناوی ۲۳۶/۲، تحفة الاحوذی ۸۱/۷، کتاب الزہد، باب ما جاء فی معیشتہ اصحاب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۳۶۹۔

(۲) الصحیح لمسلم، الزہد، رقم الحدیث: ۲۹۶۶، سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۶۔

الدین: قبیلہ بنی اسد کے لوگ مجھے دین سکھانے لگے ہیں، اس سے واقف کرانے لگے ہیں، خبت اذن: (میضہ شکلم) پھر تو میں ناکام ہی ہو گیا، ضل عملی: میرے عمل ضائع اور راہیں گم ہو گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے ان کی کچھ شکایات کیں، ان کی تفصیل آگے آرہی ہے، ان پر رد کرنے اور اپنی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنی دو خصوصیات ذکر فرمائی ہیں، جو دیگر صحابہ کو حاصل نہیں:

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر پھینکا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ایک ہجری کے ماہ شوال میں حضرت عبیدہ بن حارث کی قیادت میں ساٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک سریہ مقام ”زالغ“ کی طرف روانہ فرمایا تھا، وہاں ان کا قریش کے دو سو افراد کے ساتھ آمناسا منا ہوا، ان کے امیر ابوسفیان بن حرب تھے، آپس میں تیر اندازی ہوئی، یہ اسلام میں سب سے پہلی لڑائی ہے، مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر پھینکا تھا، اس لیے حضرت سعدؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں۔

۲۔ اسلام میں سب سے پہلے کافر کو زخمی کیا جس سے اس کا زخم سے خون بہہ پڑا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں کافروں سے چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، سرعام عبادت نہیں کر سکتے تھے، ایسے ہی ایک دن حضرت سعد اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک کافروں نے ان پر حملہ کر دیا، لڑائی ہو گئی، اس وقت حضرت سعدؓ نے اونٹ کا جیزا ایک کافر کو اس زور سے مارا کہ وہ اس سے شدید زخمی ہو گیا اور اس سے اس کا خون بہنے لگا، یہ کافر کے زخم سے نکلنے والا سب سے پہلا خون ہے، جو اسلام میں حضرت سعدؓ نے بہایا تھا۔ (۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

✽ اس سے حضرت سعدؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایسے میں وہ کیسے نماز اور دیگر امور میں غفلت اور سستی کر سکتے ہیں، اس لیے شکایت کرنے والوں کی بات درست نہیں ہے۔

✽ ضرورت کے موقع پر اپنی تعریف کرنا اور اپنی علمی صلاحیتوں کو دوسروں کے سامنے واضح کرنا جائز ہے، تکبر اور بڑائی کی نیت سے یہ جائز نہیں، لیکن اگر تکبر کی نیت سے نہ ہو بلکہ اپنی حیثیت اور صلاحیت بتانے کے لیے ہو یا کسی نعمت کے شکر کے طور پر ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ حَفِیْظُ عَلِیْمٍ کہ میں علم بھی رکھتا ہوں اور حفاظت بھی کر سکتا ہوں، امین اور امانتدار ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: سَلَوْنِیْ عَنْ کِتَابِ اللّٰہِ قرآن مجید سے متعلق کوئی بات پوچھنی ہو تو مجھ سے

دریافت کر لو، اور بعض اوقات تو اجنبی لوگوں کے سامنے اپنی صلاحیت اور ڈگری کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے، اور شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، لہذا حضرت سعدؓ پر جب بنو اسد نے بلاوجہ اعتراض کیے تو انہوں نے اپنی حیثیت کو سب کے سامنے واضح کر دیا تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

صحابہ کرامؓ نے غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط میں درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں بھی کھائیں اس حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے صحابہ کرام کی تنگدستی کو بھی ذکر کیا ہے، کہ ہم نے اس کسمپرسی اور مشکل حالات میں بھی اللہ کے راستے میں جہاد کیا، ایسے میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نماز صحیح طرح نہ پڑھوں اور گورزی کے امور صحیح طرح انجام نہ دوں۔

حضرت سعدؓ نے یہاں غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط کا ذکر کیا ہے، خطبہ کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں، اس لیے اس کو غزوہ جیش الخبط کہا جاتا ہے، یہ غزوہ سن ۵ھ میں یارب ۸ ہجری میں پیش آیا تھا، اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابوعبیدہ بن حارث کی قیادت میں مدینہ منورہ سے سمندر کے کنارے کی طرف بھیجا تھا، تاکہ قبیلہ جہینہ سے مقابلہ کیا جاسکے، اس لشکر میں شروع دنوں میں یومیہ تین اونٹ ذبح ہوتے تھے، جب اونٹوں کی قلت کا خوف ہوا تو امیر لشکر نے اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا، پھر کچھ کھجور دی جاتی، پھر کھجور بھی کم ہو گئی تو پھر ایک دن میں ایک ہی کھجورنی آدمی کو دی جاتی تھی، اس کو چوتھے رستے اور پانی پیتے رہتے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وقت ایسا شروع ہو گیا کہ ہم درختوں کے پتے جھاڑ کر کھاتے اور کیکر کے درخت کی پھلیاں کھاتے، ان کی سختی کی وجہ سے ہمارے منہ زخمی ہو گئے، اور ہمیں ناریل انداز سے پانچا نہ بھی نہ آتا، بلکہ اونٹوں اور بکریوں کی ٹینگنیوں کی طرح ہم بھی بقاء حاجت کرتے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ایک بہت بڑی عنبر نامی مچھلی باہر بھیج دی، جس سے کئی دن ہم لوگ کھاتے رہے۔ (۱)

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ شمائل کی اس حدیث کو باب ما جاء فی عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مناسبت ہے، کیونکہ اس حدیث میں صحابہ کرامؓ کی معاشی تنگی اور فقر و تنگدستی کا ذکر ہے جبکہ اس باب میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گذر اوقات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق احادیث کا بیان ہے، تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

حضرت سعد اس حدیث سے ایک اور حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو صحیحین میں منقول ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: **يَنْفَعَانَا مَنْ نَزَّوْهُنَّ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا إِلَّا طَعَامُ الْمُحِبَّةِ** (ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے،

(۱) فتح الباری ۹/۷۸، کتاب المغازی، باب غزوة سيف البحر، رقم الحديث: ۴۳۶۰

ہمارا کھانا نیکر کے درخت کی پھلیاں ہوتی تھیں) یوں اس روایت کو باب سے مناسبت ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تنگدستی سے نبی کریم ﷺ کی تنگدستی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کی معاشی حالت اچھی ہوتی تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام معاشی تنگی سے دوچار نہ ہوتے، اس طرح اس روایت کو باب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ (۱)

الزام تراشی کرنے والے کے خلاف حضرت سعدؓ کی بددعا

”وَأَضْيَحَتْ بَنُو أَشَدٍّ يُعْزِرُونَ فِي الدِّينِ“ بنو اسد سے ابن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر مراد ہے، یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، اور طلحہ یا طلحہ بن خویلد کی پیروی کرنے لگے جو کہ جھوٹا مدعی نبوت تھا، پھر حضرت خالد بن ولید نے حضرت صدیق اکبر کے دور میں ان سے جہاد کیا، جس سے انہیں شکست فاش ہوئی، نبوت کے دعویدار طلحہ نے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا، بعد میں یہ لوگ کوفہ میں رہنے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا، اس وقت کوفہ عراق کا دار الحکومت تھا، کوفہ والے بڑے فتنہ پرداز لوگ تھے، اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے: الْكُوفِيُّ لَا يُؤْفَى (کوفی وفا نہیں کرتا) وہاں کے لوگ کسی بھی امیر کو نکلنے نہیں دیتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے اپنی روش کے مطابق حضرت سعد کے خلاف امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے کئی ساری شکایات کر دیں، حتیٰ کہ یہ شکایت بھی کی کہ یہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ کوفہ والے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں، اس پر حضرت سعدؓ نے اپنا قدیم الاسلام ہونا اور اسلام کے بارے میں اپنی قربانیوں کا تذکرہ کیا، اور فرمایا کہ بنو اسد کے لوگ آج مجھے دین سکھا رہے ہیں اور یہ لوگ میری نماز پر اعتراض کر رہے ہیں، اگر میری نماز بھی ٹھیک نہیں تو پھر میری تمام قربانیاں اور اعمال رازیاں چلے گئے، واقعہ یہ ہے کہ میں نے جس طرح نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، میں اسی طرح پڑھتا ہوں، اس سے ذرا کوتاہی نہیں کرتا، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ذَالِكِ الْظُلْمُ بِكَ يَا أَبَا اسْحَاقَ! میرا آپ سے یہی گمان تھا کہ آپ اچھی نماز ہی پڑھائیں گے، بے شک یہ لوگ فضول باتیں کر رہے ہیں۔

چونکہ متعدد شکایات تھیں اس لیے ان کی تحقیق کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک یا زیادہ لوگوں کو کوفہ بھیجا، تاکہ اصل صورتحال واضح ہو جائے اور شرارتی لوگوں کی شرارت سب کے سامنے آجائے، بندے بھیجنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حضرت سعدؓ پر کوئی شک تھا بلکہ امت کے سامنے یہ نمونہ پیش کرنا تھا کہ ہر حاکم کے حالات کی تحقیق ہو سکتی ہے، چنانچہ سرکاری نمائندے کوفہ کی ہر مسجد میں گئے اور حضرت سعدؓ سے متعلق معلومات حاصل کیں، سب نے ان کی تعریف کی، اور شکایات کی نفی کی البتہ بنو عیسن کی ایک مسجد میں جا کر

جب ان لوگوں نے دریافت کیا تو وہاں ایک شخص کھڑا ہوا، جس کا نام اسامہ بن زید تھا، وہ کہنے لگا کہ چونکہ تم لوگ قسم دے کر پوچھ رہے ہو، اس لیے اب میں بتائی دیتا ہوں، اس نے تین باتیں کیں:

- ۱۔ یہ جہاد میں نہیں جاتے۔
- ۲۔ جب مال غنیمت آتا ہے تو اسے لوگوں میں عدل و انصاف اور برابری سے تقسیم نہیں کرتے۔
- ۳۔ اور فیصلوں میں عدل نہیں کرتے۔

ذرا غور فرمائیں کہ جو فاتح ایران ہے جس نے پورا ایران فتح کیا، جس نے سب سے پہلے اللہ کے راستے میں تیر چلایا، جس نے سب سے پہلے کافر کو زخمی کر کے زخم سے اس کا خون بہایا، جس نے بدر واحد اور دیگر معرکوں میں جرات و شجاعت اور نڈا کاری کی داستانیں رقم کیں، اور جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی تھی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں فرمایا: **إِنَّكَ أَهْلُكُمْ** (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) ان کے بارے میں اس شخص نے یہ تین اعتراض ذکر کیے ہیں۔

حضرت سعد کو جب یہ پتہ چلا تو غصہ آنا طبعی بات ہے، کہ اس قدر عظیم شان والے صحابی کے بارے میں بے ٹکی باتیں کی جا رہی ہیں، اس نے تین اعتراضات کیے تھے، اس لیے حضرت سعدؓ نے بھی تین بددعاں کیں، مگر غصہ کے باوجود حضرت سعدؓ کی احتیاط کا عالم یہ ہے کہ بددعا سے پہلے دو شرطیں لگائیں ایک یہ کہ اگر یہ شخص چھوٹا ہو اور دوسری یہ کہ اگر شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے یہ باتیں کر رہا ہو تو پھر اس کے خلاف میں یہ تین بددعاں کرتا ہوں: اے اللہ اس کی عمر بڑھا دے، اس کا فقر و فاقہ بھی طویل کر دے اور اسے طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا کر دے، **العیاذ باللہ العظیم**۔

چنانچہ حضرت سعدؓ کی بددعا اس کے حق میں قبول ہوئی، کیونکہ مظلوم کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اور ایسا ہی ہوا جیسا انہوں نے اس کے حق میں بددعا کی تھی، حدیث کے راوی عبد الملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس ہندے کو دیکھا کہ اس کی ابرو میں آنکھوں پر گر گئی تھیں یعنی عمر لمبی ہوئی، اور فقیر بھی ہو گیا تھا، اور کھلی کوچوں اور راستے میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا، جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ یہ حالات کیسے بنے تو وہ کہتا: **شَيْخٌ كَبِيرٌ مَقْتُوبٌ أَصَابَنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ** میں ایک عمر رسیدہ بوڑھا ہوں، بنو نضیر کا نشانہ بن گیا، بس مجھے تو سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی نیک انسان کی توہین اور اس پر الزام تراشی کرنا جائز نہیں ہے، ایسے میں انسان کو دنیا میں ہی عبرت ناک سزا دے دی جاتی ہے، یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے اسے بددعا دی، اگر آپ بددعا نہ دیتے تو کیا ہوتا؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے اسے بددعا دے کر درحقیقت اس کے ساتھ شفقت کی ہے، تاکہ اسے اس الزام تراشی کے گناہ کا بدلہ آخرت کے بجائے دنیا میں ہی مل جائے اور یہاں سے پاک صاف ہو کر اللہ جل شانہ کے پاس جائے، کیونکہ کسی ولی کو ایذا پہنچانا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ عَادَى**

لین وَلَیْسَ فَعْدُ اَذْنٰی بِالْعُزْبِ (جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے) (۱)

عن خالد بن عقیب، وھو من اہل الزکاة، قال: بعث عمر بن الخطاب غنۃ بن غزوٰن وقال: الطلی الت ومن معک، حتی اذا کنتم فی اقصی بلاد العرب، واذنی بلاد العجم فاقبلوا، حتی اذا کانوا بالمزبد وجدوا ہذا الکدان، فقالوا: ما ہذا؟ قالوا: ہذہ البصرۃ لفساروا حتی اذا بلغوا جہال النجسر الصوبر، فقالوا: ہہنا امیرکم، فنزلوا۔ فذکروا الحدیث بطولہ۔ قال: فقال غنۃ بن غزوٰن: لقد رأیتنی وانی لتابع سبعة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لقا طعام الا ورث الشجر حتی تقرحت اخذنا، فالتقطت بزدة فسمیھا بنی وبنی سغد، فمات من اولک الشبعة اخذ الا وھو امیر مضر من الأمصار ویشجر بنون الأمراء ہذا۔

ترجمہ: حضرت خالد بن عقیب اور شولیس ابوالرقاد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عقبہ بن غزوٰن رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلے جاؤ، یہاں تک کہ جب تم سرزمین عرب کی انتہاء پر اور نجی شہروں کے قریب پہنچ جاؤ (تو وہاں قیام کرنا) چنانچہ وہ آگے بڑھے، جب وہ مقام ”مربد“ پر پہنچے تو انہوں نے وہاں سفیدی مائل پتھر پایا، تو لوگوں نے تعجب سے آپس میں پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ بصرہ ہے (لغت میں بصرہ بھی سفیدی مائل نرم پتھر کو کہتے ہیں) اس کے بعد (حضرت عمرؓ کی ہدایت کے موافق آگے) چلے یہاں تک کہ جب وہ دجلہ کے چھوٹے پل کے مقابل پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ اسی جگہ کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس لیے وہاں پڑاؤ ڈال دیا، راوی نے اس جگہ تمام قصہ ذکر کیا (مگر امام ترمذی نے اسے مختصر کر دیا اور اس کے بعد یہ ذکر کیا)

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عقبہ بن غزوٰن نے فرمایا: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے جبکہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، کہ ہمارے پاس کھانے کے لیے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا یہاں تک کہ (ان پتوں کو کھانے سے) ہمارے منہ کے جڑے زخمی ہو گئے، پھر (اتفاقاً) مجھے زمین سے ایک چادر مل گئی تھی، جس کو میں نے اپنے اور سعد کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا تھا (اللہ تعالیٰ نے اس تنگ حالی اور تکالیف کا دنیا میں یہ اجر عطا فرمایا کہ) ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جو شہروں میں سے کسی شہر کا امیر نہ ہو، اور تم عنقریب ان امراء اور حکمرانوں کا تجربہ کرو گے، جو ہمارے بعد آنے والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- انطلق انت ومن معک: تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلو، اقصی ارض العرب: سرزمین عرب کی انتہاء، متبا، اذنی بلاد العجم: نجی شہروں کے قریب۔ فاقبلوا: (میخدا ماضی جمع) پھر وہ آگے بڑھے، مربد: (میم کے نیچے زیر اور

(۱) فتح الباری ۳۰۰/۲، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم۔ رقم الحدیث: ۵۵۔

راساکن) یہ بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، اس کے اصل معنی زدہ جگہ جہاں اونٹوں اور بکریوں کو رکھا جاتا تھا یا وہ جگہ جہاں کھجوروں کو خشک کیا جاتا تھا، ممکن ہے کہ اس جگہ یہ کام ہوتے ہوں، اس لیے اس مناسبت سے اس علاقہ کو ہی ”مرید“ کا نام دے دیا گیا، کلدان: (کاف پرز بر اور ذال پر تشدید) سفیدی مائل نرم پتھر، بصرہ: (با پرز بر اور صاوا ساکن) سفیدی مائل نرم پتھر، پھر اس مناسبت سے اس علاقہ کا نام بصرہ رکھ دیا گیا، حیاں: (حاء کے نیچے زیر) مقابل، الجسر: (جیم پرز بر) پل، فالنقطت: (صیغہ واحد شکلم) میں نے لیا، اتفاقاً مجھے مل گئی، ہرودہ: (با پریش اور راساکن) کالی چادر، قسمعھا: (صیغہ شکلم) میں نے اس چادر کو تقسیم کیا، سنجعہ بنون: عنقریب تم لوگ تجربہ کرو گے، یعنی دیکھو گے، الامواء: امیر کی جمع ہے، حکمران۔

حضرت عتبہ بن غزوہ بن رضی اللہ عنہ

حضرت عتبہ بن غزوہ بن رضی اللہ عنہ نے ساتویں نمبر پر اسلام قبول کیا ہے، سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں، پہلے حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف، غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے، ان میں قائدانہ صلاحیتیں تھیں، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کئی فتوحات میں ان کو دالی مقرر کیا تھا، بصرہ شہر کو سن ۱۷ ہجری میں انہوں نے آباد کیا، اور بصرہ کے قریب مقام ”اہلہ“ کو حضرت عتبہ نے فتح کیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوہ بن رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے بھیجا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ چلا کہ عجم کا عرب پر حملے کا منصوبہ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ یزدجر نے عجم سے اعداد مانگ لی ہے، اب اس بات کی ضرورت تھی کہ ہندوستان کے جزائر سے جو راستہ فارس کی طرف آنے کا تھا، اسے روکا جائے تا کہ عرب کے خلاف عجمیوں کا گٹھ جوڑ نہ ہو سکے، اس کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہ بن غزوہ بن رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا، ان سے فرمایا کہ آپ اپنے تین سوساھیوں سمیت سرزمین عرب کی منتہا اور سرزمین عجم کے قریب چلے جائیں اور اس سرحد کی حفاظت کریں، اس طرح تاکہ بندی کریں کہ وہاں کا کوئی شخص نہ آ سکے، چنانچہ یہ حضرات چلے، جب عراق میں بصرہ کے قریب پہنچے تو انہیں سفیدی مائل نرم پتھر نظر آئے، تعجب سے آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ بصرہ ہیں، بصرہ کے معنی بھی سفیدی مائل نرم پتھر کے ہیں، بعد میں حضرت عتبہ نے بصرہ نام سے ہی اس مقام پر شہر کو آباد کیا، بہر حال یہ حضرات وہاں سے چل کر آگے بڑھے، اور دریائے دجلہ کے چھوٹے پل کے مقابل پڑاؤ ڈالا اور ان کا اتفاق ہو گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جس کی حفاظت اور تاکہ بندی کے لیے حضرت عمرؓ نے ہمیں روانہ کیا ہے، اس مقام پر پھر خراسان کا ایک لشکر آیا، ان کے ساتھ حضرت عتبہ اور ان کی فوج کا مقابلہ ہوا، بالآخر حضرت عتبہ بن غزوہ بن رضی اللہ عنہ کو فتح حاصل ہوئی اور اس علاقے کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا اور وہ ذمہ داری پوری نبھائی

(۱) الاصابة ۳/۲۳۳، رقم الترجمة: ۵۴۲۷، تکملة فتح الملہم ۲/۲۲۶، کتاب الزہد، باب رقم الحديث: ۷۳۹۲

جس کے لیے حضرت عمرؓ نے ان کو یہاں بھیجا تھا۔ (۱)

حضرت عتبہ بن غزو ان رضی اللہ عنہ کا ایک اہم خطاب

غراسانیوں کے ساتھ جنگ سے فارغ ہو کر حضرت عتبہ بن غزو ان کے لیے مخصوص مقام پر ایک منبر رکھا گیا، جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے ایک مختصر مگر نہایت جامع خطاب فرمایا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر اسے یہاں ذکر نہیں کیا، اس خطبہ میں چونکہ وعظ و نصیحت اور اصلاح سے متعلق ایک اہم پیغام ہے، اس لیے اس کے عربی الفاظ اور اس کا ترجمہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

”إِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَصَوَّرَتْ وَلَتْ جَدَاءً، وَلَمْ يَلِكْ مِنْهَا إِلَّا ضَبَابَةٌ كَضَبَابَةِ الْإِنَاءِ، أَلَا وَإِنَّكُمْ مُنْتَقِلُونَ مِنْهَا إِلَى دَارِ الْقُبُورِ، فَانْتَقِلُوا بِهَا بِخَيْرٍ مَا يَحْضُرُ بِكُمْ، وَقَدْ ذُكِرَ لِي: لَوْ أَنَّ صَخْرَةَ الْفَيْثِ مِنْ شِفِيرِ جَهَنَّمَ هَوَتْ سَبْعِينَ عَرِيفًا وَلَتَمَلَّنَتْهُ أَوْ عَجَبْتُمْ، وَقَدْ ذُكِرَ لِي: أَنَّ بَيْنَ مَضْرَاعَيْنِ مِنْ مَضَارِيعِ الْجَنَّةِ مَسِيرَةُ أَرْبَعِينَ عَامًا، وَلِيَأْتِيَنَّ عَلَيْهِ يَوْمٌ وَهُوَ كَطَلِيطٍ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي وَالِي لَسَابِغٍ سَبْعَةً“ (۲)

ترجمہ: دنیا ختم ہو رہی ہے، اور منہ پھیر کر جا رہی ہے، دنیا کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا جیسا کہ کسی برتن کا پانی ختم ہو جائے اور اخیر میں ذرا سا قطرہ اس میں رہ جائے، خوب سمجھ لو: تم لوگ اس دنیا سے ایک ایسے عالم کی طرف جا رہے ہو، جو ہمیشہ رہنے والا ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ تم لوگ بہترین ماحضر یعنی نیک اعمال کے ساتھ اس دنیا سے جاؤ، کیونکہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم اس قدر گہری ہے کہ اگر اس کے اوپر کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے تو ہتر برس تک وہ اس میں گرتا رہے گا، یہ ذہن میں رکھنا کہ انسانوں سے اس جگہ کو بھرا جائے گا، کس قدر عبرت کا مقام ہے اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازے کی چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے، اور ہر انسان پر ایک ایسا دن (یعنی قیامت کا دن) ضرور آئے گا جو انسانوں کے ہجوم سے کچا کچھ بھرا ہوگا، (ہر انسان کو اپنے حساب کی فکر ہوگی) اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

اس کے بعد والی حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کی مناسبت سے یہاں ذکر کی ہے، اس میں حضرت عتبہ بن غزو ان رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے آپ کی اور صحابہ کرام کی تنگدستی بتا رہے ہیں کہ ہمارے اوپر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ

(۱) جمع الو مسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۲۲، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۳۲)

(۲) تاریخ الامم والملوک للطبری ۳/۹۰، ذکر بناء البصرة، ط: القاهرة۔

ہمارے پاس کھانے کا کچھ بھی نہ ہوتا، ہم درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے، جس سے ہمارے جڑے اور باجھیں زخمی ہو گئی تھیں، مجھے ایک چادر مال غنیمت سے مل گئی تھی، اسے میں نے اپنے اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر لیا تھا، اللہ جل شانہ کی ذات بہت ہی کریم اور مہربان ہے، اللہ نے اس فقر و فاقہ اور تنگدستی کا اجر دنیا میں یوں عطا فرمایا ہے کہ ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی جگہ کا امیر نہ ہو، ہمارے یہ جماعت چونکہ بڑے کٹھن اور مشکلات حالات سے دو چار ہونے کے بعد امارت کے منصب پر فائز ہوئی ہے، اس لیے اس جماعت کا رویہ اپنے مانتوں کے ساتھ بہترین ہے، اس کا اندازہ تمہیں اس وقت ہوگا جب تم ہمارے بعد سلاطین اور بادشاہوں کا سلوک دیکھو گے، دونوں میں تمہیں زمین و آسمان کی طرح فرق نظر آئے گا۔ (۱)

اس تفصیل سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- ❶ ہر انسان نے موت کے بعد اللہ جل جلالہ کے سامنے حساب کے لیے پیش ہوتا ہے، لہذا اس دن کی تیاری ضرور کرنی چاہیے، ورنہ ایسی ذلت اور رسوائی ہوگی جس کی عطا فی کی بھی بظاہر کوئی صورت نہ ہوگی۔
- ❷ جب کوئی مسلمان اللہ کی رضا کی خاطر اسلام کے رستے میں تکلیف اور مشقت برداشت کرتا ہے تو بسا اوقات دنیا میں بھی اس کا کچھ بدلہ اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمادیتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أَخَفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يَخَافُ أَخَذَ، وَلَقَدْ أَوْذَيْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَخَذَ، وَلَقَدْ أَتَيْتُ عَلَى فَلَاكُونَ مِنْ بَنِي لَيْلٍ وَبَنِي قَوْمٍ، وَمَا لِي وَلِبَالٍ طَعَامٍ، يَا كَلْبَةَ ذُو كَبْدٍ، إِلَّا شَيْءٌ يُؤَارِيهِ يَبْطُلُ بِلَالٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ (کے دین کو ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے) کی راہ میں جس طرح مجھے خوف و دہشت میں مبتلی کیا گیا، ایسا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جس قدر مجھے اذیتیں پہنچائی گئیں، ان طرح کسی اور (نبی) کو نہیں ستایا گیا، اور بلاشبہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گزری ہیں، جن میں میرے اور بلال کے لیے کھانے کا ایسا کوئی سامان نہیں تھا، جس کو کوئی جگر والا (یعنی کوئی جانور) کھاتا ہے، سوائے اس معمولی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چھپا کر رکھتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- أَخَفْتُ: الاخافۃ سے ماضی محمول: مجھے ڈرایا گیا، دہشت میں ڈالا گیا، اَوْذَيْتُ: اذیت سے ماضی محمول: مجھے اذیت دی گئی، مجھے ستایا گیا، ذُو كَبْدٍ: جگر والا یعنی جاندار اور حیوان، یواریہ: اس چیز کو چھپا رکھا ہے، ابط: (ہمزے اور باء کے نیچے زیر) بغل۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۶/۲۔

(۲) سنن الترمذی، صفۃ القیامۃ، رقم الحدیث: ۲۴۷۴۔

نبی کریم ﷺ اور حضرت بلال کا فقر و فاقہ

مذکورہ حدیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ جل جلالہ کے راستے میں نبی کریم ﷺ کو جس قدر خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا اور جس قدر آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، اتنا کسی اور نبی کو نہیں آزمایا گیا، کیونکہ جو شخص جتنا اللہ کے ہاں قریب ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ اس پر تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہیں اور آپ ﷺ کو چونکہ اللہ کے ہاں انتہائی اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے، اس لیے آپ ﷺ پر اسی اعتبار سے طرح طرح کے امتحانات اور آزمائشیں آئیں، آپ ﷺ ان پر صبر فرماتے رہے، زبان مبارک پر بلکہ حاشیہ خیال میں بھی کبھی حرف شکوہ کا تصور تک نہیں آیا، کفار اور اللہ کے دین کے دشمن آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے اور ستانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کر گذرتے، لیکن رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعا تو کیا، خیر اور ہدایت کی دعا ہی جاری ہوتی، تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

۲۔ دعوت اسلام اور تبلیغ کی خاطر آپ ﷺ نے فقر و فاقہ اور تنگی بھی برداشت کی، چنانچہ مذکورہ حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے ایک سفر میں پورا مہینہ یوں گزارا کہ آپ ﷺ کے رفیق حضرت بلال کے پاس کھانے کی انتہائی معمولی مقدار تھی، جسے وہ بغل کے نیچے چھپا کر رکھتے تھے، کوئی برتن بھی نہیں تھا کہ اس میں وہ کھانا رکھ لیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی راہ میں اگر فقر و فاقہ پیش آجائے تو اس پر گمہ و شکوہ کے بجائے، صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے، ان ایام کو اپنے اوپر عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، اس لحاظ سے یہ وقت بھی ایک طرح سے عبادت میں گذرنے والا ہو جائے گا۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی کے ابواب صفۃ القیامۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ہجرت کا واقعہ مراد نہیں کیونکہ ہجرت کے موقع پر حضرت بلال آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ اس سے کوئی اور واقعہ مراد ہے کہ جس میں آپ ﷺ اور حضرت بلال کفار کی تکلیفوں سے تنگ آ کر ایک ماہ کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے غالباً سفر طائف مراد ہے کہ آپ ﷺ ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تھے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سفر طائف میں تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ کا ذکر آتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ طائف کی طرف آپ ﷺ کے سفر کئی مرتبہ ہوئے ہوں، اور کسی سفر میں حضرت بلال اور حضرت زید بن حارثہ دونوں ہی آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہے ہوں۔ (۱)

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے شعب ابی طالب کا واقعہ مراد ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کو قریش کے ساتھ محصور کر

دیا گیا تھا، اس وقت کھانے پینے کی کوئی خاص چیز آپ ﷺ کے پاس نہیں تھی، بس معمولی سی مقدار میں کچھ تھا، جسے حضرت بلال اپنی بغل میں چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَخْمِجْ عِنْدَهُ طَعَامًا وَلَا عَشَاءً مِنْ خَبْزٍ وَلَحْمٍ إِلَّا عَلَى صَفْفٍ. قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: قَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ كَقَوْلِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے ہاں صبح اور شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں کبھی جمع نہیں ہوئیں، مگر لوگوں کے ساتھ اجتماعی شکل میں آپ ﷺ تناول فرماتے تو دونوں چیزیں جمع ہو جاتیں، حدیث کے راوی عبداللہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ صف ہاتھوں کا زیادہ ہونا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دسترخوان پر روٹی اور گوشت جمع نہ ہوتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ جب تنہا ہوتے تو جو چیز میسر ہو جاتی، آپ ﷺ اسے تناول فرما لیتے، خواہ خالی روٹی ہو یا صرف گوشت ہو، تنگ دستی کی وجہ سے بیک وقت دونوں چیزیں عموماً آپ ﷺ کے دسترخوان پر جمع نہیں ہوتی تھیں، مگر حالت صف میں یعنی جب مہمان ہوتے تو پھر آپ ﷺ مہمان کے اکرام کی وجہ سے اہتمام فرماتے کہ گوشت اور روٹی دونوں چیزوں کو مہیا کیا جائے، یوں اجتماعی شکل میں کھانے کی صورت میں آپ ﷺ کے دسترخوان پر روٹی اور گوشت دونوں جمع ہو جاتے تھے، اور آپ ﷺ بھی تناول فرما لیتے تھے۔ (۲)

عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَّاسٍ الْهَذَلِيِّ قَالَ: كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ لَنَا جَلِيسًا، وَكَانَ نِعَمَ الْجَلِيسِ، وَإِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى إِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ: دَخَلَ فَأَغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَأَتَيْنَا بِصُخْفَةٍ فِيهَا خَبْزٌ وَلَحْمٌ، فَلَمَّا وَضِعَتْ بِنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، مَا يَكِيكَ؟ فَقَالَ: هَلْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبِعْ هُوَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خَبْزِ الشَّعِيرِ فَلَا أَرَا أَنَا أَنْخِزَ نَالِمًا هُوَ خَيْرٌ لَنَا.

ترجمہ: نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ہمارے ہم نشین تھے، اور واقعی وہ بہترین ہم نشین تھے، ایک دن وہ ہمارے ساتھ ایک جگہ سے لوٹے، یہاں تک کہ ہم ان کے گھر آ گئے، وہ گھر میں داخل ہوئے، پھر غسل کیا اور باہر تشریف لائے، اور ہمارے پاس ایک بڑی پلیٹ لائی گئی، جس میں روٹی اور گوشت تھا، جب اس پلیٹ کو رکھ دیا گیا، تو عبدالرحمن رو پڑے، میں نے ان سے پوچھا: اے ابو محمد! کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا: نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ اور

(۱) حاشیۃ الشمائل للمحمدیۃ (ص: ۷۰) باب ما جاء فی عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تعلیق: عزت عبد، ط: بیروت۔

(۲) اللوالب اللدنیۃ علی الشمائل للمحمدیۃ (ص: ۱۳۷)

آپ ﷺ کے اہل خانہ کبھی (دودن مسلسل) جو کی روٹی سے سیراب نہیں ہوئے تھے، لہذا میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں جس حالت (یعنی مالی وسعت) پر باقی رکھا گیا، وہ ہمارے لیے بہتر ہے (بلکہ وہی تنگدستی کی حالت بہتر تھی جس پر نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- نعم الجلیس: بہترین ہم نشین، القلب بنا: حضرت عبدالرحمن ہمارے ساتھ لوٹے، اکتینا: (میضہ مجہول) ہمارے پاس لائی گئی، صحفہ: بڑا برتن، پلیٹ، فلما وضعت: (میضہ مجہول) جب اس پلیٹ کو رکھ دیا گیا، فلا ارانا ہی فلا اظن ایانا: لہذا میں نہیں سمجھتا، میرا خیال نہیں، اخونا: (میضہ مجہول) ہمیں باقی رکھا گیا، لہما هو: اس حالت کی طرف یعنی مالی وسعت والی حالت۔

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے کبھی جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی

مذکورہ حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ ہم کسی مقام پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع ہوئے، وہاں سے فارغ ہو کر ہمیں حضرت عبدالرحمن اپنے گھر لے گئے، ان کے غلام نے ہمارے لیے بڑی پلیٹ لائی، جس میں روٹی اور گوشت تھا، حضرت عبدالرحمن غسل کر کے ہمارے پاس تشریف لائے تو کھانے کو دیکھ کر رونے لگے، ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے کبھی دودن مسلسل جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا، اس تنگدستی کی حالت میں نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور آج ہم مالی وسعت اور خوشحالی میں ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی والی حالت بہتر نہیں ہے، بلکہ کامل حالت وہی ہے جس پر نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں یعنی فقر و فاقہ والی حالت بہتر ہے۔

۲۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے سامنے جب نعمتوں کی فراوانی ہوتی تو وہ پریشان ہو جاتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کا بدلہ دنیا میں ہی مل رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَذْهَبْتُكُمْ ظَنَابَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ الدُّنْيَا۔ (ترجمہ: تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں) اسی فکر کی وجہ سے حضرت عبدالرحمن کھانے کو دیکھ کر رو پڑے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کا فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت اختیازی تھی، اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو خوشحالی کی پیش کش فرمائی تو آپ ﷺ نے غناء و مال داری کے بجائے فقر و تنگدستی کی حالت کو اختیار فرمایا۔ (۱)

بَاب: مَا جَاءَ فِي سِنِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی عمر کا بیان ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يَوْحَىٰ إِلَيْهِ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتُوفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (نبوت کے بعد) تیرہ سال مکہ مکرمہ میں ٹھہرے، ان میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی، (اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی) اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا، اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت آپ ﷺ تریسٹھ برس کے تھے۔

عَنْ جَزِيرٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَخُطُّبُ قَالَ: مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ. (۲)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو خطاب کرتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ، ابو بکر اور عمر کی وفات تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی، اور میں بھی (اس وقت) تریسٹھ برس کا ہوں۔

عَنْ عَالِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: تُوفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسِينَ وَسِتِّينَ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

عَنْ دَعْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسِينَ وَسِتِّينَ. قَالَ أَبُو عِيْسَى: وَدَعْفَلٌ لَا تَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَاءَ.

ترجمہ: حضرت دَعْفَل بن حَنْظَلہ سدوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے وقت پینسٹھ سال عمر تھی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ دَعْفَل حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود تھے اور بڑی عمر کے تھے مگر ہم ان کا سماع رسول اللہ ﷺ سے نہیں جانتے۔

(۱) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحديث: ۳۶۲۵۔

(۲) الصحيح لمسلم، کتاب الفضائل، باب کم اقام النبی ﷺ بمکة والمدینة، رقم الحديث: ۲۳۵۲۔

(۳) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحديث: ۳۶۵۲۔

عَنْ رِبْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْأَقْدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ لِي رَأْسُهُ وَلِخَيِّتِهِ عَشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ بہت کوتاہ قد (بلکہ درمیانے قد کے تھے) اور آپ ﷺ رنگ کے لحاظ نہ تو (چونے کی طرح) بالکل سفید تھے اور نہ بالکل گندی رنگ کے (کہ سانولہ پن آجائے بلکہ آپ ﷺ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور پر نور تھے) اور آپ ﷺ کے سر کے بال نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنا کر بھیجا، (نبوت کے بعد) دس سال آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا (کسر کو ترک کر دیا) اور (ہجرت کے بعد) دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اور ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو قبض کر لیا، وفات کے وقت آپ ﷺ کے سر اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک میں بیس بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- من رسول اللہ ﷺ: رسول اللہ ﷺ کی عمر، اس کی مدت اور مقدار، الطویل البائن: واضح لمبے، بہت لمبے، القصیر: ٹھکانا، بہت چھوٹے قد والا، الأمهق: بہت زیادہ سفید جوانان کو برا محسوس ہو جیسے چونا، ادم: گندم گوں، گندی رنگ کے، سانولے رنگ والا، الجعد: (جیم پر زبر اور عین ساکن): گھنگھریالے بالوں والا، القطط: (قاف اور ط پر زبر) اس کے اصل معنی تو چھوٹے گھنگھریالے بال کے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں چونکہ یہ ”جعد“ کی صفت ہے، اس لیے اس سے مبالغہ کے معنی مراد ہیں، لہذا الجعد القطط کے معنی ہیں: بہت سخت گھنگھریالے بال، السبط: (سین پر زبر اور باء پر سکون اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں) سیدھے بالوں والا، جن میں گھنگھریالہ پن نہ ہو، توفاه اللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو قبض کیا، وفات ہو گئی، شعرة ببيضاء: سفید بال۔

وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک وفات کے وقت کتنی تھی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین قسم کی روایات ذکر کی ہیں، ایک میں ساٹھ سال، دوسری میں تریسٹھ سال اور تیسری حدیث میں پینسٹھ سال کا ذکر ہے، ان روایات میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے، اسی کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے، مگر عرب چونکہ کسر کو چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے حضرت انسؓ نے ساٹھ سال عمر بیان کی اور آپ ﷺ کی ولادت اور آپ ﷺ کی وفات رجب الاول میں پیر کے دن ہوئی، ان دونوں ناقص

سالوں کو مکمل شمار کر لیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینسٹھ سال ہوگی، اس لحاظ سے ان تینوں روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔

۲۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروقؓ کی طبعی عمر بھی تریسٹھ سال ہی تھی، حضرت معاویہ کی عمر مبارک جب تریسٹھ برس کی ہوئی تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ اللہ کرے میری عمر بھی تریسٹھ برس ہی ہو، مگر ایسا نہ ہوا، ان کی عمر وفات کے وقت اسی (۸۰) سال یا اس سے زیادہ تھی۔ (۱)

نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت

اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دس سال رہا مگر نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ رہا، اس میں دو طرح کی روایات منقول ہیں، جنہیں امام ترمذی نے مذکورہ باب میں ذکر کیا ہے، ابن عباس کی روایت میں تیرہ سال کی مدت کا ذکر ہے، جبکہ حضرت انسؓ کی روایت میں قیام کی مدت دس سال ہے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایتوں میں تعارض سا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے، جسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ذکر کیا ہے، یعنی نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں تیرہ برس رہا، اور جن روایات میں دس سال کا تذکرہ ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے زمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں دس سال رہا، فترت وحی کا زمانہ تین سال ہے، اس دوران عارضی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا تھا، پھر تین سال کے بعد دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا، اسی بات کو بعض حضرات نے یوں تعبیر کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں باقاعدہ نبوت عطا کی گئی اور پھر تین سال کے بعد رسالت عنایت فرمائی گئی، رسالت ملنے کے بعد دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہے، لہذا حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت میں ان تین سالوں کا تذکرہ نہیں، جو زمانہ نبوت اور رسالت کے درمیان تھے، ان کو ”فترت وحی“ کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ عربی میں عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا، صرف دہائی کو ذکر کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت میں دونوں جگہ صرف دہائیاں ذکر کی گئی ہیں، کسر کو ذکر نہیں کیا گیا، تیرہ سال کے بجائے دس سال اور تیرسٹھ سال کے بجائے ساٹھ سال کو بیان کیا گیا ہے، لیکن مراد تیرہ سال اور تریسٹھ سال ہی ہیں۔

۳۔ جمہور کے نزدیک وہ تمام روایات راجح ہیں، جن میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کے قیام کا ذکر ہے، اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عمر مبارک تریسٹھ سال مذکور ہے، کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔ (۱)
اس بارے میں مزید تفصیل شمائل ترمذی کی بالکل پہلی حدیث کی شرح کے تحت مذکور ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کے قد و قامت، رنگ اور بالوں کی کیفیت

حضرت انسؓ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے قد و قامت، رنگ اور آپ ﷺ کے بالوں کی صفت کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

✽ آپ ﷺ کا قدم مبارک نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا، بلکہ آپ ﷺ کا قدم درمیانہ تھا، مگر لمبائی کی طرف ذرا اٹل تھا، اس کے باوجود لوگوں کے مجمع میں آپ ﷺ کا قدم جزا انداز سے نمایاں محسوس ہوتا تھا۔

✽ آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا اور گندی بھی، ایسا سفید نہیں تھا کہ جو انسان کو برا لگے جیسے چوئے، اولے اور دودھ کی سفیدی آنکھوں کو ثقیل محسوس ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کا رنگ انتہائی زیادہ گندی نہیں تھا بلکہ ایسا گندی تھا، جس کو سرخ سفید کہا جاتا ہے۔

✽ آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال نہ تو اتنے زیادہ، چھدار، ٹیڑھے اور گھونگھریالے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں اور نہ بالکل پھیلے ہوئے اور سیدھے تھے بلکہ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کے تھے، جو حسن و جمال کے اعلیٰ شاہکار تھے۔ (۲)

باب: مَا جَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا بیان ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَخِرَ نَظْرَةً نَظَرْتُهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ السِّتَارَةَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، فَتَنَظَّرْتُ إِلَى وَجْهِهِ كَأَنَّهُ وَرَقَةٌ مُضْجَفٌ وَالنَّاسُ يَصْلُونَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، لَكَادَ النَّاسُ أَنْ يَضْطَرُّوا، فَأَشَارَ إِلَى النَّاسِ أَنْ يَتَوَضَّعُوا، وَأَبُو بَكْرٍ يُؤْمَهُمْ وَالْقَى السَّجْفَ، وَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آخری دیدار جس میں رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا: وہ (مرض الوفات میں) پیر کا دن تھا جس میں (فجر کی نماز میں) آپ ﷺ نے (اپنے حجرے کا) پردہ ہٹایا، تو میں نے آپ

(۱) فتح الباری ۱۹۰/۸ کتاب المغازی، باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۴۴۶۵ تکملة فتح للملہم ۵۶۷/۳

کتاب الفضائل، باب فی صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۶۰۴۳، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۳/۱، ۱۵۔

(۲) مرآة المفاتیح ۴۶۲/۱۰، کتاب الفضائل، باب أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاته، رقم الحدیث: ۵۷۸۲۔

ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا (جواس طرح صاف سحر اور چمک والا تھا) گویا کہ وہ قرآن مجید کا ایک پاک صاف ورق ہے، لوگ اس وقت صدیق اکبر کی اقتداء میں (صبح کی) نماز پڑھ رہے تھے، قریب تھا کہ صحابہ کرام اپنی جگہوں سے ہٹنے لگتے (کہ شاید آپ ﷺ تشریف لارہے ہیں) اس لیے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ثابت قدم رہیں (یعنی اپنی جگہ کھڑے رہیں) اور ابو بکر ان کی امامت کر رہے تھے، اور پھر آپ ﷺ نے پردہ ڈال دیا، اور اسی دن کے آخر میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- آخر نظرہ: آخری دیدار، آخری بار دیکھنا، کشف: آپ ﷺ نے ہٹایا، کھول دیا، الستارہ: (سین کے نیچے زیر) پردہ، کأنه: گویا کہ آپ ﷺ کا چہرہ، ورقہ مصحف: قرآن کا ایک ورق ہے، بضطربوا: صحابہ کرام ہٹنے لگے، اپنی جگہ سے ہٹنے لگتے، ان البسوا: کہ تم جیسے رہو، ثابت قدم رہو، اپنی جگہ پر کھڑے رہو، القی: ڈال دیا، السجف: (سین پر زبر اور زیر اور جیم ساکن) درمیان سے کٹا ہوا پردہ کہ ضرورت کے وقت آدھا پردہ اٹھایا جاسکے، دوٹپے ہوئے پردے، کشف الستارہ کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ ظرف کی وجہ سے یہ منصوب ہے اصل عبارت یوں ہے: خین کشف الستارہ۔ ۲۔ یہ مرفوع ہے اور آخر نظرہ کی خبر ہے، ۳۔ کشف صیغہ ماضی ہے اور اس کی ”هو“ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات

وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اس کا آغاز سردرد سے ہوا، اس روز نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کے مکان میں تھے، اس کے بعد حضرت میمونہ کی باری کے دن میں بیماری میں شدت پیدا ہوگئی، جب بیماری زیادہ ہونے لگی تو نبی کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق تمام ازواج نے حضرت عائشہ کے مکان پر بیماری کے دن گزارنے کو اختیار کر لیا تھا، یہ بیماری بارہ یا چودہ دن رہی، چنانچہ حضرت عائشہ کے مکان پر بھی بالآخر وہ وقت آگیا کہ جس میں آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے، وہ دن بھر تھا اور چاشت کے وقت آپ ﷺ کا انتقال ہوا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انتقال ربیع الاول میں پیر کے دن ہوا، لیکن ربیع الاول کی تاریخ کیا

تھی؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

✽ اکثر مورخین کے نزدیک انتقال کی تاریخ بارہ ربیع الاول ۱۱ ہجری ہے، یہی مشہور قول چلا آ رہا ہے، مگر اس میں ایک نہایت مضبوط اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ سن ۱۰ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے جو حجۃ الوداع فرمایا، اس میں نو ذی الحجہ بروز جمعہ تھا، میدان عرفات میں آپ ﷺ جمعہ کے دن تشریف فرما تھے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں، تمام محدثین اور اہل تاریخ کا اتفاق ہے، اس کے بعد ذوالحجہ، محرم اور صفر یہ تینوں مہینے خواہ ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے، یا ان میں سے بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰

دن کے ہوں، غرض یہ کہ کسی بھی حساب سے بارہ ربیع الاول میرے دن نہیں جتا، اس وجہ سے اس مشہور قول پر یہ اشکال ہوتا ہے۔
بعض محدثین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا انتقال میرے دن ربیع الاول کی دو تاریخ میں ہوا ہے، اس قول کو اختیار کیا جائے تو پھر مذکورہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ میرے دن صبح کی نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کو پڑھا رہے تھے، اس وقت نبی کریم ﷺ نے اپنے کمرے کا پردہ ہٹا کر دیکھا، لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید نبی کریم ﷺ باہر تشریف لارہے ہیں، اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، اضطرابی کیفیت دیکھ کر آپ ﷺ نے ان کو اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر ہی کھڑے رہو، پھر آپ ﷺ نے پردہ ڈال دیا۔
- ۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میری نظر نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر پڑی، وہ یوں روشن اور صاف تھا جیسے قرآن مجید کا ورق صاف اور پاک ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ میرا آخری دیدار تھا، جو میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا۔
- ۳۔ گھر کے دروازوں پر پردے کی غرض سے پردے لٹکانا جائز ہے۔
- ۴۔ اس سے حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات میں ہی آپ ﷺ کے حکم پر لوگوں کی امامت کر رہے ہیں۔

۵۔ وَتُوفِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ نبی کریم ﷺ کی وفات اس دن یعنی پیر کے آخر میں ہوئی، اس "آخر" سے کیا مراد ہے، حالانکہ آپ ﷺ کی وفات تو چاشت کے وقت ہوئی تھی؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

✽ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ "آخر" سے مراد یہ ہے کہ زوال کے وقت کے بالکل قریب آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اور زوال سے چونکہ دن کا دوسرا حصہ شروع ہو جاتا ہے، اس لیے اس حدیث میں من آخر ذلك اليوم کہا گیا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات زوال کے وقت ہوئی۔ (۲)

✽ میرک فرماتے ہیں کہ وفات گو کہ چاشت کے وقت ہوئی مگر لوگوں کو اس روح فرسا واقعہ کی عمومی اطلاع اور قیمتی خبر دن کے آخری حصے میں ہوئی، اس لیے اس حدیث میں "من آخر ذلك اليوم" کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۳)

(۱) فتح الباری ۱۹۰/۸، کتاب للغازی، باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۴۴۶۲، جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۲۵۲/۲، سیرت الصطفی ۸۷۳، تاریخ وفات

(۲) فتح الباری ۱۸۱/۸، کتاب للغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته، رقم الحدیث: ۴۴۴۸۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشیائل مع شرح المناوی ۲۵۶/۲۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفا

اللہ جل جلالہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جو کام لگایا تھا، اس کے مکمل ہونے اور جو شریعت اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی، اس کی تکمیل کے بعد اب وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیں، اس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں یوں کیا گیا: اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا) اور جب یہ آیت نازل ہوئی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ (ترجمہ: تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو) اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ تھا، تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے استغفار میں مشغول رہتے تھے، ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے لیکن اس سال میں دن اعتکاف میں بیٹھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کے دور کا ہر رمضان میں ایک مرتبہ کا معمول تھا، اس سال دوسرے دور فرمایا، یہ تمام وہ قرآن اور علامات تھیں، جن سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دار فانی سے جانے کا وقت قریب ہے۔

ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، جنت البقیع تشریف لے گئے، اور اہل بقیع کے لیے دعا و استغفار کرنے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو طبیعت ناساز ہو گئی، سر میں درد کی شکایت ہوئی، یوں مرض الوفا کا آغاز ہو گیا، یہ بیماری تقریباً چودہ دن رہی، اس بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ کو سر درد کی شکایت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر فریاد کرنے لگیں: وَاَرْأَسَاهُ مِثْرًا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبَلْ اَنَا قَوْلٌ: وَاَرْأَسَاهُ یعنی مجھے کہنا چاہیے تھا: ”ہائے میرا سر“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: عائشہؓ! اگر تم مجھ سے پہلے مر گئی تو کوئی فکر کی بات نہیں، میں تمہارے کفن و دفن کا انتظام کروں گا، نماز جنازہ پڑھا کر تمہارے لیے دعا و مغفرت کروں گا، حضرت عائشہؓ نے بطور ناز فرمایا: ”ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو میری موت ہی چاہتے ہیں، اگر میں چلی گئی تو اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہی گھر میں کسی دوسری زوجہ کے ساتھ آرام کر رہے ہوں گے“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر تبسم فرمایا، حضرت عائشہؓ کو کیا خبر تھی کہ چند دنوں کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما کر انہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بدھ کے دن شروع ہوئی، اور بیماری کے ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کی فرض سے تشریف لاتے رہے، جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی کے سات مشکیزے لائے جائیں، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، جس سے قدرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہوا، نماز ظہر پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، یہ رسول اللہ

ﷺ کا آخری خطبہ تھا، اس خطبہ میں آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کے فضائل و مناقب بیان فرمائے، حضرات انصار سے نرم برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی، اور فرمایا کہ گذشتہ قوموں نے اپنے انبیاء و اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا، دیکھو کہیں تم لوگ ایسی حرکت نہ کرنا، فرمایا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہیں، وہ سب بند کر دیئے جائیں، صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے، آپ ﷺ نے اشارہ اپنی وفات کے وقت کے قریب آنے کا بھی ذکر کیا، جسے حضرت صدیق اکبر سمجھ گئے اور رونے لگے، حضور اکرم ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اپنے نبی کی جدائی اور موت سے بہت ہراساں اور خوفزدہ ہیں، حالانکہ یہاں کسی کو دوام نہیں، صحابہ کرام کو نصیحتیں فرمانے کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے۔

جمعرات کے دن عصر کی نماز میں بھی آپ ﷺ مسجد تشریف لائے، مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی، عشاء کے وقت آپ ﷺ پر غشی طاری رہی اور فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، چنانچہ عشاء کی نماز صدیق اکبر نے پڑھائی، اس کے بعد حضرت صدیق اکبر ہی نمازیں پڑھاتے رہے، آپ ﷺ کی مسجد کی طرف آمد موقوف ہو گئی، البتہ ہفتہ یا اتوار کو آپ ﷺ کی طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا، تو آپ ﷺ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت صدیق اکبر نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے، حضرت صدیق اکبرؓ پیچھے بیٹھے لگے تو آپ ﷺ نے اشارے سے روکا اور ان کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی، اب آپ ﷺ امام تھے اور صدیق اکبرؓ آپ ﷺ کی اقتداء کرنے لگے، باقی نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی تکبیروں پر نماز ادا کرتے رہے، یہ ظہر کی نماز تھی۔

ظہر کی یہ امامت حضور اکرم ﷺ کی آخری امامت تھی، لیکن ظہر کی نماز کی پوری امامت آپ ﷺ نے نہیں کرائی تھی، نماز کے ابتدائی حصہ کی امامت حضرت صدیق اکبرؓ نے کرائی تھی، پوری امامت آپ ﷺ نے جمعرات کے دن مغرب کی نماز کی کرائی تھی۔

اتوار کے دن مرض میں شدت ہوئی، لوگوں نے آپ ﷺ کو ذات الجنب یعنی غصنیہ کی دوا پلانا چاہی، مگر آپ ﷺ کو وہ دوا پینا ناگوار تھا، اس لیے آپ ﷺ نے انکار فرمایا، مریض عام طور پر چونکہ دوا کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے صحابہ کرام نے سمجھا کہ یہ طبعی ناگواری ہے لہذا انہوں نے زبردستی دوا پلا دی، بعد میں جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا؟ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کو دوا پلائی جائے جو اس عمل میں شریک تھے، سوائے عباسؓ کے کہ وہ اس عمل میں شریک نہ تھے، صحابہ کرام کو آپ ﷺ نے اس لیے سزا دلوائی تاکہ وہ حضرات نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے آخرت میں پکڑے نہ جائیں۔

جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا یعنی صبح کے روز، صبح کے وقت آپ ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ صدیق اکبر کی اقتداء میں نماز فجر میں مشغول تھے، لوگوں کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے، چہرہ انور چمکنے لگا، ادھر صحابہ کرام فرط مسرت

سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز توڑ ڈالیں، آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو اور حجرے کا پردہ ڈال کر واپس تشریف لے گئے، یہ صحابہ کرامؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی عام زیارت کا سب سے آخری موقع تھا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سب سے پہلے یہی حدیث ذکر کی ہے۔

پھر کے دن صبح آپ ﷺ کی طبیعت پر سکون تھی، حضرت صدیق اکبرؓ صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، طبیعت میں افاقہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ کے فضل و کرم سے آج آپ ﷺ کی حالت قدرے بہتر ہے، اگر اجازت ہو تو میں اپنی (دوسری) بیوی حبیبہ بنت خارجہ کے پاس سے ہواؤں کہ آج اس کی باری کا دن ہے، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ عوالی مدینہ تشریف لے گئے، جہاں ان کی بیوی مقام خ میں رہائش پذیر تھی، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

دوسرے صحابہؓ نے بھی آکر حضرت علیؓ سے حال دریافت کیا، حضرت علیؓ نے بتایا کہ آج آپ ﷺ کی طبیعت میں الحمد للہ افاقہ ہے، صحابہ ان کی بات سن کر مطمئن ہو کر چلے گئے، لیکن دن چڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر غشی طاری ہونا شروع ہوئی، اور وقفہ وقفہ سے غشی طاری ہوتی رہی۔

حضرت فاطمہ یہ کیفیت دیکھ کر بولیں: ”واکرب اباء“ ہائے میرے ابو کی بے چینی، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ابا کے لیے آج کے بعد کوئی بے چینی نہ ہوگی، یہ حدیث بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کی ہے۔

وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے، حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، عبدالرحمن کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ ﷺ مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھنے لگے، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کیا، پھر آپ ﷺ کو دیا، آپ ﷺ نے تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔

جوں جوں وفات کا وقت قریب آرہا تھا، آپ ﷺ کی تکلیف اسی قدر بڑھ رہی تھی، پاس ہی پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، دروے بے تاب ہو کر آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈالتے، اور چہرہ انور پر پھیرتے اور یہ فرماتے جاتے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِرَأْيِ الْمُتَوَكِّلِينَ“ بے شک موت کی سختیاں ہیں، اتنے میں ہاتھ اٹھا کر حجت کی طرف دیکھ کر فرمایا: اللَّهُمَّ فِی الرَّفِیقِ الْأَعْلٰی، بس ہاتھ مبارک نیچے گرا اور روح مبارک عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ مُنْبِذَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى صُدْرِي - أَوْ قَالَتْ: إِلَى جُجْرِي - فَنَدَعَا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمال ۲/۲۵۲ باب ما جاء فی وفاة رسول اللہ ﷺ، الخصائص الکبریٰ للسیوطی ۲/۲۶۹ ذکر ما وقع عند وفاته ﷺ من المعجزات والخصائص، البداية والنهاية ۵/۲۵۴ فصل فی ذکر الوقت الذی توفی فیہ رسول اللہ ﷺ، سیرت مصطفیٰ ۲۲/۳ سفر آخرت کی تیاری۔

بَطْنُ سَبْتِ الْبَنُو لِيُوْءِ، ثُمَّ بَالٍ، فَمَاتَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ سے یا فرمایا: اپنی گود سے سہارا دے رکھا تھا، اسنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طشت یعنی برتن منگوا یا تاکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کریں، (برتن آگیا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مسندہ: سہارا دے رکھا تھا، سہارا دیئے ہوئے تھی، الی حجری: (خاک کے نیچے زیر اور جیم ساکن) اپنی گود کے ساتھ، طست: یہ لفظ اصل میں طسن (سین کی تشدید کے ساتھ) ہے، ایک سین کو تاسے بدل دیا گیا، طشت، برتن جس میں پیشاب کیا جاتا تھا، فیہ: اس برتن میں۔

وفات کے وقت سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا

مذکورہ حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ یا اپنی گود سے سہارا دے رکھا تھا، اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ہنسی اور تھوڑی کے درمیان تھے، ان تمام روایات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیک اور سہارا دیا ہوا تھا۔

یہاں ایک سوال ہے کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا، جبکہ ترمذی کی اس روایت اور بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک تھا، بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے، شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، اور حاکم کی روایت جس میں حضرت علیؓ کی گود میں سر رکھنے کا ذکر ہے، وہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔

✽ اور اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یوں ہوگی کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت علیؓ کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک تھا، اور پھر حضرت عائشہؓ کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک رکھ لیا تھا، اسی حالت میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، لہذا دونوں طرح کی روایات اپنے اپنے موقع و محل کے لحاظ سے درست ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

(۱) فتح الباری ۱/۶۶۸، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته، رقم الحدیث: ۴۴۳۸۔

۲۔ وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ضعف اور کمزوری ہو گئی تھی، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کے لیے ایک برتن منگایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں اس میں پیشاب کیا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

۳۔ اس روایت سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

✽ مریض نکرے میں برتن کے اندر پیشاب کر سکتا ہے۔

✽ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ضرورت کے وقت ٹیک لگا سکتا ہے۔

✽ بیوی کی موجودگی میں شوہر پیشاب کر سکتا ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَجَنَّةُ قَدْخَ فِيهِ مَاءٌ، وَهُوَ يَدْخُلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالمَاءِ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اجْنِبْنِي مُنْكَرَاتِ- أَوْ قَالَ عَلَى مَسْكَرَاتِ- الْمَوْتِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں پانی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک پیالے میں ڈالتے اور اپنے چہرے پر گیلتا تھا پھر تھمتھے، اور فرماتے: اے اللہ! موت کی برائیوں پر یا فرمایا: موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَا أَغْبُطُ أَحَدًا يَهْزِنُ مَوْتُ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ حِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں کسی پر موت کی آسانی کی وجہ سے رشک نہیں کرتی، جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت سختی دیکھی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- القدح: (قاف پر زبر اور دال ساکن) پیالہ، اُعْنَى: میری مدد فرما، منکرات: (میم پر پیش، نون ساکن اور کاف پر زبر) منکرۃ کی جمع ہے: برائیاں، برے اعمال، مسکرات: مسکرة کی جمع ہے: سختیاں، لا اغبط: میں رشک نہیں کرتی، ہون: آسانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی سختی دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کیا کہا؟

مذکورہ احادیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح للناوی ۲/۵۷۷

(۲) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۹۷۸

(۳) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۹۷۹

۱۔ وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ کا مرض بہت شدید ہو گیا تھا، اس کی وجہ سے غنودگی اور بے ہوشی سی طاری ہو جاتی تھی، آپ ﷺ اس کیفیت کو ختم کرنے کے لیے پانی کے پیالہ میں بار بار ہاتھ ڈال کر گیلا کرتے اور پھر اسے اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تو کچھ آفاقہ ہو جاتا، بے ہوشی کی اس حالت کو وہاں پر موجود صحابہ کرام نے دیکھا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے منہ مبارک میں دوا ڈالنا چاہی مگر آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا، اس کے باوجود مرض کی شدت دیکھ کر انہوں نے وہ دوا آپ ﷺ کو پلا دی، یہ واقعہ مرض الوفات کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مرض الوفات میں ہو، اور اسے موت کی سختیوں کا سامنا ہو تو اس سنت پر اسے عمل کرنا چاہیے، وہ خود پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرے یا اس کا کوئی رشتہ دار ایسا کر دے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے وقت ایسا کرنے سے طبیعت کو فرحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ ہر انسان کو موت کے کٹھن مرحلے سے ضرور گزرنا ہے، اور اس کی سختیوں سے بھی اس نے دو چار ہونا ہے، نیک آدمی کے لیے سکرات اور موت کی سختیاں گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں، اور انبیاء پر چونکہ سب سے زیادہ آزمائشیں آتی ہیں، اس لیے موت کی سختیوں سے ان کے بھی درجات بلند ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ہمارے نبی کریم ﷺ پر بھی کچھ موت کی سختیاں آئیں، مقصد اس سے آپ ﷺ کے درجات کی بلندی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ اس حالت میں بھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ رہے اور یہ دعا مانگ رہے تھے: **اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى شُكْرَاتِ الْعَمَلِ أَوْ قَالَ عَلَى مُشْكِرَاتِ الْعَمَلِ** اے اللہ موت کی سختیوں پر میری مدد و نصرت فرما، اور ایک حدیث مرسل میں یہ دعا منقول ہے: **اللَّهُمَّ أَنْتَ تَأْخُذُ الرُّوحَ مِنْ بَيْنِ الْعَصَبِ وَالْأَنَامِلِ فَأَعِنِّي عَلَيْهِ وَهُوَ ثَقُلَ عَلَيَّ** (اے اللہ آپ پٹھوں اور پوروں سے روح نکالتے ہیں، لہذا اس پر میری مدد فرما اور اسے مجھ پر آسان فرما دے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کی موت قریب ہو تو سنٹ یہ ہے کہ انسان اللہ جل شانہ سے موت کی آسانی اور معافی کی دعا مانگتا رہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے موت کے وقت نبی کریم ﷺ کی بے چینی اور سختیاں دیکھیں تو اس وقت سے اب مجھے کسی کی موت کی آسانی دیکھ کر رشک نہیں آتا، کیونکہ عموماً تصور یہ ہوتا ہے کہ موت کی سختی اس شخص پر آتی ہے جو گنہگار ہو، اور سرکارِ دو عالم ﷺ تو گناہوں سے معصوم اور پاک صاف ہیں، مگر آپ ﷺ کو بھی موت کی سختیوں سے سامنا کرنا پڑا تو پھر اور لوگوں کا کیا کہنا، مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کا موت کے وقت سختی سے دو چار ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے اور کسی کی موت کے وقت آسانی اور نرمی یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے ہاں محترم و مکرم ہے، پس یہ اللہ جل شانہ کی اپنی حکمت اور مصلحت ہے کہ موت کے وقت کسی کو موت کی سختیوں سے گزارتے ہیں اور کسی کو نہیں، مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں نیک اعمال کرتا رہے اور موت کے وقت اللہ جل شانہ سے اچھا گمان رکھے تو ان شاء اللہ وہ کامیاب ہو

جائے گا۔ (۱)

اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں

دلائل النبوة میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے، اس میں ہے: جب نبی کریم ﷺ کی وفات سے تین دن باقی تھے، تو ان تین دنوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی عیادت کے لیے آتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آپ ﷺ کی حالت پوچھ کر آؤں حالانکہ اللہ جل شانہ سب کچھ جانتے ہیں۔

تیسرے دن حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ دروازے پر موت کا فرشتہ کھڑا ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے، اس نے آج سے پہلے کسی سے اجازت نہیں لی اور نہ ہی آئندہ کسی سے اجازت ملے گا، آپ ﷺ نے اسے اجازت دی تو وہ اندر آ گیا، آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ آپ ﷺ کی روح قبض کر لوں یا چھوڑ دوں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا مہدی! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَشْتَقُّ اِلَيْكَ لِقَاءً كَیْ (اے محمد ﷺ! اللہ جل شانہ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں) چنانچہ آپ ﷺ نے اسے روح قبض کرنے کی اجازت دے دی، پھر اس نے آپ ﷺ کی روح قبض کر لی۔ (۲)

اس سے نبی کریم ﷺ کی فضیلت اور برتری ثابت ہوتی ہے کہ خود اللہ شانہ جو خالق و مالک ہیں، جنہوں نے اپنے فضل و کرم سے نبی کریم ﷺ کو اس قدر بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ اپنے مخصوص بندے صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، مقام ہو تو ایسا ﷺ الف الف مرۃ، اللہ جل شانہ ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کے صدقے محض اپنے فضل و کرم سے اپنا بنالے، آمین یا رب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَسْجِدٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَبِيَّتُهُ قَالَ: مَا قُبِضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ. اذْفَنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض ہو گئی تو صحابہ کرامؓ کا آپ ﷺ کے دفن میں اختلاف ہوا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سنی ہے، میں اسے بھولا نہیں (وہ مجھے خوب یاد ہے) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بھی نبی کی روح اسی جگہ پر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲/۲۵۹، ۲۶۰

(۲) دلائل النبوة للبیہقی ۴/۳۷۸، باب مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۲۵۰، ط: موقع جامع الحدیث،

بیروت، الخصائص الکبریٰ للامام الشیوطی ۲/۴۷۲، باب ما وقع عند اختصارہ ﷺ من الآیات والخصائص، ط: رحمانیہ لاہور

(۳) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۱۰۱۸

قبض کرتے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ یا وہ نبی پسند کرتا ہے کنا سے وہاں دفن کیا جائے، لہذا تم لوگ نبی کریم ﷺ کو ان کی موت کی جگہ پر ہی دفن کرو۔

ہر نبی کو اس کی موت کی جگہ پر ہی دفن کیا جاتا ہے

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے، تو اب صحابہ کرام میں دو باتوں میں اختلاف ہوا، ایک تو اس میں کہ کیا نبی کریم ﷺ کو دفن کیا جائے؟ یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ مسجد نبوی میں دفن کرنا موزوں ہے، بعض نے کہا کہ جنت البقیع میں، بعض نے مکہ مکرمہ میں اور بعض نے کہا کہ شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں باتوں کا انہیں جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کو دفن کیا جائے گا اور آپ ﷺ کو اسی جگہ پر دفن کیا جائے گا جس جگہ پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، کیونکہ میں نے خود نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی کو اسی جگہ پر دفن کیا جاتا ہے، جس مقام پر اس کی موت واقع ہوتی ہے، لہذا نبی کریم ﷺ کو بھی حجرہ عائشہ میں ہی دفن کیا جائے گا جہاں آپ ﷺ کی موت ہوئی ہے، اور یہی طریقہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دفن کا رہا ہے البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے مصر میں دفن کیا گیا تھا، مگر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بذریعہ وحی ان کو وہاں سے فلسطین میں منتقل کیا تھا، یہ ایک استثنائی صورت ہے ورنہ باقی انبیاء علیہم السلام کو صرف اسی مقام پر ہی دفن کیا جاتا رہا، جہاں ان کی موت واقع ہوئی ہے۔ (۱) اس بارے میں تفصیلی روایت اسی باب میں چھ حدیثوں کے بعد آ رہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کو موت کے بعد بوسہ دیا۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى سَاعِدَيْهِ، وَقَالَ: وَإِنِّي أَنَا، وَأَصْفِيَاءُ، وَأَخْلِيَاءُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے، اور اپنا منہ نبی کریم ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا (یعنی پیشانی پر بوسہ دیا) اور اپنے دونوں ہاتھ نبی کریم ﷺ کی دونوں کلائیوں پر رکھے اور کہا: ہائے نبی، ہائے مخلص دوست، ہائے جگری دوست۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قبل: تقبیل سے ہے۔ بوسہ دیا، چوما، علی ساعدیہ: ساعد کا شنیہ ہے: آپ ﷺ کی دونوں

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۶۱، اللوالب اللدنیۃ علی الشمائل للحمیدیہ (ص: ۲۵۲)

(۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۳۵۷

کلائیوں پر، و اصفیاء: اے قلص دوست، و اخیلیاء: اے جگری اور ولی دوست۔

موت کے بعد صدیق اکبرؓ نے نبی کریم ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیا

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی پیشانی پر دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، ایک تو اس وجہ سے کہ برکت حاصل ہو جائے، نہ جانے پھر کب ملاقات ہو سکے گی اور دوسرا نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے لیے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تھی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں بوسہ دیا تھا، اور آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان بن مظعون کے چہرے پر گرے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ میت کو بوسہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ہاتھ نبی کریم ﷺ کی دونوں کلائیوں پر رکھ کر فرمایا: وانیاء... اے نبی، ہائے مخلص دوست، ہائے گہرے اور جگری دوست، یہ الفاظ توحہ کے طور پر نہیں تھے، بلکہ آہستہ آواز میں اظہارِ افسوس کے لیے کہے گئے ہیں، اس طرح افسوس اور غم کے اظہار میں شرعاً کوئی حرج بھی نہیں۔ (۱)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نبی کریم ﷺ کے سر ہانے کی طرف تشریف لائے اور چہرہ انور پر مر جھکایا اور آپ ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور فرمایا: وانیاء، ہائے نبی، اس کے بعد سر اٹھا لیا اور پھر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: و اخیلیاء، ہائے میرے جگری یار، ہائے میرے جگری دوست۔ (۲)

اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا منہ نبی کریم ﷺ کی پیشانی پر رکھا اور رو، رو کر بوسہ دیتے رہے، اور فرمانے لگے: یَا نَبِیَّ اَنْتَ وَاَنْتَ طَبِیْتُ حَتَّیْ وَ مَبِیْتُ (میرے ہاں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ زندہ اور موت دونوں حالتوں میں اچھے اور عمدہ ہیں)۔ (۳)

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزع فزع اور توحہ کے بغیر مرحوم کے اوصاف کو بیان کیا جاسکتا ہے بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ ان اوصاف کو بیان کرنا مستحب ہے، یہ خلفاء راشدین اور آئمہ عقام کی سنت ہے، اس کے بعد اہل علم کے ہاں بڑی بڑی مجالس میں اور پروگراموں میں اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی دینی خدمات کو بیان کیا جاتا ہے، تاکہ ان حالات سے سبق سیکھ کر اس پر عمل کیا جاسکے، اللہ جل شانہ ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے، آمین یا رب العالمین۔ (۴)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۶۲

(۲) مسند الامام احمد بن حنبل ۵۰۸/۱۰، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا رقم الحدیث: ۲۶۵۹۲، ط: بیروت

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۵۵۲/۱۴ باب ما جاء فی وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۸۱۷۶

(۴) اللوالب اللدنیة علی الشمائل الحممدیة (ص: ۶۵۴)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا لَفَضْنَا أَيْدِيَنَا مِنَ الثَّرَابِ، وَإِنَّا لَنَبِي ذَلِيلٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى الْكُفْرَانَا فُلُو بَنَّا. (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جس دن (ہجرت کر کے) نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی، پھر جس دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی تھی اور ہم نے ابھی ہاتھوں کو رسول اللہ ﷺ (کی قبر پر مٹی ڈال کر) بھاڑا نہیں تھا جس وقت ہم آپ ﷺ کے دفن میں مشغول تھے یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا (اور ہم اپنے دلوں کو پہچان نہ سکے کہ ان میں وہ کیفیت باقی نہ رہی، جو نبی کریم ﷺ کی موجودگی کے وقت تھی)۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اضاء: روشن ہو گئے۔ منها: اس میں ”ہاء“ ضمیر مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہی ہے، ما نفضنا: ہم نے بھاڑا نہیں تھا، صاف نہیں کیا تھا، وانا لنبی ذلیل: اس حال میں کہ جس وقت ہم نبی کریم ﷺ کے دفن میں مشغول تھے، حتیٰ انکرنا فلو بنّا: یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو نہ پہچانا، ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اور اوپر پایا۔

نبی کریم ﷺ کی آمد سے مدینہ منورہ روشن ہو گیا

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی برکات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ روشن ہو گیا، اس کے رہنے والے مسرت و خوشی سے جمجوم اٹھے، دنیا اور آخرت دونوں میں فتح و کامرانی کا سامان خود ان کے شہر میں آ گیا تو وہ کیسے خوش نہ ہوتے، مدینہ منورہ کی ساری رونقیں، روشنیاں، اور چمک دمک نبی کریم ﷺ کے بابرکت وجود سے تھی، آپ ﷺ کی حیات سے ہر چیز تر و تازہ اور دلوں میں ایمان و یقین کے خاص قسم کے انوار، برکتیں اور دلوں میں موجود تھے، ہر طرف رونقیں، بہاریں اور روشنیاں ہی روشنیاں تھیں، انوار نبوی سے مسکراتا یہ شہر اس وقت پھر تاریک ہو گیا، جس وقت آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے انتقال سے ہمارے دلوں کی کیفیتیں ہی بدل گئیں، ابھی ہم آپ ﷺ کے دفن میں ہی مشغول تھے کہ ہم اپنے دلوں کو اجنبی محسوس کرنے لگے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں انوار و برکات کی وہ حالت باقی نہ رہی، جو نبی کریم ﷺ کی موجودگی کے وقت تھی، اسی بات کو حضرت انسؓ نے اس جملے میں بیان کیا: حَتَّى الْكُفْرَانَا فُلُو بَنَّا، اس کے یہ معنی نہیں کہ صحابہ کے دلوں میں ایمان اور تصدیق ہی ختم ہو گئی تھی، ایمان اور تصدیق اپنی جگہ برقرار تھی، صرف دلوں میں انوار و برکات کی وہ کیفیت باقی نہ رہی، جو نبی کریم ﷺ کے مبارک وجود سے تھی۔ (۲)

(۱) سنن الترمذی، للنائب، رقم الحدیث: ۳۶۲۲۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۰۹/۱۱، کتاب الفضائل، باب ہجرة اصحابہ من مکة ووفاته، رقم الحدیث: ۵۹۶۲۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: بُلِّغَنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَمَكَثَ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَيْلَةَ الْفَلَائِئَاءِ، وَذُفِنَ مِنَ اللَّيْلِ. وَقَالَ سَفِيَّانٌ: وَيُشْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

ترجمہ: محمد باقر کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا انتقال پیر کے دن ہوا، پھر آپ ﷺ اس دن اور منگل کی رات ٹھہرے رہے (یعنی تدفین عمل میں نہیں آئی) اور (منگل اور بدھ کی درمیانی) رات میں دفن کیے گئے، حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: محمد باقر کے علاوہ نے کہا: رات کے آخری حصہ میں پھاوڑوں کی آواز سنی گئی تھی، (یعنی رات کے آخری حصہ میں تدفین کی گئی)۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: بُلِّغَنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، وَذُفِنَ يَوْمَ الْفَلَائِئَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: پیر کے دن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور منگل کے دن دفن کیے گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- یوم الاثنین: پیر کے دن، مکث: آپ ﷺ ٹھہرے رہے یعنی تدفین عمل میں نہیں آئی، لیلۃ الفلائئاء: منگل کی رات، وقال غیرہ: اس میں ”و“ ضمیر محمد باقر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور محمد باقر کے علاوہ نے کہا، المساحی: مسحاة کی جمع ہے: پھاوڑے۔

نبی کریم ﷺ کو منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں دفن کیا گیا

پیر کے دن زوال کے وقت نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا، یہ دن اور منگل کا دن بھی صحابہ کرامؓ کا انتظام میں گزرا، تدفین نہ ہو سکی، پھر منگل کے دن کے آخر میں تدفین کا عمل شروع ہوا، جو رات تک چلتا رہا، رات کے آخری حصے میں قبر کھودنے کے لیے استعمال ہونے والے پھاوڑوں کی آوازیں آتی رہیں، جب قبر مہارک تیار ہو گئی تو پھر آپ ﷺ کو اسی رات یعنی منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں دفن کیا گیا، مگر یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ محمد باقر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ کی رات میں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا ہے، جبکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو منگل کے دن دفن کیا گیا، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس ﷺ دفن فرمائے گئے، جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے، اور بدھ کا دن بھی، اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔

۲۔ خلافت کے مسئلہ سے فراغت کے بعد منگل کے دن کے آخر میں تجہیز و تکفین کا عمل شروع کر دیا گیا تھا، اس لیے بعض روایتوں میں منگل کے دن تدفین کا ذکر ہے، اور بدھ کی رات میں تدفین مکمل ہوئی، اس لیے یہ منقول ہے کہ منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں تاخیر کے اسباب

دفن میں جلدی کرنا مسنون ہے مگر کچھ اسباب کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں تاخیر ہو گئی، جن کی تفصیل یہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سے صحابہ کرامؓ کے ہوش اڑ گئے، مدینہ کے ہر طرف غم و حزن اور پریشانی کا سماں تھا، بڑے بڑے صحابہ بھی حیران و ششدر تھے، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے، حضرت عثمان غنیؓ ایک سکتہ کے عام میں تھے، ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، مگر شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، ادھر حضرت علیؓ زار و قطار رو رہے تھے، زیادہ رونے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر تمام ازواج مطہرات بھی غم سے نڈھال تھیں، حضرت عباسؓ بھی پریشانی سے بے حواس تھے، حضرت عمرؓ جو جرأت و شجاعت کے پہاڑ تھے مگر اس واقعہ سے ان کی پریشانی سب سے بڑھی ہوئی تھی، وہ کھوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے، اور بلند آواز سے یہ اعلان کیا کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں مرتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے، خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح ضرور واپس تشریف لائیں گے، اور منافقوں کو ختم کریں گے، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، بالآخر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان تمام حالات پر قابو پایا، جس کی تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے، بہر حال اس تفصیل سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر اس رنج و فساد واقعہ سے غمگین تھے۔

صحابہ کرامؓ نے اس سے پہلے کسی نبی کے فوت ہونے کو نہیں دیکھا تھا، اس لیے ان میں کئی سارے امور زیر بحث تھے بعض نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن نہ کیا جائے، یوں ہی رکھ دیا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو گا یا یہ کہ یوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر اٹھالیا جائے گا، جبکہ بعضوں نے کہا کہ دفن کرنا چاہیے، کہاں دفن کیا جائے، غسل کیسے دیا جائے، پھر نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے، ان تمام امور میں صحابہ کا اختلاف ہو رہا تھا، اس کی مزید تفصیل آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نے بعد مسلمانوں کا امیر کون ہو، انصار کے ہاں یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا، اس کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع شروع ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ وہاں تشریف لے گئے، بحث مباحثہ کے بعد سب نے

صدیق اکبر کی خلافت پر اتفاق کیا، پھر کے دن شام کو یہ طے ہو گیا تھا، اور پھر منگل کے دن حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر عمومی بیعت ہوئی، اور پھر منگل کے آخری حصے میں تجہیز و تکفین پر عمل درآمد شروع ہوا اور رات کو تدفین عمل میں آئی۔

صحابہ کرامؓ نے تدفین سے پہلے خلافت کا مسئلہ اس لیے حل کیا تاکہ امت کے درمیان انتشار و افتراق اور اختلاف نہ ہو جائے، جیسے دنیا میں جب کسی حاکم کا انتقال ہو جائے، تو سب سے پہلے ان کا جانشین مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ نظام حکومت میں کوئی فرق نہ آئے، ایسے میں کوئی دشمن بھی حملہ کر سکتا ہے، اسی طرح ایک حکومت میں دو بادشاہ بھی نہیں ہو سکتے ورنہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کفار اور منافقین کی طرف سے شورش، دھوکے اور پروپیگنڈے کا اندیشہ تھا، اس مشکل ترین وقت میں آپ ﷺ کی تدفین سے کہیں زیادہ یہ ضروری تھا کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی خلیفہ نامزد کیا جائے، تاکہ شیرازہ اسلام کی حفاظت ہو جائے اور نبی کریم ﷺ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی زندگی میں جو تیس سال کی تنگ و دوک، جو تکلیفیں اور مشقتیں جھیلیں، جس کے لیے ہزاروں صحابہؓ نے اپنی جانیں قربان کیں، وہ رائیگاں نہ جائیں، اور پھر کفر کا جھنڈا غالب نہ آ جائے، ان خطرات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے پہلے خلافت کا مسئلہ حل کیا اور اس کے بعد تدفین کا عمل شروع کیا۔ (۱)

یہ وہ چند اسباب تھے جن کی وجہ سے تدفین کے عمل میں تاخیر ہو گئی، واللہ اعلم بالصواب۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ: أَعْجَبِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرْصِدِهِ فَأُتِيَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مَزُوا بِإِلَّا فُلَيْوُذَنْ، وَمَزُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يَضِلَّ النَّاسُ - أَوْ قَالَ: بِالنَّاسِ - قَالَ: ثُمَّ أَعْجَبِي عَلَيْهِ، فَأُتِيَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مَزُوا بِإِلَّا فُلَيْوُذَنْ، وَمَزُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيَضَلَّ النَّاسُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبِي رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِذَا قَامَ ذَلِكَ الْمَقَامَ بَكَى فَلَا يَسْتَطِيعُ، فَلَوْ أَمَرْتُ غَيْرَهُ قَالَ: ثُمَّ أَعْجَبِي عَلَيْهِ، فَأُتِيَ، فَقَالَ: مَزُوا بِإِلَّا فُلَيْوُذَنْ، وَمَزُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيَضَلَّ النَّاسُ، فَإِنْ كُنَّ صَوَاحِبُ أَجْنَاثٍ يَوْمَئِذٍ، فَأَمْرٌ بِإِلَّا فُلَيْوُذَنْ، وَأَمْرٌ بِأَبَا بَكْرٍ فَضَلَّ النَّاسُ -

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ جو صحابی ہیں، کہتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کو مرض الوقات میں بے ہوشی طاری ہوئی، پھر ہوش آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے بتایا: جی ہاں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: نماز کا وقت ہو گیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: میرے والد ایک نرم دل آدمی ہیں، جب وہ حضور اکرم ﷺ کی جگہ (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمال ۲۷۰/۲، خصائص نبوی (ص: ۴۶۷) مکتبۃ البشری کراچی، سیرت المصطفیٰ ۸۸۴ باب سوم، سفر آخرت، منقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع۔

گے، اور نماز پڑھانے کی وہ ہمت نہ کر سکیں گے، اگر آپ ﷺ ان کے علاوہ کسی اور کو حکم دے دیں (تو اچھا ہوگا) پھر آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، بیشک تم تو یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، راوی کہتے ہیں: چنانچہ بلال کو اذان کا کہا گیا تو انہوں نے اذان دی اور ابو بکر سے نماز پڑھانے کا کہا گیا تو انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اغمی: (میں نے مجھول) بے ہوش ہوئے، افاق: آپ ﷺ کو افاقہ ہوا، آپ ﷺ ہوش میں آ گئے، اصف: نرم دل، رقیق القلب: غم کی وجہ سے جو جلد ہی رو پڑے، فلو امرت غیرہ: اگر آپ ﷺ ابو بکر کے علاوہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا کہیں تو اچھا ہوگا، صواحب: صاحبہ کی جمع ہے، یہ لفظ اگر چہ جمع ہے مگر اس سے عزیز مصر کی بیوی حضرت زلیخہ مراد ہیں۔

صدیق اکبر نے آپ ﷺ کی مرض الوفا میں سترہ نمازیں پڑھائیں

نبی کریم ﷺ کی وفات تو پھر کے دن زوال کے وقت ہوئی، مگر آپ ﷺ کی طبیعت وفات سے چار دن پہلے بہت خراب ہوگئی تھی، حضرت سالم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی، یہ شب جمعہ کی بات ہے، جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو پوچھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، اس نماز سے عشاء کی نماز مراد ہے، لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں عشاء کا وقت ہو چکا ہے، لیکن آپ ﷺ کو ضعف اور بیماری ایسی سخت تھی کہ آپ ﷺ کو نماز پڑھانے کی ہمت نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ بلال سے اذان کا کہو اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی، دو تین بار ایسا ہی ہوا جب آپ ﷺ کو ہوش آتا تو فرماتے کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میرے والد انتہائی نرم دل آدمی ہیں، وہ جب آپ ﷺ کی جگہ پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں گے تو فراق یار میں رو پڑیں گے، وہ نماز نہیں پڑھائیں گے اور ترمذی ابواب المناقب کی روایت میں ہے کہ وہ نماز میں روتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو قراءت کی آواز نہیں سناسکیں گے، لہذا آپ ﷺ کسی اور سے نماز پڑھانے کا کہیں تو اچھا ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عمر سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، یہ بات سن کر پھر آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھادیں اور فرمایا کہ تم تو یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، چنانچہ صدیق اکبر نے شب جمعہ کی نماز عشاء پڑھائی اور پھر جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن کی نمازیں اور وفات والے دن یعنی پیر کی صبح کی نماز بھی صدیق اکبر نے ہی پڑھائی، یوں حضرت صدیق اکبر نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ (۱)

(۱) سیرت المصطفیٰ ۱۰۲/۳، مدت امامت انبی بکر، البدایہ والنہایہ ۲۳۱/۵، ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر ان یصلی بالصحابہ اجمعین۔

انکن صواحب یوسف کا مطلب

انکن صواحب یوسف اس میں ”کن“ ضمیر اگرچہ جمع ہے لیکن اس سے صرف حضرت عائشہؓ مراد ہیں، جیسا کہ صواحب کا لفظ جمع ہے اور مراد اس سے صرف حضرت زلیخہؓ ہیں، گویا تعظیماً ان الفاظ کو جمع لایا گیا ہے، اس جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو حضرت یوسفؑ کی عورتوں یعنی حضرت زلیخہؓ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ ظاہر میں کچھ کہا جا رہا ہے اور دل میں کچھ اور ہے، چنانچہ حضرت زلیخہؓ نے بظاہر تو ان عورتوں کی کھانے کی دعوت کی، ان کی ضیافت اور مہمان نوازی کی لیکن ان کے دل میں بات یہ تھی کہ وہ حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھیں، اور مجھے ان کے ساتھ محبت کرنے میں معذور سمجھیں۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے ذہن میں بات کچھ اور تھی اور ظاہر میں انہوں نے دوسری بات کہی، ظاہر میں یہ کہا کہ میرے والد ابوبکرؓ کو امام نہ بنائیں، وہ بہت نرم دل آدمی ہیں، اور نماز میں روتے بھی بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو وہ اور زیادہ رویں گے، جس کی وجہ سے ان کی قراوت کی آواز نمازیوں تک نہیں پہنچ سکے گی، اور حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بیماری میں وفات پا گئے، جس میں صدیق اکبرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر امامت کرائیں تو لوگ ابوبکرؓ کو منحوس سمجھیں گے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے زبان سے دوسری بات کی اور حضرت حفصہؓ سے بھی وہی بات کہلوائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے سے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ رہے ہیں کہ تم لوگ مجھے اپنے مقصد میں یوں پھسلارہی ہو، جس طرح زلیخہؓ اور اس کی عورتوں نے حضرت یوسفؑ علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی، وہ عورتیں حضرت یوسفؑ کو سمجھانے لگیں کہ تم اپنی مالکہ کی بات مان لو، ان کے مقصد کو پورا کرو، بظاہر تو وہ یہ بات کر رہی تھیں لیکن دل ہی دل میں وہ خود بھی حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھ کر ان پر فریفت ہو چکی تھیں، اور اپنے دل حضرت یوسفؑ کو دے چکی تھیں، اسی طرح عائشہؓ تم لوگ بھی مجھے بظاہر ایک بات کہہ رہی ہو جبکہ تمہارے دل میں بھی بات دوسری ہے، لہذا صواحب سے اگر صرف حضرت زلیخہؓ مراد ہوں، تو یہ جمع تعظیماً ہوگی اور اگر صواحب سے زلیخہؓ اور ان کی تمام عورتیں مراد ہوں تو پھر جمع کا لفظ اپنے اصل مفہوم کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ (۱)

ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ حَقَّةً، فَقَالَ: انْظُرُوا إِلَيَّ مِنْ أَتَكِي عَلَيْهِ، فَبَجَاءَتْ بَرَبْرَةً وَرَجُلٌ آخَرُ، فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَأَى أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَثْبُتَ مَكَانَهُ، حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَاتَهُ
ترجمہ: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آقاؐ قہ ہوا تو فرمایا: میرے لیے اس شخص کو دیکھو، جس پر میں سہارا لگا سکوں (اور مسجد چلا جاؤں) چنانچہ بریرہ بنت صفوان اور ایک اور شخص آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا سہارا لیا (اور مسجد تشریف لے گئے) جب صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ پر ہی ثابت رہیں، یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے اپنی نماز کو مکمل کر

لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خفة: (خاک کے نیچے زبر اور قاپر زبر و تشدید) ہلکا پن، افاقہ، من انکی علیہ: (صیفہ شکلم) وہ شخص جس پر میں سہارا لے سکوں، لینکص: تاکہ ابو بکر لوٹیں یعنی وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، فَاوَمَا اَلِیْہ: نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر کو اشارہ کیا، ان یفت مکانہ: کہ صدیق اکبر اپنی جگہ پر جھے رہیں، کھڑے رہیں، حتی قضی: یہاں تک کہ صدیق اکبر نے مکمل کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے مرض الوفات میں دو مرتبہ جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھی

مذکورہ حدیث میں ہے کہ مرض الوفات میں جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ حضرت بریرہ بنت معنوان اور ایک اور شخص یعنی حضرت نوبہ رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، پھر آگے دو صحابہ کرام کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر اس وقت نماز پڑھا رہے تھے، انہوں نے جب محسوس کر لیا کہ آپ ﷺ تشریف لائے ہیں تو اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے، مگر نبی کریم ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ آپ اپنی جگہ پر ہی رہیں، چنانچہ صدیق اکبر نے وہ نماز مکمل کر لی۔

مرض الوفات میں جب مسجد تشریف لائے تو کیا آپ ﷺ نے نماز پڑھائی یا مقتدی کی حیثیت سے صدیق اکبر کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس بارے میں دو قسم کی روایات مقول ہیں:

بعض صحیح روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی، صدیق اکبر آپ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ صدیق اکبر کو دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے، صدیق اکبر نے جہاں قراءت چھوڑی تھی، اس سے آگے حضور ﷺ نے شروع کی، اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ دوران نماز صدیق اکبر پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھانا شروع کر دی، دوسروں کے لیے شرعی عذر کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صدیق اکبر کو اپنی جگہ سے ہٹنے سے منع کر دیا تھا، کہ تم اپنی جگہ پر رہو اور خود قریب جا کر بیٹھ گئے، اور صدیق اکبر نے اپنی امامت جاری رکھی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اصل میں یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں: ایک واقعہ میں نبی کریم ﷺ امام بن گئے تھے اور صدیق اکبر مقتدی ہو گئے تھے، اور یہ شب جمعہ کی عشاء کی نماز کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے کسی نماز کا یہ واقعہ ہے، کیونکہ مرض الوفات تقریباً چودہ دن تک رہی ہے۔

دوسرے واقعہ میں حضرت صدیق اکبر کو آپ ﷺ نے اپنی جگہ رہ کر نماز پڑھانے کا حکم دیا اور آپ ﷺ مقتدی کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہو گئے، اور یہ واقعہ بھی شب جمعہ سے پہلے کسی نماز کا ہے، کیونکہ شب جمعہ کی عشاء کی نماز سے حیر

کی صبح کی نماز تک سترہ نمازین صدیق اکبرؓ نے پڑھائیں، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں ہو سکے تھے۔ (۱)

شامل کی مذکورہ روایت میں ہے: بخشی قضی ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم (یہاں تک کہ ابو بکر نے اپنی نماز کو مکمل کر لیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا تو انہوں نے نماز مکمل کر لی، آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت میں شامل ہوئے یا نہیں، ان الفاظ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، تاہم دوسری روایات کے لحاظ سے شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ علامہ بیجوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہو گئے تھے، چنانچہ پہلی روایت میں اس کی تصریح ہے، اور حافظ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ (۲)

۲۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت کے ظاہر سے یہی لگتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ کرنے کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صدیق اکبرؓ کی اقتداء نہیں کی، اور جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، وہ مرض الوفا کے ایام میں ہی کسی دن کا واقعہ ہے، تاہم شب جمعہ سے پہلے کسی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتداء کی ہے، شب جمعہ عشاء کی نماز سے وفات تک تمام نمازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھائی ہیں۔

فجاءت بریرہ ورجل اخر اس حدیث میں حضرت بریرہ اور ایک اور شخص یعنی حضرت نوبہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، جو ایک کالے غلام تھے، ان کے سہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، شیخین کی روایت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے کا ذکر ہے، دارقطنی کی روایت میں حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباسؓ کا ذکر ہے، اور ابن سعدؒ کی روایت میں حضرت فضل اور ثوبان کا ذکر ہے کہ ان کے سہارے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان روایات میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ اس پر محمول ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفا میں متعدد مرتبہ دو بندوں کے سہارے باہر تشریف لائے، کسی وقت ان دو بندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیا اور کسی وقت کسی اور نے یا یہ کہ برکت حاصل کرنے کے لیے باری باری دو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیتے رہے، اس لیے ان روایات میں تعارض نہیں ہے۔ (۳)

لَمْ يَنْزِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْضُ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْضُ إِلَّا ضَرْبَةً بِسَيْفِي هَذَا قَالَ: وَكَانَ النَّاسُ أُمَمِينَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ، فَأَمْسَكَ النَّاسُ، فَقَالُوا: يَا سَالِمُ، انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهُ، فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَهُوَ فِي

(۱) عمدة القاری ۱۸۸/۵، کتاب الاذان، باب حد الریض ان یشہد الجماعة، رقم الحدیث: ۵۶، ط: کوئٹہ، المواب اللدنیۃ علی الشائل للمحمدیۃ (ص: ۶۶۱)

(۲) المواب اللدنیۃ علی الشائل للمحمدیۃ (ص: ۶۶۱)، فتح الباری ۱۹۷/۲، کتاب الاذان، باب حد الریض ان یشہد الجماعة، رقم الحدیث: ۶۶۲

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشائل مع شرح النواوی ۲۶۷/۲، المواب اللدنیۃ علی الشائل للمحمدیۃ (ص: ۶۶۰)

الْمَسْجِدَ فَأَتَيْنَاهُ أَبْكَى دَهْشًا، فَلَمَّا رَأَى قَالَ: أَلَيْسَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: إِنَّ عُمَرَ يَقُولُ: لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرْبَةً بِسَيْفِي هَذَا، فَقَالَ لِي: انْطَلِقْ، فَإِنِ انْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَجَاءَهُ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَجَلُوا عَلَيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَمْ أَفَرِّجُوا لَكُمُ الْفَجَاءَ حَتَّى أَكْتُبَ عَلَيْهِ وَمَتْنُهُ، فَقَالَ: [إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ] {الزمر:} ثُمَّ قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَلَيْسَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَاعْلَمُوا أَنَّ قَدْ صَدَّقَ.

ترجمہ: پھر رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کو قبض کر لیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کسی کو یہ ذکر کرتے ہوئے نہ سنوں کہ وہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے، ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا، سالم کہتے ہیں: لوگ ان پڑھ تھے، ان میں نبی کریم ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں گذرا تھا، چنانچہ لوگ (حضرت عمر کے ڈر سے) یہ بات کہنے سے رک گئے، بعض صحابہؓ نے کہا: اے سالم تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی کی طرف جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ، چنانچہ میں صدیق اکبرؓ کے پاس آیا، وہ اس وقت مسجد میں تھے، میں ان کے پاس روتا ہوا اور حیران و ششدر ہو کر آیا، جب انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے دریافت فرمایا: کیا حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا: عمر کہتے ہیں کہ میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ وہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا، اس پر صدیق اکبرؓ نے مجھے فرمایا کہ چلو، تو میں صدیق اکبرؓ کے ساتھ چل پڑا، چنانچہ صدیق اکبرؓ تشریف لائے، اس وقت لوگ حضور اقدس ﷺ کے پاس داخل ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اے لوگو! میرے لیے جگہ خالی کر دو یعنی مجھے راستہ دو، تو صدیق اکبرؓ (حضور اکرم ﷺ کے پاس) آئے، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپ ﷺ کو چھو یا یعنی بوسہ دیا، اور یہ آیت پڑھی: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ (اے نبی بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں) پھر صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے رسول اللہ ﷺ کے خصوصی دوست: کیا رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں) اس وقت صحابہ کرامؓ کو یقین ہو گیا کہ صدیق اکبرؓ سچ کہہ رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- امیین: اُن کی جمع ہے: ان پڑھ، ناخواندہ، امسک الناس: لوگ حضور ﷺ کی موت کی بات کرنے سے رک گئے، دہشا: حیران و ششدر ہو کر، پریشان ہو کر، الفرجوا لی: (میخدا امر) میرے لیے جگہ خالی کر دو، میرے لیے راستہ چھوڑ دو، حتی اکب علیہ: یہاں تک کہ صدیق اکبرؓ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے، یعنی آپ ﷺ پر گر گئے، و مسہ: اور آپ ﷺ کو چھو یا یعنی بوسہ دیا، فاعلموا: اس وقت صحابہ کرامؓ کو یقین آیا، ان قد صدق: کہ صدیق اکبرؓ

چک کہہ رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی کیفیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تمام صحابہ کرام پر غم و حزن کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہوئی، غم سے اس قدر نڈ خال ہو گئے تھے کہ ان سے بولا بھی نہیں جاتا تھا، حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہرات کا رور و کر برا حال ہو گیا، حضرت علیؓ روتے روتے بے ہوش ہو گئے، حضرت عمرؓ نے تلوار سونت لی، اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے تو میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا، حدیث کے راوی حضرت سالم بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ان پڑھتے تھے، انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا، اور صحابہؓ کو اس سے پہلے کسی نبی کی وفات کا تجربہ بھی نہیں تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں آیا تھا، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے ان سے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بات کرے گا تو میں اسے مار دوں گا، اس ڈر سے سب لوگ سہم گئے، کسی کو یہ بات کرنے کی ہمت اور جسارت نہیں تھی۔

بعض صحابہؓ نے حضرت سالم بن عبیدؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص ساتھی یعنی صدیق اکبرؓ کو دیکھو، ان کو بلا کر لاؤ، وفات کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ موجود نہیں تھے، وفات والے دن یعنی پیر کی صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک کو افادہ ہوا تو صدیق اکبرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی دوسری بیوی خارجہ کے پاس جانا چاہتا ہوں، یہ مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر مقام ”سخ“ پر رہائش پذیر تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت دے دی، صدیق اکبرؓ وہاں تشریف لے گئے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی، یہاں تک کہ زوال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا، پریشانی کے اس عالم میں صحابہ کرامؓ نے حضرت سالم کو صدیق اکبرؓ کی طرف بھیجا کہ وہ آجائیں تاکہ یہ مسئلہ حل ہو جائے، یہ وہاں پہنچے تو صدیق اکبرؓ مقام سخ کی محلہ کی مسجد میں تھے، یا بقول بعض وہ غلام کے بتانے پر واپس مسجد نبویؐ میں پہنچ چکے تھے، بہر حال صدیق اکبرؓ آئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی، انہوں نے چہرے سے چادر ہٹائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، اور لا یَجْعَلُ اللہُ عَلَیْکَ مَوْتِکَیْنِ کہا کہ وہ موت جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدر میں لکھی تھی، اس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے، اس کے بعد اور کوئی موت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں آئے گی، پھر مسجد نبویؐ میں آئے، صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہا جائے اور کیا کیا جائے۔

حضرت عمرؓ اپنے قابو میں نہیں تھے، اور صحابہؓ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر خوف و ہراس میں مبتلا تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو چھیڑنا اور ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا، مسجد کے ایک کونے میں چلے گئے، جدھر وہ گئے مجمع ادھر ہی منتقل ہو گیا پھر حضرت صدیق

اکبرؓ نے صحابہ کرام کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں پہلے یہ آیات تلاوت کیں: اِنَّكَ حَيٌّ وَ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (اے نبی بیشک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی وفات پانے والے ہیں) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، (ترجمہ: اور محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں) كُوْثُلٌ نَّفِيسٌ ذَاتُ لُقَّةٍ الْمَوْتُ۔ (ترجمہ: اور ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور یہ آیت پڑھی: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَاَن۔ (ترجمہ: اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے) ان آیات کے بعد بڑے اعتماد اور قوت سے کہا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَخْبُدُ مُحَمَّدًا فَاَنَ مُحَمَّدًا فَقَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَخْبُدُ اللّٰهَ فَاَنَ اللّٰهَ خَبِيَ لَا يَمُوتُ (تم میں سے جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو خوب سن لو کہ محمد کی تو وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی)

حضرت ابو بکر صدیق کے اس خطبہ میں اللہ جل جلالہ نے ایسا اثر ڈالا کہ تمام صحابہ کو اطمینان ہو گیا اور یہ یقین آ گیا کہ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، کئی صحابہ نے کہا کہ یہ آیتیں ذہن میں نہیں رہی تھیں، جب صدیق اکبرؓ نے ان آیات کی تلاوت کی تو صحابہ کرام کے ذہنوں میں بھی یہ آیتیں مستحضر ہو گئیں۔ (۱)

قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، اَبِصَلَّی عَلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: وَكَيْفَ؟ قَالَ: يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيَكْبِرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ، ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ، ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيَكْبِرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ، ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ، حَتّٰی يَدْخُلَ النَّاسُ۔

ترجمہ: پھر لوگوں نے پوچھا: اے رسول اللہ ﷺ کے خاص دوست! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (پڑھیں گے) لوگوں نے کہا: کس طرح پڑھیں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: کچھ لوگ (حجرے میں) داخل ہوں، تو وہ (چار) تکبیریں کہیں، نبی کریم ﷺ پر درود پڑھیں اور دعا کریں پھر وہ باہر آ جائیں، یہاں تک کہ (اس طرح) سب لوگ داخل ہو جائیں (اور تمہارا نماز جنازہ پڑھ کر واپس آتے جائیں) مشکل الفاظ کے معنی :- فیکبرون: پھر وہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں کہیں، یدعون: وہ لوگ دعا کریں، یصلون: وہ لوگ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجیں، پڑھیں۔

نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ ہر شخص نے اکیلے اکیلے پڑھی

نبی کریم ﷺ کی وفات کے موقع پر بعض ایسے امور پیش آئے تھے، جن کا وقوع اس سے پہلے صحابہ کرام کے سامنے نہیں ہوا تھا، سوائے بعض صحابہ کرام کے کہ ان کے علم میں یہ چیزیں تھیں، ان میں سرفہرست حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۱) مسند الامام احمد ۵۰۸/۱، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: ۲۶۵۹۲، ط: بیروت، جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح المناوی ۲۶۹/۲، سیرت المصطفیٰ ۹/۳، صحابہ کا اضطراب۔

صحابہ کرام نے ان سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ ان کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ نماز جنازہ تو گناہوں کی معافی کے لیے ہوتی ہے، تاکہ مرحوم کی مغفرت ہو جائے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے معصوم اور پاک صاف ہیں، ایسے میں پھر ان کی نماز جنازہ شاید نہ پڑھی جائے، اس غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے سوال کیا، صدیق اکبرؓ نے انہیں بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہوں سے معصوم ہیں، مگر ان کی نماز جنازہ مزید درجات کی بلندی کے لیے پڑھی جائے گی، پھر لوگوں نے پوچھا کہ نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے پڑھی جائے گی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے بتایا کہ کچھ لوگ حجرہ مبارک میں داخل ہوں، وہ اکیلے اکیلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھیں، اس کی مزید تفصیل درج ذیل روایات میں ملاحظہ فرمائیں:

✽ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ منگل کے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی کو قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا، گروہوں کی شکل میں صحابہ کرامؓ کمرے میں داخل ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فردا فردا نماز جنازہ پڑھتے، جب فرد فارغ ہو گئے تو اس کے بعد عورتوں نے، ان کے بعد پھر بچوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۱)

✽ ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۲)
✽ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زَوِي عَنْ عَلِيٍّ كَتَمَ اللَّهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا يُؤْمَرُ أَخَذُكُمْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ أَمَّا مَكْنُكُمْ خَالَ حَيَاتِهِ وَخَالَ مَمَاتِهِ.

ترجمہ: حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنازہ کی نماز میں امامت نہ کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی اور موت دونوں حالتوں میں تمہارے امام ہیں۔

ہر شخص کا تنہا تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ (۳)

✽ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعداز سے فردا فردا نماز جنازہ پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی، اس لیے اس اعداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (۴)

✽ مسند بزار اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفا میں ایک دن اہل بیت کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع فرمایا، اہل بیت نے دریافت کیا یا رسول اللہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم لوگ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ، تو مجھے چار پائی پر رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل جانا، سب سے پہلے مجھ پر

(۱) سنن ابن ماجہ ۲/۱۵۲۰ الجنائز باب ذکر وفاته ودفنه صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۱۶۲۸، ط: بیروت۔

(۲) سیرت مصطفیٰ ۳/۹۲، نماز جنازہ، بحوالہ نیل الاوطار للشوکانی۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشہائل ۲/۲۴۲۔

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشہائل ۲/۲۴۲۔

جبریل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر موت کا فرشتہ اپنے تمام لشکروں کے ساتھ، اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ و سلام یعنی نماز جنازہ پڑھنا۔ (۱)

علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ ساٹھ ہزار فرشتوں نے اور تیس ہزار انسانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَلَيْسَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: أَيْنَ؟ قَالَ: فِي الْمَكَانِ الَّذِي قَبِضَ اللَّهُ فِيهِ رُوحَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوحَهُ إِلَّا فِي مَكَانٍ طَيِّبٍ. فَعَلِمُوا أَنَّ قَدْ صَدَقَ، لَمْ أَمْرُهُمْ أَنْ يَفْتَسِلَهُ بَلُّوْا بِهِ.

ترجمہ: پھر لوگوں نے پوچھا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص دوست! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کیے جائیں گے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (دفن کیے جائیں گے) لوگوں نے پوچھا: کہاں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اسی جگہ پر دفن کیے جائیں گے، جس جگہ میں اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو قبض کیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پسندیدہ اور اچھی جگہ پر ہی قبض فرمایا ہے، صحابہ کو یقین آ گیا کہ صدیق اکبرؓ سچ فرما رہے ہیں (یعنی انہیں اطمینان آ گیا) پھر صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل

حدیث کے مذکورہ حصے میں تین امور کا تذکرہ ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا یا زمین پر ہی رکھ دیا جائے گا، کیونکہ نبی کا جسم تو تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتا ہے پایہ کا آسمان پر اٹھائے جانے کا انتظار کیا جائے گا، یہ باتیں ان کے ذہن میں تھیں، صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا، جس طرح کہ تمام انبیاء اور رسولوں کو وفات کے بعد دفن کیا جاتا رہا، یہی سنت چلی آ رہی ہے۔

۲۔ پوچھا کہ کس مقام پر دفن کیے جائیں گے: مسجد نبوی میں، مکہ مکرمہ میں یا شام میں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جس جگہ پر نبی کی روح کو قبض کیا جاتا ہے، اسی مقام پر اسے دفن بھی کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ جگہ اللہ جل جلالہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور اچھی

(۱) المستدرک علی الصحیحین ۲/۲۶۳ کتاب للغازی والسرایا، رقم الحدیث: ۴۴۵۴ ط: دار الفکر، بیروت، کنز العمال

۲/۱۱، رقم الحدیث: ۳۲۱۹۵، کتاب الفضائل، فضائل نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

(۲) الواہب اللعینی علی الشافعی للجمہدیہ (ص: ۶۶۴)

ہوتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مقام پر دفن کیا گیا ہے، اس بارے میں حضرت علی کا بھی ارشاد ہے کہ جس جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی وہ خطہ سب سے افضل ہے، چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ زمین کا جو حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ متصل ہے، وہ بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔

۳۔ منگل کے دن جب سب لوگوں نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر مسجد نبوی میں عمومی بیعت کر لی تو اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو موقع دیں، تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے سکیں، جب غسل دینے کا وقت آیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ عام مردوں کی طرح کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی اتار کر غسل دیا جائے گا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دیا جائے گا؟ یہ بات صحابہ کرامؓ میں زیر بحث تھی کہ اچانک سب پر ایک غنودگی ہی طاری ہو گئی، اور ادھک کی وجہ سے ان کے سر سینہ کے ساتھ لگنے لگے پھر کمرے کے کونے سے ایک فیہی آواز آئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہ کرو، انہیں کپڑوں میں ہی غسل دو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص میں ہی تھپایا گیا، غسل کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں کیا گیا بلکہ قمیص کے اوپر سے ہی پانی ڈالا جاتا رہا اور ہاتھ سے ملتے رہے۔

غسل کے عمل میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دو بیٹے حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم شریک تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت قثمؓ کر دھیں بدلتے تھے، اور حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ پانی ڈالنے پر مامور تھے، غسل کے وقت پردے کا بہت ہی زیادہ اہتمام کیا گیا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین اور قبر

منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا، بظنی قبر بنائی گئی تھی، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو قبر میں اتارا، جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہاں نما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بنائی گئی، اور اس پر پانی چھڑکا گیا۔

حضرات صحابہ کرامؓ دفن سے فارغ ہوئے تو اس غم پر خون کے آنسو روتے ہوئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ يَتَشَاوَرُونَ، فَقَالُوا: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ لَنُدْخِلَهُمْ مَعَنَا فِي هَذَا الْأَمْرِ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَنْ لَمْ يَمُضْ هَلْهَذَا الثَّلَاثُ {ثَانِي الثَّنِينَ} إِذْ هُمَا

(۱) السيرة النبوية لابن هشام ۲۲/۱۴، جہاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودفنہ، ط: ہشاور، اللوالب المدنیۃ علی الشہائل للحمیدیہ (ص: ۲۶۵)

لِی الْغَارِ اِذْ یَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا } [التوبة: ۱۰۰] مَنْ هُمَا؟ قَالَ: ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَبَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيلَةً.

ترجمہ: اور مہاجرین (خلیفہ کی تعیین کے لیے) مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے، تو بعض مہاجرین نے کہا: آپ ہمیں انصاری بھائیوں کے پاس لے چلیں، ہم ان کو (بھی) اپنے ساتھ اس معاملہ میں شامل کرتے ہیں، چنانچہ انصار نے کہا: ہم میں سے یعنی انصار میں سے ایک امیر ہو اور تم مہاجرین میں سے ایک الگ امیر ہو، اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: کون ہے وہ شخص جس کے لیے یہ تین فضیلتیں ثابت ہوں: ثانی النین... (ترجمہ: وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے“) (تم ہی بتاؤ کہ وہ دونوں کون تھے؟) جن کا اس آیت میں ذکر ہے، کس قدر فضیلت کا بیان ہے نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے (راوی کہتے ہیں: پھر حضرت عمرؓ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ پھیلا یا اور حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لی، اور اس کے بعد سقیفہ میں موجود تمام لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بڑے اچھے اور خوبصورت انداز سے بیعت کر لی) (کسی پر کوئی جبر واکراہ نہیں تھا)۔

تفسیر بنی ساعدہ میں صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر خصوصی بیعت

پیر کے دن زوال کے وقت نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی، اسی شام کو حضرات انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تا کہ وہ حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، یہ خبر جب حضرات مہاجرین کو پتہ چلی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سقیفہ میں تشریف لے گئے، تاکہ باہمی مشورہ سے ایک متفقہ امیر منتخب ہو جائے، وہاں دیکھا کہ حضرت سعد بن عبادہ مرض کے باوجود کھیل اور ہٹے بیٹھے ہیں، خلافت کے مسئلہ پر بات چیت شروع ہوئی، ایک انصاری صحابیؓ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دو امیر ہونے چاہئیں: ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں ہو، اور دونوں امیر باہمی صلاح اور مشورہ سے خلافت کے کام سرانجام دیں۔

پھر صدیق اکبرؓ نے گفتگو کی، پہلے انصار کی ان خدمات کا تذکرہ کیا، جو انہوں نے اسلام کی سر بلندی کے لیے کی تھیں، مگر خلافت کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے بڑے واضح انداز سے فرمایا: الا امة من قریش، خلفاء اور امراء قبیلہ قریش سے ہوں گے، یہ حدیث حضرت سعد بن عبادہ نے بھی حضور اکرم ﷺ سے حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں سنی تھی، بعد میں صدیق اکبرؓ نے انہیں یاد دلایا تھا، اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے انصار کے جواب میں فرمایا:

مَا ذَكَّرْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ أَهْلٌ، وَمَا تَعْرِفُ الْعَرَبَ هَذَا إِلَّا هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ هُمْ أَوْ سَطِ الْعَرَبِ نَسَبًا

وَذَاوًا۔

ترجمہ: اے انصار کی جماعت! تم نے جو اپنی خوبیاں اور فضائل بیان کیے ہیں، بلاشبہ تم اس کے اہل ہو، کیونکہ عرب اس امر خلافت کو قبیلہ قریش کے سوا کسی کے لیے قبول نہیں کریں گے، کیونکہ قبیلہ قریش حسب نسب اور دار کے لحاظ سے سب سے افضل اور برتر ہے۔

اس کے علاوہ صدیق اکبرؓ نے اور بھی بہت سی گفتگو فرمائی، دلائل سے حضرات انصارؓ کو یہ بات سمجھائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس کہ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں، ایک عورت کے ایک ہی وقت میں دو شوہر نہیں ہو سکتے تو پھر ایک ملک کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں، اس طرح وہ نظام کامیاب ہونے کے بجائے مزید خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی تفصیلی گفتگو سے مجمع میں خاموشی ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ متنا میر ومنکم امیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو اپنی زندگی میں امامت کرانے کا حکم دیا، ایسے میں پھر تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابوبکرؓ پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکرؓ پر پیش قدمی کریں۔

اور شمائل کی مذکورہ حدیث میں حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی تین ایسی خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے، جو صدیق اکبرؓ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں:

۱۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں فرمایا: ثانی اثین اذھما فی الغار، اس میں ابوبکرؓ کو نبی کریم ﷺ کا ثانی، تنہائی کا ساتھی اور یارِ غار ہونا بتایا گیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذ یقول لصاحبه لا تخفون (جب حضور اکرم ﷺ نے اپنے ساتھی سے کہا: غم نہ کرو) تمام مفسرین کے نزدیک ”صاحبہ“ سے حضرت صدیق اکبرؓ مراد ہیں، گویا صدیق اکبرؓ کا صحابی ہونا ان آیت سے ثابت ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرے، وہ کافر ہے، کیونکہ اس انکار سے درحقیقت وہ اللہ جل جلالہ کی اس آیت کا انکار کر رہا ہے، اور آیت کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ (۱)

۳۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ان اللہ معنا، نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو غار ثور میں قہری دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ: اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس میں ”معنا“ سے نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ مراد ہیں۔

اس آیت میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت ﷺ اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غار ثور میں روپوش رہے تھے، مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ ﷺ کی تلاش کے لیے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے سوا دہائیوں کا انعام مقرر کیا ہوا تھا،

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے والے کھوجی غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے، اور ان کے پاؤں حضرت صدیق اکبرؓ کو نظر آنے لگے، جس کی وجہ سے ان پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے، لیکن حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان سے فرمایا تھا کہ ”لا تحزن ان اللہ معنا، تم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے وہاں پر مگڑی سے جال اتنوا دیا اور وہ لوگ اسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔

یہ تین فضیلتیں حضرت ابوبکرؓ کے لیے قرآن مجید سے ثابت ہیں، اس آیت کے سیاق و سباق میں اور بھی خصوصیتیں منقول ہیں، جس میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں، اور وہی خلافت کے منصب کے لائق ہیں۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: یہ عمرؓ اور ابوعبیدہؓ دونوں یہاں موجود ہیں، تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو، اس پر ان دونوں حضرات نے کہا: خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم خلافت کے منصب پر فائز ہوں، آپ ہی تمام مہاجرین میں افضل ہیں، اسلام کے سب سے اہم رکن نماز میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے، لہذا اے ابوبکر! آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ سے کہا: تم ہاتھ آگے کرو تا کہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں، عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا: تم افضل ہو، ابوبکرؓ نے جواب دیا: اَنتَ قَوِّیُّ مِیْنِیْ تم مجھ سے زیادہ قوی اور طاقتور ہو، اسی پر تکرار ہوتا رہا، آخر میں عمرؓ نے کہا: اِنَّ قُوَّتِیْ لَکَ مِنْ فَضْلِکَ یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ ملکر کام کرے گی یعنی افضل امیر ہوگا یعنی آپ، اور زیادہ قوی اس کا وزیر ہوگا یعنی میں خود اس کا معاون اور مشیر ہوں گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد سب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، حاصل یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرات انصار اور حضرات مہاجرین کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ نامزد کیا گیا، اور وہاں ان کے ہاتھ پر خصوصی بیعت کی گئی، اس سے انتشار اور فتنوں کا دروازہ بند ہو گیا۔

مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر عمومی بیعت

پیر کے دن سقیفہ بنی ساعدہ میں ابتدائی بیعت ہوئی، جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اس کے دوسرے دن یعنی منگل کو مسجد نبوی میں تمام صحابہ کرامؓ جمع ہوئے، جس میں تمام مہاجرین اور انصار حضرات موجود تھے، پہلے حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ دیا، جسم میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل بیان کیے، اور کچھ دوسرے امور بھی ارشاد فرمائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموشی سے ان کا خطبہ سنتے رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ کے بعد امرار کر کے صدیق اکبرؓ کو منبر پر بٹھایا، حضرت صدیق اکبرؓ منبر کی اس جگہ سے نیچے بیٹھ جس جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے، بیٹھنے کے بعد تمام لوگوں سے بیعت لی، بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنِّي قَدْ وَدَّعْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنِ أَحْسَنْتُمْ فَأَعِيزُونِي وَإِنِ أَسَأْتُ فَقُوْهُنِي،
الْصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ جُنْدِي حَتَّى أَرْجِعَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ
ضَعِيفٌ حَتَّى أَخْذِمَهُ الْحَقُّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَلَا يَدْعُ قَوْمَ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا صُرَّيْهُمْ اللَّهُ بِاللَّيْلِ وَلَا تَشِيْعُ
الْفَاجِسَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا عَمَّهَمُ اللَّهُ بِالنَّالِءِ أَطِيعُونِي مَا أَعْطَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَإِذَا غَضِبْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَلَا
طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ قَوْمُوا إِلَى صَلَاحِكُمْ وَحِمَاكُمْ اللَّهُ

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارا دلی اور امیر بنا دیا گیا ہوں، اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری
مدد کرنا، اور میں برا کام کروں تو میری اصلاح کرنا، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ ایک خیانت ہے، اور جو شخص تم میں
سے کمزور ہے، وہ میرے نزدیک طاقتور ہے، یہاں تک کہ میں اس کے حق کو لوٹانہ دوں، اگر اللہ نے چاہا، اور جو تم میں
قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر
دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر عمومی
آزمائش اور مصیبت ڈال دیتے ہیں، لہذا تم لوگ میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
ﷺ کی اطاعت کروں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری بات ماننا اور
اطاعت کرنا نہیں، اب تم لوگ نماز کے لیے اٹھو، اللہ تم پر رحم فرمائے، آمین۔

وَقَالَ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ حَرِيصًا عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْمًا وَلَيْلَةً قَطُّ وَلَا كُنْتُ رَاغِبًا وَلَا سَائِلَهَا اللَّهُ فِي سِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ
لَكِنِّي أَشْفَقْتُ مِنَ الْفِتْنَةِ وَمَالِي مِنَ الْإِمَارَةِ مِنْ رَاخٍ، لَقَدْ قُلْتُ أَمْرًا عَظِيمًا، مَالِي بِهِ مِنْ طَافِقَةٍ وَلَا يَدُ إِلَّا
بِشَوْرَةِ اللَّهِ

ترجمہ: اور صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں فرمایا: خدا کی قسم میں امارت اور خلافت کا کبھی خواہش مند نہیں ہوا، نہ دن میں اور
نہ رات میں، اور نہ ہی کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ اللہ تعالیٰ سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا
مانگی، لیکن مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، (اس لیے یا دل خواستہ میں نے امارت کو قبول کر لیا) اور میرے
لیے تو امارت میں کوئی آرام و سکون اور ریاضت نہیں، میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈال دیا گیا، جس کے اٹھانے کی
میرے اندر طاقت نہیں، مگر یہ کہ اللہ جل جلالہ ہی میری مدد فرمائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے بیعت کے بعد دیکھا کہ اس مجمع میں حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ موجود نہیں ہیں، ان دونوں
حضرات کو بلوا کر صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ ﷺ کے داماد! کیا تم
بیعت نہ کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو، یہی بات آپ نے حضرت زبیرؓ سے بھی کی، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے عرض
کیا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ ہمیں ملامت نہ کریں، ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا:

قَالَ عَلِيٌّ وَ الزُّبَيْرُ: مَا أَغْضَبَنَا إِلَّا أَنْ أَخْرَجَا عَنِ الْمَشُورَةِ وَأَنَّ بَرِيءَ أَبِي بَكْرٍ أَحَقُّ النَّاسِ بِهَا، إِنَّهُ لَصَاحِبُ الْفَارِ،
وَأَنَا لَتَعْرِفُ شَوْفَهُ وَخَيْرُهُ، وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ وَفِي رِوَايَةٍ
عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ رَضِيَهِ لِدِينِنَا أَفَلَا نَرَى ضَاهٍ لِدِينِنَا.

ترجمہ: حضرت علیؓ اور زبیرؓ نے کہا: ہمیں صرف اس بات کا غصہ اور دکھ ہے کہ ہمیں خلافت کے مشورہ میں پیچھے رکھا گیا
یعنی سقیفہ میں شریک نہیں کیا گیا، باقی یہ بات ہم یقین سے جانتے ہیں کہ لوگوں میں خلافت کے سب سے زیادہ حق دار
صدیق اکبرؓ ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے یار غار ہیں، اور ہم ان کے فضل و شرف اور ان کی بھلائی کو بخوبی جانتے ہیں،
اور یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں انہیں امام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، (یہ بھی ان
کے افضل ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا
تو کیا ہم ابوبکر کو اپنی دنیا (کی خلافت) کے لیے پسند نہ کریں۔

یہ بات کر کے ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، صدیق اکبرؓ نے ان حضرات سے
معذرت کی اور یہ کہا کہ میں تو اس منصب کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا، نہ کبھی اس کی میں نے خواہش کی اور نہ ہی کبھی دعا
مانگی مگر مجھے فتنہ کا اندیشہ تھا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر خلافت کے معاملہ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں تمہارے آنے اور تمہاری مدد
تک موخر کر دوں تو ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے، اس لیے تمہاری غیر موجودگی میں ہی میں نے انصار کی مجلس میں
سقیفہ میں بیعت لے لی۔ (۱)

اس حدیث کی تشریح کے لیے مختصر سی یہ وضاحت لکھ دی گئی ہے، تاکہ خلافت صدیق سے متعلق تمام پہلو ہمارے سامنے آ
جائیں اور کوئی خفاء اور ابہام باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر ہی رکھے، اور غلط راستے اور فکر سے ہماری حفاظت
فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَقَا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُزْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ، قَالَتْ فَاطِمَةُ
وَ أَكْزَبَاهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا كُزْبَ عَلَى أَبِيكَ بَعْدَ الْيَوْمِ، إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكَ مَا
لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَخَذَ الْفَوَاقَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے جب موت کی بے چینی اور سختی محسوس کی جس قدر بھی
محسوس کی تو حضرت فاطمہؓ نے کہا: ہائے میرے ابا کی بے چینی، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تیرے

(۱) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۹۶ باب ما جاء فی وفاة رسول اللہ ﷺ، البدایہ والنہایہ ۲/۲۳۷
فصل فی ذکر امور منہجہ وقعت بعد وفاته ﷺ و قبل دفنه، للکتابۃ القدوسیہ، لاہور

ابو پر کوئی بے چینی اور تکلیف نہیں ہوگی، بیشک آج آپ کے ابو پر ایک ایسی چیز اتری ہے یعنی موت جس سے قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کرب: (کاف پر زبر اور راساکن) بے چینی، غم، پریشانی، سختی، مایوسہ: جس قدر بھی سختی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کی، واکر باہ: ہائے میرے ابو کی بے چینی اور سختی، مالیسن بتارک منہ: وہ چیز یعنی وفات جس سے اللہ تعالیٰ کسی کو چھوڑنے والے نہیں، یہ صلہ موصول مل کر ”حضر“ کا قائل ہے اور ”لیس“ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، یوم القیامہ: اصل عبارت اس طرح ہے: الی یوم القیامہ: قیامت کے دن تک۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت بے چینی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت بے چینی کی کیفیت جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھی تو بہت پریشان ہو گئیں اور کہنے لگیں: واکر باہ ہائے میرے ابو کی بے چینی اور تکلیف، عربی میں اس طرح کے الفاظ رنج و غم اور افسوس کے اظہار کے لیے ہوتے ہیں، اس سے نوحہ کرنا یا اللہ جل شانہ کے فیصلے پر اعتراض کرنا پیش نظر نہیں ہوتا، اپنی سخت جگر کی بات سکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ بیٹی موت تو ایک ایسی اہل حقیقت ہے، جس سے قیامت تک کوئی انسان بچ نہیں سکتا، میں بھی اس وقت اس کیفیت سے اگرچہ دو چار ہوں لیکن اس بے چینی کے بعد پھر کبھی تمہارے ابو پر موت کی بے چینی دوبارہ نہیں آئے گی، اور یہ ظاہر بات ہے کہ مقصود اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی بلندی تھی، اس لیے اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کیفیت سے گزارا، صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرة۔ (۱)

عن ابن عباس، یحدث أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ كَانَ لَهُ قَرْطَانٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِيهِمَا الْجَنَّةَ، فَقَالَتْ عَالِشَةُ: فَمَنْ كَانَ لَهُ قَرْطَانٍ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ قَرْطَانٌ مَوْفَقَةً، قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ قَرْطَانٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: فَأَنَا قَرْطَانٌ لِأُمَّتِي، لَنْ يَصَابُوا بِمِثْلِي. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے جس شخص کے دو نابالغ بچے (آخرت میں) پہلے پہنچ جائیں (یعنی ذخیرہ آخرت بن جائیں) تو اللہ تعالیٰ ان دونوں بچوں کی بدولت اسے جنت میں داخل کریں گے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جس شخص کا ایک ہی بچہ پہنچا ہو؟ (اس کا کیا حکم ہے؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور جس شخص کا ایک ہی بچہ مرا ہو (اسے بھی بخش دیا جائے گا) اے وہ عورت جسے خیر کی باتیں پوچھنے کی توفیق دی گئی ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

(۱) جمع الو مسائل فی شرح الشرائع مع شرح للناوی ۲/۲۷۹، الواہب اللدنی علی الشرائع للمحمدیہ (ص: ۲۶۸)۔

(۲) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الخلیف: ۱۰۶۲۔

آپ ﷺ کی امت میں سے جس کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو؟ (تو اس کا کیا ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے پیش رو بنوں گا، کیونکہ میری (وفات کی) مصیبت جیسی کسی اور مصیبت سے وہ ہرگز دو چار نہ ہوئے ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: فرطان: فرط کا تشبیہ ہے: دو پہلے پہنچنے والے یعنی وہ دو بچے جو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا جائیں، اور فرط: اصل میں اس شخص یا چند افراد کو کہا جاتا ہے، جو قافلہ سے پہلے مناسب جگہ کی تلاش کر کے وہاں پانی وغیرہ کا بندوبست کرتے ہیں، یا موفقتہ: (میم پر پیش، واؤ پر زبر اور فا پر زبر و تشدید) اے وہ عورت، جسے خیر کی باتیں پوچھنے کی توفیق دی گئی ہو، طائفا: فرط لائمتی: میں اپنی امت کے لیے پیش رو اور ذخیرہ آخرت بنوں گا، لن یصابوا: وہ ہرگز مصیبت نہیں پہنچائے گئے، بمثلی: میری وفات جیسی مصیبت کی طرح۔

نبی کریم ﷺ اہل ایمان کے لیے آخرت میں ”فرط“ ہوں گے

مذکورہ حدیث میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ عربی زبان میں ”فرط“ اس شخص کو کہتے ہیں، جو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ کر قافلے والوں کے لیے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرتا ہے، تاکہ جب قافلہ کے افراد یہاں آئیں تو انہیں کوئی دشواری اور مشکل پیش نہ آئے، اس حدیث میں فرط سے مراد وہ بچہ ہے، جو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا جائے، اس بچہ کو فرط اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آخرت میں پہلے پہنچ کر اپنے والدین کے لیے جنت میں جانے کا انتظام کرتا ہے، اللہ جل جلالہ سے اپنے والدین کو جنت میں لے جانے کی سفارش کرے گا، اور اس کی سفارش کو قبول بھی کیا جائے گا، چنانچہ اسی وجہ سے نماز جنازہ میں نابالغ کی یہ دعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَ ذُخْرًا۔ اے اللہ اس بچہ کو ہمارے لیے آگے جانے والا اور ذخیرہ آخرت بنا، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے آخر میں جو فرمایا: فانما فرط لائمتی اس میں ”فرط“ سے فوت شدہ نابالغ بچہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے فرمایا: یا موفقتہ یعنی اے وہ عورت کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی اور اچھی باتیں پوچھنے کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے، اس سے ایک تو حضرت عائشہؓ کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے اور دوسرا اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جب کوئی شاگرد یا کوئی شخص کسی استاذ اور عالم سے کوئی سوال پوچھے تو استاذ اور عالم کو چاہیے کہ وہ اس کا جواب مناسب انداز سے دے اور ساتھ ہی پوچھنے والے کی حوصلہ افزائی بھی کرے، تاکہ اس کی ہمت بڑھے، اس طرح اس کے علمی سفر میں ترقی اور اضافہ ہوگا، یہ مسنون طریقہ ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جس شخص کا بچہ بالغ ہونے سے پہلے وفات نہ پائے (یا یہ کہ جس کی اولاد

سرے سے ہو ہی نہ) تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت اجابت یعنی اہل ایمان کے لیے فرط یعنی پیش رو اور آگے جانے والا ہوں گا، انہیں میری وفات کے بعد مذبح کی طرح اور کوئی صدمہ اور مصیبت نہیں پہنچی، یہ صدمہ ان لوگوں کے لیے تو انتہائی غم و حزن کا باعث تھا ہی، جو میری وفات کے وقت موجود تھے، اور جو اس وقت موجود نہیں تھے، ان کے لیے بھی بڑا صدمہ ہے، ایک تو انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا نہیں اور دوسرا آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حدیث کے آخری الفاظ: فان فرط لامتی لن یصابوا بمثلی کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی امت کے لیے میرا منزل ہو گا، میں پہلے پہنچ کر آخرت میں ان کی سفارش کروں گا، اور سفارش کے ذریعہ ان کو جنت میں لے جاؤں گا، کیونکہ جس قدر مصیبت اور مشقت سخت ہو تو اجر و ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، لہذا امیر اس دنیا سے اٹھ جانا ان کے لیے اتنی بڑی مصیبت اور اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس کے برابر اور کوئی بڑا حادثہ اور کوئی بڑی مصیبت ہو ہی نہیں سکتی، لہذا جن لوگوں کی چھوٹی اولاد فوت ہو کر ان کے لیے ذخیرہ آخرت نہ بھی ہوئی ہوگی تو میری وفات کا یہ حادثہ ان کے لیے جنت میں جانے کے لیے کافی ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ، اعزہ احباب، بیوی اور اولاد میں سے ہر شخص کی موت اور جدائی، حضور اقدس ﷺ کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت اور حقیقت نہیں رکھتی، اسی لیے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کر لیا کرے یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی جدائی پر صبر کر لیا تو اس کے مقابلے میں یہ مصیبت کیا حقیقت رکھتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی جدائی کا حادثہ سب سے بڑھ کر حادثہ اور مصیبت ہے، ابوالجوزاء فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جب کسی پر کوئی مصیبت آتی تو اس سے مصافحہ کر کے یوں تسلی دی جاتی: یا عبد اللہ اثنی اللہ فان فی رسول اللہ اثنوۃ حسنة (۱)، (اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے حادثہ میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے) چنانچہ اس صدمہ کا اظہار نبی کریم ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہؑ نے ان اشعار میں یوں کیا:

مَا دَاغَلَى مِنْ شَمِّ ثَرْبَةِ أَحْمَدَ إِنْ لَا يَشْمُ الْمَرْمَانِ غَوَالِيَا
ضَبَّتْ عَلَى مَضَائِبَ لَوْ أَنَّهَا ضَبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صَبْرًا لَيَالِيَا
ترجمہ: جو شخص احمد ﷺ کی قبر کی مٹی کو سونگھ لے تو وہ اگر قیامت تک مشک و عنبر سے نئی خوشبو کو نہ بھی سونگھے تو کوئی حرج نہیں، میرے اوپر یہ حادثہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے مترادف ہے، یہ اتنی بڑی مصیبتیں ہیں کہ اگر یہ دنوں پر آئیں تو وہ رات بن جائیں۔ (۲)

(۱) اللوہب اللدنیۃ علی الشائل المحمدیۃ (ص: ۶۷۰) رقم الحدیث: ۳۹۸

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۹۱/۲ کتاب الجنائز، باب البكاء علی اللبت، رقم الحدیث: ۱۷۳۵، وایضاً ۱۰۸/۱۱، کتاب الفضائل والشائل، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۵۹۶۱

اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد نبی کریم ﷺ کی جدائی پر غم و حزن، دکھ اور قسوس کا بجا طور پر اظہار کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے نبی کریم ﷺ کو میرے لیے میرے والدین، اساتذہ کرام اور تمام قارئین کے لیے بھی ”فرط“ بنا دے۔ آمین یا رب العالمین۔

بَاب: مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی میراث یعنی متروکہ چیزوں کا تذکرہ ہے
عَنْ عُمَرُو بْنِ الْخَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ، لَدُنْ خَبْثَةَ قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً.

ترجمہ: حضرت عمر بن حارث رضی اللہ عنہ جوام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بھائی اور رسول ﷺ کے صحابی ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے (وفات کے وقت) اپنا ہتھیار اور (سواری کا) اپنا خچر چھوڑا تھا، اور کچھ زمین چھوڑی تھی، جس کو (اپنی زندگی میں ہی) صدقہ (یعنی وقف) فرما گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے میراث میں کوئی مال و دولت نہیں چھوڑا

نبی کریم ﷺ نے ساری زندگی زاہدانہ اور فقیرانہ گذاری، مال و دولت اور دنیا کے جھیلوں سے آپ ﷺ کو سوں دور تھے، زندگی میں جو مال بھی آپ ﷺ کے پاس آ جاتا، آپ ﷺ اسے صدقہ فرما دیتے، اس لیے جس وقت نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ نے ترکہ میں کوئی مال و دولت اور جائیداد نہیں چھوڑی، مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ترکہ میں تین چیزیں چھوڑی تھیں: اسلحہ، خچر اور کچھ زمین جس کو آپ ﷺ زندگی میں ہی مسلمانوں کے لیے صدقہ یعنی وقف فرما گئے تھے، اس حدیث میں آپ ﷺ کے لباس کے کپڑوں اور گھر کے سامان کا ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ ان چیزوں کے مقابلے میں معمولی ہیں، ان تین چیزوں کی مزید تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ اسلحہ سے آپ ﷺ کی تلوار، نیزہ، ذرہ اور خود مراد ہے۔
- ۲۔ آپ ﷺ نے ایک سفید خچر چھوڑا تھا، جس کو ”دلہل“ کہا جاتا تھا، یہ حضرت علیؓ کے پاس تھا، اور آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس تھا، یہ کافی عمر رسیدہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے دانت گر گئے تھے، ”جو“ پس کرا سے کھلائے جاتے تھے، کہتے ہیں کہ مقام ”بیع“ میں یہ مر گیا تھا، اور جبل رضوی میں اسے دفن کیا گیا تھا۔ (۱)

علامہ یحییٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے چھ خچر تھے:

- ✽ ایک خچر سفید مائل سیاہ تھا، اسے ”دلّیل“ کہا جاتا تھا، مقولس نے یہ خچر آپ ﷺ کو ہدیہ میں دیا تھا۔
- ✽ ایک ”فضہ“ نامی خچر تھا، جو فروہ جذامی نے آپ ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، پھر آپ ﷺ نے یہ خچر حضرت صدیق اکبر کو ہدیہ کر دیا تھا۔

ایک خچر وہ تھا، جسے دوسرا جندل کے بادشاہ نے آپ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔

ایلیہ کے بادشاہ نے ایک خچر آپ ﷺ کو ہدیہ میں دیا تھا، اس خچر کو ”ایلیہ“ کہا جاتا تھا۔

ایک خچر نجاشی نے آپ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔

اور ایک خچر کسریٰ نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں دیا تھا۔ (۱)

۳۔ وارضا جعلہا صدقۃ اس جملے سے متعلق دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ اس زمین سے تین جائیدادیں مراد ہیں، جن کو آپ ﷺ اپنی زندگی میں ہی وقف فرما گئے تھے:

- ✽ مدینہ کی جائیداد: اس سے بنو نضیر کی زمین مراد ہے، جو اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو ”نبی“ کے طور پر عطا فرمائی تھی، جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ حشر میں ہے، یہ زمین نبی کریم ﷺ کے پاس رہی، اس کی آمدن سے آپ ﷺ اپنے اہل و عیال کا سالانہ خرچہ ادا فرمادیتے اور جو بیج جاتا، اس سے ہتھیار، گھوڑے اور جہاد کا سامان خرید لیتے۔

✽ خیبر کی زمین جو آپ ﷺ کو خمس یعنی پانچویں حصے سے ملی تھی۔

✽ فدک کی آدھی زمین جو نبی کریم ﷺ کو اہل خیبر سے شیع کے بعد صلح کے طور پر حاصل ہوئی تھی، خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدن آتی، اس سے اس وقت کی پیش آنے والی ضروریات کو پورا کیا جاتا۔

یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی سمجھی جاتی تھیں، اور زندگی میں آپ ﷺ کے قبضہ میں ہی رہیں، اللہ جل شانہ کی طرف سے ان میں آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں تصرف کریں مگر حضور اقدس ﷺ ان زمینوں کی آمدنی سے صرف اپنے اہل و عیال کا سالانہ خرچہ لے لیتے، اور جو بیج جاتا، اسے اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرما دیتے تھے، ان زمینوں کو آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی صدقہ یعنی وقف فرمایا تھا، اسی وجہ سے ان زمینوں میں کوئی میراث جاری نہیں ہوئی۔

۲۔ جعلہا صدقۃ: میں ”ہا“ ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✽ یہ ضمیر حدیث میں مذکور سلاح، بغلۃ اور ارض تینوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ نبی کریم

(۱) عمدة القاری ۱۴/۳۰ کتاب الوصایا، باب الوصایا و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصیۃ الرجل مکتوبۃ عنہ، ط: رشیدیہ

ﷺ نے ان تمام چیزوں کو اللہ جل شانہ کے راستے میں صدقہ یعنی وقف کر دیا تھا۔

حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”ما“ ضمیر ”ارض“ یعنی زمین کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ پہلی دونوں چیزوں کی نسبت نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف کی ہے، اور زمین کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا نفع تمام مسلمانوں کے لیے اور آپ ﷺ کے لیے عام تھا، جبکہ صلاح اور فلاح کی افادیت آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھی، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ ضمیر ارض کی طرف ہی لوٹ رہی ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ: مَنْ يَوْلِكَ؟ فَقَالَ: أَهْلِي وَوَلَدِي، فَقَالَتْ: مَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَسَّحَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغُول: لَا نَوْرَثُ، وَلِكُنِّي أَغُولَ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغُولُهُ، وَأَتَّفَقَ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفِقُ عَلَيْهِ. (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ (حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد) حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس تشریف لائیں، (وہ اس وقت تمام مسلمانوں کے خلیفہ اول تھے) اور یہ دریافت فرمایا کہ تمہارا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: میرے اہل اور میری اولاد اس پر حضرت فاطمہؓ نے پوچھا: پھر میں اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ چیزوں کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لا نورث (سیخہ مجہول) ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، لیکن میں (وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) ان تمام لوگوں کی کفالت کروں گا جن کی رسول اللہ ﷺ کفالت کیا کرتے تھے، اور میں بھی ان لوگوں پر خرچ کروں گا، جن پر رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا نورث: (نوں پر پیش، واؤ ساکن اور را پر زبر) سیخہ مجہول: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم مورث نہیں بنائے جاتے، اعول: (سیخہ متکلم) میں کفالت کروں گا، ضروری اخراجات کا ذمہ لیتا ہوں، میں پرورش کروں گا، یعولہ: رسول اللہ ﷺ جن کی کفالت کرتے تھے، والفق: (سیخہ متکلم) میں خرچ کروں گا، کان رسول اللہ ﷺ ینفق علیہ: جن پر رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے۔

انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ بن گئے، اس وقت حضرت فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئیں اور ان سے پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میرے اہل و عیال یعنی والد بیوی اور بچے میرے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہادۃ مع شرح للناوی ۲/۲۸۲، باب ما جاء فی میراث رسول اللہ ﷺ۔

(۲) سنن الترمذی، السین، رقم الحدیث: ۱۶۰۸۔

وارث ہوں گے، اس پر حضرت فاطمہ نے فرمایا: تو پھر میں اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ چیزوں کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اس حدیث کی وجہ سے جس کو میں نے خود نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ لا وارث کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، مگر میں چونکہ وقت کا متولی ہوں، اس لیے نبی کریم ﷺ جن لوگوں کی کفالت فرماتے تھے، میں بھی ان کی کفالت کروں گا اور جن پر نبی کریم ﷺ خرچ فرماتے تھے، میں بھی ان پر خرچ کروں گا۔

اس مقام پر دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کا یہ خیال تھا کہ دراہم و دنانیر میں میراث جاری نہیں ہوتی، باقی چیزوں میں جاری ہوتی ہے، یا یہ خیال تھا کہ ان جائیدادوں میں تو میراث جاری نہیں ہوتی لیکن ان کے منافع اور پیداوار میں میراث جاری ہوتی ہے، مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے ان تمام خیالات کی تردید فرمادی کہ نبی کریم ﷺ نے ترکہ میں جو بھی چیز چھوڑی ہے، وہ صدقہ اور وقف ہے، اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے، البتہ نبی کریم ﷺ جن لوگوں کی کفالت فرماتے تھے، میں بھی ان کی کفالت کروں گا اور جن پر نبی کریم ﷺ خرچ فرماتے تھے، میں بھی ان پر خرچ کروں گا، خواہ وہ خرچہ دینا حضور ﷺ پر لازم و واجب تھا یا نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خرچہ شوہر ہونے کی حیثیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھا، مگر آپ ﷺ بھی ان کو دیا کرتے تھے، اس لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں بھی وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے ان پر خرچ کروں گا۔

۲۔ صحیح مسلم میں اس روایت میں مزید اضافہ ہے: قَالَ: فَهَجَرْتُهُ، فَلَمْ تُكَلِّفْهُ حَتَّى تُوَفِّيَتْ (کہ صدیق اکبرؓ نے جب میراث کے طور پر متروکہ اشیاء کو دینے سے انکار کیا تو راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت فاطمہ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بات چیت کرنا چھوڑ دی اور وفات تک صدیق اکبرؓ سے گفتگو نہیں کی)۔

مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ الفاظ اصل روایت کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ اس حدیث کے راوی امام زہری نے ان کا اضافہ کیا ہے، اس پر قرینہ لفظ ”قال“ ہے، جس کے قائل امام زہری ہیں، حضرت عائشہؓ نہیں، کیونکہ اگر یہ الفاظ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمائے ہوتے تو پھر ”قالت“ کا لفظ ہوتا، چنانچہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ”رحماء بینہم“ میں اس بارے میں بہت محققانہ بحث ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ والی روایت چھتیس طریقوں سے منقول ہے، ان میں گیارہ حدیثیں امام زہری کے علاوہ کسی اور سے منقول ہیں، ان میں کسی حدیث میں بھی حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور پچیس حدیثوں کے راوی امام زہری ہیں، ان میں بھی نو حدیثوں میں حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا ذکر نہیں ہے، ہاں سولہ طریقوں میں حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا ذکر ہے، ان سب کا دارودار امام زہری پر ہے، اس لیے ظاہر بھی ہے کہ یہ اضافہ امام زہری کی طرف سے ہے، اصل روایت میں حضرت عائشہؓ نے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں، اور

امام زہری کی یہ ایک معروف عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنی طرف سے ادراج اور اضافہ کیا کرتے تھے۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس مفہوم کی روایات کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابتداء میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبرؓ سے جب میراث کا مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول ﷺ سنا کر صاف انکار فرما دیا کہ نبی کریم ﷺ کی متروکہ چیزوں میں دوسرے انسانوں کی طرح میراث جاری نہیں ہوتی، یہ بات حضرت فاطمہؓ نے تسلیم کر لی، اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ان زمینوں کا مجھے یا حضرت علیؓ کو گران مقرر کرویں، مگر صدیق اکبرؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا، اور دلیل میں ابوداؤد کی یہ روایت پیش کی: **إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَطْعَمَ نَبِيًّا طَعَمَهُ ثُمَّ قَبَضَهُ جَعَلَهَا لِلَّذِي يَقُولُ مِنْ بَعْدِهِ**۔ اللہ جل شانہ جب کسی نبی کو کھانے کی کوئی چیز وغیرہ دیں اور پھر نبی دنیا سے پردہ فرما جائے تو ان چیزوں پر وہ شخص گران ہوگا، جو اس نبی کے بعد خلیفہ ہوگا، حضرت فاطمہؓ یہ حدیث سن کر خاموش ہو گئیں، اور یہ فرمایا: **أَنْتَ وَمَا سَمِعْتَهُ**۔ آپ اس طرح ہی عمل کیجئے، جس طرح آپ نے حدیث سنی ہے، مگر حضرت فاطمہؓ کی نظر میں یہ حدیث ان کو یا حضرت علیؓ کو متولی بنانے میں مانع نہیں تھی، حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بات کو مان تو لیا، مگر دل میں انہوں نے محسوس کر لیا تھا، اس وجہ سے ان کے تعلقات میں وہ وسعت اور بشارت باقی نہیں رہی تھی، جو اس واقعہ سے پہلے تھی، اس کو دشمنی یا آپس میں ترک کلام نہیں کہا جاسکتا، اس کی مثال میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح دو مجتہدوں کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے کوئی دشمنی یا ترک کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، بس صرف ان کے درمیان ایک انقباض اور گھٹن سی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تعلقات میں ایک انقباض سا پیدا ہو گیا تھا، مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے اس انقباض کو بھی برداشت نہ کیا، وہ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں تشریف لے گئے، حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور پردے میں رہ کر حضرت فاطمہؓ سے معذرت کر لی، اس معذرت کے بعد پھر حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تعلقات حسب سابق استوار اور درست ہو گئے تھے اور کوئی غلط فہمی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ (۲)

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ، وَعَلِيًّا، جَاءَا إِلَى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَنْتَ كَذَّابٌ، أَنْتَ كَذَّابٌ، فَقَالَ عُمَرُ، لَطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرِ، وَعَبِيدَ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدُ: أَلَسْتُ كُمْ بِاللَّهِ أَسْمِعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُلُّ مَالِ نَبِيِّ صَدَقَةٍ، إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ، إِنْ لَا نَوَازِثُ؟ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ۔ (۳)

(۱) رجاء بنہم ۱۳۸/۱، ادراج راوی کا بیان، تکملة فتح للملہم ۹۲/۳، کتاب الجہاد والسنہ، رقم الحدیث: ۳۳۳۳۔

(۲) تکملة فتح للملہم ۹۵/۳، کتاب الجہاد والسنہ، حل ہجرت فاطمة ابابکر، رقم الحدیث: ۳۳۳۳۔

(۳) الصحيح للبخاری، الجہاد، باب فی الخمس، الصحيح لمسلم، الجہاد، رقم الحدیث: ۱۵۵۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابوالمختاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات حضرت عمرؓ (کے دور خلافت میں ان) کے پاس آئے، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا، ان میں سے ہر ایک دوسرے سے یہ کہہ رہا تھا کہ تو ایسا ہے اور تو ایسا ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا: میں تمہیں اللہ جل شانہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم سب نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ ان کو کھلائے، ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں (یا یہ ترجمہ: ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے)، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَوَرِّثُ مَا تَرَ. كُنَّا لَهُمْ صَدَقَةً.
ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں

جمہور علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، نبی جو مال چھوڑ کر جاتا ہے، تو وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے، اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے، علماء کرام نے اس کی بہت سی وجوہ اور حکمتیں لکھی ہیں، ان میں سے چند حکمتیں یہ ہیں:

- ۱۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، لہذا ان کی ملک باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیبیوں سے کوئی بھی شخص نکاح نہیں کر سکتا، اس کی ممانعت قرآن مجید میں واضح الفاظ سے موجود ہے۔
- ۲۔ نبی اگر کسی چیز کا مالک ہو جائے تو بھی وہ اسے اپنی چیز نہیں سمجھتا، بلکہ وہ اسے اللہ جل شانہ کی چیز سمجھ کر تصرف کرتا ہے، جیسے صوفیاء کے ہاں یہ جملہ مشہور ہے: الْقُصُوفُ لَا يَمْلِكُ: صوفی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً وہ مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا، ان کے ساتھ اس کا دل اٹکا نہیں رہتا، بلکہ اس کا دل ہر وقت اللہ جل شانہ کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔

۳۔ دنیا کی ہر چیز اللہ جل جلالہ کی ملک ہے، اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس میں تصرف کرتا ہے۔

۴۔ اگر انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی بد نصیب وارث مال کی لالچ کی وجہ سے نبی کو جان سے مارنے کا منصوبہ بنالے یا اس کی آرزو کرے کہ وہ ہلاک ہو جائے، دونوں ہی باتیں اس آدمی کے لیے بربادی کا ذریعہ ہوں

گی۔

- ۵۔ تاکہ کسی کو یہ بات کرنے کا موقع نہ ملے کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ صرف اس وجہ سے کر رہا ہے تاکہ وہ خوب مال و دولت کو جمع کر لے اور اپنے اہل و عیال کو مالدار چھوڑ کر جائے۔
- ۶۔ مال کے رنگ اور میل پچھل سے انبیاء کی مقدس ذات کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اس لیے وہ مال سے دور رہتے ہیں۔
- ۷۔ نبی تمام امت کے لیے باپ کے درجہ میں ہوتا ہے، لہذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہوتا ہے۔
- ۸۔ اگر نبی بھی مال و دولت کو جمع کرتے تو ان کی اقتداء میں امت کے افراد بھی مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں ہی لگے رہتے، ان کو مال سے دور رکھ کر امت میں دیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کے جمع کرنے اور تجارت میں اس قدر مشغول نہ ہونا کہ اس سے اللہ جل جلالہ کے احکام ٹوٹ جائیں، بس ضرورت کی حد تک رزق حلال کی ضرورت کو پیش کی جائے، مگر اسے مقصود زندگی نہ سمجھا جائے۔ (۱)

وفی الحدیث قصۃ سے کیا مراد ہے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث مختصر اذکر کی ہے، کیونکہ امام ترمذی کا مقصد اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، یہ مقصد اتنی روایت سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے پورے واقعہ کا ذکر نہیں فرمایا، امام ابوداؤد نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا، اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد یہ کہا کہ یہ واقعہ تفصیلاً حضرت مالک بن انس کی روایت میں ہے، کیونکہ حضرت مالک کی روایت عموماً حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے، صحیح بخاری، مسلم شریف اور ابوداؤد میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے، شمائل کی اس کتاب میں بھی دو حدیثوں کے بعد حضرت مالک بن انس کی روایت موجود ہے۔

سنن ابوداؤد کی روایت کا ترجمہ یہ ہے: ابوالمخثری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی، جو مجھے بہت پسند آئی، میں نے ان سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ دیجئے، تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے، (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن انس ہی ہے) اس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ پہلے سے موجود تھے، وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے، یعنی ایک دوسرے کو بدظنی کا الزام دے رہے تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ وغیرہ چاروں حضرات سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، سوائے اس مال کے جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلائے یا پہنائے، اس لیے کہ ہم لوگوں کا یعنی انبیاء کا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۸۴، تکملة فتح اللہ ۳/۸۸۳، کتاب الجہاد والسنن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نورث، رقم الحدیث: ۳۳۴۲۔

کوئی وارث نہیں ہوتا؟ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بے شک حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ اپنی زندگی میں اس میں سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بیچ جاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے، حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں اسی طرح عمل و راہ کرتے رہے، جس طرح حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا۔

اس کے بعد امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ مالک بن اوسؓ کی حدیث کے قریب قریب آگے ہمارا واقعہ ہے۔ (۱)
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَتَقَسَّمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفْقَةٍ لِنِسَائِي وَمُؤْنَةٍ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں، جو کچھ میں چھوڑ کر جاؤں، اس میں سے میری بیویوں کا خرچہ اور میرے عامل کا خرچہ نکالنے کے بعد، جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ورثہ: وارث کی جمع ہے۔ میث کے رشتہ دار جن کو شریعت میں حصہ ملتا ہے، بعد نفقہ نسائی: میری بیویوں کے خرچہ کے بعد، مؤنہ: بوجھ، خرچہ۔

حدیث میں عامل سے کون مراد ہے؟

مذکورہ حدیث میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ میرے وارث درہم و دنانیر کو تقسیم نہ کریں، ”لا یقسم“ بظاہر نفی کا صیغہ ہے، لیکن اس سے ”نہی“ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر میرے ترکہ میں درہم و دنانیر ہوں، تو وارث لوگ انہیں تقسیم نہ کریں، درہم و دنانیر کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا؟ اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

✽ عموماً انسان وفات کے وقت نقدی کو چھوڑ کر جاتا ہے، اس لیے خاص طور پر ان کو ذکر فرمایا، مقصد یہ ہے کہ میرے ترکہ میں کوئی وراثت جاری نہیں ہوگی۔

✽ یا ان کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ چیزوں کی تقسیم درہم و دنانیر یعنی نقدی اور سکے کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے۔

✽ یا اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میرے ترکہ میں اگر ایک درہم اور دینار کے برابر بھی کوئی چیز ہو تو وہ صدقہ ہے، اس

(۱) سنن ابی داؤد ۱۳/۱۵۱ کتاب الخراج، باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الأموال، رقم الحدیث: ۲۹۷۵، ط: بیروت۔

(۲) سنن ابی داؤد، الخراج، رقم الحدیث: ۲۹۷۴

میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۲۔ ازواج مطہرات جب تک زہدہ ہوں، ان کا خرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں واجب ہے، کیونکہ یہ عدت والی عورت کے حکم میں ہیں، اسی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

۳۔ ”و مؤنة عاملی“ اور میرے عامل کے خرچہ سے جو خرچہ جائے، تو وہ صدقہ ہے، حدیث میں ”عامل“ سے کون مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

✽ عامل سے وہ شخص مراد ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بننے والا ہو۔

✽ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زمینوں کی پیداوار جمع کرنے والا ہو، ان کا منتظم اور نگران ہو اور جو کچھ عوروں کا عامل ہو۔

✽ مسلمانوں کا جو بھی حاکم ہو۔

ان تمام لوگوں کے لیے شرعیہ جائزہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے بقدر حکومت سے خرچہ لیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ”مال صفی“ سے اپنے اہل و عیال کا خرچہ لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ بھی بیت المال سے اپنا خرچہ لیتے رہے، حضرت عثمانؓ کی مالی پوزیشن اچھی تھی، اس لیے انہوں نے بیت المال سے کچھ نہ لیا، حضرت عثمانؓ نے یہ جائیداد مروان اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کو دے دیں تھیں، یہ زمینیں ان کے پاس رہیں پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا زمانہ آیا تو پھر انہوں نے یہ زمینیں ان سے واپس لے لیں اور انہیں سرکاری تحویل میں لے لیا۔ (۱)

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ فَقَدَحَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَطَلَحَهُ، وَسَعَدُ، وَجَاءَ عَلِيٌّ، وَالْعَبَّاسُ، يَخْتَصِمَانِ، فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ: أَلَسْتُ كُمْ بِالَّذِي يَأْذِيهِ تَقْوَمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَوَرِّثُ، مَا تَرَكَتَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس بن حدثنان کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اتنے میں ان کے پاس حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تشریف لے آئے، (تھوڑی دیر کے بعد) حضرت عباس اور حضرت علیؓ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے، حضرت عمرؓ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ ان سب حضرات نے فرمایا: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے، اس حدیث میں ایک

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۸۷/۲، تکملة فتح اللہ ۱۱۳/۳، کتاب الجہاد والسير، لفرادبعامل رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۲۴۶۔

طویل قصہ ہے۔

یہ طویل واقعہ بخاری شریف کی روایت سے نقل کیا جاتا ہے اور سمنا دوسری روایات میں جو اضافے ہیں وہ بھی فتح الباری وغیرہ سے ذکر کیے جا رہے ہیں، تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں موجود تھا، دن کا کچھ حصہ گزر چکا تھا کہ حضرت عمر کا قاصد مجھے بلانے کے لیے آیا، میں حاضر خدمت ہوا، اس وقت حضرت عمرؓ ایک بوریے پر تشریف فرما تھے، جس پر اور کوئی کپڑا بچھا ہوا نہ تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے انہیں کچھ دینے کا کہہ دیا ہے، تم یہ چیزیں ان پر تقسیم کر دو، میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لیے اگر کسی اور کو تجویز فرمادیتے تو اچھا ہوتا، ارشاد فرمایا کہ نہیں تم ہی جا کر تقسیم کر دو، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپؐ کے خادم حضرت یزیدؓ حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، بعض دیگر روایات میں حضرت طلحہ کا بھی ذکر ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان تمام حضرات کو آنے کی اجازت دے دی، یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت یزیدؓ دوبارہ آئے، اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی، وہ دونوں بھی تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، اتنے میں حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس ”عالم“ یعنی حضرت علیؓ کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے، حضرت عباسؓ نے اس موقع پر حضرت علیؓ کے بارے میں اور بھی سخت الفاظ استعمال فرمائے، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں میں سخت کلامی ہو گئی، حضرت عثمانؓ وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے، اور ہر ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور ان کی تائید کے انداز سے ایسا لگا کہ ان دونوں حضرات نے ان تمام حضرات کو اپنی تائید ہی کے لیے بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، اس کے بعد وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ کی جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا: تم کو اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، تمام صحابہؓ نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، پھر حضرت عمرؓ نے قسم دے کر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے پوچھا تو انہوں نے بھی اقرار کیا کہ واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ارشاد فرمائی ہے، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم لوگ میری بات شروع سے سنو: اللہ جل شانہ نے فی کا یہ مال (یعنی باغ وغیرہ) خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا،

کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، مگر حضور اکرم ﷺ نے اس کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ تم لوگوں پر تقسیم فرمادیا اور بہت تھوڑا سا زمین کا حصہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے گزران کے لیے رکھا اور اس میں بھی گھروں میں دینے کے بعد جو بچتا، اسے آپ ﷺ اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیتے تھے، میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ایسا ہی تھا یا نہیں؟ پہلے ان پانچ حضرات سے قسم دے کر پوچھا اور اس کی تصدیق کرائی، پھر ان دونوں حضرات سے قسم دے کر تصدیق کرائی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے بعد نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اسی طرز کو جاری رکھا جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا، اور اللہ کی قسم! ابوبکر اپنے اس رویہ میں نیکی اور راہ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، مگر تم لوگوں نے ان کو خائن و غدار اور گنہگار سمجھا، تم (یعنی حضرت عباس) اپنے پیچھے ﷺ کی میراث طلب کرنے آئے، اور تم (یعنی حضرت علیؓ) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا“ سنایا، تم لوگوں نے ان کی بات کو صحیح طرح نہ سمجھا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی، اور میں خلیفہ بنا، اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقہ کے مطابق اس میں عمل کرتا رہا، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں، نیکی پر عمل کرنے والا ہوں، اس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک بات کی: پیچھے ﷺ کی میراث کا مطالبہ اور اپنی بیوی کا حصہ، میں نے تم سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا“ سنایا، اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ میں تم دونوں کو اس زمین کا متولی بنادوں، تو میں نے تم سے یہ عہد لیا کہ تم اس میں اسی طرح عمل کرو گے، جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابتدائی دو برس تک میں خود اس پر عمل کرتا رہا، تم لوگوں نے اس بات کو قبول کیا، یوں میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا، تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ نے اس بات کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اقرار کیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب تم دونوں اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرنا چاہتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، اس کے خلاف میں ہرگز فیصلہ نہ کروں گا، ہاں اگر تم لوگ اس کے انتظام سے عاجز ہو تو مجھے واپس کر دو، میں خود اس کا انتظام کر لوں گا، (۱)

یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذی نے اس حدیث کے آخر میں ”وفی الحدیث قصۃ طویلة“ سے اشارہ کیا

ہے۔

(۱) الصحيح للبخاری ۱۷۹۹/۲، کتاب للغازی، باب حدیث بنی النضیر، رقم الحدیث: ۴۰۳۳، ط: البیروتی کراچی

اہل بیت کا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ سے میراث کا مطالبہ

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اہل بیت کو یہ خیال آیا کہ خیر، فدک اور بنو نضیر کی زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائیداد تھیں، اس لیے یہ جائیدادیں اہل بیت پر میراث کے طور پر تقسیم ہونی چاہئیں، چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے ان جائیدادوں سے حضرت صدیق اکبرؓ سے اپنا حصہ طلب کیا، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لا نورث ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، اور نہ ہم کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں، ہم جو مال چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور وقف ہے، البتہ جو نقد اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح جاری رہے گا، پھر حضرت فاطمہؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ کو خیر اور فدک کی زمینوں کا انتظام دے دیں، ان کو نگران اور متولی بنا دیں، صدیق اکبرؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا، اس سے حضرت فاطمہؓ، حضرت صدیق اکبرؓ سے تھوڑی ناراض سی ہو گئیں، اس بارے میں مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا، دو سال کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے ان زمینوں کے بارے میں بات کی تو حضرت عمرؓ نے میراث کے طور پر دینے سے توصاف انکار کر دیا، البتہ ان کی دلجوئی کے لیے یہ کیا کہ مدینہ کی جائیداد یعنی بنو نضیر کی زمین کا انتظام حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو دے دیا، ان کو نگران اور متولی بنا دیا، ساتھ ہی یہ عہد بھی لیا کہ اس کی آمدن اور پیداوار کو انہی مصارف پر صرف کرنا، جہاں رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے، اور یہ واضح کر دیا کہ یہ میراث نہیں، بلکہ وقف ہے، ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کر لیا، چنانچہ بنو نضیر کی آمدن سے ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف ویسے جاتے تھے، البتہ خیر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے پاس ہی رکھا۔

کچھ عرصہ تو ان دونوں حضرات نے مشترکہ طور پر اس زمین کی نگہداشت کی، مگر بعد میں ان میں اختلاف ہو گیا، جھگڑا اس زمین کی پیداوار کے صرف کرنے کے لحاظ سے ہوا، وہ حضرات دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اور ان دونوں حضرات نے یہ مطالبہ کیا کہ یہ زمین ہم دونوں میں تقسیم کر دیں، ایک حصہ کا متولی اور نگران حضرت علیؓ ہوں اور دوسرے حصہ کے متولی اور نگران حضرت عباسؓ ہوں، مگر حضرت عمرؓ نے ان کے اس مطالبہ کو اس خدشہ کے پیش نظر قبول نہیں فرمایا، کہ آگے چل کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ زمین ان کے درمیان میراث کے طور پر تقسیم کر دی گئی ہے، جبکہ اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی، اس لیے مشترکہ انداز سے ان دونوں حضرات کے پاس اس زمین کی نگرانی رہی، پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباسؓ نے اس زمین کی مشترکہ نگرانی سے علیحدگی اختیار کر لی، تنہا حضرت علیؓ کے قبضہ میں یہ نگرانی رہی، پھر حضرت حسنؓ اس کے متولی اور نگران رہے پھر حضرت حسینؓ اور پھر حضرت علیؓ بن حسین اور حسن بن حسن، پھر زید بن حسن، پھر عبید اللہ بن حسن کے پاس رہی، پھر بنو عباسؓ نے اس پر

قبضہ کر لیا، ان کا جو خلیفہ ہوتا، وہ اس کا متولی رہا، اور اہل مدینہ کے ضرورت مند لوگوں پر اس کی آمدن کو تقسیم کیا کرتے تھے، دوسرے ہجری تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ (۱)

یہاں دو باتوں کی وضاحت کرنا از حد ضروری ہے:

۱۔ اس واقعہ میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے لیے ”ظالم“ کا لفظ اور دیگر بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، اور ان دونوں حضرات کے درمیان حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے سامنے بحث مباحث اور سخت گفتگو بھی ہوئی، جو بلاشبہ صحابی کی شان سے بعید معلوم ہوتی ہے، مگر حضرت عباسؓ نے دو وجہ سے ایسا کیا تھا:

✽ ایک تو اس لیے کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے چچا تھے، اس لحاظ سے ان کو تنبیہ کا حق حاصل ہے۔

✽ دوسرا وہ حضرت علیؓ کو اس معاملے میں ناحق سمجھ رہے تھے، اس لیے انہوں نے ظالم کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اختلاف دراصل بنو نضیر کی زمین کے پیداوار کے مصارف میں تھا، حضرت علیؓ کا کہنا یہ تھا کہ میں اس کی آمدن میں اسی طرح تصرف کر رہا ہوں، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرمایا کرتے تھے، اہل بیت کو دینے کے بعد جو بچ جاتا، حضرت علیؓ اسے صدقہ کر دیا کرتے تھے، جبکہ حضرت عباسؓ نہایت دوراندیش اور منتظم تھے، وہ ہر مال کو بہت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے، امیر جنسی اور ضرورت کے موقع کے لیے کچھ مال محفوظ اور ذخیرہ کر کے رکھنا چاہتے تھے، یوں ان حضرات کے درمیان خرچ کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہو گیا تھا۔ (۲)

۲۔ سوال یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اہل بیت یعنی حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ وغیرہ کو یہ حدیث سنائی تھی کہ: انا لا نورث کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے انہوں نے اس جاسید اکو میراث کے طور پر تقسیم کرنے سے صاف انکار فرما دیا تھا، تو پھر حضرت عمرؓ سے ان حضرات نے دوبارہ کیوں مطالبہ کیا تھا، حالانکہ ان کو حضرت صدیق اکبرؓ یہ حدیث بتا چکے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم ہو گئی تھی، مگر بظاہر وہ اس حدیث کو مخصوص سمجھتے تھے، کہ درانہم و دناہم میں تو میراث جاری نہیں ہوتی، مگر اور چیزوں میں گویا میراث جاری ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے ان کے زمانہ خلافت میں دوبارہ مطالبہ کرنا اس خیال کے پیش نظر ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے بھی ان دونوں حضرات کے موافق ہو یعنی حضرت عمرؓ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے جو اور سب حضرات کی ہے، اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: انا لا نورث ہر چیز کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں، لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت جو چیز بھی چھوڑ کر گئے ہیں، وہ صدقہ اور وقف ہے، اس میں

(۱) فتح الباری ۶/۲۵۴، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۳۰۹۴، ط: بیروت۔

(۲) نکتۃ فتح الملہم ۸۱/۳، کتاب الجہاد والسیر، قصۃ الخلاف بین عباس وعلی، رقم الحدیث: ۳۴۴۰۔

میراث جاری نہیں ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا هَنَاءَ وَلَا بَعِيرًا قَالَ: وَأَشْكُ فِي الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے نہ دینار چھوڑا اور نہ درہم، نہ بکری اور نہ اونٹ، راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”نہ غلام، اور نہ باندی“ یا نہیں فرمایا تھا۔

نوٹ: کسی راوی کو اس میں تردد ہو گیا، اس لیے انہوں نے اس پر متنبہ کر دیا، دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ غلام چھوڑا اور نہ ہی باندی، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت جویریہ کی روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً (نہ غلام چھوڑا اور نہ باندی)

بَاب: مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَأَى نِيَّ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے حقیقت مجھے ہی دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى نِيَّ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَصَوَّرُ أَوْ قَالَ: لَا يَتَشَبَّهُ بِهِ. (۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے خواب میں مجھے دیکھا، تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، یا یوں فرمایا کہ: شیطان میرے مشابہ صورت نہیں بنا سکتا۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى نِيَّ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى، قَالَ أَبُو

(۱) فتح الباری ۶/۲۵۵، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۳۰۹۳

(۲) سنن الترمذی، الرؤیا، رقم الحدیث: ۲۲۷۷

(۳) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۰۱

عِيسَى: وَأَبُو مَالِكٍ هَذَا: هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقٍ بْنُ أَشِيمٍ، طَارِقُ بْنُ أَشِيمٍ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَادِيثَ۔

ترجمہ: حضرت طارق بن اشیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتہً مجھ ہی کو دیکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ”ابو مالک“ سعد بن طارق بن اشیم ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔
مشکل الفاظ کے معنی :- لا یتمثل ہی: شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، لا یتشبه ہی: وہ میری مشابہ صورت نہیں بنا سکتا۔

خواب کی تین قسمیں اور ان کا درجہ

روایا اور خواب: اس شکل و صورت اور چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کو نیند میں نظر آئے، حدیث میں اس خواب کی تین قسمیں منقول ہیں:

۱۔ رحمانی خواب یعنی نیک خواب: یہ خواب اس بندے کے لیے بشارت ہوتے ہیں، یہ درحقیقت ایک قسم کا الہام ہوتا ہے جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے، اللہ جل شانہ محض اپنے فضل سے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

۲۔ شیطانی خواب: جس میں شیطان کچھ شکلیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، اس کو ”سویل شیطانی“ بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ نفسانی خواب: بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے، یا جو چیزیں اور صورتیں دیکھتا رہتا ہے، وہ سارا کچھ خواب میں نظر آ جاتا ہے، اس طرح کے خواب کو ”حدیث النفس“ بھی کہا جاتا ہے، لہذا جب انسان کوئی نامناسب اور برا خواب دیکھے تو بائیں جانب تھوک دے اور ہو سکے تو دو رکعت نماز نفل پڑھ لے اور اس خواب کا کسی کے سامنے تذکرہ بھی نہ کرے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے وہ کسی کے لیے دلیل اور حجت نہیں ہوتے، ان کے خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتیں شامل ہو جاتی ہیں، اور بعض اوقات گناہوں کی تاریکی صبح خواب پر چھا جاتی ہے، یوں وہ اسے ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے، اور بعض اوقات صبح تغیر کچھ میں ہی نہیں آتی۔

خواب کی مذکورہ اقسام میں سے دوسری اور تیسری دونوں قسمیں باطل ہیں، ان کی نہ تو کوئی حقیقت اور اصلیت ہوتی ہے، اور نہ ان کی کوئی واقعی تغیر ہو سکتی ہے، اس لیے یہ دونوں قسمیں ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱)

(۱) معارف القرآن ۵/۲۰۷، سورۃ یوسف، ”خواب کی حقیقت، درجہ اور اس کی قسمیں“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی فضیلت

جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ لے تو بلاشبہ یہ اس کے لیے بہت بڑے اعزاز اور فضیلت کی بات ہے، اور متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھ لے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان کو یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ میری شکل و صورت میں کسی کے خواب میں آ سکے، یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ جس طرح زندگی میں اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان سے محفوظ رکھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے، تو اس کے اندر بھی شیطان اثر انداز نہیں ہو سکتا، وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنی طرف سے شکل بنا کر خواب میں یہ کہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کس طرح دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھنا شمار ہوگا، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ محمد بن سیرین، امام بخاری، قاضی حیاض اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی اور معروف شکل و صورت میں دیکھا جائے تو یہ درست خواب ہوگی، جس میں شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس صورت میں اس نے واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔

۲۔ اکثر حضرات کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معروف شکل و صورت میں دیکھا جائے بلکہ اگر معروف شکل و صورت کے خلاف بیعت میں خواب میں دیکھے تو بھی وہ خواب درست ہوگا، وہ شکل و صورت خواہ جوانی سے متعلق ہو یا بڑھاپے اور آخری عمر سے، کیونکہ شکل و شبہات کے اختلاف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا تعلق خواب دیکھنے والے سے ہے، چنانچہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی شکل و صورت میں دیکھے تو یہ ان کے ایمان کے کامل اور عقیدے کے درست ہونے کی علامت ہے، اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت اس طرح کرے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب نہیں مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارک شمائل کی احادیث میں گزرا ہے، اس کے خلاف دیکھے، تو یہ اس خواب دیکھنے والے کے ایمان کی کمزوری، کوتاہی اور اعمال میں کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی ذات دکھائی جاتی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی صورت، راجح یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی شکل و صورت دکھائی جاتی ہے۔ (۱)

بعض لوگ یہاں ایک اشکال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں بہت سے لوگوں کو ہوتی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک ہی وقت میں ہر جگہ دیکھا جاسکے؟

(۱) تکملة فتح للملهم ۳۵۱/۲، کتاب الرؤيا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رانی فی المنام، رقم الحديث: ۵۸۷۳

مگر اس زمانے میں یہ بات سمجھنا کوئی مشکل نہیں، کیونکہ یہ ٹی وی، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کا دور ہے، جب ان میں ایک ہی چیز کو بیک وقت پوری دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے تو اللہ جل جلالہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت کو ایک ہی وقت میں دنیا کی مختلف جگہوں پر دکھادیں، نبی کریم ﷺ کی مثال شمس کی طرح ہے، کہ سورج ایک ہی جگہ پر قائم ہے، اور مختلف لوگ دور دور کے شہروں سے اس کو دیکھتے ہیں اور پھر جس قسم کی عینک پہنتی ہو، سبز، سرخ اور سیاہ عینک لگا کر دیکھیں گے تو آفتاب بھی اسی طرح نظر آئے گا، حالانکہ آفتاب کی تو ایک ہی صورت ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت تو ایک ہی جگہ پر ہے مگر پوری دنیا میں اللہ جل شانہ جس کو چاہتے ہیں، اسے زیارت کی سعادت عطا فرما دیتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ جل شانہ محض اپنے محض و کرم سے بغیر کسی استحقاق کے بار بار ہمیں بھی زیارت رسول کی سعادت نصیب فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ (۱)

یہ ذہن میں رہے کہ شیطان خواب میں نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت میں تو نہیں آسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی دو صفیں ہیں: ہادی اور مضل (ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا) اضلال یعنی گمراہ کرنے کا عمل چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے صفت ضلالت کی بناء پر وہ یوں گمراہ کر سکتا ہے کہ خواب میں کسی کو یوں کہے کہ میں اللہ ہوں، جب کہ نبی کریم ﷺ ہادی محض ہیں، مضل یعنی گمراہ کرنے والے نہیں، اس وجہ سے شیطان نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت کا روپ نہیں بنا سکتا، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرمایا کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے، تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری شکل و صورت میں نہیں آسکتا۔ (۲)

حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق دوا، ہم باتیں

۱۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھے تو اس پر بیداری کی حالت کے احکام جاری نہیں ہوں گے، یعنی اسے صحابی نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حضور اقدس ﷺ کو بیداری میں اسلام کی حالت میں دیکھا ہو، اور پھر اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

۲۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کسی بات کا حکم فرمائیں یا کسی چیز سے منع کریں، تو یہ حجت نہیں یعنی اس پر عمل کرنا لازم نہیں، دیکھا جائے گا کہ وہ حکم یا کسی چیز سے ممانعت، شریعت کے اصول و ضوابط کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر موافق ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، ضروری نہیں، اور اگر وہ خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خواب کے مطابق اس حکم پر عمل کرنا اس لیے ضروری نہیں کہ خواب میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للناوی ۲/۲۹۵، ۲۹۶۔

(۲) فتح الباری ۱۲/۲۹۹، کتاب التعییر، باب من رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، رقم الحدیث: ۶۹۹۳، تقریر بخاری ۴۸/۱، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

والے کو پوری بات یاد ہے یا نہیں، اس کی کیا تفصیل تھی...؟ ان تمام چیزوں کا ذہن میں رہنا کوئی ضروری نہیں، اس وجہ سے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری نہیں، جیسے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، تو اس نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اشرب الخمر: شراب پی لیا کرو، اس نے ایک عالم سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تشرب الخمر (کہ شراب مت پینا) فرمایا تھا مگر اسے مکمل ارشاد یاد نہیں رہا تھا یا شیطان نے اس پر غلط ملط کر دیا، اس لیے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں۔ (۱)

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَكْتُمُنِي، قَالَ أَبِي: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: قَدْ رَأَيْتَهُ، فَقَدْ كَرِثَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَقُلْتُ: شَبَّهْتَهُ بِهِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ كَانَ يُشَبِّهُهُ.

ترجمہ: حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد حضرت کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اس نے حقیقت مجھے ہی خواب میں دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

میرے والد کلیب کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن عباسؓ کے سامنے بیان کی اور میں نے یہ بھی کہا کہ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اس وقت مجھے حضرت حسن بن علیؓ کا خیال آیا، میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسنؓ کی صورت کے بہت مشابہ پایا، اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا: واقعی حضرت حسنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قدرائتہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، شبہتہ بہ: میں نے خواب میں دیکھے جانے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کو حضرت حسن کے مشابہ پایا، اللہ کان یشبہہ: واقعی حضرت حسنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، اس میں ”انہ“ کی ضمیر اور یشبہہ کی ضمیر فاعل حضرت حسنؓ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور یشبہہ کی ”ہ“ ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

حضرات حسنینؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے

اس حدیث کے راوی حضرت کلیب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس بات کا تذکرہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے سامنے کیا، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جس وقت مجھے زیارت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مجھے حضرت حسنؓ یاد آ گئے کہ حضرت حسنؓ کی صورت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہے، اس پر حضرت عبد اللہ بن

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۵۲۲ کتاب الروایا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رانی فی المنام، رقم الحدیث: ۵۸۷۳

عباسؓ نے فرمایا: ہاں یہ درست ہے کہ حضرت حسنؓ نبی کریم ﷺ کے بہت مشابہ تھے، ایک اور حدیث میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ کا سینہ اور جسم کا اوپر کا حصہ نبی کریم ﷺ کے بہت مشابہ تھا، اور حضرت حسینؓ کے جسم کا نچلا حصہ حضور اقدس ﷺ کے زیادہ مشابہ تھا۔ (۱)

عن یزید القاری - وَ كَانَ يَكُنِبُ الْمُصَاحِفَ - قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ وَمَنْ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: فَلَمَّا لَيْلَ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَكْشِفَنِي، فَمَنْ رَأَى فِي النَّوْمِ لَقَدْ رَأَى، هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْفُثَ هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّوْمِ؟ قَالَ: نَعَمْ، أُنْفِثُ لَكَ رَجُلَيْنِ الرَّجُلَيْنِ، جَسْمُهُ وَلَحْمُهُ أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ، أَكْخَلُ الْعَيْنَيْنِ، حَسَنُ الضَّحِكِ، جَمِيلُ ذَوَابِرِ الْوَجْهِ، مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَائِنِينَ هَلْهُ إِلَى هَلْهُ، قَدْ مَلَأَتْ نَحْوَهُ - قَالَ عَوْفٌ: وَلَا أَفْرِي مَا كَانَ مَعَ هَذَا الثَّغْبِ - فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقَظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْفُثَهُ فَرَوْقَ هَذَا.

ترجمہ: حضرت یزید قاری رحمہ اللہ، جو قرآن مجید لکھا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانے میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، تو میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: بیشک رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ شیطان اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ مجھ جیسی صورت بنائے، لہذا جس کسی نے بھی مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، (پھر ابن عباسؓ نے یزید قاری سے فرمایا) کیا آپ اس شخص کی صورت اور حلیہ بیان کر سکتے ہیں، جس کو آپ نے خواب میں دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں میں اس شخص کا حال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا جسم اور آپ ﷺ کا گوشت یعنی قد و قامت دو آدمیوں کے درمیان میں ہے یعنی آپ ﷺ کا بدن مبارک اور آپ ﷺ کا قد و قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی ہیں، آپ ﷺ کا رنگ گندمی سفیدی مائل تھا، دونوں آنکھیں سرگیں تھیں، بہت اچھی اور عمدہ مسکراہٹ والے اور خوبصورت گول چہرے والے تھے، آپ ﷺ کی ڈاڑھی نے اس کے اور اس کے درمیان یعنی ایک کان سے لے کر دوسرے کان کی درمیانی جگہ کو بھر رکھا تھا، (یعنی آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک چوڑی اور گھنی تھی) اور اس ڈاڑھی نے آپ ﷺ کے سینہ کے بالائی حصے یعنی گردن کے نچلے حصے کو بھر رکھا تھا یعنی آپ ﷺ کی ڈاڑھی لمبی تھی۔

اس حدیث کے راوی عوف بن ابی جمیل کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان اوصاف کے ساتھ اور کیا کیا صفات تھیں

(جن کو میرے استاد یزید فارسی نے بیان کیا تھا) اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر آپ حضور اقدس ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھتے تو اس سے زیادہ آپ ﷺ کے اوصاف بیان نہ کر سکتے (یعنی آپ نے بالکل صحیح حلیہ مبارک بیان کیا ہے)

مشکل الفاظ کے معنی :- مصاحف: مصحف کی جمع ہے قرآن مجید کے نسخے، ان بے شبہ ہی: کہ شیطان میری صورت بنائے، انعت لک: میں آپ کے لیے بیان کرتا ہوں، و جلا: اس لفظ پر دو طرح کا اعراب پڑھ سکتے ہیں: ۱۔ اس پر زبر ہو، اس صورت میں یہ انعت کا مفعول بہ بنے گا، ۲۔ رجل پر عیش اور عوین ہو، یعنی مورجل اس صورت میں یہ صومبتدا مخدوف کی خبر ہوگا، بین الرجلین: دو آدمیوں کے درمیان، و لحمہ: اور آپ ﷺ کا قد و قامت، ترکیبی لحاظ سے بین الرجلین خیز مقدم ہے اور جسمہ و لحمہ مبتدا مؤخر ہے، ترجمہ یہ ہوگا: آپ ﷺ کا جسم مبارک اور آپ ﷺ کا قد مبارک دو آدمیوں کے درمیان تھا یعنی یہ دونوں چیزیں آپ ﷺ کی معتدل تھیں، انسمر: گندی رنگ والے، اکحل: العینیں: سرگیں آنکھوں والے، دو القو: دائرہ کی جمع ہے: گول، چہرے کے اطراف، قد ملائت: اس ڈاڑھی نے بھر دیا تھا، ما بین ہذہ الی ہذہ: ایک کان سے لے کر دوسرے کان کی درمیانی جگہ، نجوہ: آپ ﷺ کے سینہ کا بالائی حصہ یعنی گردن کا نچلا حصہ، لا ادری: مجھے معلوم نہیں، میں نہیں جانتا، فوق هذا: ان اوصاف سے زیادہ۔

یزید فارسی نے خواب میں زیارت کے بعد آپ ﷺ کے یہ اوصاف بیان کیے

ایک مرتبہ حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی حیات تھے، اس خواب کا تذکرہ انہوں نے ابن عباسؓ کے سامنے کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم ﷺ نے بار بار ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری مشابہ صورت نہیں بنا سکتا، پھر فرمایا کہ کیا تم خواب میں دیکھے جانے والے شخص کے کچھ اوصاف بیان کر سکتے ہو کہ وہ کیسے تھے؟ حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ نے عرض کیا: جی ہاں میں اس شخص کے اوصاف بیان کرتا ہوں، پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ اوصاف ذکر کیے:

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کا جسم اور آپ ﷺ کا قد و قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی ہیں، جسم نہ زیادہ موٹا، نہ زیادہ لمبا، ایسے ہی قد نہ زیادہ لمبا، نہ زیادہ پست بلکہ معتدل تھا۔
- ۲۔ آپ ﷺ کا رنگ گندی گرمائل بہ سفیدی ہے۔
- ۳۔ قدرتی طور پر نبی کریم ﷺ سرگیں ہیں، جو دیکھنے میں انتہائی دلکش ہیں۔
- ۴۔ نبی کریم ﷺ عمدہ مسکراہٹ، خندہ دہن اور تبسم والے تھے۔

- ۵۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ خوبصورت اور گول تھا، چہرے کے خدو خال اور اطراف انتہائی جاذب نظر اور دلکش تھے۔
- ۶۔ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَاتَيْنِ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ آپ ﷺ کی ڈاڑھی نے ایک کان سے دوسرے کان کی درمیانی جگہ کو بھر رکھا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک چوڑی اور گنجان تھی، اور فرمایا: قَدْ مَلَأَتْ نَحْوَهُ: اس ڈاڑھی نے آپ ﷺ کے سینہ کے بالائی حصہ یعنی گردن کے نچلے حصہ کو بھر رکھا تھا، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک طویل اور لمبی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب حضرت یزید فارسی سے نبی کریم ﷺ کے یہ اوصاف سنے تو فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح اوصاف ذکر کیے ہیں، اگر تم آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ آپ اوصاف بیان نہ کرتے، مقصد یہ ہے کہ تم نے بالکل صحیح اوصاف بیان کیے ہیں۔

قَالَ عَوْفٌ وَلَا أَذْرَى مَا كَانَ مَعَ هَذَا التَّعْتِ حَدِيثُ رَاوِي عَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلٍ كَيْتَ هُنَّ كَمْ مِثْلُ مَا جَاءَتْهُ مِنْ مِرْءِ
استاد یزید فارسی نے، جو اس خواب کے دیکھنے والے ہیں، ان مذکورہ صفات کے ساتھ اور کیا کیا صفتیں بیان فرمائیں، اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

- ✽ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عوف بن ابی جمیل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے استاد حضرت یزید فارسی نے اس موقع پر اور بھی بہت سے اوصاف ذکر کیے ہیں، مگر میں ان کو بھول گیا، صرف مذکورہ اوصاف یاد رہے، جن کو میں نے ذکر کر دیا ہے۔
- ✽ منادی نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عوف کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ جو اوصاف ذکر کیے ہیں، کیا یہ خارج میں حقیقت کے مطابق ہیں یا نہیں، (۱)

قَالَ أَبُو عِيْسَى: وَيَزِيدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ: يَزِيدُ بْنُ هُرْمَزٍ، وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْ يَزِيدِ الرَّقَاشِيِّ، وَرَوَى يَزِيدُ الْفَارِسِيُّ،
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَحَادِيثَ، وَيَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يَذْكُرْ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَهُوَ يَزِيدُ بْنُ أَبَانَ الرَّقَاشِيُّ، وَهُوَ يَزِيدُ
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَيَزِيدُ الْفَارِسِيُّ، وَيَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ.

ترجمہ: ابویسی امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید فارسی ہی یزید بن ہرمز ہیں اور یہ یزید رقاشی سے بہت پہلے گزرے ہیں، یزید فارسی نے ابن عباس سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، اور یزید رقاشی نے ابن عباس کا زمانہ نہیں پایا، ان کا نام یزید بن ابان رقاشی ہے، یہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں، یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں ہی بصرہ کے رہنے والے ہیں۔

حضرت یزید فارسی اور حضرت یزید رقاشی رحمہ اللہ تعالیٰ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یزید نام کے دو راوی ہیں:

✽ ایک حضرت یزید بن ہرمز فارسی رحمہ اللہ ہیں، جو اس حدیث کے راوی ہیں، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، حضرت یزید قرآن مجید کے نسخے لکھا کرتے تھے، اسی مشغلے کی برکت سے انہیں زیارت رسول کی سعادت حاصل ہوئی، یزید فارسی نے ابن عباسؓ کا زمانہ پایا، اسی وجہ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں، یزید فارسی، یزید رقاشی سے پہلے گزرے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے یہ جو کہا کہ یزید فارسی یزید بن ہرمز ہیں، یہ درست نہیں، یزید بن ہرمز مدنی ہیں اور واسطی تابعین میں سے ہیں، اور یزید فارسی الگ ہیں، جو بصرہ کے رہنے والے اور صفار تابعین میں سے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن ہرمز اور یزید فارسی کا تذکرہ الگ الگ کیا ہے، جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یزید بن ہرمز اور یزید فارسی ایک ہی شخص ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی یہ بات درست نہیں، واللہ اعلم۔ (۱)

✽ دوسرے حضرت یزید بن ابان رقاشی رحمہ اللہ ہیں، جو حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں ہی بصرہ کے رہنے والے ہیں۔

وَعَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ هُوَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ وَسَلَمَةُ بْنُ سَلَمٍ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شَمِيلٍ قَالَ: قَالَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيِّ: أَنَا أَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ
ترجمہ: اور عوف بن ابی جمیلہ وہ عوف اعرابی ہیں: نصر بن شمیل کہتے ہیں کہ عوف اعرابی کہتے تھے: میں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں۔

حضرت عوف بن ابی جمیلہ رحمہ اللہ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے راوی عوف بن ابی جمیلہ سے عوف اعرابی مراد ہیں، اور عوف یہ کہا کرتے کہ میں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں، بظاہر امام ترمذی کا اس سے مقصود یہ ہے کہ قتادہ ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں معروف ہیں اور جب عوف اعرابی، قتادہ سے عمر میں بڑے ہیں، تو اگر یہ ایک راوی کے واسطے سے ابن عباسؓ سے کوئی حدیث روایت کریں تو یہ

(۱) تہذیب التہذیب ۳۸۳/۹، رقم الترجمة: ۸۰۶۹، وایضاً ۳۸۹/۹، رقم الترجمة: ۸۰۷۵، ط: بیروت جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۹۷

ہو سکتا ہے، یہ بات محال اور ناممکن نہیں۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ لَقَدْ رَأَى، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَوَّلُ بِهِ وَقَالَ: وَرَأَى الْمُؤْمِنَ جُزْءًا مِنْ سِتْقَؤِ أَزْوَاجِهِنَّ جُزْءًا مِنَ التَّبَوُّةِ (۲)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چھپالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

”اچھا خواب“ نبوت کا ایک جزء ہے

مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان مجھے خواب میں دیکھے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، شیطان نبی کریم ﷺ کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

۲۔ اس روایت میں ہے کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چھپالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اس روایت میں چھپالیس کا ذکر ہے، جبکہ دیگر بعض روایات میں چالیس، چوالیس، پینتالیس، انچاس اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں، بلکہ ہر روایت اپنی جگہ درست ہے، اور اجزاء کی تعداد کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے، چنانچہ جو شخص سچائی، امانت و دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا، اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے اسی قدر قریب ہوگا، اور جو شخص ان اوصاف میں جس قدر کم ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے بعید ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ سچے خواب جزء نبوت کیسے ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نبوت کی وحی کا سلسلہ پچیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے چھ ماہ میں یہ وحی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بیداری کی حالت میں انسانی صورت میں وحی لاتے رہے، تو ابتدائی چھ ماہ کی نسبت ۲۳ سال کی طرف کی جائے، تو وہ چھپالیسواں حصہ بنتا ہے، اس طرح سچے خواب نبوت کی وحی کا چھپالیسواں جزء ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ کی وفات سے منقطع ہو چکا ہے تو پھر مؤمن کا خواب، جزء نبوت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کے علاوہ اگر مسلمان کوئی اچھا خواب دیکھے تو اسے مجازاً نبوت کا جزء کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح النواوی ۲/۲۹۷

(۲) سنن ابی داؤد، الادب، رقم الحدیث: ۵۰۱۸، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۲۔

نبوت کی ایک صفت اور اچھی خصلت و عادت اس شخص میں پائی جاتی ہے، اس سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ خواب کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات انسان خواب میں ایسی چیزیں دیکھتا ہے، جو اس کی قدرت میں نہیں مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی کوئی چیز دیکھے جس کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو یہ اسے خواب میں اللہ جل شانہ کی طرف سے الہام کی جاتی ہیں، جو اصل میں نبوت کا خاصہ ہے، اس لیے اس طرح کے خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا گیا ہے۔

قادیانیوں کا ایک غلط استدلال

اوپر جو تفصیل ذکر کی گئی ہے، اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے، جو سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے، گویا نبوت بھی باقی ہے، ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے، کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے، اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، اگر کوئی ایسا کہے کہ تو دنیا بھر کے انسان یا تو اسے جھوٹا کہیں گے یا بے وقوف سمجھیں گے، اس لیے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، کیونکہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ (۱)

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: إِذَا ابْتُلِيَ بِالْقَضَاءِ فَغَلَبَ الْهَلَاكُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تم قضاء یعنی لوگوں کے فیصلہ میں مبتلی ہو جاؤ تو پھر تم پر اثر یعنی منقولی چیز کا اتباع کرنا لازم ہے۔

فیصلہ میں اثر یعنی کسی منقولی چیز کا اتباع کرنا چاہیے

حضرت عبداللہ بن مبارک کے مذکورہ ارشاد میں اس بات پر تعبیر کی جا رہی ہے کہ تم میں سے جب کوئی قضاء یعنی لوگوں کے درمیان کسی مسئلہ میں فیصلہ میں مبتلی ہو جائے، تو اسے محض اپنی عقل کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اسے اثر یعنی منقولات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے، ”اثر“ سے عموم مراد ہے خواہ وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہو یا کسی صحابی اور تابعی کا قول ہو یا تابعین کے بعد کسی بزرگ سے کوئی بات منقول ہو، یہ ایک عام فصاحت ہے جو ہر قسم کے فیصلہ سے متعلق ہے، اس میں خواب کی تعبیر بھی داخل ہے، کیونکہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے، اس لیے اس میں بھی محض اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی تعبیر نہیں بتانی چاہیے، بلکہ اپنے بزرگوں سے جو تعبیریں منقول ہیں، ان کو دیکھنا چاہیے، نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین سے بکثرت تعبیریں نقل کی گئی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر کوئی تعبیر بتانی چاہیے، اور تعبیر کسی ایسے شخص سے پوچھی جائے جو سمجھدار، پرہیزگار، اور دینی علم رکھتا ہو، لوگوں کے

عرف اور رواج سے واقف ہو، ہر کس و نا کس سے تعبیر نہیں پوچھنی چاہیے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں ۱۱۸ھ میں یہ پیدا ہوئے، پھر دینی تعلیم حاصل کی، علم حدیث میں انہیں خوب مہارت تھی، زاہدانہ زندگی اور عبادت میں بہت مشغول رہتے تھے، ان کا چہرہ نور سے چمکتا تھا، لوگوں پر بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔

۱۸۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، مقام ”حمیت“ جو فرات کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں پر دفن کیے گئے، ان کی وفات پر ہارون الرشید نے کہا: مات الیوم یتبدل العلم آج تمام علماء کے سردار وفات پا گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (۲)

عن ابن سیرین قال: هذا الحديث ديني، فانظروا عمن تأخذون دينكم۔

ترجمہ: محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی علم حدیث (اور ایسے ہی تمام دینی علوم) دین میں داخل ہیں، لہذا (علم دین حاصل کرنے سے پہلے یہ) دیکھ لو، غور کر لو کہ تم یہ دین کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت محمد بن سیرین کے والد محترم حضرت ”سیرین“ بصرہ کے قریب مقام ”جرجریا“ سے قیدی ہو گئے تھے، بعد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غلام ہو گئے تھے، اور حضرت محمد بن سیرین کی والدہ حضرت صفیہ رحمہا اللہ حضرت ابوبکر صدیق کی باندی تھیں، بعد میں انہوں نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا تھا، حضرت محمد بن سیرین کی ولادت مقام ”جرجریا“ میں ہی ہوئی تھی، اس کے بعد انہوں نے بصرہ میں ہی مستقل رہائش کر لی تھی، آپ کے چھوٹے بھائی انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی محمد بن سیرین کی پیدائش حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی، اور میں ان سے ایک سال بعد پیدا ہوا۔

محمد بن سیرین بڑے زاہد، عبادت گزار اور مشہور تابعی ہیں، ابن عون کا کہنا ہے کہ میں نے تین آدمیوں جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا: محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوہ، کثرت سے ذکر و فکر اور یاد الہی میں مشغول رہتے تھے، موت کے تذکرے سے ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی، بہت سے صحابہ کرامؓ سے ملاقات اور دینی علوم حاصل کیے، علم حدیث میں بہت گہری نظر تھی، وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں احادیث کے ساتھ سند ذکر کرنے کا اہتمام نہیں تھا، مگر جب بدعتوں اور فتنوں کا دور آیا تو

(۱) المواہب اللدنیۃ علی السائل المحمدیہ (ص: ۲۹۱) جمع الوسائل فی شرح السائل مع شرح المناوی ۳۰۲/۲

(۲) سیر اعلام النبلاء ۶۰۲/۴، رقم الترجمة: ۱۲۸۴، عبد اللہ بن المبارک، ط: بیروت، المواہب اللدنیۃ علی السائل المحمدیہ (ص: ۲۹۱)

ہم نے ہر حدیث کو بیان کرتے وقت سند بیان کرنے کا اہتمام شروع کر دیا۔
اللہ جل شانہ نے محمد بن سیرین کو خوابوں کی تعبیر میں خوب ملکہ، نہارت اور بصیرت عطا فرمائی تھی، خواب کی تعبیر اس انداز سے بتایا کرتے کہ انسان حیران و ششدر رہ جاتا، اور وہ حقیقت کے مطابق ہوتی، اس لیے رات دنیا تک یہ ایک معبر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔
بالآخر عظم و زہد کی دنیا کا یہ چمکتا سورج ۹ شوال ۱۱۰ھ میں غروب ہو گیا اور اپنے مالک حقیقی کے پاس آرام پذیر ہو گیا۔ (۱)

دینی تعلیم کسی متبع سنت عالم سے حاصل کی جائے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں یہ اثر ابن سیرین سے روایت کیا ہے، ورنہ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دینی علم خواہ وہ علم حدیث و تفسیر ہو یا فقہ وغیرہ، کسی ایسے عالم سے سیکھنا چاہیے، جو سنت کی اتباع کا اہتمام کرتا ہو، ایسے ہی اگر کسی کتاب کا مطالعہ کرنا ہے تو اس کتاب کا انتخاب کیا جائے جس کا مصنف یعنی اسے لکھنے والا صحیح عقیدے والا اور سنت کا پیرو کار ہو، کیونکہ جس استاد سے انسان پڑھتا ہے، یا جس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، غیر شعوری طور پر اس کا اثر انسان کے مزاج میں منتقل ہوتا ہے، اس کے اثرات اس کی زندگی اور اس کے چال چلن پر پڑتے ہیں۔ (۲)
آج پوری دنیا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ دینی تعلیم حاصل کر کے اسلام کی غلط ترجمانی اور غلط تشریح کر رہے ہیں، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے باقاعدہ کسی مستند دینی ادارے اور کسی صحیح سنت عالم سے علم دین حاصل نہیں کیا، ایسے ہی لوگ قرآن و سنت کے مسائل میں اپنی رائے کو ہی سب سمجھتے ہیں، اور پھر اسی کی بنیاد پر اسلام کی غلط تشریح اور ترجمانی کرتے ہیں، یوں ان کے ذریعہ لوگوں میں ہدایت و رہنمائی نہیں بلکہ ضلالت و گمراہی پھیلتی ہے، العیاذ باللہ، اس لیے اس ارشاد میں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے سے پہلے خوب غور کر لو کہ کہاں سے اور کس سے تم یہ تعلیم حاصل کر رہے ہو، کیونکہ انسان جس طرح کے استاد سے علم دین حاصل کرے گا، اس کے اثرات اس میں منتقل ہوں گے۔

کتاب کے آخر میں امام ترمذی کی دواہم نصیحتیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب کے آخر میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ کے اقوال ذکر کر کے دواہم نصیحتیں فرمائی ہیں:
۱۔ جب تم کوئی فیصلہ کرنے لگو، دینی مسئلہ اور خواب کی تعبیر بتانے لگو تو اس میں عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے شرعی

(۱) سیر اعلام النبلاء ۵/ ۸۷، رقم الترجمة: ۶۱۳ محمد بن سیرین

(۲) اللوہب اللدنیۃ علی الشہائل المحمدیۃ (ص: ۲۹۲)

دلائل کا سہارا، قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور فقہ اسلامی کو سامنے رکھو، اس اہتمام سے انسان غلطی سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے قاضی، جج اور مفتی کو قرآن مجید کی تفسیر، احادیث مبارکہ اور اسلامی فقہ پر گہری نظر سے مطالعہ جاری رکھنا چاہیے، تاکہ وہ فیصلہ کرنے اور مسئلہ بتانے میں غلطی سے محفوظ رہے۔

۲۔ دینی علوم ہر کس و تا کس سے نہیں حاصل کرنے چاہئیں بلکہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جسے ایک تو دینی علوم میں خوب مہارت حاصل ہو اور دوسرا اس میں تقویٰ، پرہیزگاری، خوفِ خدا اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ اور اہتمام ہو، اگر استاذ میں یہ صفات موجود ہوں گی تو اس کا اثر اور فیض سیکھنے والے طالب علم میں بھی منتقل ہوگا، لیکن اگر کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری نہ تھی تو پھر فائدے کے بجائے انسان کو الٹا نقصان ہوتا ہے، اس کے مزاج میں خشیتِ الہی نہ بچائے دینی امور میں لاپرواہی اور مزید غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ (۱)

اور یہ جو کہا جاتا ہے: **اَنْظُرُوا اِلَى مَا قَالُوا لَا تَنْظُرُوا اِلَى مَنْ قَالُوا**۔

(تم اس بات کو دیکھا کرو جو کہی جا رہی ہے، اس آدمی کو مت دیکھو، جس نے بات کہی ہے)

یہ محاورہ اپنی جگہ درست ہے، مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے، جو حق و باطل، جائز و ناجائز، غلط اور صحیح کے درمیان فرق کر سکتا ہو، کیونکہ وہ شخص گمراہ نہیں ہوتا، یہ بات اس شخص سے متعلق نہیں، جو ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا ہے جو غلط اور صحیح کے درمیان، کھرنے اور کھوٹے کے درمیان فرق نہیں کر سکتا یا وہ شخص دینی تعلیم سے بالکل ہی ناواقف ہو، اس طرح کے بندے کو ہر بندے کی بات سنا مناسب نہیں، اس لیے یہ محاورہ اس طرح کے آدمی کے بارے میں نہیں ہے، اس لیے ابنِ سیرین فرماتے ہیں کہ دینی علم حاصل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو، خوب غور کر لو کہ تم کس طرح کے انسان سے حاصل کر رہے ہو، لہذا پہلے اچھے استاذ کا انتخاب کیا جائے اور پھر تعلیم شروع کی جائے (۲)، اللہ جل شانہ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

واللہ اعلم

محمد طارق

بعد الجمعہ ۱۳ ذی القعدہ ۱۴۳۹ھ

۲۷ جولائی ۲۰۱۸ء

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشہادۃ مع شرح المناوی ۲/۲۰۲

(۲) خصائص نبوی اردو شرح شہادۃ ترمذی (ص: ۵۰۲)

مصادر و مراجع

معارف ترمذی شرح شمائل ترمذی جلد پنجم

صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	دار الفکر بیروت
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	دار احیاء التراث العربی - بیروت
مصنف ابن ابی شیبہ	عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ	ادارۃ القرآن کراچی
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان ابن اشعث	بیروت
بذل الجہود فی علل ابی داؤد	عظیم احمد نواز پوری	بیروت
رد المحتار	غلام سائین شاہدین	ایچ۔ ایم سعید کراچی
الکوکب الدری	رشید احمد گنگوہی	ادارۃ القرآن کراچی
جمع الوسائل فی شرح الشمائل	علامہ قاری	میر محمد کتب خانہ کراچی
سیر اعلام النبلاء	حافظ ابو عبد اللہ حسن الدین محمد بن احمد بن عثمان زکری	دار الفکر بیروت
المواہب اللدیہ علی الشمائل المحمدیہ	امام باجوڑی شافعی	بیروت
مرقاۃ المفاتیح	علامہ قاری	رشیدیہ کوئٹہ
مکملۃ فتح العلم	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	مکتبہ دابر العلوم کراچی
عمدة القاری	علامہ بدر الدین عینی	رشیدیہ کوئٹہ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی	دار الفکر بیروت
شرح السنائی علی حاشی جمع الوسائل فی شرح الشمائل	علامہ سنائی	میر محمد کتب خانہ کراچی
جامع الترمذی	امام ترمذی	قدیمی کتب خانہ کراچی
مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	بیروت
شرح مسلم	نوی	قدیمی کراچی
خصائص نبوی	شیخ الحدیث ذکریا	مکتبہ بشری کراچی
تاریخ الخلفاء	حسین بن محمد دیار بکری	بیروت - دار صادر
دیوان خسان بن ثابت		دار صادر - بیروت
الروض الانف فی شرح السیر النبویہ		بیروت موقع الاسلام (شامل)
اطراف المسند الحسنی	احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانی	دار ابن کثیر دمشق بیروت

اعطال المتعاطية	ابن جوزی	بیروت
الاصابة فی تمیز الصحابة	حافظ ابن حجر	بیروت
تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی	
دلائل النبوة	امام بیہقی	بیروت (شاملہ)
المعجم الکبیر	امام طبرانی	قاہرہ
کنز العمال	علی اصبحی السعدی	
جامع الحديث	جلال الدین السیوطی	بیروت
الجامع لاحکام القرآن	امام قرطبی	بیروت
فتح المکرم	علامہ شبیر احمد عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
المسند رک علی الصمیمین	امام حاکم حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ	دار الفکر بیروت
سيرة الصوفی	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	لاہور
شرح المواهب	علامہ زرقانی	بیروت
جامع الاصول	سہارک بن احمد بن اثیر جزیری	دار الفکر بیروت
الطبقات الکبریٰ	ابن سعد	بیروت
شرح معانی الآثار	امام طحاوی	مکتبہ بشری کراچی
سنن النسائی	احمد بن حنبل نسائی	قدیمی کتب خانہ کراچی
المجمع بین الصمیمین	محمد بن یحییٰ الخلیلی	دار الفکر دار ابن حزم، لبنان بیروت
المعجم الاوسط	امام طبرانی	دار الحرمین قاہرہ
ادب السالك الى صوفا الامام مالک	محمد زکریا	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
تقریرات ارفیق علی رد المحتار	شیخ عبدالقادر رافق	انجی ایم سعید کراچی
التناوی الصمدیہ	جماد من العلماء	رشیدیہ کوئٹہ
المعجم الصغیر	امام طبرانی	الشاملہ
اسنن الکبریٰ	امام بیہقی	الشاملہ
سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ	بیروت
الموطا	امام مالک	میر محمد کتب خانہ کراچی
زاد المعاد	ابن قیم	بیروت
تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمن مبارک پوری	قدیمی کتب خانہ کراچی
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحب	مکتبہ دارالعلوم کراچی

تہذیب الامار	حافظ ابن حجر	بیروت
مسند الحمیدی	امام حمیدی	
سنن الدارقطنی	حافظ ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی	بیروت
جامع الاصول فی احادیث الرسول ﷺ	مبارک بن محمد الجزری (ابن الاثیر)	مکتبہ الملوئی، مطبعہ الملاح، مکتبہ دارالایمان
اعلاء السنن	علامہ ظہیر احمد حنبلی	بیروت
مسند ابن الجعد	ابن الجعد	الشامہ
تقریر ترمذی	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی حنبلی صاحب	مبین اسلامک پبلشرز کراچی
الخصائص الکبریٰ للسیوطی	امام سیوطی	رحمہ اللہ لاہور
المصنف لحد الرازق	امام عبد الرزاق بن حمام صنعانی	مجلس ملی کراچی
الہدایۃ والنهایۃ	اسماعیل بن عمر بن کثیر	لاہور
قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ	زمزم پبلشرز کراچی
شعب الایمان	امام شعبی احمد بن حسین بن علی	دار الکتب احلیہ بیروت
المعرفۃ القدی	مولانا انور شاہ شمشیری	کتبہ البیروتی
الحادی للفتاویٰ	جلال الدین سیوطی	مکتبہ نوریہ قیصل آباد
شرح الصحیح للبخاری لابن بطال	امام ابو الحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال	مکتبہ الرشد ریاض
مسند الطیالسی	سلیمان بن داؤد بن الجارود	مجموع للطباعة والنشر (شاملہ)
الوفاء بتعریف فضائل المصطفیٰ	ابن جوزی	بیروت
مکشاف القناع	مفسر بن یونس بن ادریس المصنوعی	دار الفکر بیروت
کتاب الانصاف للمرادی	مرادی علی بن سلیمان المرادی	دار احیاء التراث بیروت لبنان
اشعۃ المعانی قاری	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	مکتبہ نوریہ رضویہ فکری
صحیح ابن حبان	ابن حبان	بیروت
مجمع الزوائد	امام نور الدین علی بن ابی بکر عینی	دار الفکر بیروت
کمانہ کی حلال اور حرام چیزیں	مفتی محمد کمال الدین	کراچی
حیۃ الیوان اردو	محمد بن موسیٰ بن یحییٰ کمال الدین الدمیری	مکتبہ الحسن لاہور
تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر	بیروت
جدید فقہی مسائل	خالد سیف اللہ رحمانی	زمزم پبلشرز کراچی
شرح الطیبی الکاشف عن حقائق السنن	حسین بن محمد بلخی	ادارۃ القرآن کراچی
الاحاد والثنائی من ذکر ابی عبد اللہ خولی رسول ﷺ		

تفسیر عثمانی	علامہ شیر احمد عثمانی	
التقاموس الوجید عربی سے اردو	مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی	ادارہ اسلامیات لاہور
فتح القدیر	ابن حاتم	رشیدیہ کوئٹہ
مفتی الرسول علی وسائل الوصول	شیخ عبداللہ بن سعید الحسینی	دار المعراج
سنن ابی یعلیٰ		
اشعر و اشعراء	ابن قتیبہ	بیروت
اکمال فی التاریخ	ابو الحسن عزالدین علی بن محمد ابن اثیر	دار الکتب العربیہ بیروت
شرح مسلم للنووی	محمد بن شرف نووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
ریح الارواء و نصوص الاخبار فی المعاصرات	ابو القاسم محمود بن عمر دمشقی	بیروت
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	ادارہ المعارف کراچی
روح المعانی	علامہ آلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
معارف السنن	محمد یوسف بخاری	کراچی
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	بیروت
بدائع الصنائع	علامہ کاسانی علامہ الدین ابوبکر بن مسعود	دار الکتب العلمیہ بیروت
مسند الفردوس للذہبی	شیرازیہ بن شہر دار ذہبی	بیروت
کتاب الشفاء	قاسم عیاض	بیروت
احیاء العلوم	امام فخرانی	رشیدیہ کوئٹہ
المفردات فی غریب القرآن	امام حسین بن محمد بن مفصل اصفہانی	دار الفکر بیروت
تاریخ الامم والملوک	امام طبری	القاهرة
رحمہم	مولانا محمد رفیع	لاہور
تقریر بخاری	شیخ الحدیث ذکریا	کراچی
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر	بیروت
مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو البصری البزار	شامہ
صحیح ابن خزمہ	محمد بن اسحاق السیسی البیہاقی	المکتب الاسلامی

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعہم
بإسحان الی یوم الدین۔

برادر عزیز و مکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی و استاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ”معارف ترمذی“ کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں۔ بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند آخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح و تفسیر انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء و طلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ داریانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور آخذ، مستند ہونے کی بنیاد پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اول ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کی کوپورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

مکتبہ شریعت الہند

سیکٹر 10/3 F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 72 اسلام آباد